بسم الله الرحمن الرحیم

گجرات ہندوستان کے ان صوبوں میں سے ہے، جس کی زرخیزی اور دلآویزی نیز بندرگاہ ہونے کی وجہ سے ظہور اسلام سے قبل بھی عرب تجار یہاں پر آمدورفت رکھتے تھے۔ظہور اسلام کے بعد ''تحفۃ المجاہدین'' کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں راجہ مالیبار ایمان لے آیا تھا۔

تاریخ کی روشنی میں ۱۵ھ میں حکم بن العاص رضی اللہ عنہ نے گجرات پر فوج کشی کی اور آپ کو اچھی خاصی کامیابی ہوئی، پھر کچھ عرصے کے بعد مسلمانوں نے متعدد بار حملے کیے اور آخر کار ان کی حکومت قائم ہوگئی۔

سلاطین گجرات کی فیاضی اور علم کی قدر کی وجہ سے علمائے وقت،فقہائے کرام،ادبا ممالک عربیہ سے ہجرت کرکے سرزمین گجرات آئے اور مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے،جس کی وجہ سے علوم اسلامیہ کو بہت ترقی ہوئی۔

گجرات میں دینی وعلمی سرگرمیوں کا باقاعدہ سلسلہ ساتویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے،جب شیخ الحاج بابا رجب علی،اور شیخ ابو یوسف ہجرت کرکے گجرات تشریف لائے،آٹھویں صدی ہجری میں شیخ معز الدین دہلوی، شیخ معز الدین اجودھنی، شیخ کمال الدین کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ دسویں صدی ہجری میں ہم کو آٹھویں اورنویں صدی ہجری کے مقابلے میں صوفیا ومشائخ کے علاوہ مفسرین، محدثین،فقہا اور ادبا کی کثرت نظر آتی ہے،جو رشد وہدایت درس وتدریس کے ذریعے دینی علوم کی خدمت کرتے نظر آتے ہیں،اس لحاظ سے اس عہد کو گجرات میں دینی علوم واشاعت کا عہد زرّیں کہہ سکتے ہیں۔

البتہ جہاں تک عربی زبان وادب میں تصنیف وتالیف کا تعلق ہے،تو اس کا آغاز نویں صدی ہجری میں شیخ ابوبکر دمامینی کی گجرات آمد سے ہوتا ہے،آپ کو عربی نثر ونظم دونوں پر قدرت حاصل تھی۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں،جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) شرح تسهيل ابن مالك

(۲) شرح مغنى اللبيب

(٣) شرح صحيح بخاری

(٤) عين الحياة خلاصه حياة الحيوان

اسی طرح عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے شیخ علی بن احمد مہائی کا نام ملتا ہے۔ آپ سے چوبیس (۲۴) عربی تصانیف یادگار ہیں، جن میں سے مشہور مندرجہ ذیل ہیں:

(١) تبصير الرحمن وتيسير المنان فی تفسير القرآن

(٢) انعام الملك العلام باحكام حكم الاحكام

(٣) أدلة التوحيد

(٤) إراءة الدقائق شرح مرآة الحقائق

(٥) رساله فی الفقه الشافعی

(٦) الرتبة الرفيعه فی الجمع والتوفيق بين اسرار الحقيقة وانوار الشريعة

نویں صدی ہجری میں قاضی احمد بن محمد جونپوری کی عربی زبان وادب کے فروغ میں اہم خدمات ہیں۔ آپ کی چند عربی تصانیف ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور ''فتاویٰ ابراہیم شاہی'' ہے۔ مفتی رکن الدین ناگوری کی تصنیف ''الفتاویٰ الحمادیہ'' بہت اہم کتاب ہے۔ ملا داؤد گجراتی کی عربی تصنیف ''تحفة السلاطین'' ایک اہم کتاب ہے۔

گجرات میں دسویں صدی ہجری میں عربی ادبا ومصنفین کی کثیر تعداد نظر آتی ہے، جنھوں نے عربی زبان میں کتابیں تصنیف کیں اور عربی زبان کے قادر الکلام شعرا میں سے بھی تھے۔ اس صدی کے ادبا میں سے عبدالقادر حضرمی کا نام بہت مشہور ہے۔ آپ سے عربی زبان وادب میں اکتالیس (۴۱) تصانیف یادگار ہیں، جن میں سے چند کتابوں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(١) النور السافر عن اخبار القرن العاشر

(٢) اتحاف الحضرة العزيزه لعيون السيرة الوجيزه

(٣) الروض الناضر فی من اسمه عبدالقادر

(٤) الفتح القدسی فی تفسير آية الكرسی

(٥) الدر الثمين فی بيان المهم من علوم الدين

دوسرا نام شیخ قطب الدین محمد بن احمد نہر والی کا ملتا ہے، آپ کی مندرجہ ذیل عربی تصانیف قابل ذکر ہیں:

(١) الإعلام بأعلام بيت الله الحرام
(٢) البرق اليمانى فى الفتح العثمانى
(٣) منتخب التاريخ فى التراجم
(٤) الجامع فى الحديث
(٥) الكنز الأسمى فى فن المعمى

اسی طرح تصنیف وتالیف کے تعلق سے خطیب ابوالفضل گازرونی، قاضی جگن، شیخ حسن بن احمد گجراتی، شیخ رحمت اللہ سندھی، شیخ عبداللہ متقی، شیخ محمد بن خطیر الدین المعروف محمد غوث گوالیاری، شیخ محمد بن طاہر پٹنی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

شیخ وجیہ الدین علوی جلیل القدر محدث، فقیہ اور ادیب تھے، جن کے قلمی احسانات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ کا نام سید احمد اور وجیہ الدین لقب ہے اور عام تذکرہ نگاروں نے آپ کے لقب وجیہ الدین سے ہی آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۲۵ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی کی ولادت ۲۲ر محرم الحرام ۹۱۱ھ کو محمد آباد عرف چاپانیر (اطراف گجرات) میں ہوئی۔ ایک دوسرا قول ۹۱۰ھ کا ملتا ہے مگر پہلا قول راجح ہے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے گھر میں حاصل کی، اور سات آٹھ برس تک اپنے والدین کے کنار عافیت میں پرورش پاتے رہے، قدرت نے بھی اپنے عطیات میں کسی قسم کا بخل نہیں کیا تھا، ذہانت، ذکاوت، یادداشت کا مادہ ابتدا سے موجود تھا۔ چنانچہ سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے بعد علوم متداولہ میں مشغول ہوئے، اور اپنے چچا سید شمس الدین صاحب سے عربی علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر اپنے ماموں سید ابوالقاسم صاحب سے حدیث کا درس لیا۔ چودہ پندرہ سال کی عمر میں علامہ محمد بن محمد مالکی، مصری سے حدیث کا اختتام فرمایا، جو علامہ سخاوی کے شاگرد تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں محدث ابوالبرکات بنبانی، عباسی، مولانا عماد الدین طارمی، اور ابوالفضل گازرونی کے نام ملتے ہیں۔ آپ نے

سلوک وطریقت کی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے لی، نیز شاہ قاضن چشتی، میاں بدر الدین ابوالقاسم سہروردی، حضرت نجم الدین، سید کبیر الدین مجذوب اور سید محمد غوث گوالیاری کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے اور سند اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

شیخ علوی نے ۹۳۴ھ میں تکمیل تعلیم کے بعد درس وتدریس کی طرف توجہ کی، چنانچہ ۹۳۵ھ میں باقاعدہ ایک مدرسے کی بنیاد رکھی جو ''مدرسہ علویہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مدرسے میں جملہ علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی، تفسیر، حدیث، فقہ کے بعد فلسفہ، منطق، ریاضی اور ہیئت وغیرہ کی تعلیم کا پورا اہتمام تھا۔ آپ کے درس کی یہ خصوصیت تھی کہ جب سے آپ نے درس دینا شروع کیا، آخر عمر تک صرف چار مرتبہ ایسے مواقع پیش آئے، جن کی وجہ سے آپ کا درس موقوف رہا، جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ آپ کا درس بہت مقبول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی استاذ الاساتذہ، استاد البشر اور استادامت محمدیہ جیسے معزز خطاب آپ کے اسم گرامی کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے۔ فقہا میں آپ بے نظیر فقیہ، محدثین میں ملک المحدثین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔

آپ کی وفات ۲۹ محرم الحرام ۹۹۸ھ بروز اتوار صبح صادق کے وقت ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۸۸ برس تھی، وفات کے بعد بہت سے مرثیے لکھے گئے جو عربی، فارسی اردو ہر زبان میں موجود ہیں۔ مولانا ابراہیم دکنی کا عربی مرثیہ بہت پر درد اور پُر اثر ہے۔

انسان کی اصلی زندگی اس کے اچھے اخلاق اور عادات ہی سے ہے، آپ کے والد ماجد بہت نیک، عبادت گزار اور چانپانیر (گجرات) کے قاضی القضاۃ تھے، اسی سبب سے اخلاق کے لحاظ سے آپ کی ذات بہت ارفع تھی۔ سچائی آپ کی فطرت تھی۔ آپ نہایت متقی پرہیز گار تھے۔ تقویٰ آپ کا شعار تھا۔ مشتبہ امور سے پرہیز کرنا گویا آپ کی فطرت تھی۔ آپ کا لباس سادہ کھردرے کپڑے کا ہوتا تھا، لباس میں عام لوگوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ آپ کا مزاج سادگی پسند تھا۔ قناعت آپ کا خاص شعار تھا۔ آپ اغنیا اور امرا سے بے پروا رہے اور بطور مجبوری ایک دو مرتبہ کے علاوہ کبھی امرا کے گھر نہیں گئے۔ آپ کی زندگی سادگی اور فقر کی جامع تھی۔ آپ فطرتاً نہایت رقیق القلب تھے، اس لیے معمولی سے معمولی درد انگیز واقعے سے آپ کا دل بھر آتا تھا، جہاں کہیں کبھی ایسا واقعہ پیش آتا، جہاں آپ کچھ کر سکتے تو ہرگز دریغ نہ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا میں بڑا اثر رکھا تھا۔ آپ میں حق گوئی کا مادہ بھی

بہت تھا اور کبھی کبھی اس کے سبب بڑے سے بڑے خطرہ میں مبتلا ہو جانا پڑ تا تھا۔

شیخ علوی کی دو بیویاں تھیں، اور نو صاحبزادے تھے۔ (۱) شاہ محمد (۲) شاہ عبداللہ (۳) شاہ حبیب اللہ (۴) شاہ عبدالشکور (۵) شاہ عبدالحق (۶) شاہ عبدالواحد (۷) شاہ غالب (۸) شاہ حامد (۹) شاہ غضنفر اور دو صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک کا نام راجی پارسا، اور دوسری کا نام امۃ الحبیب تھا۔ آپ کے دو پوتے شاہ اسداللہ اور شاہ حیدر کے نام ملتے ہیں۔

آپ کے خلفا و تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اسّی (۸۰) کی تعداد صرف ان لوگوں کی ہے، جنھوں نے اطراف ملک میں منتشر ہو کر مدرسے قائم کیے اور صاحب درس ہوئے اور اکثر علامہ، محدث، مفتی اور ملّا کے القاب سے یاد کیے گئے اور بعض عہدۂ قضا پر فائز ہوئے۔ غرض کہ آپ کے حلقۂ درس وفیض تربیت سے ایسے باکمال مشائخ نکلے، جن کے انفاس قدسی کا فیض ہند و عرب تک پہنچا، جن میں شاہ صبغۃ اللہ مدنی اس پایہ کے بزرگ تھے کہ جب آپ عرب گئے تو علماے حرمین نے اس موقعے کو غنیمت سمجھ کر آپ کے فضل و کمال سے پورا فائدہ اٹھایا، قاضی جلال الدین، ملا حسن فراغی، ملا عبدالرحمٰن گجراتی اپنے علم و فضل سے اکبری اور جہانگیری عہد کے علما میں شمار کیے گئے۔ ملا حسن فراغی کے تین لڑکے مدرسہ علویہ میں مدتوں درس دیتے رہے، اسی طرح مولانا حسین شیبانی، مولانا محمد عثمانی، مفتی یونس، مفتی کمال محمد عباسی احمد آبادی وغیرہ ہیں جنھوں نے دکن، لاہور، آگرہ، مالوہ وغیرہ میں اپنے استاد کی زندگی میں جابجا مدرسے قائم کیے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے انفاس قدسی سے ہزار ہا لوگوں نے فیض پایا، اور بے شمار تشنگانِ علوم سیراب ہوئے۔

ان کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے ایسے خلفا و تلامذہ ہیں جنھوں نے مختلف مقامات پر بود و باش اختیار کرتے ہوئے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعے مخلوق خدا کو فیض پہنچایا، جن میں سے چند نام مندرجہ ذیل ہیں:

سید احمد مکی، مولانا عبدالہادی، بایزید ثانی سرہندی، سید اشرف بلگرامی، شیخ احمد بن رحمت اللہ، مولانا برہان الدین گجراتی، مفتی عبدالرحمٰن عباسی، شیخ جمال بن عثمانی، مولانا محمد شفیع، محمد طاہر بن یوسف برہان پوری، سید علم الدین بخاری، شیخ مولانا محمد دکنی، مولانا یعقوب پٹنی، مولانا عبداللطیف دھولقی، مولانا عبدالقیوم، مولانا بہاء الدین، ملا عبدالنبی احمد نگری، شاہ ابوالفتاح، مولانا نظام الدین، مولانا ابراہیم دکنی،

شیخ ابوسعید شطاری سارنگ پوری، صوفی شریف، شاہ راجی درویش، شیخ عبدالعزیز بن عبدالکریم، شیخ حبیب صوفی، شاہ اویس بن غوث گوالیاری، شاہ اسماعیل بن غوث گوالیاری۔

آپ کی تصانیف کی تعداد تذکرہ نگاروں نے مختلف بیان کی ہیں، بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کی مصنفہ کتب کی تعداد ایک سوستانوے (۱۹۷) بیان کی ہے، مگر عام طور پر آپ کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ آپ کی ٦٦ تصانیف کے نام تذکرہ کی کتابوں میں ملتے ہیں، جو مختلف علوم وفنون سے متعلق ہیں، ان میں زیادہ تر شروح اور حواشی ہیں، بعض مستقل کتابیں ہیں اور بعض مختصر رسالے ہیں۔

آپ کی مصنفہ کتب میں سے تلاش وجستجو کے بعد ۲۳ تصنیفات دست یاب ہوئی ہیں، جن میں سے اُنیس (۱۹) عربی زبان میں ہیں اور چار (۴) فارسی زبان میں ہیں، جن میں سے صرف ایک مطبوعہ ہے، باقی غیر مطبوعہ قلمی نسخوں کی صورت میں ہنداور بیرون ہند کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔

آپ کی ۱۹ عربی دست یاب تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) حاشیه علی تفسیر بیضاوی

(۲) رساله فی التفسیر (الرساله العلویه)

(۳) شرح نزهة النظر فی شرح نخبة الفکر

(٤) حاشیه شرح وقایه

(٥) رساله فی الفقه (ترتیب فی الصلوة)

(٦) شرح البسیط

(۷) حاشیه علی شرح جامی

(۸) شرح الارشاد

(۹) حاشیه علی حاشیه القوشجی علی المطول

(۱۰) حاشیه علی التلویح

(۱۱) حاشیه علی وافیه شرح کافیه

(۱۲) شرح شواهد المنهل الصافی فی شرح الوافی للبلخی

(١٣) حاشيه على ضريرى

(١٤) حاشيه على المختصر المعانى

(١٥) حاشيه شرح المواقف

(١٦) حواشى على المحصل للعلوى

(١٧) رساله حقيقت محمديه

(١٨) حاشيه عضديه

(١٩) رساله مختصر مولوى جزرى

آپ کی چار(۴)فارسی دست یاب تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) شرح جام جہاں نما

(۲) شرح علی رسالہ ملاعلی القوشجی

(۳) ملفوظات

(۴) اورادوجیہ

مندرجہ بالا تصانیف کے علاوہ شیخ علوی کی ۴۴ ایسی تصنیفات بھی ہیں، جن کے مخطوطات کا اب تک علم نہیں ہوسکا، صرف ان کا ذکر مختلف مآخذ میں ملتا ہے، لیکن راقم السطور کو دست یاب نہیں ہوسکیں۔ ان تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(١) رساله جنت عدن على تفسير البيضاوى

(٢) رساله والذين آمنوا وتبعهم ذريتهم بايمان

(٣) حاشيه على تفسير الرحمانى

(٤) حاشيه هدايه

(٥) حاشيه عضدى

(٦) شرح وجيز

(٧) حاشيه اصول بزدوى

(٨) حاشيه على شرح تجريد

(٩) حاشیه علی شرح عقائد

(١٠) حاشیه برحاشیه قدیمه

(١١) رساله الکلام

(١٢) حاشیه علی حاشیه الخیالی

(١٣) شرح حکمة العین

(١٤) شرح ابیات منهل الدمامینی

(١٥) شرح ابیات تسهیل

(١٦) حاشیه شرح مختصر فی الاصول لابن حاجب

(١٧) حاشیه کافیه فی النحو

(١٨) حاشیه علی شرحین للمفتاح فی علم المعانی والبیان

(١٩) شرح رساله شمسیه فی المنطق

(٢٠) حاشیه تهذیب المنطق

(٢١) حاشیه قطبی

(٢٢) حاشیه شرح مطالع الانوار

(٢٣) حاشیه الجلالیه

(٢٤) حاشیه شرح چغمینی

(٢٥) رساله ایمان

(٢٦) رساله طریقۂ بیعت

(٢٧) شرح کلید مخازن

(٢٨) شرح لوائح جامی

(٢٩) مکتوبات

(٣٠) حاشیه کشف الاصول

(٣١) حاشیه شفاء قاضی عیاض

(۳۲) حاشیه اصفهانی

(۳۳) حاشیه علی منهل العلامه الجامی

(۳٤) شرح تحفه شاهیه

(۳٥) حاشیه زبده

(۳٦) حاشیه عین المفتاح

(۳۷) حاشیه علی تذکره نیشاپوری

(۳۸) رسالهٔ القلب

(۳۹) رساله وقف اعداد

(٤۰) رساله فی تحقیق ابلیس

(٤۱) حاشیه علی کتاب سید شریف جرجانی

(٤۲) رساله فی الاجوبة الاعتراضات الفقیه الحیرتی علی فاضل الهندی

(٤۳) حاشیه شرح مقاصد

(٤٤) مختصر تلخیص

شیخ وجیہ الدین علوی دسویں صدی ہجری کے ان ممتاز ہندوستانی علما میں سے ہیں، جن کا شمار عربی زبان وادب کے ماہرین میں ہوتا ہے، آپ نے تفسیر، اصول حدیث، علم فقہ، علم فرائض، علم نحو، علم معانی وبیان، علم کلام، فن تصوف، فن مناظرہ وغیرہ مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ جس سے عربی زبان وادب میں آپ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، آپ کی عربی تصانیف آپ کی عربی دانی پر شاہد عدل ہیں۔

شیخ وجیہ الدین علوی کے معاصرین میں شیخ محمد بن طاہر پٹنی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ملا عبدالقادر بدایونی، شیخ علی متقی، شیخ عبدالقادر حضرمی کے نام قابل ذکر ہیں، ان میں سے شیخ محمد بن طاہر پٹنی اکثر مسائل میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔ شیخ موصوف نے فرقۂ مہدویت کے استیصال کے سلسلے میں جب آگرہ جانے کا ارادہ کیا، تاکہ بادشاہ کے حضور عرض حال کریں۔ شیخ علوی نے آپ کو مختلف طریقوں سے روکنا چاہا، لیکن شیخ محمد بن طاہر اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور آگرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اجین میں مہدویوں نے نہایت بے رحمی سے آپ کو شہید کردیا۔

شیخ وجیہ الدین علوی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں، جن کے بارے میں نہ صرف ان کے معاصر اصحاب علم وفضل بلکہ ان کے بعد کے مورخین، ناقدین، تذکرہ نگار حضرات نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ شاہ صاحب کے علم وفضل، ان کے مرتبۂ کمال، ان کی عبقریت اور بے پناہ ادبی صلاحیت کا اعتراف کیا ہے اور نہایت بلند الفاظ میں ان کی مدح سرائی کی ہے، چنانچہ اس ضمن میں تلاش وجستجو کے بعد ۲۷ لوگوں کے خیالات اپنی جگہ انھیں کے الفاظ میں زیب قرطاس کیے گئے ہیں۔ ان کے نام بالترتیب درج ذیل ہیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مولوی محمد غوثی شطاری، ملا عبدالقادر بدایونی، ملّا عبدالباقی نہاوندی، خواجہ نظام الدین احمد بخشی، مرزا محمد عرف معتمد خاں بخشی، ملا محمد صادق، غلام معین الدین، سکندر بن محمد، نور الدین صدیق حسن خاں، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا عبدالحی حسنی رائے بریلوی، خیر الدین زرکلی، عمر رضا کحالہ۔

ان میں سے چند معاصرین کے خیالات انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جب سفر حجاز کے لیے جا رہے تھے، اس وقت آپ نے شیخ علوی کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ آپ نے اپنی اس تاریخی ملاقات کا ذکر ''اخبار الاخیار'' میں کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''محرر سطور در وقتی کہ بقصد زیارت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بداں دیار رسید بہ ملاقات وی مستسعد شد و بعضی اذکار واشغال سلسلۂ عالیہ قادریہ مشرف گردید''

☆ شیخ وجیہ الدین علوی کے شاگرد رشید مولوی محمد غوثی شطاری اپنی کتاب ''گلزار ابرار'' میں لکھتے ہیں:

''شیخ وجیہ الدین علوی: آپ دونوں جہاں کے قطب، دونوں جہاں کے حقائق کے مرکز، حصولی اور حضوری علوم کے مالک، اکتسابی اور وہبی فنون کے خداوند، کتابی منقوش اشیا کے رموز داں، اور اسرار لوح محفوظ کے راز دار تھے۔ یہاں تک کہ ساٹھ علم سے زیادہ ہی زیادہ آپ کو حاصل ہو گئے''۔

☆ ملا عبدالقادر بدایونی بھی شیخ علوی کے زمانے میں موجود تھے، مگر شیخ علوی سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا، جس کا ان کو قلق تھا۔ موصوف اپنی کتاب ''منتخب التواریخ'' میں لکھتے ہیں:

''شیخ وجیہ الدین علوی اپنے زمانے کے بڑے عابد و متقی عالم تھے، شریعت کی نہایت پابندی

کرتے تھے، گوشہ نشینی ان کا شعار تھا۔ ہمیشہ دینی علوم کے درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔
تمام عقلی اور نقلی علوم پر قدرت وعبور حاصل تھا۔

☆ آپ کے معاصر خواجہ نظام الدین احمد بخشی اپنی کتاب ''طبقات اکبری'' میں شیخ علوی کی شان میں رقم طراز ہیں:

''میاں وجیہ الدین گجراتی: مدت پنجاہ سالی بر جادۂ ارشاد وہدایت متمکن بود، بفقر وفاقہ وتوکل گزرانیدی، وہمہ وقت درس گفتی، وعلوم نقلی وعقلی خوب دانستی صاحب تصانیف شریفہ است براکثر کتب علمی شروح وحاشیہ نوشتہ''

شیخ علوی کے ہم عصر مرزا محمد عرف معتمد خاں اپنی کتاب ''اقبال نامۂ جہانگیری'' میں شیخ علوی کی شان میں لکھتے ہیں:

''شیخ وجیہ الدین شیخ محمد غوث کے خلفا میں ہیں، لیکن ایسے خلیفہ کہ مرشد بھی ان کی خلافت پر ناز کرے۔ شیخ وجیہ الدین ظاہری اور معنوی دونوں خوبیوں سے آراستہ تھے''۔

شیخ وجیہ الدین علوی کی شان میں متعدد قصیدے بھی لکھے گئے ہیں، جن میں سے مولانا ابراہیم دکنی کا عربی قصیدہ، مولانا عبدالعزیز خالدی کا عربی قصیدہ اور ولی گجراتی کا قصیدہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، ان میں سے مولانا ابراہیم دکنی کا عربی قصیدہ بہت پُر درد اور پُر اثر ہے۔

مقالہ کے آخری حصہ میں بطور ماحصل ان تمام مباحث کے نتائج اور خلاصہ کو بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد کتابیات کے عنوان سے ان تمام مصادر ومراجع کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے اس مقالے کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شیخ وجیہ الدین علوی ہندوستان کے ان مشاہیر علما میں سے ہیں، جنھوں نے عربی زبان وادب میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، وہ اپنی علمی سرگرمیوں اور مختلف موضوعات پر بلند پایہ تصانیف کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

فالحمدلله ۔ربناتقبل منّا انك انت السميع العليم والسلام على من اتبع الهدى

تمت بالخير

فہرست

ع

مقدمہ

بسم الله الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمدلله رب العالمين، والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين، وعلى آله وصحبه الطيبين الطاهرين، وعلى من اتبعهم الى يوم الدين

ہندوستان کی سرزمین کو یہ افتخار حاصل ہے کہ اس نے ایسی ایسی یگانۂ روزگار شخصیتوں کو جنم دیا جنھوں نے اپنی علمی کاوشوں سے ظلمت کدۂ ہند کو منور اور روشن کیا، اس خاک کے خزف ریزے بھی درناب کی طرح روشن ہوئے اور ایسے ایسے تابناک اور درخشندہ علمی ستارے جگمگائے کہ جن کی ضیاء علم نے ایک عالم کو منور کیا ہے اور یہ سرزمین ہند ہی کا شرف واعزاز ہے کہ یہاں پر ایسے نابغۂ روزگار گزرے ہیں، جن کی علمی وادبی فتوحات نے عرب کو بھی ان کا معترف ومداح بنادیا ہے۔

ایسی ہی شخصیتوں میں شیخ وجیہ الدین علوی کی شخصیت ہے، آپ ہندوستان کے ان مشاہیر علما میں ہیں، جنہیں عربی زبان وادب پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی، ان کا کلام شائبۂ عجمیت سے پاک ہے، مزید برآں دیگر علوم متداولہ بالخصوص تفسیر، فقہ، اصول فقہ، لغت، نحو، منطق، فلسفہ، ریاضی، علم معانی وبیان، علم کلام، علم ہیئت اور علم فرائض میں بھی اعلا دست گاہ رکھتے تھے۔

شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی ریسرچ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ راقم سطور کو شیخ وجیہ الدین علوی کی حیات وخدمات کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھنا چاہیے۔ کام شروع کرنے کے چند ماہ بعد ہی اس راہ کی دشواریوں کا اندازہ ہوا، اول یہ کہ آپ کے علمی کارنامے متنوع اور گوناگوں ہیں، ان سب کو سمیٹنا بہت مشکل ہے، دوسرے یہ کہ آپ کی بیشتر تصانیف غیر مطبوعہ ہیں اور ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں بکھری ہوئی ہیں، لہٰذا ان تک رسائی حاصل کرنا اور ان کا مطالعہ کرنا بھی آسان نہیں ہے۔ تاہم جب خاکسار نے آپ کے حالات تذکرہ کی مختلف کتابوں میں پڑھے، اور مطالعہ کیا، اس وقت اندازہ ہوا کہ آپ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے، اور اپنے وقت کے مجدد، محقق، اور علامۃ الدہر تھے، اس وقت احقر

نے اپنی خوش قسمتی سمجھی کہ اتنی اہم شخصیت پر تحقیقی کام کرنے کے لیے اس ناچیز کا انتخاب عمل میں آیا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے میرے اوپر خاص انعام تھا، کیوں کہ آپ مفسر، محدث، فقیہ، مؤرخ، محقق، ادیب، مناظر ہونے کے ساتھ ساتھ مصلح امت اور مصلح قوم بھی تھے۔ ناچیز نے محنت اور لگن سے اس موضوع پر کام کرنا شروع کر دیا اور جتنے بھی دست یاب مآخذ تھے ان سے بقدر ظرف استفادہ کر کے شاہ صاحب کے حقیقی خط وخال نمایاں کرنے کی امکانی کوشش کی ہے۔

پیش نظر مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول: یہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔

(الف) ہندوستان کا صوبۂ گجرات (تاریخی اور سیاسی پس منظر)

(ب) دینی علوم کی اشاعت میں علمائے گجرات کا حصہ

(ج) گجرات میں عربی زبان وادب کا فروغ (دسویں صدی ہجری تک)

کسی شخصیت کی حیات کے مختلف گوشوں اور اس کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالنے کے لیے اس کے عہد اور ماحول سے متعارف ہونا ضروری ہے، چنانچہ اس باب کے پہلے حصے میں گجرات کے سیاسی وثقافتی حالات کو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں دینی علوم کی اشاعت میں علمائے گجرات کی خدمات کو بیان کیا گیا ہے اور تیسرے حصے میں ان علمائے گجرات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے، جن کا تعلق عربی زبان وادب میں تصنیف وتالیف سے تھا۔

باب دوم: دوسرے باب میں شیخ وجیہ الدین علوی کی سوانح حیات قلم بند کی گئی ہے، اور مختلف مآخذ سے حاصل شدہ مواد کی روشنی میں موصوف کی حیات سے متعلق ان تمام گوشوں کو احاطۂ تحریر میں لانے کی پوری کوشش کی گئی ہے، جن سے کسی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔

باب سوم: تیسرا باب شیخ وجیہ الدین علوی کی علمی وادبی خدمات اور تحقیقی کارناموں کا ہے، اس باب میں آپ کی عربی زبان میں نو (۹) تصانیف کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا ہے، یہ وہ تصانیف ہیں، جن کے مخطوطات کا راقم نے مطالعہ کیا ہے اور ہر فن سے متعلق شاہ صاحب کی خدمات کو علیحدہ علیحدہ فصل میں پیش کیا گیا ہے، ان کے عناوین یہ ہیں: تفسیر، اصول حدیث، علم فقہ، علم فرائض، علم نحو، علم بلاغت ومعانی۔

باب چہارم: یہ تین حصوں پر مشتمل ہے:

(الف) شیخ علوی کی عربی دست یاب شدہ تصانیف

(ب) شیخ علوی کی فارسی دست یاب شدہ تصانیف

(ج) شیخ علوی کی غیر دست یاب شدہ تصانیف

چوتھا باب شیخ علوی کی مختلف موضوعات سے متعلق دیگر تصانیف کا ہے، اس کی پہلی فصل میں ان تصانیف کا تعارف کرایا گیا ہے، جن کے مخطوطات ہند اور بیرون ہند کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں، مگر راقم کی ان تک رسائی نہیں ہوسکی، اور اس کے ضمن میں آپ کی عربی زبان میں دس (۱۰) تصانیف کا تعارف کرایا ہے، اور ہر فن سے متعلق شیخ علوی کی خدمات کو علیحدہ علیحدہ پیش کیا ہے، ان کے عناوین یہ ہیں: اصول فقہ، علم نحو، علم معانی و بیان، علم کلام، فن تصوف، فن مناظرہ۔ دوسری فصل میں آپ کی چار (۴) فارسی دست یاب تصانیف کا ذکر ہے، ان کے مخطوطات کا راقم نے مطالعہ کیا ہے۔ تیسری فصل میں شیخ علوی کی غیر دست یاب ۴۴ تصانیف کا مختصر تعارف کرایا ہے، جن کے مخطوطات کا علم تلاش وجستجو کے بعد بھی نہ ہوسکا۔

باب پنجم: ''معاصرین کے درمیان آپ کی شخصیت'' یہ تین حصوں پر مشتمل ہے:

(الف) ہم عصر علما

(ب) شیخ علوی کا بلند مقام ومرتبہ مشاہیر علما کی نظر میں

(ج) منظوم خراج عقیدت

اس باب کی پہلی فصل میں شیخ علوی کے معاصر علما کے مختصر حالات نقل کیے ہیں، دوسری فصل میں ان مشاہیر اہل علم اور تذکرہ نگاروں کے تعریفی وتوصیفی آرا پیش کی گئی ہیں جنھیں شیخ کی وجاہت علمی اور جلالت شان کا اعتراف تھا۔ اور تیسری فصل میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

اس باب کے بعد بطور ماحصل ان تمام مباحث کے نتائج اور خلاصہ کو بیان کیا گیا ہے اور آخر میں کتابیات کے عنوان سے ان تمام مصادر ومراجع کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے اس مقالے کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہے۔

آخر میں یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ پیش نظر مقالے میں عربی عبارتوں کا ترجمہ کہیں تحت اللفظ دیا گیا ہے اور کہیں مفہوم و معنی کی ترجمانی پر اکتفا کیا گیا ہے، اور حل عبارت کا خاص خیال رکھا گیا ہے، نیز شروح وحواشی کا تعارف کراتے وقت ابتداءً اصل کتاب اور اس کے مصنف سے متعلق ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں، اس کے بعد شیخ علوی کی شرح یا حاشیے پر تبصرہ کیا گیا ہے اور اکثر وبیشتر متن اور شرح دونوں کے نمونے بھی دیے ہیں، نیز شیخ علوی کے علاوہ دوسرے مصنفین نے بھی اس کتاب کی شرح یا حاشیہ لکھا ہے تو اس سے متعلق ضروری تفصیلات بھی پیش کر دی گئی ہیں۔

میں اپنی اس کاوش کے لیے استاد محترم، پیکر اخلاق اور شفیق نگراں پروفیسر مسعود انور علوی (صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کا بے حد ممنون ہوں، جنھوں نے نہ صرف میری ہمت افزائی فرمائی بلکہ ہر ہر قدم پر میری مدد کی اور ان کے مفید مشورے شامل حال رہے، اگر ان کی توجہ وعنایت نہ ہوتی تو اس مقالہ کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا بیحد مشکل تھا، اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود جس طرح انھوں نے میرے لیے وقت نکالا، میں اس کے لیے ان کا سب سے زیادہ مشکور ہوں۔

اس کے علاوہ جن اساتذہ کا مجھے تعاون حاصل رہا ان میں پروفیسر سید کفیل احمد قاسمی (سابق صدر شعبۂ عربی)، پروفیسر صلاح الدین عمری (سابق صدر شعبۂ عربی)، پروفیسر ظفر احمد صدیقی (شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، میں صمیم قلب سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں اپنے والد محترم جناب مفتی محمد انعام اللہ صاحب مدظلہٗ کا تذکرہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا، اور ان کا ذکر کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہوں، جو کچھ بھی میں لکھ سکا، اس کا ایک ایک لفظ ان کی شفقتوں اور محبتوں سے گرانبار ہے، بس یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر ان کے سایۂ عاطفت کو مدت دراز تک باقی رکھے۔

ایک اور شخصیت جو میری تعلیم میں عملی حصہ تو نہیں لے سکی، مگر ان کا روحانی فیض تربیت ہمہ وقت میرے ساتھ رہا ہے، وہ شخصیت میرے دادا مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم کی ہے، جن کی وفات کے وقت میری عمر صرف چار سال کی تھی، بقول والدہ ماجدہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے، مرحوم تاحیات مدرسہ سعیدیہ شاہ جہانپور کے صدر مدرس رہے، نیز سلوک وطریقت سے بھی وابستہ رہے، جن کی عربی زبان وادب میں اہم خدمات ہیں۔ میری تعلیم ان کے فیض روحانی کا کمال ہے، اللہ سے دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ

ان کو اعلیٰ علیین میں بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین۔

میں اس مقالے کے سلسلے میں اپنے چچا مفتی محمد اکرام اللہ صاحب مدظلہٗ کی سرپرستانہ رہنمائی کا بہ صمیم قلب ممنون ہوں، نیز اپنے چھوٹے بھائی مفتی محمد طاہر قاسمی کا بھی بہت شکر گزار ہوں، جو ذی استعداد شخصیت کے مالک ہیں، جنھوں نے ہمارے اس مقالے کی تیاری میں بھرپور معاونت کی، اور ہمارے موضوع سے متعلق کتابیں فراہم کیں، اور پروف ریڈنگ کے نازک مرحلے میں بھی بڑا تعاون کیا اور اپنے بڑے بھائی جناب حاجی محمد آصف صاحب کا ذکر کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہوں، جن کی نیک خواہشات اور دعائیں ہمہ وقت میری تقویت اور ہمت افزائی کا باعث رہی ہیں۔ میں اس مقالے کی تیاری میں اپنی رفیقۂ حیات کا بھی بہت مشکور ہوں جنھوں نے میرے بیٹے محمد اخلد سلمہٗ کی تمام ذمے داریوں کو اپنے اوپر لے کر مجھے لکھنے پڑھنے کا موقع دیا۔

آخر میں اس دعا پر مقدمہ کو ختم کرتا ہوں:

رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علی وعلی والدیّ وان اعمل صالحاً ترضاه وادخلنی برحمتك فی عبادك الصالحین آمین۔

ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم

محمد خالد

ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۳۰ر جولائی ۲۰۱۱ء

باب اول

گجرات میں عربی زبان وادب

(الف) ہندوستان کا صوبہ گجرات

(تاریخی وسیاسی پس منظر)

(ب) دینی علوم کی اشاعت میں علمائے گجرات کا حصہ

(ج) گجرات میں عربی زبان وادب کا فروغ

(دسویں صدی ہجری تک)

(الف) ہندوستان کا صوبۂ گجرات
(تاریخی اور سیاسی پس منظر)

گجرات ہندوستان کے ان صوبوں میں سے ہے جس کے مغربی حصہ کو بحیرۂ عرب گھیرے ہوئے ہے، اس کے سامنے عمان ہے، دائیں جانب خلیج فارس اور بائیں طرف خلیج عدن ہے۔[1]

صوبۂ گجرات کی زرخیزی اور دلآویزی کی وجہ سے ہر حکمراں کی نظر اس کی طرف گئی، اور بندر گاہ ہونے کی وجہ سے تجّار یہاں پر آمد و رفت رکھتے تھے۔

مولانا سید ابوظفر ندوی ''تاریخ گجرات'' میں رقم طراز ہیں:

ملک عرب میں سے یمن اور حضرموت خصوصیت سے وہ ملک ہیں جن کا گہرا تعلق ہندوستان (سواحل گجرات) و مالابار سے رہا ہے، ان عربوں کی آمد و رفت بحری راستوں سے ہوتی تھی اور یہ لوگ جہاز رانی میں بڑے ماہر تھے۔ ہندوستان سے عربوں کے اکثر تعلقات رہے ہیں بلکہ یہ ملک عرب کو اس قدر پیارا تھا کہ اس کے نام ہند کو انھوں نے عشق و عاشقی کا موضوع قرار دیا، بلکہ ہند کے کسی خاص حصہ کی آبادی کو بھی عربی النسل کہا کرتے تھے، شعوبیہ جو عربوں کی دشمنی میں مشہور فرقہ ہے اس دعوے کا بڑا مضحکہ اڑاتا ہے، ایک شاعر کہتا ہے:

تقولون ان الهند اولاد خندف　　　و بينكم القربى و بين البرابر

اے عرب تم کہتے ہو کہ ہندوستان خندف (ایک عرب کا نام تھا) کی اولاد ہیں اور تم میں اور بربر میں قرابت ہے۔

لیکن جب تک علم الآثار اور دیگر یقینی دلائل سے اس کا ثبوت نہ مل جائے اس پر یقین کرنا مشکل ہے۔[2]

عرب و ہند کے تعلقات

مشہور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے نکالے گئے تو وہ اسی سرزمین ہندوستان پر اتارے گئے، ان کے قدم کا نشان سراندیپ لنکا میں موجود ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی ''عرب و ہند کے تعلقات'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم جب آسمان کی جنت سے نکالے گئے تو وہ اسی زمین کی جنت میں جس کا نام ''ہندوستان جنت نشان'' ہے اتارے گئے، سراندیپ (لنکا) میں انھوں نے پہلا قدم رکھا، جس کا نشان اس کے ایک پہاڑ پر موجود ہے۔[۳]

اس قدم کے نشان کی زیارت کے لیے عرب سیاح اور تاجر آتے تھے اور بعض عرب قبائل یہاں پر بس گئے تھے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام سے پہلے عرب و ہند کے تعلقات تھے۔

مسلمانوں کی ہندوستان (صوبۂ گجرات) آمد

مولانا سید ابوظفر ندوی ''تاریخ گجرات'' میں لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے شروع ہوئی۔ تحفۃ المجاہدین کی روایت اگر صحیح مانی جائے تو دعوت اسلام عہد نبوی میں راجہ مالیبار کو پہنچ چکی تھی اور ایک وفد مالیبار سے مدینہ منورہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول کے عہد میں آیا تھا جس کی واپسی پر راجہ مالیبار نے اسلام قبول کیا''۔[۴]

''رجال السند والہند'' میں ہے کہ تحفۃ المجاہدین کی روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔[۵]

گجرات پر مسلمانوں کے متعدد حملے

اسلامی ہند کے بلند پایہ مؤرخ مولانا سید عبدالحی حسنی ''یادایام'' میں رقم طراز ہیں:

''۱۵ ہجری میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بحرین وعمان کی حکومت پر عثمان بن ابی العاص ثقفی کو نامزد فرمایا جن کا شمار صحابہ کرام میں تھا، انھوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے ساتھ اپنے بھائی حکم بن ابی العاص کو بحرین کی حکومت پر نامزد کر کے حکم دیا کہ وہ ہندوستان پر فوج کشی کریں۔ حکم نے کشتیوں کے ذریعے سے اپنی فوج کو لیے ہوئے سب سے پہلے سواحل گجرات پر قدم رکھا یا یوں کہنا چاہیے کہ ہندوستان کی سرزمین میں سب سے پہلے گجرات کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس خدائے یکتا پر ایمان لانے والوں کا پاک قدم اسی سرزمین پر پڑا۔ اس حملے میں جن سعادت مندوں کو مرتبۂ شہادت نصیب ہوا، ان میں غالباً صحابۂ کرام بھی تھے جو اسی سرزمین گجرات میں مدفون ہوئے، جن کی ہم کو خبر نہیں ہے۔[۶]

اس کے بعد دوسرا حملہ حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے بھڑوچ پر کیا، جو اس زمانے میں نیل اور

لاکھ کی تجارت کی وجہ سے ہندوستان کا سب سے پر رونق اور آباد بندرگاہ تھا۔

ان دونوں حملوں میں حکم رضی اللہ عنہ کو اچھی خاصی کامیابی ہوئی، مگر چونکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے دریائی سفر کے خلاف تھی، اس واسطے مدت تک مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔

تیسرا حملہ ۹۳ ہجری میں ملک سندھ پر ہوا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ ۱۰۷ ہجری میں ہشام بن عبدالملک خلیفۂ دمشق نے جنید بن عبدالرحمٰن مرّی کو سندھ کی حکومت تفویض کی، جنید نے گجرات پر حملہ کیا، اس کی فوجیں بھڑوچ کو تہ بالا کرتی ہوئی مالوہ میں گھس آئیں اور ہر طرف جا جا کر انھوں نے فتوحات حاصل کیں، دشمنوں کو ہر جگہ پسپا کیا اور غنیمتیں پائیں۔

چوتھا حملہ ۱۵۹ ہجری میں ہوا، المہدی باللہ العباسی خلیفۂ بغداد نے عبدالملک بن الشہاب المسمعی کو کافی سازوسامان کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ کیا، یہ فوج کثیر ۱۶۰ ہجری میں باربد پہنچی اور اس نے فتوحات عظیمہ حاصل کیں، وہ زمانہ دریا کے چڑھاؤ کا تھا، اترنے کے انتظار میں عبدالملک نے کچھ دنوں وہاں قیام کرنا مناسب سمجھا، یہ اسی انتظار میں تھا کہ دفعتاً ہوا میں عفونت پیدا ہوئی اور ایک ہزار آدمی وبا کا شکار ہو گئے۔

اس کے بعد تقریباً دو سو برس تک دونوں قوموں کے تعلقات اسی طرح محبت کے ساتھ قائم رہے، تاریخ میں کسی اور حملے کا تذکرہ نہیں ملتا، لیکن چوتھی صدی کے آخر میں عربوں کا زوال شروع ہوا۔ ایران، ترکستان، اور افغانستان میں ترک برسر اقتدار آئے۔ پانچویں صدی کے شروع ہوتے ہی افغانستان میں غزنویوں کی حکومت بڑی زبردست ہوگئی، پہلے سبکتگین اور پھر اس کے لڑکے سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر پے در پے حملے کر کے بے اطمینانی پیدا کر دی۔

محمود غزنوی کا گجرات پر حملہ

۴۱۶ ہجری میں محمود غزنوی تیس (۳۰) ہزار فوج کے ساتھ ملتان آیا اور وہاں سے گجرات کا ارادہ کیا، نہایت دشوار گزار راستوں اور ریگستانوں کو طے کرتا ہوا انہلواڑہ پہنچا، جو اس زمانے میں راجہ بھیم کا دارالحکومت تھا، اس کو زیروزبر کرتا ہوا آگے بڑھا اور دیولواڑہ کو جو اس زمانے میں دوسرے درجے کا شہر تھا، اس کو فتح کرتے ہوئے سومنات کا قصد کیا، سخت دشواریوں کے بعد اس کو فتح کیا، اور بے شمار مال و دولت لے کر بخیر و خوبی غزنی واپس گیا۔ [۸]

لیکن محمود غزنوی کی واپسی کے بعد گجرات پھر آزاد ہو گیا۔۹

شہاب الدین غوری اور علاء الدین خلجی کے گجرات پر متعدد حملے، اور مسلمانوں کا تسلط

۵۴۷ ہجری میں سلطان شہاب الدین غوری نے اسی ملتان کی راہ سے گجرات پر حملہ کیا، اس وقت کے راجہ کا نام بھی راجہ بھیم دیو تھا، اس سے سخت لڑائی ہوئی اور شہاب الدین کو شکست اُٹھانا پڑی، مگر چند روز میں خدا نے لاہور و دہلی کی فتوحات عظیمہ سے اس کا نعم البدل کر دیا۔

۵۹۱ ہجری میں اجمیر کے فتح ہونے کے بعد قطب الدین ایبک نے شہاب الدین غوری کی اجازت سے گجرات پر دوبارہ حملہ کیا، بھیم دیو کو میدان جنگ میں شکست فاش دی اور اس سے سالانہ خراج پر مصالحت کر کے دہلی کو واپس آ گیا۔

اس کے بعد ہندوستان کے سب سے بڑے فاتح سلطان علاء الدین خلجی نے ۶۹۶ ہجری میں الغ خاں خلجی کو گجرات روانہ کیا، گجرات کے راجہ کرن نے مقابلہ کیا اور آخر کار دیوگڑھ چاندہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ اس کے ہاتھی، گھوڑے، خزانہ اور قیدیوں میں رانیاں اور راجہ کی بیٹی دیولدی رانی بھی ہاتھ آئی۔ دیولدی کی تعلیم و تربیت دہلی میں شہزادیوں کی طرح ہوئی اور اس کا نکاح سلطان علاء الدین خلجی کے بڑے بیٹے خضر خاں کے ساتھ ہوا۔

الغ خاں نے بیس(۲۰) برس تک گجرات میں نہایت خوش اسلوبی سے حکمرانی کی اور تمام ملک کو فتنہ و فساد سے پاک کر دیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے اُمرائے دہلی گجرات کی حکومت پر نامزد ہوتے رہے۔۱۱

گجرات کے حکام

پھر ۶۹۶ ہجری سے لے کر ۸۰۰ ہجری کے آخر تک دہلی کے ایک صوبے کی حیثیت سے گجرات پر حکومت ہوتی رہی، اور یکے بعد دیگرے متعدد حکمراں آئے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

علاء الدین خلجی کے بعد قطب الدین متوفی (۷۱۶ھ) اور خسرو گجراتی ۷۲۰ ہجری دہلی کے بادشاہ ہوئے۔ ۷۲۰ ہجری میں تغلق خاندان برسر حکومت ہوا، اس میں غیاث الدین ملک تغلق غازی ۷۲۰ ہجری سلطان محمد شاہ ۷۲۵ ہجری، فیروز شاہ ۷۵۲ ہجری، محمد شاہ ثانی ۷۹۲ ہجری، محمود شاہ ۷۹۶ ہجری نے دہلی میں حکومت کی، اور ان کے نائب صوبے دار گجرات آتے رہے، ان صوبے داروں میں الپ خاں ۷۲۵ ہجری ظفر خاں ملک دینار، نظام الملک ۷۴۶ ہجری، ظفر خاں ۷۶۴ ہجری، دریا خاں ۷۷۱ ہجری بہترین حاکم

تھے، جنھوں نے امن قائم رکھنے کے ساتھ تجارتی معاشرتی اور اخلاقی ترقی میں کافی حصہ لیا۔[۱۲]

آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں محمد شاہ ثانی تغلق نے ظفر خاں بن وجیہ الملک سہارن کو گجرات کا حاکم بنایا۔ خاندان تغلق کے ختم ہو جانے پر یہ خود مختار ہو گیا، یہی شخص سلاطین گجرات کا مورث اعلی ہے۔[۱۳]

گجرات میں مسلمانوں کی خود مختار سلطنت

فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں بہمنی خاندان کی خود مختار سلطنت دکن میں قائم ہو چکی تھی، اس کے مرنے کے بعد اولاد کی نا قابلیت کی وجہ سے فتنہ وفساد برپا ہو گیا، گجرات کے گورنر نے بھی بغاوت اختیار کی، اس وقت فیروز شاہ کے بیٹے محمد شاہ کے کمزور ہاتھوں میں عنان سلطنت تھی، اس نے ظفر خاں اپنے ایک امیر کو ۷۹۳ ہجری میں گجرات کی حکومت دے کر روانہ کیا، ظفر خاں کی محنت و جفاکشی کا چند روز میں ایسا عمدہ اثر ہوا کہ اس کے حدود حکومت پہلے سے بہت بڑھ گئے۔[۱۴]

مگر دہلی کی سلطنت روز بروز تباہ ہو رہی تھی، اور تیمور گورکان نے ۸۰۱ ہجری میں دہلی پر قبضہ کر لیا، اور فیروز شاہ کا خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔[۱۵]

ادھر ظفر خاں نے عرصے تک اپنی خود مختاری کی جسارت نہیں کی، مگر علما و مشائخ کی استدعا، اور اپنے بڑے بیٹے تاتار خاں کے اصرار پر ۸۱۰ ہجری میں اس نے مظفر شاہ لقب اختیار کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور شان وشوکت نیز نیک نامی کے ساتھ حکومت کی۔[۱۶] اس کے بعد مندرجہ ذیل سلاطین آئے جن پر گجرات بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔

احمد شاہ اول ۸۱۳ھ، محمد شاہ ثانی ۸۴۶ھ، قطب الدین ۸۵۵ھ، محمود بیگڑہ ۸۶۳ھ، مظفر حلیم ۹۱۷ھ، سکندر ۹۳۲ھ، بہادر شاہ ۹۳۲ھ، محمود ثالث ۹۴۳ھ، احمد ثالث ۹۶۱ھ۔[۱۷]

صوبۂ گجرات پر اکبر کا قبضہ

پھر ۹۸۰ ہجری میں گجرات پر محمد اکبر بادشاہ دہلی قابض ہوا، اور اس وقت سے مغل شہنشاہوں کے ناظم آتے رہے، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

جہانگیر ۱۰۱۴ھ، شاہ جہاں ۱۰۳۷ھ، اورنگ زیب عالمگیر ۱۰۶۹ھ، محمد معظم بہادر شاہ ۱۱۱۸ھ، اس کے بعد خانہ جنگی شروع ہوئی تو یہ سلسلہ ۱۱۵۶ھ میں ختم ہو گیا، اور پھر گجرات پر قبضہ پانے کے لیے امرا میں کش مکش رہی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۱۷۱ھ میں احمد آباد پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا، اور چند چھوٹے بڑے ضلعوں

پر مسلمان امرا کو قناعت کرنی پڑی۔[۱۸]

خلاصۂ کلام

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین گجرات وہ مقدس جگہ ہے کہ جہاں پر ۱۵ ہجری میں صحابۂ کرام آئے، اور مسلمانوں نے کئی بار حملے کیے، اور آخر کار مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ سلاطین گجرات کی فیاضی اور علم کی قدر کی وجہ سے علمائے وقت، فقہائے کرام، ادبا ممالک عربیہ سے ہجرت کر کے سرزمین گجرات آئے، اور سلاطین گجرات نے ان حضرات کا اعزاز واکرام کیا اور ان حضرات کو اعلی منصب پر فائز کیا۔

خاص طور سے نویں صدی ہجری کے آغاز اور دسویں صدی ہجری کے آخر تک سلاطین گجرات نے بڑی شان وشوکت سے حکومت کی، خاص طور سے حدیث، فقہ، تفسیر، ادب کی طرف علما کی توجہ مرکوز کرائی، جس کی وجہ سے عالم اسلام سے بڑے بڑے علما، فقہا ہجرت کر کے گجرات آئے اور عربی زبان وادب کو بہت ترقی ہوئی۔

لہٰذا اس دور کو ہم العصر الذہبی (Golden Periad) سے تعبیر کر سکتے ہیں، کیونکہ اس دور میں علوم اسلامیہ کو بڑی ترقی ہوئی، اور گجرات شیراز ویمن کے ہم پلہ ہوگیا، جہاں پر بڑے بڑے علما، فقہا، ادبا پیدا ہوئے۔

(ب) دینی علوم کی اشاعت میں علماے گجرات کا حصہ

سرزمین گجرات میں اسلام کی آمد عہد خلافت راشدہ ہی میں ہوگئی تھی، لیکن یہاں دینی وعلمی سرگرمیوں کا باقاعدہ سلسلہ ساتویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ شیخ الحاج بابا رجب علی اور شیخ ابو یوسف یعقوب بن احمد ان بزرگان دین میں ہیں، جو ساتویں صدی ہجری میں ہجرت کر کے گجرات تشریف لائے، اور یہاں دینی وعلمی خدمت انجام دیں، بابا رجب علی عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ طریقت بھی تھے، انھوں نے سرزمین گجرات میں اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس کی طرف عوام وخواص کو متوجہ کیا، اور ۶۷۰ھ میں وفات پائی۔ دوسری جانب شیخ ابو یوسف نے درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنایا، اور گجرات میں دینی علوم کی ترویج واشاعت کا باقاعدہ آغاز کیا۔

آٹھویں صدی ہجری میں گجرات میں سرگرم کار مشائخ طریقت میں شیخ معز الدین دہلوی، شیخ معز الدین اجودھنی اور شیخ یعقوب پٹنی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ یہ سب عالم بھی تھے۔ ان کے علاوہ شیخ کمال الدین کا تعلق بھی گجرات ہی سے تھا، یہ آٹھویں صدی ہجری میں گجرات کے ان علما میں سے تھے، جو رشد وہدایت کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

نویں صدی ہجری تک آتے آتے گجرات میں دینی وعلمی سرگرمیوں کو مزید فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس عہد کے مشہور مشائخ کرام میں شیخ احمد بن برہان، شیخ احمد بن ابی احمد گجراتی، شیخ احمد بن محمود، شیخ جلال الدین، شیخ حماد بن محمد حنفی، شیخ شرف الدین اساولی، شیخ شمس الدین بن قوام الدین، صلاح الدین بن الطالب، شیخ عبداللطیف بن محمود قرشی، شیخ عثمان حسینی، شیخ علی بن عبدالرحیم، شیخ علی الخطیب احمد آبادی، شیخ نصیرالدین بن جمال الدین کے نام شامل ہیں۔

مذکورہ بالا حضرات کے تفصیلی حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمام مشائخ کرام نے عوام وخواص کی اصلاح باطنی اور تزکیۂ نفس کے ذریعے دینی رجحان پیدا کیا، اور اپنے انفاس قدسیہ سے لوگوں کے دلوں سے کفر وجہالت کے زنگ کو مٹاتے رہے، اکثر بزرگان دین کا تعلق کسی نہ کسی سلسلۂ طریقت سے رہا ہے۔

نویں صدی ہجری میں گجرات میں سلسلۂ چشتیہ، سلسلۂ رفاعیہ، سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ گازرونیہ کے

مشائخ کرام موجود تھے۔ اس عہد میں سلسلۂ رفاعیہ کے صوفیاے کرام کی تعداد زیادہ نظر آتی ہے۔ سلسلۂ رفاعیہ کے بانی سید احمد کبیر رفائی تھے، اس سلسلے سے شیخ شرف الدین اساولی، شیخ علی بن عبد الرحیم، شیخ نصیر الدین بن جمال الدین وابستہ تھے جو اپنے علم و تقدس کے اعتبار سے بڑے زبردست شیخ تھے، ان حضرات کے فیوض و برکات سے اہل گجرات نے مدتوں فائدہ اٹھایا۔ طریقۂ چشتیہ کے بانی امام طریقت خواجہ معین الدین حسن سجزی اجمیری ہیں، خواجہ صاحب کے شیخ مقام چشت کے باشندہ تھے، اس لیے خواجہ صاحب کو اس تعلق سے چشتی، اور اس طریقۂ تصوف کو بھی چشتی کہا جاتا ہے۔ شیخ احمد بن محمود حسینی، اور شیخ جلال الدین اسی سلسلۃ الزہب کی ایک کڑی تھے، شیخ جلال الدین کے نور ہدایت سے ہزاروں لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، اور شیخ شمس الدین بن قوام الدین کو سلسلہ قادریہ اور سلسلۂ گازرونیہ دونوں سے نسبت تھی۔ طریقۂ قادریہ کے بانی سید امام عبد القادر جیلانیؒ ہیں، اور طریقۂ گازرونیہ کے بانی شیخ ابو اسحاق گازرونی ہیں۔ شیخ شمس الدین نے مندرجہ بالا دونوں سلسلے شیخ اسماعیل بن ابراہیم جبرتی سے حاصل کیے اور اس سلسلے کے فیوض و برکات اہل گجرات تک پہنچائے ہیں۔

دوسری جانب دینی و علمی سرگرمیوں میں فقہاے کرام کے نام ملتے ہیں جن کو فقہ اور اصول فقہ سے غیر معمولی دلچسپی تھی اور درس و تدریس کے زریعے علوم دینیہ کی تعلیم میں مشغول نظر آتے ہیں۔ مشہور فقہاے کرام میں شیخ خوند میر بن سید بڈا، شیخ سراج الدین، شیخ شمس الدین حنفی، مولانا صدر جہاں، قاضی علی بن عبد الملک بھڑوچی، قاضی عماد الدین، شیخ غوث الدین، محمد بن حسین علوی، قاضی محمد اکرم، شیخ مودود بن محمد کے نام شامل ہیں۔ شیخ علی بن عبد الملک، شیخ عماد الدین، شیخ محمد اکرم عہدۂ قضا پر فائز تھے، اسی کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، شیخ خوند میر بن سید بڈا، شیخ سراج الدین، شیخ مودود بن محمد کو فقہ اور اصول فقہ میں درجۂ کمال حاصل تھا، اسی طرح مولانا صدر جہاں، شیخ غوث الدین، شیخ محمد بن حسین علوی فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اعلی درجے کے محدث تھے اور علم کلام پر بھی غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ ان کے علاوہ شیخ تاج الدین نہروالی، حسن بن محمد، شیخ علم الدین بن سراج الدین کا تعلق بھی گجرات سے تھا اور ان کا شمار نویں صدی ہجری کے عربی ادبا میں ہوتا ہے، درس و تدریس ان کا مشغلہ تھا۔ شیخ حسن بن محمد علم معقول و منقول کے امام سمجھے جاتے تھے۔ نویں صدی ہجری کے گجرات کے مایۂ ناز عالم شیخ بدر الدین دمامینی نے شیخ علم الدین کے تبحر علمی اور وسعت علمی کا اقرار کیا ہے۔ محدثین کرام

میں شیخ قاسم بن محمد، اور مولانا محمود بن محمد کے نام ملتے ہیں، دونوں حضرات نے درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنایا، اور گجرات میں دینی علوم اور نحو، صرف، منطق، عروض وغیرہ کی اشاعت میں حصہ لیا۔

دسویں صدی ہجری میں ہم کو آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے مقابلے میں صوفیا ومشائخ کے علاوہ مفسرین، محدثین، فقہا اور ادبا کی کثرت نظر آتی ہے، جو رشد وہدایت، درس وتدریس کے ذریعے دینی علوم کی خدمت کرتے نظر آتے ہیں، اس لحاظ سے اس عہد کو گجرات میں دینی علوم واشاعت کا عہد زریں کہہ سکتے ہیں۔

اس صدی کے مشہور صافیائے کرام میں شیخ ابراہیم بھڑوچی، شیخ احمد بن جلال، سید امین الدین، شیخ بہاء الدین، شیخ جمال بن حسین، خواجہ عالم، شیخ رحمت اللہ، شیخ شرف الدین، شیخ جیو، شیخ علی بن ابراہیم، شیخ قاضی خاں، شیخ محمد بن حسن، شیخ محمد بن شمس، شیخ محمود بن علیم الدین، شیخ موسیٰ، شیخ میانجیو، شیخ نصیر الدین، شیخ یعقوب کے نام قابل ذکر ہیں جو رشد وہدایت، تعلیم وتلقین، درس وتدریس کے ذریعے دینی علوم وفنون کی خدمت انجام دے رہے تھے، اور کسی نہ کسی سلسلے سے وابستہ تھے، چنانچہ شیخ ابراہیم بھڑوچی، خواجہ عالم، شیخ قاضی خاں، شیخ محمد بن حسن، شیخ محمود بن علیم الدین، شیخ نصیر الدین سلسلۂ چشتیہ سے وابستہ تھے، البتہ شیخ محمود بن علیم الدین کو سلسلۂ سہروردیہ، اور سلسلۂ مغربیہ سے بھی نسبت تھی اور خواجہ عالم درس وتدریس کی مسند پر بھی جلوہ افروز نظر آتے ہیں، اس کے علاوہ سید امین الدین اور علی بن ابراہیم کا تعلق سلسلۂ رفاعیہ سے تھا۔ محمد بن شمس کا تعلق سلسلۂ شطاریہ سے تھا، شیخ احمد بن جلال، شیخ جمال بن حسین، شیخ یعقوب صاحب کشف وکرامات تھے، شیخ بہاء الدین نے لمبا عرصہ سیر وسیاحت میں گزارا، پھر گجرات سے منتقل ہوکر برہانپور میں ایک خانقاہ اور ایک جامعہ کی بنیاد رکھی، اور دینی علوم واشاعت میں سرگرم ہوگئے۔

دوسری جانب دسویں صدی ہجری میں فقہائے عظام نے درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنایا، اور گجرات میں دینی علوم وفنون کی آبیاری کی، اور ساتھ ہی ساتھ عہدۂ قضا پر بھی فائز تھے۔ صوبۂ گجرات جو صوفیائے کرام کا جائے مسکن ہے، اس کا رنگ بھی فقہائے عظام میں نظر آتا ہے چنانچہ شیخ بدر الدین، قاضی برہان الدین، قاضی محمود بن حامد، درس وتدریس کے ساتھ کسی نہ کسی سلسلہ سے وابستہ تھے، ان سب میں قاضی برہان الدین علوم وفنون میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، مؤرخین نے لکھا ہے کہ گجرات میں ابتداء علم ان ہی کی وجہ سے پھیلا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ شکر ناگئی، شیخ محمود بن بابو، شیخ ملک محمود بن پیارو، قاضی

محمود، قاضی نجم الدین اس صدی کے مشہور فقہاے کرام میں سے تھے، اور قاضی محمود، قاضی نجم الدین عہدۂ قضا پر بھی فائز تھے۔

عربی ادبا میں شیخ اللہ بخش، شیخ خانجیو بن داود، مولانا عبدالکریم، مولانا محمد بن تاج، شیخ شمس الدین محمد بن محمد، شیخ محمد بن محمود طارمی کے نام شامل ہیں، جو علوم عربیہ کی درس و تدریس کے ذریعے خدمت انجام دیتے رہے، گجرات کے علاوہ عالم اسلام کے ادبا بھی ان حضرات کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں چنانچہ ابن حجر مکی نے شمس الدین محمد بن محمد کے سلسلے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا، اور مولانا محمد بن تاج کو مظفر شاہ حلیم نے تاج العلما کے لقب سے نوازا۔ خانجیو بن داود اس صدی کے ایک مشہور ادیب تھے جو معقولات و منقولات دونوں طرح کے علوم میں نہایت متبحر اور ممتاز ہونے کے ساتھ ساتھ وزارت کے منصب پر بھی فائز تھے۔ اس کے علاوہ شیخ اللہ بخش قرآن و حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے اور مولانا عبدالکریم اور محمد بن محمود طارمی بھی علوم عربیہ کے ذریعے دینی علوم وفنون کی خدمت انجام دیتے رہے۔

اس کے علاوہ بعض ان علماے کرام کے نام ملتے ہیں جنھوں نے علوم متداولہ کے ذریعے دینی علوم وفنون کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا، اور درس و تدریس نیز تعلیم و تلقین کے ذریعے دینی علوم وفنون کی خدمت انجام دیتے رہے، ان میں شیخ برہان الدین حنفی، شیخ جلال الدین اسماعیلی، مولانا حبیب اللہ، شیخ حسن بن موسی، مولانا حمید الدین، شیخ داود بن عجب اسماعیلی، شیخ راجح بن داود، مولانا علاء الدین عیسی، شیخ یوسف بن سلیمان اسماعیلی، شیخ یوسف بن ابی یوسف کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ احمد بن محمد، شیخ عبدالملک دسویں صدی ہجری کے ممتاز ترین محدثین عظام میں سے تھے، جن کا اس زمانے میں کوئی ثانی نہیں تھا، شیخ احمد بن محمد کی صحیح بخاری شریف کی سند عالی تھی، آپ مکۃ المکرمہ تشریف لے گئے اور گجرات کے بادشاہ احمد شاہ گجراتی کے مدرسے میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کے صاحب زادے مفتی قطب الدین مکۃ المکرمۃ کے مفتی تھے، اسی طرح شیخ عبد الملک قرآن کریم اور صحیح بخاری شریف کے حافظ تھے، اسی طرح اس عہد میں علماے ربانیین میں مولانا غیاث الدین کا نام ملتا ہے، جن کی عظمت وجلال کا اندازہ شیخ عبدالوہاب متقی کے اس خواب سے ہوتا ہے جس میں انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ اس زمانے میں لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ لوگوں میں سب سے زیادہ افضل میاں غیاث

پھر تمہارے شیخ پھر محمد طاہر ہیں۔

گجرات میں اس عہد میں علمائے تجوید میں احمد بن جعفر، شیخ مودود اور مفسرین عظام میں شیخ جمال محمد اور حکمت و معالجہ میں محمود بن محمود اور حکیم سراج کے نام ملتے ہیں اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ امیر عبدالحلیم جو علوم عربیہ کے ماہر تھے، آپ کو محمود شاہ نے وزارت جلیلہ پر فائز کیا، اور ''المجلس العالی خدا وندخاں'' لقب سے نوازا، آپ گجرات کے ممتاز ترین وزرائے باکمال میں سے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دینی علوم کی اشاعت میں گجرات کا زبردست حصہ رہا ہے۔ گجرات کے جن صوفیا اور علما کا گزشتہ صفحات میں اجمالاً ذکر کیا گیا، آئندہ صفحات میں ان کا نسبتاً تفصیلی ذکر عہد بہ عہد کیا جاتا ہے۔

شیخ الحاج بابا رجب گجراتی

شیخ الحاج بابا رجب نہروالی گجراتی ۶۱۶ھ میں گجرات تشریف لائے، اور نہروالہ میں سکونت پزیر ہو گئے، آپ کو سید احمد کبیر رفاعی سے نسبت تھی۔ آپ رشد و ہدایت، تعلیم و تلقین، اور تبلیغ میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ آپ کے نور ہدایت سے ہزاروں باشندگان گجرات کفر و جہالت کی دلدل سے نکل کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ۱۲ رجب ۶۷۰ھ کو آپ کا وصال ہوا۔[۱۹]

شیخ یعقوب بن احمد نہروالی

شیخ ابو یوسف یعقوب بن احمد شافعی ہجرت کر کے گجرات آئے، نہروالہ میں قیام کیا، اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ آپ عربی زبان وادب کے بڑے عالم تھے، آخر عمر تک نہروالہ میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، مولا سید عبدالحی حسنی آپ کا تزکرہ قلم بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أحد العلماء المبرزين فى العربيه، كان حفيد السيد مرتضى علم الهدى"[۲۰]

آٹھویں صدی ہجری اور اشاعت اسلام میں علمائے گجرات

پھر آٹھویں صدی ہجری میں چند علما کا تزکرہ ملتا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس صدی کے دور حکومت پر مختصر سی روشنی ڈال دی جائے تاکہ علما کے حالات کو اچھی طرح سمجھا جا سکے۔

آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان کے سب سے بڑے فاتح سلطان علاء الدین خلجی کی حکومت دہلی میں قائم ہوگئی، اور اس نے الغ خاں کو گجرات روانہ کیا، گجرات کے راجہ کرن سے زبردست مقابلہ ہوا اور آخر میں الغ خان کو فتح نصیب ہوئی، اور کافی مال غنیمت ہاتھ آیا، الغ خاں نے نہروالہ کو مرکز حکومت قرار دے دیا، اور بیس برس تک نہایت خوش اسلوبی سے حکمرانی کی اور نہروالہ میں جامع مسجد کی تعمیر شروع کردی جو گجرات میں سب سے پہلی مسجد تھی۔

پھر آٹھویں صدی ہجری کے اوائل سے لے کر ۸۰۰ھ تک دہلی کے ایک صوبہ کی حیثیت سے گجرات پر حکومت ہوتی رہی، اور یکے بعد دیگرے متعدد حکمراں آئے۔

اس صدی میں تاریخ وتزکرہ کی کتابوں میں چار[۴] محدثین کرام، فقہا ومشائخ اور علما کا تزکرہ ملتا ہے۔

مولانا کمال الدین دہلوی

شیخ کمال الدین بن عبد الرحمٰن ہندوستان کے سرآمد روزگار علما وفضلا میں تھے، فقہ اور اصول فقہ کے علاوہ عربی زبان وادب پر بھی غیر معمولی قدرت حاصل تھی، آپ ''علامہ'' کے لقب سے مشہور تھے۔

آپ کی ولادت ''اودھ'' میں ہوئی۔ آپ فرخ شاہ عمری کابلی کی نسل سے تھے اور شیخ نصیر الدین محمود اودی کے بھانجے تھے۔ آپ نے اس عہد کے علوم مروجہ کی تحصیل کی، فتاوی نویسی میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ درس وتدریس آپ کا مشغلہ تھا۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ تزکیۂ باطن کی طرف سے بھی آپ غافل نہ رہے، اور اپنے ماموں شیخ نصیر الدین محمود کے دامن فیض سے وابستہ ہوکر بالآخر فائز المرام ہوئے۔ عرصۂ دراز تک آپ نے دہلی میں قیام کیا، پھر گجرات تشریف لے گئے، جہاں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک مدت تک وہیں قیام پزیر رہ کر دہلی واپس آ گئے۔

۲۷ ذی القعدہ ۷۵۶ھ کو دہلی میں آپ کا وصال ہوا۔[۲۱]

شیخ معز الدین اجودھنی

شیخ معز الدین بن علا الدین یوسف عمری موصوف بلند پایہ عالم اور کامل شیخ طریقت تھے۔ آپ کی پیدائش اور نشو نما شہر اجودھن میں ہوئی۔ علوم وفنون کی تحصیل آپ نے شیخ وجیہ الدین پائلی سے کی، اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے، ایک مدت تک اپنے شہر ہی میں رہے۔

پھر محمد شاہ تغلق نے انہیں دہلی بلالیا، کچھ دنوں وہاں قیام پزیر رہے، پھر آپ کو محمد شاہ تغلق نے گجرات بھیج دیا، اور آپ وہیں شہید ہو گئے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ سے آپ کی ملاقات شہر اجودھن میں ہوئی، جب کہ وہ آپ کے والد کے پاس فروکش تھا۔[۲۲]

شیخ معز الدین دہلوی

شیخ معز الدین بن علاء الدین مشاہیر صوفیاے کرام میں سے تھے، ان کی ولادت دہلی میں ہوئی، شیخ جلال الدین حسین بن احمد کی خدمت میں رہ کر علوم وفنون کی تحصیل کی، اور علم وفضل میں درجۂ کمال کو پہنچے۔

پھر حرمین شریفین کا سفر کیا، اور سات بار حج وزیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے، اس کے بعد ہندوستان واپس آ گئے، جب گجرات پہنچے تو وہیں سکونت اختیار کر لی، اور شادی کی۔

ایک سو چالیس سال کی طویل عمر پا کر ۷۹۴ھ میں گجرات میں وفات پائی۔

مولانا عبد الحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تزکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"أحد الرجال المعروفين بالفضل و الصلاح" [۲۳]

مولانا یعقوب پٹنی

شیخ یعقوب بن خواجگی علوی مشاہیر علماے گجرات میں سے تھے، آپ نے علوم وفنون کی تحصیل شیخ زین الدین داود بن حسین شیرازی سے کی، اور شیخ رجب نہروالی سے بھی استفادہ کیا، اور درجۂ کمال کو پہنچے۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' نے آپ کے بارے میں لکھا ہے:

"كان عالماً كبيراً صاحب وجد و حاله" [۲۴]

۱۳ جمادی الاخری ۸۰۰ھ کو نہر والہ میں آپ کا وصال ہوا۔[۲۵]

نویں صدی ہجری اور علماے گجرات

نویں صدی ہجری میں گجرات میں مسلمانوں کی خود مختار حکومت قائم ہوگئی تھی۔ ظفر خاں نے ۸۱۰ھ میں مظفر شاہ لقب اختیار کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، اور اس کے بعد تقریباً ایک سو چوراسی برس سلاطین گجرات شان و شوکت اور نیک نامی کے ساتھ حکومت کرتے رہے، شاہان گجرات کے علمی شغف، اور دینی رجحان رکھنے کی وجہ سے محدثین، علما، فقہا ہجرت کر کے سر زمین گجرات آئے اور اسی دور میں بڑے بڑے محدثین کرام اور علماے وقت گجرات میں پیدا ہوئے۔

آئندہ صفحات میں اسی صدی کے مشہور اہل علم، محدثین، فقہا، مفسرین اور مشائخ کا تذکرہ کیا جارہا ہے، تاکہ اس سے دینی علوم کی اشاعت میں علماے گجرات کی سرگرمیوں کا اندازہ لگایا جاسکے۔

شیخ احمد بن برہان گجراتی

شیخ احمد بن برہان گجرات میں پیدا ہوئے۔ آپ غوری بادشاہوں کی نسل سے تھے، آپ نے علوم ظاہری کی تعلیم شیخ صدر جہاں گجراتی سے، اور علوم باطنی کی تعلیم شیخ محمد بن عبد اللہ حسینی سے حاصل کی۔ ایک لمبے عرصے تک شیخ محمد بن عبد اللہ حسینی کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ مرتبۂ کمال کو پہنچے، اور ہزار ہا تشنگان علم کو فیضیاب کیا۔

آپ کا وصال ۲۲؍ ربیع الثانی ۸۸۲ھ کو ہوا، اور تاجپور میں مدفون ہوئے۔ آپ نے ۶۴ سال کی عمر پائی۔[۲۶]

شیخ احمد گجراتی

شیخ احمد بن ابی احمد گجراتی ''احمد جوت'' کے لقب سے مشہور تھے، اور مشاہیر صوفیاے کرام میں سے تھے۔ آپ ہندوستان کے مایۂ ناز عالم اور صوفی شیخ احمد کھتوی کے تلمیذ رشید تھے اور عرصۂ دراز تک آپ کے زیر سایہ رہ کر سلوک و طریقت کی تعلیم حاصل کی، اور مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ اور بیعت و ارشاد کی خدمت انجام دیتے رہے۔

۲۰ شوال المکرم ۸۴۰ھ کو بمقام پٹن میں آپ کا وصال ہوا، اور وہیں تدفین ہوئی۔[۲۷]

شیخ احمد بن محمود نہروالی

شیخ احمد بن محمود حسینی نہروالی سرزمین گجرات میں پیدا ہوئے، آپ کا سال ولادت کہیں مذکور نہیں ہے۔ آپ نے علوم ظاہری اور علوم باطنی اپنے چچا شیخ حسین بن عمر عریفی گجراتی سے حاصل کیے، آپ مشائخ چشتیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی تھے۔

۷ محرم الحرام ۸۰۰ھ کو آپ کا وصال ہوا، اور نہروالہ میں اپنے شیخ کے قریب دفن کیے گئے۔ [۲۸]

شیخ تاج الدین نہروالی

شیخ تاج الدین بن یوسف بن احمد سوئی نہروالی کا شمار مشاہیر علمائے گجرات میں ہوتا ہے۔ فقہ میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا، اس کے علاوہ عربی زبان وادب پر بھی آپ کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ اپنے والد شیخ یوسف بن احمد اور شیخ عبداللہ بن محمود حسینی سے علم حاصل کیا۔ آپ کا مشغلہ درس وتدریس تھا۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تزکرہ قلم بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أحد العلماء المبرزين في الفقه و العربيه" [۲۹]

شیخ جلال الدین گجراتی

شیخ جلال الدین مشہور صوفیائے کرام میں سے تھے۔ آپ گجرات میں پیدا ہوئے، اور عرصۂ دراز تک شیخ پیارہ کی خدمت میں رہ کر تزکیۂ نفس واصلاح نفس کی تعلیم لی۔ پھر آپ نے بنگال کا سفر کیا اور آپ رشد وہدایت تعلیم وتلقین، اور تبلیغ میں ہمہ وقت مصروف رہنے لگے، آپ کے نور ہدایت سے ہزاروں اہل گور وبنگ کفر وجہالت کی دلدل سے نکل کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

آپ کی باوقار شخصیت تھی، اور آپ کی زندگی شاہانہ تھی، بادشاہ اور سلاطین کی طرح آپ تخت پر بیٹھتے تھے۔ آپ مشائخ چشتیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔ آپ کے تلامذہ میں شیخ محمد بن منکن ملاوی ہوئے ہیں۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وكان شيخاً جليلا وقورا عظيم الهيبة كبير المنزلة مرذوق القبول، يجلس على السرير مثل الملوك و السلاطين، و يحكم في الناس كحكمهم" [۳۰]

آپ کا وصال ۸۸۱ھ کو ہوا۔ [۳۱]

شیخ حسن بن محمد گجراتی

شیخ حسن بن محمد اساولی گجراتی ۸۱۴ھ کو گجرات میں پیدا ہوئے، اور شیخ اڈن کے نام سے لوگ آپ کو جانتے تھے۔ آپ نے علوم ظاہری اور علوم باطنی شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری اور شیخ نصیر بن جمال نوساروی سے حاصل کیا تھا۔ آپ علم معقول اور منقول کے امام تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وكان من العلماء المبرزين في المعقول و المنقول" ۳۲

۱۳ شوال المکرّم ۸۷۰ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ ان کی قبر ''اساول'' شارع احمد آباد پر ہے۔

شیخ حماد بن محمد گجراتی

شیخ قاضی حماد بن محمد حنفی صوفی مشاہیر علمائے گجرات میں سے تھے۔ آپ گجرات میں پیدا ہوئے، اور اس عہد کے مطابق علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی۔ علوم باطنی شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری سے حاصل کیا اور پھر جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہو گئے تھے، آپ سے عجیب و غریب واقعات وقوع پذیر ہوئے۔

آپ کا وصال ۲۲ شوال ۸۰۰ھ کو ہوا، اور آپ نے ۳۶ سال کی عمر عزیز پائی۔ ۳۳

شیخ خوندمیر پٹنی

شیخ خوندمیر بن سید بڈا ابن یعقوب بن محمود حسینی پٹنی مشاہیر علمائے گجرات وصوفیائے کرام میں سے ہیں۔ آپ گجرات میں پیدا ہوئے، اور علوم ظاہری و باطنی اپنے چچا شادی بن یعقوب سے حاصل کیا تھا۔ فقہ میں آپ کو معیار کمال حاصل تھا۔

پٹن سے ہجرت کر کے آپ احمد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے، اور احمد آباد میں سلوک و طریقت کی تعلیم آپ نے شیخ عبداللہ بن محمود سے لی، جن کا سلسلہ مندرجہ ذیل تھا:

شيخ عبد الله بن محمود الحسيني البخاري الگجراتي و عن الشيخ عبد الفتاح عن الشيخ علاء الدين عن الشيخ محمد بن يوسف الحسيني

شیخ خوندمیر پٹنی کی باوقار شخصیت تھی۔ آپ صاحب کشف و کرامات تھے، اور آپ کے نور ہدایت سے ہزاروں باشندگان گجرات فیض یاب ہوئے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وكان شيخاً وقوراً عظيم الهيبة كبير المنزلة"

۱۰ ربیع الثانی ۸۷۴ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ۳۴

شیخ سراج الدین گجراتی

شیخ سراج الدین ابن علامہ کمال الدین دہلوی مشہور علمائے کبار میں سے تھے۔ فقہ میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ علوم ظاہری اور علوم باطنی آپ نے اپنے والد سے حاصل کیا۔ آپ مشائخ چشتیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے، آپ آخر عمر تک نہروالہ میں درس و تدریس اور سلوک و طریقت کی خدمت انجام دیتے رہے، اور ہزار ہا تشنگان علم کو فیضیاب کیا۔

۲۱ جمادی الاولی ۸۱۷ھ کو آپ کا وصال ہوا، اور نہروالہ میں مدفون ہیں۔ ۳۵

شیخ شرف الدین گجراتی

شیخ شرف الدین اساولی گجراتی شیخ "جھجو" کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ سلسلۂ رفاعیہ کے مشائخ کبار میں سے تھے، آپ نے اس سلسلہ کو شیخ نظام الدین عمر بن اکرم رفاعی سے، اور انھوں نے علی سے، اور انھوں نے رکن الدین سے، اور انھوں نے شمس الدین سے، اور انھوں نے قطب الدین ابی الحسن علی بن عبدالرحیم سے، اور انھوں نے اپنے بھائی شمس الدین محمد سے، اور انھوں نے اپنے چچا محی الدین ابراہیم بن علی الاعذب سے، اور انھوں نے اپنے چچا مہذب الدین عبدالرحیم سے، اور انھوں نے اپنے بھائی سیف الدین علی بن عثمان البطائحی سے، اور انھوں نے اپنے ماموں قطب کبیر سید احمد رفاعی سے، اور انھوں نے شیخ نصیر بن جمال نوساروی سے، اور انھوں نے دوسرے لوگوں سے اس سلسلہ کو لیا تھا۔

۲۵ ذی قعدہ کو آپ کا وصال ہوا۔ ۳۶

سن وفات اور آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

شیخ شمس الدین گجراتی

شیخ شمس الدین حنفی شیبانی ہندوستان کے سرآمد روزگار علما و فضلا میں سے تھے۔ آپ امام ابوحنیفہ نعمان کوفی کے شاگرد رشید محمد بن حسن شیبانی کی نسل سے تھے۔

آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے لیے "الفاضل الكبير" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

آپ نے دہلی سے نارنول اور وہاں سے حرمین شریفین کا سفر کیا، جب آپ گجرات پہنچے تو باشندگان گجرات، اور اپنی زوجہ کے اصرار پر گجرات میں قیام پزیر ہو گئے، آپ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی تھی۔ آپ کے صاحبزادے شیخ تاج الافاضل تھے، اور ان کے پانچ صاحبزادوں میں سے ایک قاضی مجد الدین تھے۔ جن کے سات بیٹے تھے، ان میں علم و فضل کے اعتبار سے سب سے بڑے شیخ احمد تھے۔ ۳۷

شیخ شمس الدین پٹنی

شیخ شمس الدین بن قوام الدین ناگوری پٹنی مشاہیر علمائے گجرات میں سے تھے۔ آپ نے علم باطنی شیخ اسماعیل بن ابراہیم جبرتی سے حاصل کیا تھا، اور عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر درجۂ کمال کو پہنچ گئے تھے، سلسلۂ قادریہ اور سلسلۂ گازرونیہ دونوں سلسلوں میں آپ کو نسبت تھی اور بہت سے علما و مشائخ آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔

آپ نے سلسلۂ قادریہ اسماعیل بن ابراہیم جبرتی سے حاصل کیا تھا جو آٹھ واسطوں سے جا کر سلسلۂ قادریہ کے امام سید عبد الجیلی سے ملتا ہے۔

اور سلسلۂ گازرونیہ بھی آپ نے اسماعیل بن ابراہیم سے حاصل کیا تھا، جو نو (۹) واسطوں سے جا کر شیخ ابو اسحاق گازرونی سے ملتا ہے۔ ۳۸

مولانا صدر جہاں گجراتی

شیخ صدر جہاں گجراتی مشہور فقہائے گجرات میں سے تھے۔ فقہ، اصول فقہ، اور علم کلام میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا، آپ کا مشغلہ درس و تدریس تھا، آپ کے شاگردوں میں سے مشہور شیخ احمد بن برہان بن ابی محمد غوری ہوئے ہیں۔

آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے ہم عصر شیخ محمد بن عبد اللہ حسینی کو علم کلام کے بعض مسائل میں آپ سے اختلاف تھا۔ انھوں نے آپ سے ملاقات کی، اور مباحثہ کیا، اس کے بعد آپ کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔

مولانا عبد الحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تزکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"احد العلماء المبرزين فى الفقه و الأصول و الكلام" ۳۹

شیخ صلاح الدین گجراتی

شیخ صلاح الدین بن طالب مشاہیر علمائے گجرات میں سے تھے۔ آپ علم و معرفت میں کمال درجے کو پہنچے ہوئے تھے۔

آپ کے والد بت پرست اہل ہنود میں سے تھے، جو شیخ احمد بن عبداللہ مغربی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے، اور آپ کی بیوی اس وقت حاملہ تھیں۔ جب بچہ کی ولادت ہوئی، تو شیخ احمد نے اس کا نام ''صلاح الدین'' تجویز کیا اور ان کو عمدہ تعلیم و تربیت دی، یہاں تک کہ وہ مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے۔

آپ کی وفات ۲۲ ربیع الاول، اور دوسری روایت کے مطابق ۱۳ ربیع الاول ۸۹۵ھ کو ہوئی۔[۴۰]

شیخ عبداللطیف گجراتی

شیخ عبداللطیف بن محمود قرشی گجراتی ''بداور الملک'' کے نام سے مشہور تھے، اور سلطان محمود بن محمد گجراتی کے امرا میں سے تھے جو علم کا بہت قدر داں تھا۔

آپ نے علوم ظاہری اور علوم باطنی شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری سے حاصل کیا، آپ تمام دنیاوی مشاغل سے ترک تعلق کر کے ہمہ تن، تزکیۂ نفس و اصلاح نفس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ صاحب کشف و کرامات تھے اور آپ کے عجیب و غریب واقعات منقول ہیں۔

۱۳/ ذی قعدہ ۸۸۹ھ کو آپ شہید کر دیے گئے، ابنائے ملوک نے آپ کی قبر پر بلند و بالا عمارت تعمیر کرائی۔[۴۱]

شیخ عثمان حسینی گجراتی

شیخ عثمان حسینی گجراتی مشاہیر علمائے گجرات میں سے تھے۔ آپ نے علوم باطنی شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری سے حاصل کیا اور عرصۂ دراز تک آپ کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے اور آپ کے شیخ نے آپ کو ''شمع برہانی'' کے لقب سے نوازا، اور مرتبۂ خلافت عطا کیا۔

عبداللہ محمد بن عمر الآصفی اپنی کتاب ''ظفر الوالہ بمظفر وآلہ'' میں رقم طراز ہیں:

"وكان السيد عثمان من كبار خلفاء مولانا برهان الدين قطب علام قدس سره من غير واسطه وكان خطابه منه "شمع برهانی"........ويقال عن السلطان محمود بن محمد انه كان مريدا له حمله عليه كمال عقيدته فيه و

حسن ظنه به و ربما اخذ عنه وكان كثير التردد اليه وكان للمشار اليه منه ومن آبائه فوق كفايته من الوظائف وهكذا لاهله وعشيرته وتابعيهم وكان اكثر كتب السلطان محمد تحت يده و فى مدرسته" ۴۲؎

آپ کی جاے ولادت عثمان پور ہے اسی وجہ سے آپ کی نسبت عثمان پور کی طرف کی جاتی ہے، جو احمد آباد کا ایک گاؤں ہے اور عثمان پور میں ایک مدرسہ بھی تھا۔

آپ کا وصال جمادی الاولی کے مہینے میں ۸۶۳ھ کو عثمان پور میں ہوا۔۴۳؎

شیخ علم الدین گجراتی

شیخ علامہ علم الدین بن سراج الدین مشاہیر علماے گجرات میں تھے، جن کے احسان سے اہل گجرات کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتے۔ آپ گجرات میں پیدا ہوئے، اور اپنے والد محترم اور دیگر علماے وقت سے علوم ظاہری اور علوم باطنی حاصل کیا، اور مرتبۂ کمال کو پہنچے۔

آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا عبدالحی حسنی نے ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے لیے الشیخ، الفاضل، العلامہ جیسے تعظیمی وتوصیفی کلمات ذکر کیے ہیں۔

اور اس بات سے بھی آپ کے تبحر علمی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ محدث کبیر شیخ بدرالدین محمد بن احمد المالکی الدمامینی نے اپنے قیام گجرات کے زمانے میں شیخ علم الدین کے تبحر علمی اور وسعت علمی کا اقرار کیا ہے۔

آپ مشائخ چشتیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔ آپ کا وصال ۸۰۹ھ کو ہوا۔۴۴؎

شیخ علی بن عبدالرحیم گجراتی

شیخ عالم علی بن عبدالرحیم حسینی رفاعی علماے گجرات میں سے تھے۔ آپ سید احمد کبیر القطب الرفاعی کی نسل سے تھے، آپ کا وصال ۸۵۶ھ کو گجرات میں ہوا۔۴۵؎

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

قاضی علی بن عبدالملک بھڑوچی

شیخ قاضی علی بن عبدالملک بھڑوچی گجرات کے سرآمد روزگار علما وفضلا میں سے تھے۔ فقہ اور اصول فقہ کے علاوہ عربی زبان وادب پر بھی آپ کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی، تزکیۂ نفس واصلاح نفس

کی تعلیم آپ نے شیخ کمال الدین القزوینی سے حاصل کی تھی، اور مرتبۂ کمال کو پہنچے، شیخ کے بعد بیعت و ارشاد کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ۲۵ر رمضان ۸۹۴ھ کو عدن میں وصال ہوا۔

مولانا سید عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تزکرہ قلم بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أحد العلماء المبرزين فی العلم و المعرفه" ۴۶؎

شیخ علی خطیب گجراتی

شیخ علی خطیب احمد آبادی گجراتی سرزمین گجرات کے مشہور علما وصوفیاے کرام میں سے تھے، آپ گجرات میں پیدا ہوئے، آپ نے گجرات کے مشہور علماے کرام سے علوم ظاہری اور علوم باطنی حاصل کیا، جن میں سرفہرست شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری اور شیخ ابوالفتح بن علاء گوالیری اور شیخ حبیب اللہ بن خلیل اللہ کرمانی ہیں۔ آپ مرجع خلائق تھے۔ بڑے بڑے علماے کرام اور مشائخ آپ سے استفادہ کرنے آتے تھے، شیخ شرف الدین بن عبدالقدوس آپ کے شاگرد رشید تھے۔

۲۶ رشوال ۸۹۲ھ کو آپ کا وصال ہوا، اور آپ نے ستّر (۷۰) سال کی عمر پائی۔ ۴۷؎

قاضی عمادالدین گجراتی

شیخ عمادالدین بڑودہ شہر کے قاضی تھے، آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

عبداللہ محمد بن عمر الآصفی نے اپنی کتاب "ظفر الواله بمظفر و آله" میں آپ کے متعلق مندرجہ ذیل واقعہ ذکر کیا ہے:

> سلطان محمود شاہ گجراتی نے جب جانپانیر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا، تو اس بات کو پسند کیا کہ یہ جہاد خالصتاً للہ ہو، تو اس کے والی الغ خاں کو بلایا، اور ایک جھنڈے کو گاڑا، اور اس کے نیچے لوگوں کو جمع کیا، اور جانپانیر کی طرف چلے، جانپانیر کے راجہ رانا کو خبر ہوئی تو وہ اپنی فوج کے ساتھ مقابلے کے لیے قلعے سے باہر نکلا اور زبردست مقابلہ ہوا۔
>
> اتفاقاً قاضی عمادالدین اور صاحب جانپانیر (راجارانا) کا مقابلہ ہوا، قاضی عمادالدین نے اپنی تلوار کو سونت لیا، اچانک ایک پتھر راجارانا کے لگا، جو معلوم نہ ہو سکا کس نے پھینکا ہے، راجارانا گرا اور بے ہوش ہو گیا، اور قید کر لیا گیا۔ قاضی عمادالدین برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ مرتبۂ شہادت کو پہنچے، اور یہ واقعہ ۸۸۹ھ کا تھا۔ ۴۸؎

شیخ غوث الدین گجراتی

شیخ غوث الدین قادری بغدادی گجراتی مشاہیر علماے گجرات میں سے تھے، آپ بہت بڑے محدث، فقیہ اور زاہد تھے، فقہ میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا۔

سلطان محمود کبیر کے دور سلطنت میں آپ ہندوستان آئے، اور احمد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے، اور ایک بڑے مدرسے کی بنیاد رکھی، اور ایک زمانے تک درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا، اور حج کرنے کے بعد آپ ہندوستان واپس آئے، شیخ یعقوب بن خوند میر گجراتی آپ کے شاگرد رشید تھے، ان کے علاوہ ہزار ہا تشنگان علم کو فیض یاب کیا۔

مولانا سید عبدالحی حسنی "نزهة الخواطر" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وكان عالماً كبيراً محدثاً فقيهاً زاهداً يدرس ويفيد" ۴۹

آپ کا وصال ۲۲ صفر ۸۹۵ھ کو ہوا۔ ۵۰

مولانا قاسم بن محمد گجراتی

شیخ قاسم بن محمد مشاہیر علماے گجرات میں تھے، آپ کا مشغلہ درس و تدریس تھا، اور مشہور و معروف ''خان سرور'' حوض پر آپ طلبہ کو درس دیا کرتے تھے، آپ عالم باعمل تھے، آپ رشد و ہدایت، تعلیم و تلقین اور تبلیغ میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، آپ نے ہزار ہا تشنگان علم کو فیضیاب کیا۔ ۵۱

عبداللہ محمد بن عمر الآصفی اپنی کتاب تاریخ گجرات "ظفر الواله بمظفر و آله" میں آپ کی صفات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وكان العالم العامل الكامل الواصل ذوالحال البهيّ الانور بركة الدنيا و الدين

مولانا الشيخ قاسم بن محمد قدس سرّه" ۵۲

شیخ محمد بن حسین پٹنی

شیخ محمد بن الحسین العلوی الحسینی بڑے جلیل القدر محدث، فقیہ اور صاحب سلسلہ تھے، آپ کی ولادت سندھ میں ہوئی، آپ نے اپنے والد محترم شیخ صدر الدین محمد بن احمد الحسینی البخاری سے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے لیے الشیخ، العالم، المحدث، الفقیہ جیسے تعظیمی و توصیفی کلمات استعمال

کیے ہیں۔ آپ نے گجرات کا سفر سعادت خاتون ام عبداللہ بن محمود الحسینی البخاری کے ساتھ کیا، اور گجرات میں مستقل سکونت پزیر ہو گئے۔

۵ جمادی الاخری ۸۴۷ھ کو بمقام پٹن میں آپ کا وصال ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے۔

مولانا سید عبدالحی حسنی "نزھۃ الخواطر" میں آپ کا تزکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وکان ممن تفرد فی الفقه و الحدیث و التصوف" ۵۳

قاضی محمد اکرم گجراتی

شیخ قاضی محمد اکرم حنفی نہر والہ کے مفتی تھے۔ اور آپ کا شمار گجرات کے مشاہیر فقہاے کرام میں ہوتا ہے۔ علم معقول ومنقول کے آپ امام تھے، مگر فقہ اور اصول فقہ میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا، اور آپ مرتبۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مفتی رکن الدین ناگوری اپنی کتاب ''الفتاوی الحمادیہ'' کے شروع میں آپ کے ذکر میں رطب اللسان نظر آتے ہیں، اور آپ کے لیے الامام، العالم، ونعمان الثانی، وناقد المعقول والمنقول جیسے تعظیمی وتوصیفی کلمات استعمال کیے ہیں۔ ۵۴

شیخ محمود بن محمد گجراتی

شیخ محمود بن محمد مقری حنفی گجرات کے ان برگزیدہ علما میں ہیں جن کے احسان سے اہل گجرات کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ راجح بن داود گجراتی جیسے علماے وقت آپ کے شاگرد رشید تھے، اور آپ سے احمد آباد میں نحو، صرف، منطق، عروض وغیرہ آپ سے پڑھی تھی۔ ۵۵

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

شیخ مودود بن محمد گجراتی

شیخ مودود بن محمد بن یوسف گجرات کے مشہور فقہاے کرام میں سے تھے۔ آپ ۷۰۵ھ میں پیدا ہوئے، فقہ میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا، آپ مشائخ چشتیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔

آپ صاحب کشف وکرامات تھے اور آپ سے عجیب وغریب واقعات وقوع پزیر ہوئے۔

ہندوستان میں آپ کا واحد ایک سلسلہ ہے، جو بغیر واسطے کے مشائخ چشت تک پہنچتا ہے۔

صاحب "نزهة الخواطر" آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وكان شيخاً كبيراً زاهداً مجاهدا قنوعا متوكلا، تذكر له كشوف و كرامات ووقائع غريبه" ۵۶

آپ کا وصال ۱۲/شوال ۸۱۱ھ کو پٹن میں ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے، اور دوسری روایت کے مطابق ۲۲/شوال ۸۴۲ھ کو ہوا۔ ۵۷

شیخ نصیر بن جمال گجراتی

شیخ نصیر الدین بن جمال الدین سرزمین ہندوستان کے مشہور مشائخ کرام میں سے تھے۔ آپ گجرات میں پیدا ہوئے، تزکیۂ نفس اور اصلاح نفس کی تعلیم آپ نے شیخ شرف الدین اساولی گجراتی سے حاصل کی اور شیخ نصیر الدین کا سلسلہ دس واسطوں سے سید احمد کبیر القطب الرفائی سے ملتا ہے۔

آپ کا وصال ۸۵۱ھ کو ہوا۔ ۵۸

دسویں صدی ہجری اور علماے گجرات کے شاندار کارنامے

دسویں صدی ہجری میں محمود شاہ بیگڑہ مسند تخت پر جلوہ افروز تھے۔ آپ کو خدا نے وہ تمام صفات حسنہ عنایت کی تھیں، جو حکمرانی کے لیے لازم ہیں۔ آپ نے ہر جگہ مدرسہ اور خانقاہیں قائم کیں، اور علماے کرام کے بڑے قدر داں تھے۔ آپ نے چوّن (۵۴) سال تک کامیاب حکومت کرنے کے بعد ۹۱۷ھ میں وفات پائی، اس کے بعد مظفر شاہ حلیم محمود شاہ کے بیٹے تاج وسریر کے مالک ہوئے۔ علوم وفنون میں یہ علامہ محمد بن محمد الایجی کے شاگرد تھے، اور حدیث علامہ جمال الدین محمد بن عمر بحرق سے پڑھی تھی، نیز حافظ قرآن بھی تھے، آپ نے کم وبیش چودہ (۱۴) سال حکومت کرنے کے بعد ۹۳۲ھ میں حیات جاوید حاصل کی۔

مظفر شاہ کے بعد ان کا بیٹا سکندر شاہ تخت نشین ہوا، مگر کچھ دنوں بعد اپنے بھائی بہادر شاہ کو تخت نشین بنا دیا، بہادر شاہ کے بعد اس کا بھتیجا محمود شاہ تخت نشین ہوا، اور یہ بادشاہ ۹۶۱ھ میں بعض نمک حراموں کی غداری سے شہید کر دیا گیا۔ انجام کار ۹۸۰ھ میں اکبر شاہ تیموری نے اس پر قبضہ کر لیا۔

دسویں صدی ہجری میں جن اہل علم، محدثین، فقہا، مفسرین اور مشائخ کرام کا تذکرہ مل سکا، ان کا مختصر تعارف آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے، تاکہ اس سے دینی علوم کی اشاعت میں علماے گجرات کی سرگرمیوں کا اندازہ لگایا جا سکے۔

شیخ ابراہیم بھڑ وچی

شیخ ابراہیم شطاری، بھڑوچی گجرات کے مشہور صوفیاے کرام میں سے تھے، آپ نے تزکیۂ نفس و اصلاح نفس کی تحصیل شیخ محمد غوث گوالیاری "صاحب جواهر الخمسه" اور ان کے علاوہ دوسرے مشائخ کرام سے لی۔ آپ گجرات سے برہانپور منتقل ہو گئے۔

آپ کے فضل وکمال سے متاثر ہو کر امیر برہانپور ''میران محمد شاہ فاروقی'' اور وزیر زین الدین حسینی نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، آپ صاحب وجد وحالت تھے۔

آپ کا وصال ۹۹۹ھ میں ہوا۔[۵۹]

شیخ احمد بن جعفر گجراتی

شیخ احمد بن جعفر بن محمود گجرات کے علمائے تجوید میں سے تھے۔ آپ ۸۷۰ھ کو گجرات میں پیدا ہوئے، والد ماجد اور ان کے علاوہ علمائے کرام سے علوم مروجہ کی تحصیل کی، علم تجوید و قراءت میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا، اس کے علاوہ علوم متداولہ پر بھی آپ کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی، اور آخری عمر تک درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا، اور حج و زیارت کی سعادت سے سرفراز ہوئے، اور پھر گجرات واپس تشریف لائے، اور درس و تدریس میں منہمک ہو گئے۔

آپ کا وصال بروز پیر ۲۰ صفر کے بعد کسی تاریخ میں ۹۴۴ھ کو ہوا۔

مولانا عبدالحی حسنی "نزھۃ الخواطر" میں آپ کا تزکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"احد العلماء المبرزين فى القراءة و التجويد و سائر العلوم" ٦٠

شیخ احمد بن جلال گجراتی

شیخ احمد بن جلال جانپانیری، گجراتی مشہور صوفیائے گجرات میں سے تھے، آپ کو شیخ صدرالدین محمد جانپانیری سے نسبت تھی، اور عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر سلوک و طریقت کی تحصیل کی، آپ ذکر واذکار میں ہمہ تن مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ شیخ کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ آپ سلسلۂ عشقیہ شطاریہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے، نیز صاحب وجد و حالت تھے۔ آپ نے ۹۸۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور بڑودہ میں مدفون ہوئے۔ ٦١

شیخ احمد بن محمد نہروالی

ابوالعباس علاء الدین احمد بن محمد نہروالی ایسے بلند پایہ محدث تھے، جن کے فضل و کمال کی شہرت دنیا بھر میں ہے۔ آپ مفتی قطب الدین محمد نہروالی ''مفتی مکۃ المکرمہ'' کے والد تھے۔

آپ کی ولادت ۸۷۰ھ میں ہوئی، اور آپ نے اس عہد کے علوم مروجہ کی تحصیل کی، اور حدیث و اصول حدیث میں درجۂ کمال تک پہنچے، پھر آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا، اور آپ نے حدیث کی اجازت شیخ عزالدین عبدالعزیز سے لی، انھوں نے اپنے والد نجم الدین عمر سے، اور انھوں نے اپنے والد فہد سے، اور انھوں نے ائمہ حدیث کی ایک بڑی جماعت سے حدیث کی تحصیل کی۔

آپ کی صحیح بخاری شریف کی سند عالی تھی، آپ نے تحصیل کی حافظ نور الدین ابی الفتوح احمد سے، اورانھوں نے اپنے والد عبداللہ طاؤسی سے، جو ہجرت کر کے گجرات آئے تھے۔

شیخ علاء الدین متقی، پرہیز گار، دیندار تھے، آپ نے مکۃ المکرّمہ کا سفر کیا اور مستقل سکونت پزیر ہوگئے، صاحب ''نزہۃ الخواطر'' کے قول کے مطابق غالباً مکۃ المکرّمہ میں احمد شاہ گجراتی کے مدرسے سے وابستہ ہوگئے تھے، اور درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، آخری عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی تھی۔

آپ کے صاحبزادے مفتی قطب الدین (مفتی مکۃ المکرّمہ) نے بیان کیا ہے کہ میرے والد ماجد کا طریقہ ان کی بینائی جانے سے پہلے یہ تھا کہ یوم النحر میں رمی جمرۃ العقبہ کے بعد مکۃ المکرّمہ جانے کی جلدی کرتے تھے، اور حطیم میں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے اور ہر آنے جانے والے کو دیکھتے تھے، اور مستقل مغرب کی نماز تک اس جگہ بیٹھے رہتے تھے، اور مغرب کی نماز کے بعد طواف کرتے، سعی کرتے، اس کے بعد منی کی طرف لوٹ جاتے، اور فرماتے تھے کہ ہر سال اولیا اللہ حج کرنے ضرور آتے ہیں اور حطیم میں میرے بیٹھنے کا مقصد یہ ہے کہ شاید میری نظر ان میں سے کسی پر پڑ جائے اور ان کی برکات ہم کو حاصل ہوجائیں۔

ہر سال آپ کا یہی معمول تھا، جب آپ کی قوت بینائی جاتی رہی، تو آپ کے ساتھ ہم جاتے تھے اور آپ کو حطیم میں بیٹھا لتے تھے، تو آپ فرماتے تھے کہ اگر چہ میں ان کو نہیں دیکھ سکتا، مگر شاید ان کی نظر مجھ پر پڑ جائے، اور ان کی برکات ہم کو حاصل ہوجائیں۔ مستقل اسی پر آپ کا معمول رہا، یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالی

آپ کا وصال ۹۴۹ھ کو مکۃ المکرّمہ میں ہوا۔[۶۲]

شیخ اللہ بخش گجراتی

شیخ اللہ بخش گجرات کے سر آمد روزگار علما و فضلا میں سے ہیں۔ فقہ اور اصول فقہ کے علاوہ عربی زبان و ادب پر بھی آپ کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی، درس و تدریس آپ کا مشغلہ تھا، عرصۂ دراز تک آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا، اور ہزار ہا تشنگان علم کو فیضیاب کیا۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ تزکیۂ باطن کی طرف سے بھی آپ غافل نہ رہے، اور محمد غوث گوالیاری

کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے، عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر بالآخر فائز المرام ہوئے۔ آپ صاحب وجد وحالت تھے۔

علوم باطنی کی تحصیل وتکمیل کے بعد طبعی مناسبت کی بنا پر آپ نے درس وتدریس ہی کو اپنا مشغلہ بنایا، اور آخر عمر تک قرآن وحدیث کی خدمت انجام دیتے رہے۔

مولانا عبدالحی حسنی "نزھة الخواطر" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"أحد العماء المبرزين في الفقه و الاصول و العربيه...اشتغل في آخر أيامه بالقرآن و الحديث" ۶۳

آپ کا صحیح سال وفات معلوم نہیں۔ ۱۲/ربیع الثانی ۹۷۰ھ کے بعد کسی سن میں وفات پائی۔ ۶۴

سید امین الدین گجراتی

شیخ امین الدین سرزمین گجرات کے مشہور مشائخ کرام میں سے تھے، آپ نے علوم ظاہری وباطنی کی تحصیل اپنے والد ماجد شیخ جمال الدین حسینی ودیگر علمائے عظام سے کی۔

آپ رشد وہدایت، تعلیم وتلقین اور تبلیغ میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، آپ سلسلۂ رفاعیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔

۱۷ جمادی الاخری ۹۹۲ھ کو پتھری گاؤں میں آپ کی وفات ہوئی۔ ۶۵

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

شیخ بدرالدین گجراتی

شیخ بدرالدین بن جلال الدین مشاہیر علمائے گجرات میں سے تھے۔ آپ کی ولادت گجرات میں ہوئی۔ آپ نے اس عہد کے علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ فقہ میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا۔

مولانا عبدالحی حسنی نے "نزھة الخواطر" میں آپ کے لیے الشیخ، العالم، الفقیہ جیسے تعظیمی وتوصیفی کلمات ذکر کیے ہیں۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ تزکیۂ باطن کی طرف سے بھی آپ غافل نہ رہے، آپ کا سلسلۂ باطنی آپ کے جد امجد شیخ علامہ کمال الدین دہلوی تک اس طرح پہنچتا ہے کہ آپ نے علوم باطنی کی تحصیل اپنے والد ماجد جلال الدین سے، انھوں نے اپنے والد شیخ محمد سے، انھوں نے اپنے والد سے، اور انھوں نے

اپنے والد شیخ علامہ کمال الدین دہلوی سے اس کی تحصیل کی۔ آپ صاحب کشف و کرامات تھے۔

آپ کا وصال ۲۹ ربیع الاول ۹۴۳ھ کو ہوا۔ ۶۶

قاضی برہان الدین گجراتی

شیخ برہان الدین نہروالی گجرات کے ان برگزیدہ علما میں سے تھے، جن کے احسان سے اہل ہند کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتے۔

عبداللہ محمد بن عمر الآصفی نے اپنی کتاب "ظفر الوالہ بمظفر و آلہ" میں لکھا ہے کہ ابتداءً گجرات میں علم انہیں کی وجہ سے پھیلا تھا۔ ان کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

"ومنه انتشرت العلوم ابتداء بگجرات" ۶۷

آپ امام شہاب الدین گجراتی کی نسل سے تھے۔ فقہ میں آپ درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ کا مشغلہ درس و تدریس تھا، آخر عمر تک مسند درس کو رونق بخشی اور حدیث و فقہ کی خدمت انجام دیتے رہے، اور بے شمار تشنگان علم کو فیضیاب کیا۔

اسلامی ہند کے بلند پایہ مؤرخ مولانا سید عبدالحی حسنی نے "نزهة الخواطر" میں آپ کے لیے مندرجہ ذیل تعظیمی و توصیفی الفاظ ذکر کیے ہیں:

"الشيخ، العالم، المحدث، الفقيه... و أخذ عنه خلق لا يحصون بحد و عد" ۶۸

آپ کا وصال نہروالہ میں ہوا۔ صحیح سال وفات معلوم نہیں۔ ۹۰۰ھ کے بعد کسی سن میں وفات پائی۔

شیخ برہان الدین گجراتی

شیخ برہان الدین حنفی ممتاز ترین علمائے وقت میں سے تھے۔ آپ کی ولادت احمد آباد میں ہوئی۔ اور اس عہد کے علمائے عظام سے علوم ظاہری کی تحصیل کی، اور تزکیۂ باطن کی طرف سے بھی آپ غافل نہ رہے، اور شیخ صدر الدین محمد برودی کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے، شیخ کے ساتھ ۹۸۲ھ میں گوالیار کا سفر کیا، اور ان کے ساتھ "مندو" کی طرف لوٹے، اور اس جگہ قیام کیا، پھر ۹۸۵ھ کو اجمیر کا سفر کیا، اور اجمیر میں وفات پائی۔

آپ سلسلۂ شطاریہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔ ۶۹

شیخ بہاء الدین گجراتی

شیخ بہاء الدین بن معز الدین گجرات کے عظیم ترین صوفیاے کرام میں سے تھے۔آپ کی ولادت احمد آباد میں ہوئی۔آپ نفیل بن الخطاب القرشی کی نسل سے تھے۔

آپ چودہ (۱۴) سال کی عمر میں شیخ رحمۃ اللہ ابن عزیز اللہ المتوکل کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے، اور ۲۱ سال کی عمر تک ان کی خدمت میں رہ کر سلوک وطریقت کی تعلیم لی، پھر آپ نے اپنی عمر کا ایک لمبا عرصہ سیر وسیاحت میں گزارا، پھر آپ ہندوستان واپس آئے، اور آٹھ (۸) سال گجرات میں قیام کیا، پھر آپ برہانپور گئے اور وہاں خانقاہ اور ایک بڑے جامعہ کی بنیاد رکھی، اور اپنی عمر کے آخری اوقات برہانپور میں گزارے۔آپ کی وفات ۹۱۲ھ میں ہوئی۔۷۰

شیخ جلال الدین اسماعیلی گجراتی

شیخ جلال الدین بن حسن اسماعیلی ہندی فرقۂ اسماعیلی کے داعی تھے۔سیف الدین عبد العلی گجراتی نے اپنی کتاب "المجالس السیفیہ" میں آپ کا تزکرہ کیا ہے، اور کہا ہے کہ وہ ملک یمن چلے گئے تھے، اور علم تنزیل اور علم تاویل کی تحصیل شیخ عماد الدین ادریس بن حسن یمانی سے لی، اور ہندوستان واپس تشریف لائے۔اور جب یوسف بن سلیمان کا انتقال ہوا، تو ان کی وصیت کے مطابق ان کی جگہ پر فرقۂ اسماعیلی کے داعی مقرر ہوئے، اور جلال الدین نے اپنے بعد داود بن عجب شاہ کو فرقۂ اسماعیلی کا داعی مقرر کیا۔۷۱

شیخ جمال بن حسین گجراتی

شیخ جمال بن حسین بن ابی المظفر مشاہیر صوفیاے گجرات میں سے تھے، آپ کی ولادت پٹھری، احمد نگر میں ہوئی، آپ عبد الوہاب بن عبد القادر گیلانی کی نسل سے تھے۔

آپ نے سلوک وطریقت کی تعلیم اپنے والد ماجد سے لی، اور ان کے بعد شیخ وقت کے رتبے پر قصبۂ پٹھری میں فائز ہوئے، آپ نہایت متقی اور پرہیز گار تھے، آپ کی شخصیت نمایاں تھی، آپ صاحب کشف وکرامت تھے۔

۲۳ شعبان ۹۷۱ھ کو احمد آباد میں آپ کی وفات ہوئی، اور وہیں مدفون ہوئے۔۷۲

شیخ جمال محمد گجراتی

شیخ جمال محمد بن ملک چاند گجراتی بڑے جلیل القدر محدث اور مفسر قرآن تھے، آپ ''جمو جی'' کے لقب سے مشہور تھے، آپ کی ولادت گجرات میں ہوئی، اور اس عہد کے علوم مروجہ حدیث، فقہ، تفسیر کی تحصیل کی، اور درجۂ کمال کو پہنچے۔

آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا، اور اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ محمود، عبداللہ، عبدالقادر، محمد حسن اور ان کے علاوہ اشراف گجرات میں سے لوگ تھے۔

آپ حج و زیارت کی سعادت سے سرفراز ہوئے، اور ہندوستان واپس آکر گجرات میں عرصۂ دراز تک قیام کیا، پھر برہان پور تشریف لے گئے، اور درس و تدریس کو اپنا مشغلہ بنالیا، حدیث اور تفسیر میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا، اور آپ کو تعلیم و تعلّم سے اس قدر لگاؤ تھا کہ ہر دن صبح سے شام تک آپ درس دیا کرتے تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی "نزھۃ الخواطر" میں آپ کا تزکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وکان عالماً بارعاً فی الحدیث و التفسیر، یدرس کل یوم من الصباح الی المساء" [۴۳]

آپ کا وصال ۹۹۸ھ کو برہان پور میں ہوا۔[۴۴]

مولانا حبیب اللہ گجراتی

علامہ حبیب اللہ بن شمس الدین کابلی گجراتی مشاہیر علماے ہند میں سے تھے، اور بعض سلاطین گجرات نے ''منصف الملک'' کا لقب آپ کو دیا تھا، محمود شاہ دوم کے دور حکومت میں آپ ڈاک کے منتظم تھے، اور آپ کے پھوپی زاد بھائی شیخ سراج الدین عمر بن کمال الدین نہروالی آصف خاں وزیر کے وکیل تھے۔

شیخ حسن بن موسی گجراتی

شیخ حسن بن موسی مشاہیر علماے گجرات میں سے تھے، آپ کی ولادت سرزمین گجرات میں ہوئی، اور آپ نے اس عہد کے تمام علوم متداولہ نحو، فقہ، اصول فقہ اور حدیث کی تحصیل مشہور علماے عظام سے کی، اور درجۂ کمال کو پہنچے۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی سے بھی آپ غافل نہ رہے، اور شیخ جلال بن احمد کے دامن

فیض سے وابستہ ہوکر بالآخر فائز الرام ہوئے۔

جب ہمایوں شاہ تیموری نے گجرات کو فتح کیا، تو آپ نے ۹۴۱ھ میں ''مندو'' کی طرف ہجرت کی، اور مستقل سکونت پزیر ہو گئے، اور مندو میں نکاح کرلیا، جن سے نیک اور صالح اولاد پیدا ہوئی۔

آپ نہایت متقی، پرہیز گار، دین دار شخص تھے، اور سلسلۂ رفاعیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے، آپ کا تزکرہ آپ کے بیٹے محمد بن حسن نے اپنی کتاب ''گلزار ابرار'' میں کیا ہے۔

آپ کی وفات جمعہ کی شب ۱۶ صفر المظفر ۹۷۳ھ کو ہوئی۔ ۵؎

مولانا حمید الدین گجراتی

شیخ حمید الدین بن لار عظیم ترین علماے وقت میں سے تھے، آپ کی ولادت گجرات میں ہوئی، اور اس عہد میں رائج علوم وفنون کی تحصیل کی، اور درجۂ کمال کو پہنچے، اور درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنالیا۔

مولانا عبدالحی حسنی "نزهة الخواطر" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"أحد فحول العلماء" ۶؎

جب محمد غوث گوالیاری گجرات تشریف لائے، اور علماے گجرات نے ان پر نکیر کی، تو ان کی مدد کے لیے کھڑے ہو گئے، اور علم معقول اور منقول کے زریعے ان کی تردید کی، عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں رہے، اور سلسلۂ عشقیہ شطاریہ کی روحانی برکتوں کو حاصل کیا۔

محمد بن حسن مندوی نے اپنی کتاب گلزار ابرار میں آپ کا تزکرہ کیا ہے، اور رقم طراز ہیں کہ آخری عمر میں جب کہ آپ اسّی (۸۰) سال کے تھے، برہان پور منتقل ہو گئے۔ اور آپ کی وفات برہان پور میں ہوئی، اور وہیں مدفون ہوئے۔ ۷؎

خانجیو بن داؤد گجراتی

خانجیو بن داؤد صدیقی کا شمار گجرات کے وزراے باکمال میں ہوتا ہے اور ساتھ ہی علوم عربیہ میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا۔

آپ کو اختیار خاں کہتے تھے اور لقب ''خانجیو'' تھا۔ آپ قصبۂ نریاد گجرات میں پیدا ہوئے، آپ قصبۂ نریاد کے قاضی زادہ تھے۔

آپ نے علوم عربیہ، علم معقول ومنقول، علم ریاضی اور علم فلکیات کی تحصیل کی، مگر آپ کا رجحان ملکی

خدمتوں کی جانب رہا اور درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے وزارت کے مرتبہ تک پہنچے اور تیرہ برس بہادر شاہ کے وزیر رہے۔ محمود شاہ دوم نے وکالت مطلقہ کے عہدہ پر ترقی دی۔

جب ہمایوں بادشاہ ۹۴۲ھ میں گجرات پر قابض ہوگیا، تو اس نے ان کے فضل وکمال کو دیکھ کر اپنے قرب وحضوری سے ان کو سرفراز کیا اور جب تک گجرات میں رہا معاملات ملکی ان ہی کی رائے سے انجام دیتا رہا۔

مولانا عبدالحی حسنی "نزهة الخواطر" میں اختیار خاں (خانجیو) کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وكان في الذكاء والفطنة والفراسة حتى كان فيها ثانيا لإياس بن قرة، واما العلوم الحكمية والمعارف اليقينية فلا تسئل عن ذلك وكان منقطع القرين مجمع رياسة الدنيا والدين" ۸ے

ذکاوت، فطانت اور فراست میں گویا ایاس بن قرہ کے نظیر تھے، خاص کر علوم حکمیہ و معارف یقینیہ میں ان کا جو رتبہ تھا، اس کے متعلق تو تم سوال ہی نہ کرو، وہ ایک عدیم المثال شخص اور دینی و دنیوی ریاست کا جامع تھے۔

۹۴۴ھ میں شہید ہوئے۔ عبداللہ محمد بن عمر الآصفی نے آپ کی شہادت کا عجیب وغریب واقعہ نقل کیا ہے، کیونکہ آپ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔

جب جلاد نے پھانسی کا پھندا آپ کی گردن میں ڈالا، تا کہ سولی دے، تو آپ نے لاالہ الااللہ کہا، اس سے پہلے کہ کلمۂ شہادت پورا پڑھتے، پھندے کو کھینچ دیا، یہاں تک کہ آپ ٹھنڈے پڑ گئے، پھر جب رسّی کو ڈھیلا کیا تا کہ ان کی گردن سے نکالے، تو ان کی آنکھیں واپس اپنی جگہ پر آگئیں جیسے زندگی میں تھیں اور آپ نے کلمہ کو پورا پڑھا محمد الرسول اللہ اور روح پرواز کر گئی۔ ۹ے

شیخ خواجہ عالم گجراتی

شیخ خواجہ عالم حسینی سرزمین گجرات کے مشہور صوفیائے کرام میں سے تھے، آپ کی ولادت گجرات میں ہوئی، آپ کا نسب والد ماجد کی جانب سے شیخ مودود چشتی سے ملتا ہے اور والدہ ماجدہ کی جانب سے شیخ جلال الدین پانی پتی تک پہنچتا ہے۔

آپ نے شیخ محمد غوث گوالیری کی خدمت میں رہ کر سلوک وطریقت کی تحصیل کی اور فائز المرام ہوئے۔ آپ کا مشغلہ درس وتدریس تھا۔ آپ سلسلہ عشقیہ شطاریہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے، آپ کا وصال قصبہ بیر پور اطراف گجرات میں ہوا۔۸۰

شیخ داؤد بن عجب شاہ گجراتی

شیخ داؤد بن عجب شاہ گجراتی فرقۂ اسماعیلی کے داعی تھے، سیف الدین عبدالعلی گجراتی نے ''المجالس السیفیة'' میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ملک یمن گئے شیخ عماد الدین ادریس بن حسن اسماعیلی یمانی سے علم تنزیل اور تاویل کی تحصیل کی، پھر ہندوستان واپس آئے، جلال الدین نے اعلان کیا کہ اس کے بعد وہ داعی بنیں گے چنانچہ جلال الدین کے مرنے کے بعد داؤد بن قطب شاہ گجراتی داعی مقرر ہوئے۔۸۱

شیخ راجح بن داؤد گجراتی

شیخ راجح بن داؤد عظیم ترین علمائے وقت میں سے تھے، حدیث میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

علامہ سخاوی "الضوء الامع" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

آپ ۹ رصفر المظفر ۸۷۱ھ کو احمد آباد میں پیدا ہوئے اور احمد آباد ہی میں محمود بن محمد المقری الحنفی سے نحو، صرف، منطق اور عروض کی تحصیل کی، مخدوم بن برہان الدین سے معانی اور بیان اور محمد بن تاج الحنفی سے علم ہیئت اور علم کلام کی تحصیل کی اور علوم وفنون میں درجۂ کمال کو پہنچے۔

علامہ سخاوی بیان کرتے ہیں کہ ۹۴ھ کے شروع میں مکۃ المکرمہ میں ہم سے ملاقات کی، وہ اور ان کے بھائی قاسم اور ان کے چچا حج کرنے کے لیے آئے تھے، پھر یہ لوگ مدینہ منورہ چلے گئے، جب واپس آئے مجھ سے میری "الفیة الحدیث" پڑھی، میں نے انھیں سند حدیث لکھ کر دی۔ ان کی درخواست پر میں نے انھیں بدر الدین الدمامینی کے حالات لکھ کر دیے، کیونکہ ان کا انتقال ہندوستان میں ہوا تھا، میں نے علاء البخاری الحنفی کے بھی حالات لکھ کر دیے اور میں نے اس بات پر بھی متنبہ کر دیا کہ علاء البخاری کو کافر سمجھتے تھے، نیز ان لوگوں کی بھی تکفیر کرتے تھے جو ان سے عقیدت رکھتے تھے۔

آپ کا وصال ۹۰۴ھ میں ہوا۔۸۲

شیخ رحمت اللہ گجراتی

شیخ رحمت اللہ بن عزیز اللہ عمری ممتاز ترین علماے وقت میں سے تھے، علم ومعرفت کے گہوارہ میں آپ کی پرورش ہوئی اور آپ نے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی، آپ کے والد ماجد مشائخ کبار میں سے تھے، ان کے بعد شیخ وقت کے رتبہ پر فائز ہو گئے اور آپ کا زہد، تقوی اور پاک دامنی میں بلند مقام ومرتبہ تھا۔

آپ سے شیخ بہاء الدین اور بہت سے دوسرے لوگوں نے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل کی۔

۱۹؍جمادی الاخری ۹۶۷ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔۸۳

حکیم سراج الدین گجراتی

حکیم سراج الدین گجرات کے مشاہیر علماے عاملین میں سے تھے، آپ شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، پھر شیخ علی الخطیب کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے۔

آپ لوگوں کا علاج ومعالجہ کرتے تھے اور ان کو امراض میں ادویات دیتے تھے، آپ کو محمد بن عبداللہ حسینی بخاری نے خوشخبری دی تھی کہ آپ عنقریب محمد شاہ اول کا مرض قلب میں علاج کریں گے، اتفاقاً بادشاہ کے ہم نشینوں میں سے ایک شخص بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اطبا اس کا علاج کرنے سے عاجز آ گئے، اس کے رفقا میں سے کسی نے حکیم سراج الدین کا مشورہ دیا، ان کے علاج سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو شفا دی۔

مذکورہ شخص کے علاج کا تذکرہ کسی نے بادشاہ سے کیا، بادشاہ نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کا معتقد ہو گیا اور ارادہ ظاہر کیا کہ آپ سے فیض حاصل کرنا چاہتا ہوں، حکیم صاحب نے کہا بعد میں اس کا جواب دوں گا، جب باشادہ واپس چلے گئے تو بادشاہ کے پاس ایک مکتوب بھیجا اور اس میں لکھا کہ اگر بادشاہ ارادہ رکھتے ہیں تو کسی عہدہ پر ہم کو مقرر کریں، بادشاہ نے ''مستوفی الممالک'' کا عہدہ عطا کیا۔

شیخ جعفر ''مناقب الحضرۃ الشاھیۃ'' میں لکھتے ہیں کہ اطبا کی جماعت پر نگراں مقرر کیا تھا، اور یہ بات قرین قیاس ہے۔ عرصۂ دراز تک سراج الدین نے بادشاہ کی مصاحبت اختیار کی، اس کو ذکر اللہ کی تلقین کی اور اس کی طرف نسبت منتقل کی اور جب بادشاہ رتبۂ کمال کو پہنچ گیا تو اس سے الگ ہو گئے اور بادشاہ سے معاہدہ کرایا کہ وہ اس کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا اور ہم کو اپنے حال پر چھوڑ دے گا۔

عوام آپ کے زہد وتقویٰ کے معتقد تھے، مگر جب آپ بادشاہ کی جانب سے عہدہ پر مقرر ہوئے تو لوگ آپ سے نفرت کرنے لگے اور آپ کو ڈھونگی سمجھنے لگے، حکیم صاحب اس طرف کوئی توجہ نہیں دیتے تھے۔ آپ نے بادشاہ سے عہدہ اس لیے طلب کیا تھا تا کہ اس کی مصاحبت حاصل ہو جائے اور اس کو ذکر و اذکار کی تلقین کی جائے جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو آپ الگ ہو گئے۔ ۸۴

شیخ شرف الدین گجراتی

شیخ شرف الدین بن عبدالقدوس مشاہیر صوفیاے گجرات میں سے تھے، آپ ''شہباز'' کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ گجرات میں پیدا ہوئے اپنے والد کے ساتھ کم عمری میں ہی خاندیس کا سفر کیا، اس زمانہ کے علماے کبار سے علوم وفنون کی تحصیل کی، پھر احمد آباد واپس آئے اور شیخ علی الخطیب گجراتی کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے اور عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر بالآخر فائز المرام ہوئے پھر آپ برہان پور واپس آئے اور رشد وہدایت، تعلیم وتلقین وتبلیغ میں مشغول ہو گئے۔

شیخ زاہد اور قانع انسان تھے، توکل آپ کا شعار تھا، دنیاداروں کے پاس نہ جاتے تھے اور نہ ان کے یہاں کوئی چیز کھاتے تھے، جب انھیں کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو صحرا کی طرف چلے جاتے، نماز پڑھتے اور مراقبہ کرتے تھے۔

۲۰ ربیع الاول ۹۳۴ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ ۸۵

شیخ شکر گجراتی

شیخ شکر ناظمی سرآور روزگار علما وفضلا میں سے تھے، آپ کی ولادت قصبہ بھیڑی میں ہوئی جو احمد نگر سے تین دن کی مسافت پر ہے، آپ نے عربی علوم وفنون کی تحصیل اپنے زمانہ کے مشہور اساتذہ کرام سے کی، فقہ اور اصول فقہ میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا۔

آپ عرصۂ دراز تک درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر آپ درس وتدریس کو منقطع کر کے ریاضت وعبادت میں مشغول ہو گئے۔ تقریباً ۹۷۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ۸۶

شیخ جیو گجراتی

شیخ جیو بن محمود بن عبداللہ گجرات کے مشہور صوفیاے کرام میں سے تھے، آپ ۸۵۳ھ کو قصبۂ ''اساول'' میں پیدا ہوئے۔

آپ نے تزکیۂ نفس و اصلاح نفس کی تعلیم اپنے والد ماجد محمود بن عبداللہ اور اپنے چچا محمد بن عبداللہ حسینی بخاری سے لی اور شیخ کے رتبہ پر فائز ہوئے، آپ سے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کیا۔

آپ کا وصال ۱۷ ربیع الثانی ۹۳۱ھ کو ہوا، آپ نے اٹھتر (۷۸) سال کی عمر عزیز پائی۔ ۸۷

امیر عبدالحلیم گجراتی

عبدالحلیم بن محمد گجرات کے وزراے باکمال میں سے تھے، آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو علوم عربیہ سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔

آپ کی ولادت جانپانیر میں ہوئی، آپ نے ایک مدت تک اپنے والد ماجد سے علم کی تحصیل کی، اس کے علاوہ قاضی برہان الدین نہروالی، خطیب ابی الفضل جیسے علماے کبار کا بھی تلمذ اختیار کیا۔

جب آپ کو علوم وفنون میں درجۂ کمال حاصل ہوگیا تو آپ بہادر شاہ کے مقربین میں سے ہوگئے۔ جب محمود شاہ تخت نشین ہوئے تو آپ کو وزارت جلیلہ کے عہدہ پر ۹۵۴ھ میں فائز کیا۔ اور ''المجلس العالی خداوند خاں'' کے لقب سے نوازا، آپ عرصۂ دراز تک اس عہدہ پر قائم رہے۔

آپ کو ۹۶۱ھ میں شہید کردیا گیا۔ ۸۸

مولانا عبدالکریم گجراتی

شیخ عبدالکریم نہروالی مشاہیر علماے گجرات میں سے تھے، آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قاضی عبدالعزیز بن عبدالکریم عینی اجینی آپ کے تلمیذ رشید تھے، اور اکثر درسی کتب آپ سے پڑھی تھیں۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"الشیخ الفاضل الکبیر عبدالکریم النہروالی الگجراتی، احد العلماء المبرزین فی العلوم العربیة". ۸۹

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

شیخ عبدالملک گجراتی

شیخ عبدالملک بیانی عباسی بڑے جلیل القدر محدث تھے، جن کے احسان سے اہل گجرات کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتے۔ حدیث، فقہ، اصول فقہ، تفسیر کے علاوہ عربی زبان وادب پر بھی آپ کو غیر معمولی قدرت

حاصل تھی۔

آپ کی ولادت احمد آباد میں ہوئی۔آپ نے شیخ قطب الدین عباسی گجراتی کے حلقۂ درس میں شرکت کی اور علوم متداولہ کی تحصیل کی اور حدیث کی اجازت لی، شیخ قطب الدین نے "صاحب الضوء الامع" شیخ شمس الدین بن محمد سخاوی سے حدیث کی تحصیل کی تھی۔

شیخ عبدالملک کا حافظہ بہت قوی تھا، آپ ایسے بلند پایہ محدث، فقیہ، مفسر اور ادیب تھے، جن کا اس زمانہ میں کوئی ثانی نہیں تھا اور فی البدیہہ کلام کے مالک تھے۔آپ قرآن کریم اور صحیح بخاری شریف کے حافظ تھے اور آپ کو لفظاً اور معناً یاد تھی، اپنی یادداشت سے درس دیتے تھے، مولانا کمال الدین محمد عباسی ''مفتی اجین'' آپ کے شاگرد رشید تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی "نزهة الخواطر" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وكان عبدالملك مفرط الذكاء جيد القريحة ، له مشاركة جيدة في الفقه والحديث والتفسير والعربية، وكان حافظاً للقرآن الحكيم وصحيح البخاری لفظاً و معناً، وكان يدرس عن ظهر قلبه، ولم يكن مثله في زمانه في التوكل والتجريد".۹۰

آپ کی وفات ۹۷۰ھ کے کچھ بعد ہوئی۔۹۱

شیخ علی بن ابراہیم گجراتی

شیخ علی بن ابراہیم حسینی گجرات کے مشہور مشائخ کرام میں سے تھے، آپ سید احمد الکبیر القطب کی نسل سے تھے، آپ صاحب کشف و کرامات تھے، آپ کا وصال ۳۰؍ جمادی الاخری ۹۷۳ھ کو احمد آباد میں ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔۹۲

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

مولانا علاء الدین عیسیٰ گجراتی

شیخ علاء الدین عیسی بن ابی عیسی مشاہیر علمائے گجرات میں سے تھے اور علامۂ وقت عماد الدین محمد طارمی کے شاگرد رشید تھے، گجرات کے علما میں باعتبار مہارت علم اور کثرت درس و افادہ کے بہت ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا عبدالحیٰ حسنی نے ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے لیے الشیخ، الفاضل، العلامۃ جیسے تعظیمی وتوصیفی القاب ذکر کیے ہیں اور رقم طراز ہیں:

"وکان غزیر العلم کثیر الدرس والافادة". ۹۳

آپ کے حلقۂ درس سے ایسے ایسے علما نکلے جن کی شہرت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ہے، آپ سے ۹۶۶ھ میں شیخ عبدالقادر ابن ابی محمد اجینی نے فن کلام کی کچھ درسی کتب پڑھی تھیں۔ ۹۴

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

مولانا غیاث الدین بھڑوچی

شیخ غیاث الدین بھڑوچی گجرات کے ان علمائے ربانیین میں سے تھے جن کے احسان سے اہل ہند کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتے، عوام الناس کو نفع پہنچانے میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ احسان، مال و متاع، لباس، کتب، ادویات غرض ہر وہ چیز جو انسان کی راحت وآرام کے لیے ہو آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہنچاتے تھے۔

مولانا عبدالحیٰ حسنی "نزهة الخواطر" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"احد العلماء الربانيين، كانت له يد بيضاء في ايصال النفع إلى الناس والاحسان اليهم بالنقود والمطعوم والملبوس والكتب والادوية وبكل ما يرذق من اسباب الراحة من كل جنس ونوع". ۹۵

شیخ عبدالوہاب متقی برہانپوری نے آپ سے ملاقات کی، وہ فرماتے تھے:

میں نے رسول اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور آپ سے سوال کیا؟ اس زمانہ میں لوگوں میں سب سے افضل کون شخص ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا۔ لوگوں میں سب سے زیادہ افضل میاں غیاث، پھر تمہارے شیخ پھر محمد طاہر ہیں۔ ۹۶

شیخ قاضی خاں گجراتی

شیخ قاضی خاں پٹنی گجرات کے مشہور صوفیائے کرام میں سے تھے، آپ شیخ ''قاضن'' کے لقب سے مشہور تھے۔

آپ کی ولادت گجرات میں ہوئی، آپ شیخ علم الدین شاطبی کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے

اور عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر بالآخر فائز المرام ہوئے نیز ان کے علاوہ بھی مشائخ کرام سے سلوک وطریقت کی تعلیم لی، ان کے بتائے ہوئے راستے کی پیروی کی اور اس پر عمل پیرا ہوئے، ان کے بعد شیخ وقت کے رتبہ پر فائز ہوگئے اور آپ سے ہزاروں لوگ ایک لمبے عرصہ تک فیض کسب کرتے رہے۔

آپ سلسلۂ چشتیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔

آپ کی وفات بروز منگل ۲۷ر صفر ۹۲۰ھ کو پٹن میں ہوئی۔[۹۷]

مولانا محمد بن تاج گجراتی

شیخ محمد بن تاج الدین عمری حنفی گجرات کے سرآمد روزگار علما وفضلا میں سے تھے، آپ شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی کی نسل سے تھے، علوم عربیہ میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا۔

مظفر شاہ حلیم گجراتی نے آپ کو ''تاج العلما'' کے لقب سے نوازا تھا۔ گجرات کے علما میں باعتبار مہارت علم اور کثرت درس وافادہ کے بہت ممتاز حیثیت رکھتے تھے، آپ کے حلقۂ درس میں بڑے بڑے علما شامل ہو کر فیض اٹھاتے تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"احد العلماء المتبحرين، والائمة المحققين"۔[۹۸]

آپ کی وفات ۹۳۱ھ کو احمد آباد میں ہوئی اور وہیں تدفین ہوئی۔[۹۹]

شیخ محمد بن حسن گجراتی

شیخ محمد بن حسن عمری مشائخ چشتیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔ آپ کی ولادت ۹۵۶ھ کو احمد آباد میں ہوئی، آپ نے اپنے والد ماجد سے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل کی، ان کی صحبت میں رہ کر درجہ بدرجہ ترقیات کی منازل طے کرتے گئے اور بالآخر فائز المرام ہوئے اور ان کے بعد شیخ کے رتبہ پر فائز ہوئے، آپ مرجع خلائق تھے۔

آپ مشائخ کرام کے عرس میں شامل ہوتے تھے اور بغیر ڈھول تاشے کے گانے کو سنتے تھے، سماع کے وقت آپ کی آنکھیں لبریز ہو جاتی تھیں اور عجیب وغریب کیفیات پیش آتی تھیں۔

آپ کی وفات بروز اتوار ۲۹ر ربیع الاول ۱۰۰۰ھ کو ہوئی۔[۱۰۰]

شیخ محمد بن شمس گجراتی

شیخ محمد بن شمس الدین جانپانیری مشہور صوفیاے گجرات میں سے تھے۔آپ کی ولادت جانپانیر میں ہوئی،آپ سلسلۂ شطاریہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔

آپ ۹۵۲ھ میں شیخ محمد غوث گوالیری کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے،آپ کے ساتھ گوالیار کا سفر کیا اور عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر بالآخر فائز المرام ہوئے اور شیخ کے مرتبہ پر پہنچ گئے۔شیخ محمد غوث نے آپ کو خلیفہ بنایا اور گجرات رخصت کیا۔

ہزار ہا تشنگان گجرات نے آپ سے فیض حاصل کیا،ان میں سے مشہور مندرجہ ذیل ہیں:

امان ابن کمال الدین کالپوی،عثمان بن لادن قرشی،شیخ مکنۃ المجرد،شیخ جمال بن بھکاری یہ حضرات اہل ''مندو'' میں سے تھے اور شیخ محمود ابن جلال وغیرہ۔

آپ صاحب وجد وحالت تھے،آپ جانپانیر سے بڑودہ منتقل ہوگئے تھے،آپ کا وصال ۹۸۹ھ کو بڑودہ میں ہوا۔[۱۰۱]

شمس الدین محمد بن محمد گجراتی

شمس الدین محمد بن محمد گجرات کے سرآمد روزگار علما وفضلا میں سے تھے۔فقہ اور اصول فقہ کے علاوہ عربی زبان وادب پر بھی آپ کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔

آپ ۱۲/ربیع الاول ۸۶۱ھ کو گجرات میں پیدا ہوئے اور اپنے عہد کے مشہور اساتذہ کرام سے علوم متداولہ کی تحصیل کی،درس وتدریس آپ کا مشغلہ تھا،عرصۂ دراز تک آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا اور ہزار ہا تشنگان علم کو فیض یاب کیا۔

مولانا عبدالحیٔ حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"كان من العلماء المبرزين فى الفقه والاصول والعربية"[۱۰۲]

شیخ ابن حجر مکّی نے آپ کے سلسلہ میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے،جیسا کہ "ظفر الواله بمظفر و آله" میں مذکور ہے۔[۱۰۳]

آپ کا وصال ماہ صفر کے اوائل ۹۳۲ھ کو گجرات میں ہوا۔[۱۰۴]

شیخ محمود بن بابو گجراتی

شیخ محمود بن بابو گجرات کے مشاہیر مشائخ کرام میں سے تھے۔فقہ میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا۔
آپ کی ولادت ۸۵۶ھ کو گجرات میں ہوئی،علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ تزکیۂ باطن سے بھی آپ غافل نہ رہے اور سید محمد بن عبداللہ کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے اور عرصہ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر بالآخر فائز المرام ہوئے نیز شیخ کے رتبہ پر فائز ہوئے۔
آپ رشد وہدایت،تعلیم وتلقین،اور تبلیغ میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے،آپ مرجع خلائق تھے، ہزار ہا بندگان خدا نے آپ سے فیض حاصل کیا،آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ مولانا عبدالحیؒ حسنی نے "نـزهة الـخواطر" میں آپ کے لیے الشیخ ،العالم،الفقیہ جیسے تعظیمی وتوصیفی القاب ذکر کیے ہیں۔
آپ کا وصال ۱۰/ جمادی الاخری ۹۴۳ھ کو ہوا اور جانپور میں مدفون ہوئے۔[105]

علامہ محمد بن محمود طارمی

عمادالدین محمد بن محمود طارمی ہندوستان کے مشاہیر علماے کرام میں سے تھے،آپ کی پیدائش اور نشو ونما خراسان کے علاقۂ طارم میں ہوئی،آپ نے طلب علم کے لیے مختلف ممالک کا سفر کیا اور اپنے عصر کے علماے عظام سے علمی استفادہ کیا،آپ کے اساتذہ میں مشہور جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی ہیں جو اپنے وقت کے علامہ تھے اور ابوالفضل گازرونی،ابوالفضل استر آبادی جیسے علماے کبار آپ کے شاگرد تھے۔
محمد بن محمود طارمی ہجرت کر کے گجرات تشریف لائے اور نہر والہ میں سکونت پذیر ہوگئے، نیز عرصۂ دراز تک درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے،آپ کے شاگردوں میں مشہور شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی اور قاضی علاء الدین عیسیٰ گجراتی ہیں دونوں حضرات کثیر التصانیف ہیں اور شیخ مبارک بن خضر جو ابوالفضل اور فیضی کے باپ تھے،احمد آباد میں سکونت کے زمانہ میں ملا عماد طارمی سے تعلیم حاصل کی۔
عمادالدین محمد بن محمود طارمی کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا عبدالحیؒ حسنی نے اپنی اردو تصنیف ''یاد ایام'' میں ''علماے منطق وحکمت'' کے تحت آپ کا ذکر کیا ہے، مولانا موصوف رقم طراز ہیں:

''علماے منطق وحکمت، علامہ نورالدین شیرازی شاگرد میر سید شریف، علامہ ابوالفضل گازرونی،

علامہ ابوالفضل استرآبادی، علامہ عمادالدین طارمی تینوں محقق دوانی کے شاگرد تھے'' ۔[۱۰۶]

عبدالقادر عیدروس ''النورالسافر'' میں رقم طراز ہیں:

"العـالـم الكبير ملا عماد بن محمود الطارمي مولده بطارم: قرية من خراسان نشأبها، واشتغل بتحصيل فنون العلم حتى برع ثم جاء الى كجرات، واقام بها الى ان مات ... .. وكان بارعاً فى كثير من العلوم سيما العقليات قيل: انه كان عـنـده منها كذا وكذا علماً، وكانت له يد طولى فى علم السيمياء وعنه فى ذلك حـكايات مشهورة ..... وممن اخذ عنه من العلماء الاعلام مولانا وجيه الدين، ومولانا العلامة القاضى عيسى"۔[۱۰۷]

عبدالقادر عیدروس نے ''النورالسافر'' میں شیخ طارمی کے والد کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ہم نے اپنے شیخ ملاعبدالرحمٰن ابن حسن سے سنا، وہ فرماتے تھے:

شیخ عمادالدین محمد کے والد محمود طارمی تاجر تھے، انھوں نے ایک ''خیمہ عظیمہ'' تیار کیا، جس کو ہیروں اور جواہرات سے مزیّن کیا اور فروخت کرنے کے لیے ملک روم گئے مگر قیمتی ہونے کی وجہ سے روم کے بادشاہ نے نہیں لیا، پھر اس ''خیمہ'' کو لے کر گجرات آئے مگر سلطان محمود کبیر نے بھی اس کو نہیں لیا، محمود طارمی نے وطن واپس لوٹنے کا ارادہ کیا، اتفاقاً جمعہ کے دن ایک مسجد کے سامنے سے گزر ہوا، اس مسجد میں شیخ کبیر شاہ عالم موجود تھے، انھوں نے کچھ شور وغوغا سنا۔ دریافت کرنے پر لوگوں نے تفصیل بتائی۔ جب آپ کو واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے وہ خیمہ اس شرط پر خرید لیا کہ چند دن کے بعد اس کی قیمت ادا کریں گے۔ شیخ طارمی واپس ہوئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ شیخ قیمت کہاں سے ادا کریں گے جب کہ بادشاہ اس کی قیمت ادا کرنے سے عاجز ہیں؟ شیخ طارمی فوراً واپس آئے تو دیکھا کہ شیخ شاہ عالم خیمہ نصب کیے ہوئے بیٹھے ہیں، شیخ سے رقم طلب کی، شیخ نے اپنی بساط جس پر بیٹھے تھے اُٹھایا اور فرمایا اپنی قیمت لے لو، شیخ طارمی نے بغیر کمی زیادتی کے اپنی قیمت لے لی، شیخ سے معذرت طلب کی اور معتقد ہوگئے، آپ سے اولاد کے لیے دعا کی درخواست کی، شیخ نے کہا انشاءاللہ عنقریب بیٹا پیدا ہوگا۔

جب شیخ محمود وطن واپس لوٹے، تو صاحب تذکرہ عمادالدین محمد کی پیدائش ہوئی، جب بڑے ہوئے اور اپنے والد سے شیخ شاہ عالم کی کرامات سنیں تو گجرات کا سفر کیا مگر شیخ کا انتقال ہو چکا تھا اور

سلطان محمود کے بیٹے سلطان مظفر کا دور سلطنت شروع ہو چکا تھا۔[۱۰۸]

آپ کی وفات ۹۴۱ھ میں بہادر شاہ گجراتی کے عہد سلطنت میں نہر والہ کے حادثے سے پہلے ہوئی۔[۱۰۹]

ملک محمود بن پیارو گجراتی

شیخ محمود بن پیارو حنفی مشاہیر علمائے گجرات میں سے تھے۔ آپ ''ملک محمود'' کے لقب سے مشہور تھے۔

آپ نے علوم متداولہ کی تحصیل کی، فقہ اور اصول فقہ میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اس کے علاوہ آپ شاعر بھی تھے۔

آپ کے والد ماجد ''ملک پیارو'' برہانپور کے وزرائے باکمال میں سے تھے، جن کو ۹۴۴ھ کو برہانپور میں شہید کر دیا گیا، آپ کے صاحبزادہ محمود صحیح سالم گجرات پہنچ گئے اور سید عرب شاہ حسینی، بخاری، گجراتی کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے، نیز سلوک وطریقت کی تعلیم لی اور بالآخر فائز المرام ہوئے۔ پھر آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج وزیارت کی سعادت عظمی سے سرفراز ہوئے۔ ہندوستان واپس آئے، آگرہ گئے اور اکبر شاہ تیموری کے مقربین میں سے ہو گئے، ایک مدت کے بعد شیخ معین الدین حسین سجزی اجمیری کے مقبرہ پر ان کو والی بنایا، اور ایک مدت تک اس کے والی رہے، پھر اس کو چھوڑ دیا اور ۹۸۵ھ میں گجرات چلے گئے۔

آپ ذاتی اور صفاتی اعتبار سے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے، ایسا کوئی علم نہیں تھا جس کو آپ نے حاصل نہ کیا ہو اور اس کو سیکھا نہ ہو۔

عبداللہ محمد بن عمر الآصفی اپنی کتاب ''ظفر الواله بمظفر و آله'' میں رقم طراز ہیں:

"كان من اكمل الرجال ذاتاً وافضلهم صفاتاً، ما من علم الا اتقنة وعلمه ولا ذو اقبال إلا ولديه مقبول الكلمه سعيد الحركة فائض البركة"۔[۱۱۰]

مولانا عبدالحیٔ حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وكان جيد المشاركة فى الفقه والحديث شاعراً مجيد الشعر حسن المحاضرة حلو الكلام مليح الشمائل"۔[۱۱۱]

آپ کا وصال ۱۰۰۰ھ میں ہوا، احمد آباد میں تدفین ہوئی۔

قاضی محمود بن حامد گجراتی

شیخ قاضی محمود بن حامد گجراتی بلند پایہ فقیہ اور کامل شیخ طریقت تھے، والد اور والدہ دونوں کی جانب سے آپ کا نسب اعلیٰ تھا۔

آپ ''قاضی جامگرھ'' کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے والد حامد بن محمد علوی ''قاضی جاملدہ'' کے لقب سے پہچانے جاتے تھے۔

آپ نے اپنے والد ماجد سے استفادہ کیا، دوسری روایت یہ ہے کہ اپنے چچا قاضی حماد سے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل کی اور ان دونوں حضرات نے شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری سے استفادہ کیا تھا۔

ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد حامد بن محمد علوی نے شیخ عبداللطیف بن جمیل نہر والی اور شیخ محمد بن عبداللہ دونوں حضرات سے استفادہ کیا تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آپ کی مختلف نسبتیں تھیں، ان میں کی بعض سید احمد کبیر رفاعی تک پہنچتی ہیں اور ان میں کی بعض شیخ شہاب الدین عمر سہروردی تک پہنچتی ہیں۔

قاضی محمود بن حامد مشائخ کبار میں سے تھے، آپ کو سلسلہ رفاعیہ اور سلسلہ سہروردیہ دونوں نسبتیں حاصل تھیں، آپ مرجع خلائق تھے، ہزاروں لوگ آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہوکر بالآخر فائز المرام ہوئے۔ آپ صاحب کشف وکرامات تھے، آپ سے عجیب وغریب واقعات وقوع پذیر ہوئے۔

آپ ۹۲۰ھ میں احمد آباد سے پیر پور منتقل ہوگئے جو احمد آباد کے اطراف میں سے ایک جگہ ہے اور پیر پور میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے آپ لوگوں سے علیحدہ ہوگئے۔

۱۳ ربیع الثانی ۹۴۱ھ کو پیر پور میں آپ کا وصال ہوا، آپ نے سڑسٹھ (۶۷) سال کی عمر عزیز پائی۔ ۱۱۲

شیخ محمود بن علیم الدین گجراتی

شیخ محمود بن علیم الدین بلند پایہ عالم اور کامل شیخ طریقت تھے، آپ کی ولادت احمد آباد میں ہوئی، اپنے عہد کے مشہور علمائے عظام سے علوم متداولہ کی تحصیل کی اور علوم عربیہ میں درجۂ کمال کو پہنچے۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ تزکیۂ باطن کی طرف سے بھی آپ غافل نہ رہے اور مختلف مشائخ کرام کے دامن فیض سے وابستہ ہوکر بالآخر فائز المرام ہوئے۔

آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ مغربیہ تینوں سلسلوں سے آپ کو

نسبت حاصل تھی۔

سلسلہ چشتیہ اپنے والد ماجد اور شیخ عزیز اللہ المتوکل سے حاصل کیا تھا، سلسلہ سہروردیہ شیخ قاضن سے حاصل کیا تھا اور سلسلہ مغربیہ شیخ احمد مغربی، سرکھیجی سے حاصل کیا تھا۔

آپ عبادت میں بہت زیادہ مشغول رہتے تھے اور بہت زیادہ تواضع، عاجزی، انکساری سے پیش آتے تھے۔

مولانا عبدالحئی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وکان شدید التعبد کثیر التواضع". [۱۱۳]

آپ کا صحیح سال وفات معلوم نہیں۔ ۲۲ر صفر ۹۰۰ھ یا اس کے بعد کسی سال میں آپ کا وصال ہوا۔ [۱۱۴]

شیخ محمود بن محمود گجراتی

شیخ محمود بن محمود عباسی مشاہیر علمائے گجرات میں سے تھے، اس کے ساتھ ساتھ حکمت و معالجہ میں بھی غیر معمولی رتبہ پر فائز تھے، آپ کے بارے میں عجیب و غریب واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔

سلاطین گجرات میں سے محمود کو بعض سلاطین نے قیمتی ہدایا بھیجے، اس میں ایک باندی بھی بھیجی، بادشاہ نے اس باندی کو بعض وزرا پر پیش کیا، اتفاقاً حکیم محمود بن محمود نے اس کی نبض کو دیکھا، قبل اس کے کہ وزیر اس سے مجامعت کرتے حکیم محمود نے ان کو روک دیا اور کہا کہ جو شخص اس سے مجامعت کرے گا وہ عنقریب مر جائے گا، تجربہ کرنے کے لیے ایک غلام کی اجازت چاہی، غلام نے اس سے مجامعت کی اور اسی وقت وہ مر گیا، تو وزیر کو بہت تعجب ہوا اور محمود بن محمود سے اس کے سبب کے بارے میں سوال کیا؟

آپ نے جواب دیا کہ اس کی ماں کو اس کے حمل کے وقت ایسی چیزیں کھلائی گئی تھیں کہ جس میں زہر کا اثر تھا اور اس باندی کو ہدیہ کرنے کا مقصد بادشاہ کو ہلاک کرنا تھا۔

عبدالقادر حضرمی ''النور السافر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"إنه کان آیة الحکمة والمعالجات، وحکی أن بعض السلاطین أهدی إلی السلطان محمود صاحب گجرات أشیاء نفیسه من جملتها جاریة ...... ". [۱۱۵]

آپ کی وفات ۹۹۲ھ کو احمد آباد میں ہوئی۔ [۱۱۶]

قاضی محمود گجراتی

شیخ محمود بن ابی محمود مورپی گجرات کے سرآور روزگار علما وفضلا میں سے تھے، فقہ میں آپ درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور کامل شیخ طریقت تھے۔

آپ ''مورپ'' اطراف گجرات میں پیدا ہوئے اور علوم وفنون کی تحصیل کی، پھر عرصۂ دراز تک درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی سے بھی آپ غافل نہ رہے، شیخ لشکر محمد العارف کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے۔ "نقد النصوص" "مرآة العارفین" اور اس کے علاوہ کتب آپ سے پڑھیں۔

آپ کے شیخ لشکر محمد العارف نے "هداية الفقه" آپ سے پڑھی، اس کے علاوہ مولانا موسیٰ سندی اور حکیم عثمان سندی نے نحو اور عربی ادب کی کتب آپ سے پڑھیں۔[۱۷]

شیخ مودود گجراتی

شیخ مودود بن علم الدین پٹنی گجرات کے مشہور علمائے عظام میں سے تھے، علم قراءت اور تجوید میں آپ درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی اور عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر بالآخر فائز المرام ہوئے نیز ان کے بعد شیخ وقت رہے اور سینکڑوں علمائے کرام نے آپ سے استفادہ کیا۔

آپ کا وصال ۹۱۳ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر پچاسی (۸۵) سال تھی، آپ کی قبر پٹن صوبۂ گجرات میں ہے۔[۱۸]

شیخ موسیٰ گجراتی

شیخ کلیم الدین موسیٰ بن ابی موسیٰ گجرات کے مشاہیر صوفیائے کرام میں سے تھے، آپ فصیح الکلام تھے، انداز گفتگو بہت شیریں تھا، اوقات کو محفوظ رکھنے کے ساتھ عبادت میں بہت زیادہ مشغول رہتے تھے۔

مولانا عبدالحیٔ حسنی "نزهة الخواطر" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"حلو الكلام، فصيح العبارة، شديد التعبد."[۱۹]

آپ کی وفات احمد آباد میں ہوئی، آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

شیخ میانجیو گجراتی

شیخ میانجیو بن داؤد بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ کامل شیخ طریقت بھی تھے۔

آپ کی ولادت پٹن صوبہ گجرات میں ہوئی اور نشو ونما ''مندو'' میں ہوا۔ آپ نے علم کی تحصیل کے لیے برہان پور کا سفر کیا، پھر گجرات کا سفر کیا، آپ نے درسی کتب اپنے عہد کے علمائے کبار سے پڑھیں، اور درجۂ کمال تک پہنچے، علوم باطنی کی طرف سے بھی آپ غافل نہ رہے، شیخ احمد بن جعفر شیرازی اور شیخ صدرالدین ذاکر، برودی کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے اور ان کے بعد شیخ کے رتبہ پر فائز ہوگئے۔ آپ بسر اوقات کے لیے تجارت کرتے تھے۔

آپ کا وصال ۹۸۵ھ کو ''مندو'' میں ہوا۔ ۱۲۰

قاضی نجم الدین گجراتی

شیخ نجم الدین حنفی مشاہیر فقہائے گجرات میں سے تھے، محمود شاہ اول کے عہد میں آپ گجرات کے قاضی القضاۃ تھے اور عوام پر ہمیشہ گہری نظر رکھتے تھے۔

آپ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک دن کسی سنار کے ہاتھ میں ایک رَباب دیکھا۔ جسے اس نے بادشاہ کے لیے رکھ چھوڑا تھا، آپ نے اسے اس کے ہاتھ سے لے کر توڑ دیا، جب بادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی، تو اس نے یہ کہا کہ وہ کمزوروں پر جری ہیں، صاحب رسول آباد والے پر احتساب کیوں نہیں کرتے؟ اس کا اشارہ شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری کی طرف تھا، جو ریشم پہنتے اور گانا سنتے تھے۔

جب قاضی صاحب تک بادشاہ کی بات پہنچی تو وہ رسول آباد گئے، لیکن شیخ کو دیکھ کر مرعوب ہوگئے، ان کے سامنے جھک گئے اور شیخ کے دامن فیض سے وابستہ ہوکر بالآخر فائز المرام ہوئے۔

آپ کا وصال ۹۱۱ھ میں ہوا۔ ۱۲۱

شیخ نصیر الدین گجراتی

شیخ نصیر الدین بن مجد الدین گجراتی مشہور صوفیائے کرام میں سے تھے۔ آپ کی ولادت احمد آباد میں ہوئی، آپ نے علوم متداولہ کی تحصیل اپنے عہد کے علمائے کبار سے کی تھی۔

علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی سے بھی آپ غافل نہ رہے اور سلوک وطریقت کی تحصیل اپنے والد ماجد مجد الدین بن سراج الدین سے لی، بالآخر کامیاب ہوئے اور ان کے بعد آپ کے جانشین مقرر

ہوئے، اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن رہے، آپ مشائخ چشتیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔

آپ کی وفات ۲۷ر رجب ۹۱۰ھ کو احمد آباد میں ہوئی۔ [۱۲۲]

شیخ یعقوب گجراتی

شیخ یعقوب بن خوند میر گجرات کے عظیم ترین علمائے وقت میں سے تھے، آپ گجرات میں پیدا ہوئے۔

آپ نے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل اپنے والد ماجد اور شیخ محمد اختیار گجراتی سے لی، نیز عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر بالآخر فائز المرام ہوئے۔ اپنے عہد کے مشہور اکابرین میں شمار کیے جاتے تھے، آپ صاحب کشف وکرامات تھے۔

آپ کا وصال ۲۸ر ذی قعدہ ۹۲۷ھ کو ہوا۔ [۱۲۳]

شیخ یوسف بن سلیمان گجراتی

شیخ یوسف بن سلیمان اسماعیلی سدھ پوری فرقۂ اسماعیلی کے داعیوں میں سے ایک تھے۔

سیف الدین عبد العلی نے "المجالس السیفیة" میں آپ کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ ملک یمن گئے، علم التنزیل اور علم التاویل کی تحصیل شیخ عماد الدین ادریس ابن الحسن اسماعیلی یمنی سے لی، عماد الدین نے آپ کو اپنے فرقہ کا داعی مقرر کیا۔ آپ ہندوستان واپس آئے اور فرقۂ اسماعیلی کی ہندوستان میں تبلیغ کی، جب یوسف بن سلیمان قریب المرگ ہوئے تو جلال الدین گجراتی کو اپنے فرقہ کا داعی مقرر کیا۔ [۱۲۴]

مولانا یوسف گجراتی

شیخ یوسف گجرات کے سرآمد روزگار علما وفضلا میں سے تھے، آپ نہایت سلیم الطبع تھے۔

آپ کی ولادت بنگال میں ہوئی، علوم وفنون کی تحصیل کے لیے آپ نے سفر کیا، بہت سے ممالک کی سیاحت کی اور بالآخر گجرات پہنچے اور عرصۂ دراز تک علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل کی اور بالآخر فائز المرام ہوئے۔

آپ برہان پور تشریف لے گئے، وہاں پر مستقل سکونت اختیار کر لی اور نکاح کر لیا۔ سیکڑوں علما و مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ عیسیٰ ابن القاسم سندی، اور پیر محمد حلیم نے بھی عرصۂ دراز تک آپ کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل کی اور بالآخر فائز المرام ہوئے۔ [۱۲۵]

(ج) گجرات میں عربی زبان وادب کا فروغ
(دسویں صدی ہجری تک)

گجرات میں مشائخ کرام اور علماے عظام کا سلسلہ ساتویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اور آٹھویں نویں صدی ہجری میں اس میں برابر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

البتہ جہاں تک عربی زبان میں تصنیف وتالیف کا تعلق ہے تو ناچیز کی تلاش وجستجو کے مطابق اس کا آغاز نویں صدی ہجری میں شیخ ابوبکر دمامینی کی آمد سے ہوتا ہے۔ شیخ کے سوانح اور تصانیف کے بارے میں مفصل گفتگو اپنے موقع سے کی جائے گی۔ یہاں سردست صرف یہ عرض کرنا ہے کہ شیخ نویں صدی ہجری کے مشاہیر ادب میں ہیں۔ عربی نثر ونظم دونوں پر آپ کو قدرت حاصل تھی۔ امام سخاوی نے "الضوء اللامع" میں اور مولانا عبدالحی حسنی نے "نزهة الخواطر" میں آپ کا مبسوط تذکرہ قلم بند کیا ہے۔ مولانا عبدالعزیز میمنی راجکوٹی نے آپ کو 'علامۃ الدھر'' کہا ہے۔

گجرات میں آپ کی آمد سلطان احمد بن محمد مظفر گجراتی کے عہد سلطنت میں ۸۲۰ھ میں ہوئی، آپ نے یہاں کے شہر احمد آباد میں سکونت اختیار کی اور درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا نیز متعدد کتابیں بھی تصنیف کیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) شرح تسهيل ابن مالك

(۲) شرح مغني اللبيب

(۳) شرح صحيح بخاری

(٤) عين الحياة خلاصه حياة الحيوان

آپ کا وصال ۸۲۷ھ میں گجرات کے شہر گلبرگہ میں ہوا، یہ شہر آج کل صوبہ کرناٹک میں ہے۔

یہاں آپ کے چند عربی اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

رمانی زمانی بما سائنی ... فجاءت نحوس و غابت سعود

وأصبحت بين الورى بالمشيب ... عليلا فليت الشباب يعود

قـلـت لـه و الـدجـى مـول | و نـحـن بـالانـس فـي التلاقـي
قـد عـطـس الـصبح يـا حبيبي | فـلا تشـمتـه بـالـفـراق

الـلـه اكبـر يـا مـحـراب طـرتـه | كـم ذا تصلى بنار الحرب من صاب
و كم أ قمت با حشائي حروب هوى | فـمنك قـلبـي مـفتـون بمحـراب

عربی زبان میں تصنیف و تالیف کے تعلق سے دوسرا نام شیخ علی بن احمد مہائی کا ملتا ہے، آپ کی شخصیت اپنے امتیازات اور انفرادی خصوصیات کی وجہ سے بہت نمایاں و افضل ہے۔

آپ کی ولادت ۷۷۶ھ میں مہائم میں ہوئی، آپ کے اجداد و اسلاف حجاج بن یوسف کے خوف سے مدینہ طیبہ سے ہجرت کر کے مہائم میں سکونت پزیر ہو گئے تھے، آپ کی تصانیف کا عربی ادب میں اہم مقام ہے۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان'' میں اور نواب صدیق حسن خاں نے ''ابجد العلوم'' میں اور مولانا عبدالحی حسنی نے ''نزھۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے اور آپ کی عربی تصانیف کو دیکھ کر لکھا ہے کہ آپ کو ابن عربی ثانی کہنا زیبا ہے۔

آپ کی تصنیف " تبصیر الرحمن و تیسیر المنان "تفسیر قرآن پاک کا سب سے بڑا تصنیفی شاہکار ہے، جس میں آپ نے ایک آیت کا دوسری آیت سے ربط بتایا ہے، اور پوری سورت کا مضمون ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح مناسبت رکھتا ہے یہ بتایا ہے، پھر اسی کے ساتھ ہی حقائق و معارف بھی اختصار کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ آپ کی دوسری تصنیف " أدلة التوحيد " ہے جو الم ذلك الكتاب لا ريب فيه کے وجوہ اعراب کے بیان میں ہے، جس میں بارہ کروڑ تراسی لاکھ چوالیس ہزار پانچ سو چوبیس (۱۲۸۳۴۴۵۲۴) وجوہ اعراب بیان کی ہیں۔ آپ سے چوبیس عربی تصانیف یادگار ہیں جن میں سے مشہور مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تبصير الرحمن و تيسير المنان فى تفسير القرآن

(۲) انعام الملك العلام باحكام حكم الاحكام

(۳) أدلة التوحيد

(٤) إراءة الدقائق شرح مرآة الحقائق

(٥) رساله فی الفقه الشافعی

(٦) الرتبه الرفیعه فی الجمع و التوفیق بین اسرار الحقیقة و انوار الشریعه

آپ کی وفات بروز جمعہ ۲۸ جمادی الاخری ۸۳۵ھ کو مہائم میں ہوئی۔

نویں صدی ہجری میں تصنیف و تالیف کے تعلق سے قاضی احمد بن محمد جونپوری کی عربی زبان و ادب کے فروغ میں اہم خدمات ہیں۔ آپ کو عربی نثر پر قدرت حاصل تھی۔

آپ کی ولادت اور نشو ونما گجرات میں ہوئی، علوم عربیہ کی تعلیم مکمل کی، فقہ اور اصول فقہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی چند عربی تصانیف ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور " فتاوی ابراھیم شاھی " ہے۔ مولانا عبدالحی حسنی نے " نزھة الخواطر " میں آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے " کشف الظنون " میں فتاوی ابراہیم شاہی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ایک اہم کتاب ہے جس میں آپ نے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کتابوں کو ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے، اس کی ضخامت فتاوی قاضی خاں سے زیادہ ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ ''فتاوی شاہی'' شاہ شرقی کے نام معنون کی ہے؟ یا ابراہیم عادل شاہ کے نام معنون کی گئی ہے؟ فتاوی ابراہیم شاہی کا آغاز الحمد لله الذی رفع منار العلم وأعلی مقداره الخ سے ہوتا ہے۔ آپ کا وصال ۸۷۴ھ میں ہوا۔

عربی زبان میں تصنیف و تالیف کے تعلق سے مفتی رکن الدین ناگوری کا نام ملتا ہے، آپ عربی زبان کے ماہر تھے اور علوم عربیہ کے جملہ فنون پر ان کی نظر تھی، آپ کی تصنیف " الفتاوی الحمادیه " بہت اہم کتاب ہے، جو فقہ حنفی کی مستند کتاب ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی اردو تصنیف ''یاد ایام'' اور اپنی عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں فتاوی الحمادیہ کی بہت تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ مفتی صاحب نے فقہ، اصول فقہ، حدیث اور تفسیر کی دو سو چار (۲۰۴) کتابوں کو پیش نظر رکھ کر اس کو تصنیف کیا ہے، فتاوی عالمگیری میں اس کے حوالے جابجا موجود ہیں۔ فتاوی حمادیہ کا آغاز الحمد لله الذی نور قلوب العارفین بنور التوحید والایمان الخ سے ہوتا ہے۔

ملا داود گجراتی کی عربی تصنیف " تحفة السلاطین " ایک اہم کتاب ہے، اسے انھوں نے سلطان

فیروز بن داود بہمنی کے لیے لکھا تھا۔آپ ہندوستان کی تاریخ اور سیرت وسوانح کا گہرا علم رکھتے تھے۔

گجرات میں دسویں صدی ہجری میں عربی ادبا و مصنفین کی کثیر تعداد نظر آتی ہے، جنھوں نے عربی زبان میں کتابیں تصنیف کیں، اور عربی زبان کے بڑے قادر الکلام شعرا میں سے بھی تھے۔

عربی زبان کے ادبا میں سے شیخ عبدالقادر حضرمی کا نام بہت مشہور ہے، آپ عربی زبان کے ماہر ادیب تھے اور کثیر التصانیف تھے۔ الروض الاریض و الفیض المستفیض کے نام سے آپ کا عربی دیوان ہے۔

آپ کی ولادت بروز جمعرات ۱۰ ربیع الاول ۹۷۸ھ کو احمد آباد گجرات میں ہوئی، آپ کے والد شیخ بن عبداللہ ۹۵۸ھ میں یمن سے ہجرت کر کے احمد آباد گجرات میں سکونت پزیر ہو گئے تھے، آپ نے ہند اور یمن کے مشہور علمائے عظام سے علوم متداولہ کی تحصیل کی، اس کے بعد گجرات میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

مولانا عبدالحی حسنی نے "نزهة الخواطر" میں اور خیر الدین الزرکلی نے "الاعلام" میں اور یوسف الیان سرکیس نے "معجم المطبوعات" میں آپ کا مبسوط تذکرہ قلم بند کیا ہے، اس کے علاوہ آپ کی خودنوشت سوانح عمری "الفتوحات القدوسیه فی الخرقة العید روسیه" کے نام سے ہے۔ آپ سے عربی زبان و ادب میں اکتالیس (۴۱) تصانیف یادگار ہیں، جن میں سے چند کتابوں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) النور السافر عن اخبار القرن العاشر
(۲) اتحاف الحضرة العزیزه لعیون السیره الوجیزه
(۳) ألروض الأریض و الفیض المستفیض
(٤) الروض الناضر فی من اسمه عبد القادر
(٥) الفتح القدسی فی تفسیر آیت الکرسی
(٦) الدر الثمین فی بیان المهم من علوم الدین

آپ کی وفات ۱۰۳۸ھ میں احمد آباد میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے بعض عربی اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

اذا مـا اشتـد ليـل الهموم و دجى	جـعـلـت الـى اهـل بـدر ألالتجـا
ومـا خـاب عـبـد لهم قـد رجـا	ومتـي تـوسـل بهـم الى الله فرجا
شـافـعـى احـمـد لـى عند مـالكى	ومـا خـاب مـن احـمـد لـه شـافـع
بـل حـقـيـق ان يـغـفـر لـه زلاتـه	ويـنـعـم عـلـيـه بـالذى هو طامع
لما كان حبيبى اصل مبدأ الوجود	وكـان فـى الـخـلـق لـلرسل ختام
صـح انهـم بيـت حسـن بـدا	لـكـن حبيبى كان لحسنهم التمام

دسویں صدی ہجری میں عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے دوسرا نام شیخ قطب الدین محمد بن احمد نہروالی کا ملتا ہے، آپ اپنے زمانے کے مشہور عربی ادبا میں تھے۔عربی نثر ونظم دونوں پر آپ کو قدرت حاصل تھی اور عربی زبان کے بڑے قادر الکلام شعرا میں تھے، آپ نے بعض احباب کو عربی زبان میں منظوم مکتوب بھی لکھے ہیں۔

شیخ عبدالقادر حضرمی نے "النور السافر" میں، اَبوالفلاح عبدالحی بن عماد حنبلی نے "شذرات الـذهـب" میں، علامہ محمد بن علی الشوکانی نے "البـدر الطـالـع" میں اور عمر رضا کحالہ نے "معـجـم المؤلفين" میں آپ کا مبسوط تذکرہ قلم بند کیا ہے۔

آپ کی ولادت ۹۱۷ھ میں مکۃ المکرمہ میں ہوئی، آپ کے والد گجرات سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے تھے۔ شیخ قطب الدین نے بغرض تعلیم مختلف ممالک کا سفر کیا، پھر مفتی مکہ مقرر ہوئے، درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا، نیز متعدد عربی کتابیں بھی تصنیف کیں، جن میں سے چند کتابوں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) الإعلام بأعلام بيت الله الحرام

(۲) البرق اليمانى فى الفتح العثمانى

(۳) منتخب التاريخ فى التراجم

(٤) الجامع فى الحديث

(٥) الكنز الأسمى فى فن المعمى

آپ کی وفات ۹۹۰ھ میں مکۃ المکرمہ میں ہوئی۔آپ کے بعض عربی اشعار بطور نمونہ پیش کیے

جاتے ہیں:

بسیف الحجی عند اهتراز النوائب | تقلدت فا ستغنیت عن کل قاضب
وجردت من رأسی الشدید عزائماً | افل بها حد السیوف الغواضب
فضائلهم محصورة فی ثیابهم | واورادهم اتقان هذه المناکب
زمانی رمانی بینهم یستهیننی | ولیس محلی غیر هام الکواکب

گجرات میں عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے تیسرا نام خطیب الفضل گازرونی کا ملتا ہے، آپ عربی زبان کے ماہر تھے نیز علوم عربیہ کے جملہ فنون پر ان کی نظر تھی۔

آپ کی پیدائش اور نشو نما شیراز میں ہوئی، جلال الدین دوانی کے شاگرد تھے نیز محی الدین کی شاگردی بھی اختیار کی تھی جو نامور عالم سید شریف جرجانی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ سلطان محمود بن محمد گجراتی کے عہد سلطنت میں ہندوستان تشریف لائے اور گجرات میں درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا، نیز متعدد کتابیں بھی تصنیف کیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) شرح الارشاد

(۲) حاشیه علی تفسیر البیضاوی

(۳) حاشیه علی شرح المواقف

آپ کی وفات ۹۴۰ھ کے آس پاس ہوئی۔

گجرات میں عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے قاضی جگن کا نام ملتا ہے، آپ علوم عربیہ کے ماہر تھے نیز فقہ اور اصول فقہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

آپ کی پیدائش اور نشو نما گجرات کے قصبہ ''کن'' یا ''کڑی'' میں ہوئی، آپ کی عربی زبان میں مایۂ ناز تصنیف" خزانة الروایات" ہے جو فقہ حنفی میں لکھی ہے اور اس کتاب کے شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا ہے، یہ کتاب چھٹی، ساتویں، اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتابوں سے اقتباسات کا مجموعہ ہے مگر علمائے احناف اس کی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے ہیں۔

ابوالفلاح عبدالحی بن عماد الحنبلی نے "شذرات الذهب" میں اور مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی اردو تصنیف "یاد ایام" اور عربی تصنیف "نزهة الخواطر" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے۔"خزانة

الروایات" کا آغاز الحمد لله الذی خلق الانسان وعلمه البیان سے ہوتا ہے۔آپ کی وفات تقریباً ۹۲۰ھ میں ہوئی۔

دسویں صدی ہجری میں عربی زبان وادب کے فروغ میں شیخ حسن بن احمد گجراتی کی اہم خدمات ہیں،علوم ادبیہ میں آپ کو بڑی مہارت تھی نیز فقہ،اصول فقہ اور تفسیر سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔

آپ کی ولادت بمقام احمد آباد ۹۲۳ھ میں ہوئی،آپ علامہ کمال الدین دہلوی کی اولاد میں سے تھے۔علوم عربیہ کی تعلیم اپنے والد احمد بن نصیر الدین اور اپنے چچا شیخ جمال الدین سے کی۔

مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی اردو تصنیف ''یادایام'' اور عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے۔آپ نے عربی زبان میں متعدد کتابیں تصنیف کیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) تفسیر القرآن الکریم

(۲) تعلیقات شریفه علی تفسیر البیضاوی

(۳) حاشیه علی نزهته الا رواح

آپ کی وفات ۲۸/ذیقعدہ ۹۸۱ھ یا ۹۸۲ھ میں ہوئی۔

گجرات میں عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے شیخ رحمت اللہ سندی کا نام ملتا ہے،علوم عربیہ کے جملہ فنون پر ان کی نظر تھی۔

آپ کی پیدائش ''دربیلہ'' اطراف سندھ میں ۹۳۰ھ کے آس پاس ہوئی،اور علوم عربیہ کی تحصیل علمائے گجرات،اور علمائے حرمین سے کی،حرمین شریفین سے واپسی پر آپ نے گجرات میں مستقل سکونت اختیار کی،اور درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔عبد القادر عیدروس نے ''النور السافر'' میں مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی اردو تصنیف ''یادایام'' اور عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں خیر الدین الزرکلی نے ''الاعلام'' میں اور یوسف الیان سرکیس نے ''معجم المطبوعات'' میں آپ کا مبسوط تذکرہ قلم بند کیا ہے۔آپ نے عربی زبان میں متعدد کتابیں تصنیف کیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) کتاب المناسك

(۲) المناسك الصغیر

(۳) لباب المناسك و عباب المسالك

(٤) مجمع المناسك و نفع المناسك

(٥) المناسك الاوسط

(٦) غاية التحقيق و نهاية التدقيق فى الاقتداء بالشافعيه

(٧) المناسك الكبير

آپ کی وفات ۱۸محرم الحرام ۹۹۳ھ میں مکۃ المکرّمہ میں ہوئی۔

گجرات میں عربی علوم وفنون کے فروغ میں شیخ عبداللہ متقی سندی کی اہم خدمات ہیں، علوم عربیہ میں آپ کو بڑی مہارت تھی نیز فن حدیث کے امام تھے۔

آپ کی پیدائش سندھ میں ہوئی، عربی علوم کی تحصیل کے لیے گجرات اور مدینہ منورہ کا سفر کیا، ۹۷۷ھ میں شیخ رحمت اللہ کے ساتھ گجرات تشریف لائے، اور درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ عبدالقادر عیدروس نے " النور السافر " میں، مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی اردو تصنیف "یاد ایام" اور عربی تصنیف "نزهة الخواطر" میں، عبدالحی بن العماد الحنبلی نے "شذرات الذهب" اور اسماعیل باشا البغدادی نے " هدية العارفين" میں آپ کا مبسوط تذکرہ قلم بند کیا ہے۔

آپ کی عربی تصنیف حاشیہ علی عوارف المعارف ہے۔ آپ کا وصال ماہ ذی الحجہ ۹۸۴ھ میں مکۃ المکرّمہ میں ہوا۔

شیخ عطا محمد دسویں صدی ہجری کے مشاہیر ادب میں ہیں، عربی نثر ونظم دونوں پر آپ کو قدرت حاصل تھی، مولانا عبدالحی حسنی نے "نزهة الخواطر" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے، حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون " میں آپ کے عربی دیوان کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ کے اشعار شیخ ابن الفارض مصری کے اشعار کے طرز پر ہیں۔

آپ کی وفات ماہ ربیع الاول ۹۸۶ھ میں احمد آباد میں ہوئی۔

دسویں صدی ہجری میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے شیخ محمد بن خطیر الدین المعروف محمد غوث گوالیاری کا نام ملتا ہے، آپ کی شخصیت اپنے امتیازات اور انفرادی خصوصیات کی وجہ سے بہت نمایاں اور افضل ہے۔ آپ کی ولادت ۷/رجب المرجب بروز جمعہ ۹۰۷ھ یا ۹۰۶ھ میں گوالیار میں ہوئی۔ علمائے کبار سے آپ نے علوم وفنون کی تحصیل کی۔

مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی اردو تصنیف "یاد ایام" اور عربی تصنیف "نزھۃ الخواطر" میں، خیر الدین الزرکلی نے "الاعلام" میں، عبدالقادر بدایونی نے "منتخب التواریخ" میں اور ایوب قادری نے "تذکرہ علماے ھند" میں آپ کا مبسوط تذکرہ قلم بند کیا ہے۔ آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی، شیخ صدرالدین ذاکر، شیخ علی شیر اور بہت سے علماے گجرات نے آپ سے استفادہ کیا ہے، آپ کی چند تصانیف کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(١) بحر الحیات

(٢) ضمائر و بصائر

(٣) کنز الوحدہ

(٤) کلید مخازن

(٥) رفیع الدرجات

آپ کی وفات ١٤ رمضان المبارک روز دوشنبہ ٩٧٠ھ میں اکبر آباد میں ہوئی اور گوالیار میں مدفون ہوئے۔

گجرات میں دسویں صدی ہجری میں عربی زبان میں تصنیف و تالیف کے تعلق سے شیخ محمد بن طاہر پٹنی کا نام بہت مشہور ہے۔ آپ عربی زبان کے بڑے ماہر تھے اور علوم عربیہ کے جملہ فنون پر ان کی نظر تھی۔ آپ کی ولادت ٩١٣ھ یا ٩١٤ھ میں پٹن گجرات میں ہوئی، آپ نے ہند اور حجاز کے علماے عظام سے علوم عربیہ کی تحصیل کی، اور گجرات میں درس و تدریس کو اپنا مشغلہ بنایا۔

مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی اردو تصنیف "یاد ایام" اور عربی تصنیف "نزھۃ الخواطر" میں، عمر رضا کحالہ نے "معجم المؤلفین" میں، میر غلام علی آزاد بلگرامی نے "سبحۃ المرجان" میں، عبدالقادر عیدروس نے "النور السافر" میں، نواب صدیق حسن خاں نے "ابجد العلوم" میں، خیر الدین الزرکلی نے "الاعلام" میں اور عبدالحی بن العماد نے "شذرات الذھب" میں آپ کا مبسوط تذکرہ قلم بند کیا ہے۔ مولانا عبدالحی حسنی نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "علامہ محمد بن طاہر پٹنی ایسے بلند پایہ محدث تھے جن کے فضل و کمال کی شہرت دنیا بھر میں ہے اور ان کی تصنیفات سے علماے حجاز و یمن اسی طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے کے ہندوستان کے علما"۔ آپ کی بہت سی عربی تصانیف

ہیں جن میں سے چند عربی تصانیف کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(١) حاشیه توضیح وتلویح

(٢) حاشیه صحیح بخاری

(٣) حاشیه صحیح مسلم

(٤) حاشیه مشکوة المصابیح

(٥) حاشیه مقاصد الاصول

(٦) دستور الصرف

(٧) سوانح نبوی (ﷺ)

(٨) کفایة المفرطین

(٩) المغنی فی ضبط اسماء الرجال

(١٠) تذکرة الموضوعات

(١١) قانون الموضوعات

(١٢) مجمع بحار الانوار

(١٣) اسماء الرجال

٦ شوال ٩٨٦ھ کو "سوحی" اطراف اجین میں مہدوی فرقہ کے لوگوں نے آپ کو شہید کر دیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ گجرات میں عربی زبان وادب کے فروغ میں علمائے گجرات کا بڑا حصہ رہا ہے، گجرات کے جن عربی ادبا واصحاب تصانیف کا گزشتہ صفحات میں اجمالاً ذکر کیا گیا، آئندہ صفحات میں ان کا نسبتہً تفصیلی ذکر عہد بہ عہد کیا جاتا ہے اور اسی کے ضمن میں نویں اور دسویں صدی ہجری کے وہ شاہان گجرات جو علوم عربیہ کے ماہر، نیز علوم وفنون کے قدر دان تھے جسکی وجہ سے عربی زبان وادب کو زبردست فروغ ملا، ان شاہان گجرات کا بھی آئندہ صفحات میں اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

احمد شاہ گجراتی

احمد بن محمد بن مظفر گجراتی کی ولادت ٧٩٣ھ میں گجرات میں ہوئی، یہ اپنے دادا مظفر شاہ کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ٨١٤ھ میں تخت نشین ہوئے، اور عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کی۔ احمد شاہ

کے عہد حکومت میں بڑی فتوحات ہوئیں، اس کے دور میں علم کا بڑا چرچا تھا، اس نے اپنے نام پر ''احمد آباد'' کے نام سے ایک شہر آباد کیا اور اس کو دار السلطنت بنایا۔

مولانا عبد الحی حسنی اپنی اردو تصنیف ''یاد ایام'' (مختصر تاریخ گجرات) میں احمد شاہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''مظفر شاہ کے مرنے کے بعد اس کا پوتا احمد شاہ تخت نشین ہوا، یہ تاتار خاں کا بیٹا تھا، جس نے اپنے باپ کی زندگی میں وفات پائی تھی، یہ بڑا اُولوالعزم بادشاہ تھا، سب سے پہلے اس نے اپنے نام پر احمد آباد کا سنگ بنیاد نصب کیا، اور ایسی خوش اسلوبی سے اس کو آباد کیا، جو عرصہ دراز تک ہندوستان کا بے نظیر شہر سمجھا جاتا رہا ہے، اسی کے ساتھ احمد شاہ نے ہندو راجاؤں کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے اپنی سرحدوں کو مظبوط کرنے کی طرف توجہ کی، اور اس کی وجہ سے اس کو بارہا خونخوار جنگوں میں مبتلا ہونا پڑا جن میں وہ ہمیشہ مظفر و منصور رہا، اور گرد و پیش کے بڑے بڑے راجہ اس کو پیشکش دینے پر مجبور ہو گئے، اس کی حکمرانی کا سب سے بڑا کارنامہ اس کے ضوابط و قوانین تھے، اور مظفر شاہ حلیم کے زمانے تک قائم رہے''۔[۱۲٦]

مولا سید ابوظفر ندوی ''گجرات کی تمدنی تاریخ'' میں لکھتے ہیں کہ احمد شاہ اول کے عہد سلطنت میں مندرجہ ذیل اضلاع قبضہ میں تھے:

''ناگور، جالور، نزرباد، دھولکا، دہندوکا، پٹن، بڑودہ، بھڑوچ، کپرونج، راندیر (سورت) کھنبایت، سومناتھ، احمد آباد (مع لڑی) احمد نگر (ایڈو) مہائم (ممبئی) بالاسنور، جھالادار (پایہ تخت) دیرم گام، داہود (دوحد) سلطانپور، تھانہ اس کے ماتحت تھے''۔[۱۲۷]

احمد شاہ علم اور علما کا بہت قدردان تھا۔ اسی وجہ سے عرب و عجم کے علمائے وقت ہجرت کر کے گجرات تشریف لائے، اور گجرات اہل علم کا مرکز بن گیا۔ اس کے عہد سلطنت میں بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں۔

محمد بن ابی بکر الدمامینی جن کی ولادت ۷٦۳ھ میں اسکندریہ میں ہوئی، اور مختلف ممالک میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی، اور قاہرہ میں قاضی بھی رہے مگر احمد شاہ کے عہد حکومت میں یمن سے ہندوستان تشریف لائے، یہاں آپ کو بڑا عروج نصیب ہوا۔ آپ نے "شرح تسهيل لابن مالك" اور "مصابيح الجامع شرح بخاری" اور "عين الحياة مختصر حياة الحيوان الكبرى

للدميری "اور "شرح مغنی اللبیب"یہ چاروں کتابیں لکھ کر سلطان احمد شاہ کے نام پر معنون کی تھیں۔

مولانا عبدالحی حسنی اپنی عربی تصنیف "نـزهة الخـواطر" میں سلطان احمد شاہ گجراتی کا تزکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اجتمع عنده أهل العلم من كل ناحيه من نواحي الأرض و صنفوا له التصانيف، منهم الشيخ الإمام بدر الدين محمد بن أبي بكر الدماميني، فانه صنف له : شرح التسهيل لابن مالك و مصابيح الجامع وهو شرح البخاري و عين الحياة وهو مختصر حياة الحيوان الكبرى للدميري و تحفة الغريب شرح مغني اللبيب" ١٢٨

احمد شاہ نے ۸۴۵ھ میں اس دار فانی سے کوچ کیا، اور بتیس (۳۲) سال تک کامیاب حکومت کی۔ ١٢٩

شیخ شہاب الدین احمد کھتوی

شیخ شہاب الدین احمد بن عبداللہ گجرات کے مشہور صوفیاے کرام میں سے تھے، اور روحانیت کے درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

آپ کی ولادت ۷۳۷ھ ناگور کے ایک دیہات موسوم بہ "کھتو" میں ہوئی۔ ١٣٠ مولانا ابوظفر ندوی نے "تحفۃ المجالس" کے دیباچہ میں آپ کا سنہ ولادت ۷۳۸ھ بمقام دہلی تحریر کیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ آئین اکبری ص: ۲۲۰ کلکتہ ایڈیشن میں ۷۳۷ لکھی ہے جو ان کی عمر اور سنہ وفات کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔ ١٣١

وہ مزید رقم طراز ہیں:

"شیخ احمد کھتو: آپ کا خاندان دہلی کا باشندہ تھا، اور فوجی خدمت ان کا پیشہ، اسی لیے ان کے نام کے ساتھ "ملک" کا خطاب نظر آتا ہے، شیخ کی ولادت بعہد سلطان محمد تغلق ۷۳۸ھ میں بمقام دہلی ہوئی، اور آپ کا نام "ملک نصیر الدین" رکھا گیا، خاندان میں چونکہ فارغ البالی تھی اس لیے ناز و نعم سے پرورش پاتے رہے، آپ کا مکان دہلی میں چور باغ کے کنارے واقع تھا، ان کے دو بھائی اور تھے، یہ سب سے چھوٹے تھے، ان کو کھلانے، نہلانے اور سیر کرانے کے لیے ایک دایہ مقرر تھی جو روزانہ ان کو ہوا خوری کے لیے باہر لے جاتی، ان کی عمر چار سال کی تھی کہ حسب دستور ان کی دایہ

شام کے وقت ہوا خواری کے لیے باہر نکلی، اس وقت ایسی سخت آندھی چلی کہ مخلوق حیران و پریشان ہوگئی، کیونکہ دہلی میں سخت تاریکی پھیل گئی، دایہ بھی جان بچانے کے لیے کسی گلی میں گھسی، اور گلی در گلی اس پریشانی کے عالم میں شہر دہلی کے کنارے پہنچ گئی، اتفاقاً وہاں ایک قافلہ تاجروں کا آیا ہوا تھا، یہ دایہ بھی وہاں پہنچی، لوگوں نے اس کو پناہ دی، اور تسلی و تشفی دے کر اس کو مطمئن کیا، یہ واقعہ ۷۴۲ھ کا ہے۔ صبح کو وہ قافلہ دہلی سے روانہ ہوکر دیندوانہ پہنچا، اور نجیب نامی ایک جلاہے نے جولا ولد تھا، شیخ کو قافلہ والوں سے لے کر اپنا متبنیٰ بنایا، بابا اسحاق کو روحانی طور پر ان کی شکل وصورت بتا دی گئی تھی چنانچہ مولانا صدرالدین کے توسط سے آپ کھٹو بابا اسحاق مغربی کے پاس پہنچ گئے، بابا اسحاق نے آپ کا نام احمد رکھا، جو آگے چل کر شیخ احمد کھٹو گنج بخش مشہور ہوئے۔[۱۳۲]

آپ شیخ اسحاق مغربی کی خدمت میں رہ کر درجۂ فضیلت کو پہنچے، پھر ان سے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا، اور تمام عمر ان ہی کے ساتھ ساتھ لگے رہے۔ آپ نے سمندری راستے سے حرمین شریفین کا سفر کیا، اور حج وزیارت کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ پھر آپ نے بخارا اور سمرقند کا سفر کیا۔

جب آپ سمرقند پہنچے، تو اپنی عادت کے مطابق مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں انھوں نے دیکھا، ایک عالم درس دے رہے ہیں اور طالب علم ان کے آس پاس پڑھ رہے ہیں، شیخ شہاب الدین احمد خستہ اور بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ان کے سر پر صرف ایک ٹوپی تھی عمامہ نہ تھا، اس لیے وہ حاشیۂ مجلس میں بیٹھ گئے، طالب علموں میں سے ایک شیخ کے سامنے حسامی پڑھ رہا تھا اور اعراب میں غلطی کر رہا تھا، استاد سن رہے تھے لیکن غلطی کی اصلاح نہیں کر رہے تھے، تب شیخ نے اس مسئلے میں مداخلت کی، جب استاد کو اس بات کا پتہ چلا تو ان کو اپنے قریب بلایا، اور ان کے ساتھ لطف اور مہربانی کا معاملہ کیا، اور ان سے اصول فقہ سے متعلق کچھ باتیں معلوم کیں، جس کا انھوں نے تسلّی بخش جواب دیا، تو شیخ نے کہا:

> آپ اس بے پایاں علم کے ساتھ ساتھ پھٹے پرانے لباس اور محض ٹوپی میں کیوں ہیں؟ شیخ احمد نے جواب دیا علم ایک قابل فخر چیز ہے تو اگر میں اس علم کے ساتھ ساتھ شاندار لباس پہنوں گا تو میرا نفس بگڑ جائے گا اور اس کے اخلاق برے ہو جائیں گے۔[۱۳۳]

پھر آپ ہندوستان واپس آئے اور ۸۰۲ھ میں آپ گجرات پہنچے، والیِ گجرات مظفر شاہ آپ کو پہچانتا تھا اس لیے اس نے اسرار کیا کہ آپ اسی کے پاس سکونت اختیار کرلیں، چنانچہ آپ نے ''سرکھیج''

نامی گاؤں میں اقامت اختیار کر لی۔ گجرات میں آپ کو قبولیت حاصل ہوئی۔ بادشاہ، امرا، فضلا آپ سے استفادہ کرتے تھے، احمد شاہ گجراتی نے آپ سے بیعت کی، آپ نے سرکھیج سے تین میل کے فاصلے پر ایک شہر آباد کیا، جس کا نام احمد آباد رکھا۔

آپ کا ایک رسالہ ہے جسے آپ نے سلطان احمد شاہ گجراتی کے لیے تصنیف کیا تھا، اس کی شرح ابو حامد اسماعیل ابن ابراہیم نے کی ہے اور عبداللہ محمد بن عمر الآصفی گجراتی نے ''ظفر الوالہ بمظفر وآلہ'' میں اس رسالے سے شیخ کی ولادت، وفات اور مدت عمر کے بارے میں تفصیل بیان کی ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی" نزهة الخواطر" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وله رسالة صنفها للسلطان أحمد شاه الگجراتی شرحها أبو حامد إسماعيل ابن إبراهيم و نقل عنه عبد الله محمد بن عمر الآصفی الگجراتی فی (تاریخ گجرات) فی مولد الشيخ ووفاته و عمره ما صورته أنه قدس سره ولد بكهتو من أعمال ناگور فی سنة سبع و ثلاثين و سبعمائة، وتوفی فی يوم الخميس قبل الزوال فی الرابع عشر من شوال من سنة تسع وأربعين و ثمانمائة بدار مسكنه سركهيج" [۱۳۴]

مولانا ابوظفر ندوی کی اطلاع کے مطابق آپ کا یہ رسالہ فن تصوف میں ہے اور اس کتاب کا نسخہ احمد آباد کے کتب خانے حضرت پیر محمد شاہ میں موجود ہے۔[۱۳۵]

اس رسالے کے شارح نے آپ کے مرثیے میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر کے مطابق جس کا مطلع یہ ہے:

إن حزناً لنا أتم ببال ۔۔۔ نحن كالطين وهو مثل جبال

اور جس شعر میں آپ کی تاریخ وفات نقل کی وہ شعر اس طرح ہے:

طاء و ميم على ثمان مئات ۔۔۔ كان دال ياء من الشوال

آصفی نے بیان کیا ہے کہ سلطان محمد بن احمد کی مجلس میں بعض شعرا نے آپ کے مرثیے میں دو شعر کہے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

چو شیخ احمد امام دین و دنیا ۔۔۔ سوی فردوس می شد خرم و شاد

فلك می گفت در تاریخ آن سال "شـه عـالم محمد را بقا بـاد"

آپ کی وفات بروز جمعرات قبل زوال ۱۴ رشوال ۸۴۹ھ کو اپنے مسکن ''سرکھیج،، میں ہوئی۔

تحفة المجالس

آپ کے ملفوظات ''تحفۃ المجالس'' کے نام سے موسوم ہیں، جس کو شیخ محمود بن سعید ایرجی نے بزبان فارسی قلم بند کیا ہے، جس کا قلمی نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر احمد آباد میں موجود ہے۔ جس کا اردو ترجمہ مولانا ابوظفر ندوی نے کیا ہے جو پہلی مرتبہ ۱۹۳۹ء میں دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا، اور دوسری دفعہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری احمد آباد نے شائع کیا ہے۔

مولانا ابوظفر ندوی شیخ محمود ایرجی کے متعلق ''تحفۃ المجالس،، کے دیباچے میں رقم طراز ہیں:

''ایران سے ایک بزرگ محمود ایرجی حج کی نیت سے احمد آباد پہنچے اور شیخ سے ملنے گئے، چند ملاقاتوں کے بعد شیخ نے احمد آباد میں مقیم ہوجانے کی ترغیب دی، محمود ایرجی نے اس کو قبول کرلیا، کچھ عرصے کے بعد ان کی اہلیہ کو بھی اسی جگہ بلالیا گیا، اور احمد آباد کے محلّہ بھنڈیری میں یہ رہنے لگے، شیخ کی توجہ ایرجی کی طرف بہت زیادہ تھی، اسی سبب سے اور دوسرے لوگ ان سے حسد کرتے، مجبور ہوکر شیخ نے بظاہر التفات کم کردیا، لیکن باطنی التفات میں کوئی کمی نہیں آئی، اور پوشیدہ طور پر مالی امداد میں بھی کبھی دریغ نہیں کرتے۔ یہی بزرگ ہیں جنھوں نے تحفۃ المجالس کے نام سے شیخ احمد کے حالات بطور روزنامچہ کے تحریر کیے ہیں۔ افسوس ہے کہ محمود ایرجی کے متعلق نہ تو یہ معلوم ہوسکا کہ احمد آباد کس سن میں آئے، اور نہ ان کی وفات کا سن صحیح طور پر معلوم ہے۔ مرآۃ احمدی میں صرف ۱۰ رجب لکھا ہے، ان کی موت شیخ احمد کی وفات کے بعد ہوئی، کیوں کہ شیخ کے انتقال کے وقت وہ موجود تھے''۔[۱۳۷]

محمود بن سعید ایرجی شیخ احمد کی مجالس میں جو کچھ سنتے تھے، اس کو تحریر کر لیتے تھے، آپ نے تحفۃ المجالس کے ہر عنوان کو ''مجلس'' کے نام سے موسوم کیا ہے اور مجلس اوّل سے لے کر پچھتر (۷۵) مجالس تحریر کی ہیں، زیر مطالعہ تحفۃ المجالس کا اردو ترجمہ ۱۲۹ صفحات پر مشتمل ہے، ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی نے نظر ثانی کی ہے اور پروفیسر محی الدین بمبئی والا کے زیر نگرانی حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر احمد آباد سے شائع ہوا ہے، سنہ اشاعت درج نہیں ہے۔

قاضی احمد بن محمد جونپوری

قاضی نظام الدین احمد بن محمد حنفی ہندوستان کے ممتاز علما میں سے تھے، اور کبار فقہاے حنفیہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا، شیخ صدیقی اور اصلاً خطہ کیسکلان (ملک عرب) کے تھے، آپ کے اسلاف عرب سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور گجرات میں اقامت اختیار کر لی۔

قاضی نظام الدین کی پیدائش اور نشو نما گجرات میں ہوئی اور اپنے زمانہ کے اساتذہ سے تحصیل علم کی، فقہ اور اصول فقہ میں ممتاز ہوئے اور علماے کبار میں آپ کا شمار ہوا۔ پھر آپ جونپور گئے تو ابراہیم شرقی نے آپ کو جونپور کا قاضی مقرر کیا۔

آپ کا وصال ۸۷۴ھ میں ہوا، آپ کی قبر ''چاچک پور'' اطراف جونپور میں ہے۔[۱۳۸]

آپ کی چند تصنیفات ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور ''فتاوی ابراہیم شاہی،، ہے۔

الفتاوی الإبراهيم شاهية فی فتاوی الحنفيه

فتاوی ابراہیم شاہی بہت اہم کتاب ہے، آپ نے سلطان ابراہیم شاہ کے لیے اس کو تصنیف کیا تھا۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کتابوں کو ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس کی ضخامت ''فتاوی قاضی خاں'' سے زیادہ ہے۔

فتاوی ابراہیم شاہی کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

" الحمد لله الذی رفع منار العلم وأعلی مقداره،، الخ [۱۳۹]

صاحب " کشف الظنون "فتاوی ابراہیم شاہی کے متعلق رقم طراز ہیں:

" ابراهيم شاهيه فی فتاوی الحنفيه لشهاب الدين احمد ابن محمد الملقب بنظام الكيكانی الحنفی وهو كتاب كبير (من افخر الكتب) كقاضی خان، جمعه من مائة وستين كتابا للسلطان ابراهيم شاه، اوله الحمد لله الذی رفع منار العلم و اعلی مقداره الخ [۱۴۰]

ڈاکٹر زبید احمد صدیقی ''عربی ادبیات'' میں لکھتے ہیں:

''شہاب الدین احمد بن محمد الملقب بہ نظام الجیلانی نویں یا دسویں صدی ہجری کے ایک جید عالم تھے۔ گجرات میں پرورش پائی، اس پر اختلاف ہے کہ ان کا تعلق نویں صدی ہجری سے تھا، یا دسویں

صدی ہجری سے؟ کیونکہ ایک قول کے مطابق انھوں نے اپنی کتاب ''فتاوی ابراہیم'' شاہ شرقی کے لیے لکھی تھی، دوسری رائے یہ ہے کہ فتاوی ابراہیم عادل شاہ کے نام معنون کی گئی ہے''۔[۱۴۱]

اردو کے مشہور ماہنامہ ''برہان'' دہلی بابت مارچ ۱۹۸۵ء (صفحہ ۱۳) میں ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب اپنے مضمون ''عہد سلطنت کے فقہی لٹریچر کا تنقیدی جائزہ'' میں رقم طراز ہیں:

''سید ولودی سلاطین کے عہد میں جسے دہلی سلطنت کا آخری حصہ کہا جا سکتا ہے، علمی وفنی سرگرمیاں پھر شروع ہوئیں اور دیگر علوم کے ساتھ علم فقہ بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہوا، لودی خاندان کے سلاطین میں سکندر لودی کے زمانہ میں اس طرح کی ترقیاں زیادہ نمایہ ہوئیں، وہ علم کا دلدادہ اور علما کا قدر داں تھا، سب سے اہم یہ کہ وہ فقہی مسائل سے دلچسپی رکھتا تھا اور اہم مسائل کی تحقیق کے لیے علما کی مجلس بھی منعقد کراتا تھا اور ان کے بحث ومباحثہ سے مستفید ہونے کے لیے ان میں خود بھی شریک ہوتا تھا۔ یہ علمی ماحول خاص کر علم فقہ سے تعلق بعد کے دور میں بھی برقرار رہا۔ اس کا ایک بدیہی ثبوت سور خاندان کے سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے زمانہ میں ''فتاوی ابراہیم شاہی'' کی تالیف ہے، جسے عہد سلطنت کی فقہی تالیفات میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے''۔[۱۴۲]

اسی طرح ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ بابت مئی ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۴۷) کے ایک مضمون میں ''فتاوی ابراہیم شاہی'' کے متعلق لکھا ہے:

''شہاب الدین احمد الملقب بہ قاضی نظام الدین کیکلانی الجونپوری صدیقی اور اصلاً خطہ کیکلان (ملک عرب) کے تھے، ان کے اجداد ہندوستان آ کر گجرات میں مقیم ہوئے، وہیں قاضی موصوف نے نشو نما پایا اور تحصیل علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کی، علوم فقہ واصول وتفسیر وحدیث میں بہت ممتاز تھے، تعداد تصنیفات بہت ہیں، انھیں میں ''ابراہیم شاہیہ فی فتاوی الحنفیہ'' ہے جس کو بحکم سلطان ابراہیم شرقی جمع کیا تھا اور جو فتاوی قاضی خاں سے بڑا ہے''۔[۱۴۳]

محمد عبد الاول جونپوری نے بھی اپنی کتاب ''مفید المفتی'' جلد دوم میں لکھا ہے کہ فتاوی شاہی ابراہیم شاہ شرقی کے لیے لکھی تھی اور نظام جیلانی شہاب الدین دولت آبادی کے ہم عصر تھے۔[۱۴۴]

ڈاکٹر زبید احمد صدیقی کی تحقیق کے مطابق ''فتاوی شاہی،، کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

بوہار:۔فہرست کتب خانہ بوہار، جلد دوم، عربی مخطوطات۔۲:۱۵۹

بانکی پور:۔فہرست عربی مخطوطات، بانکی پور، فہرست ۱۹، حصہ ۲، نمبر ۱۷۴۹

آصفیہ:۔فہرست کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن، ۲:۱۰۵۲۔۴:۴۴۲

کلکتہ:۔فہرست عربی وفارسی مخطوطات کتب خانہ کلکتہ مدرسہ، مرتبہ کمال الدین وعبدالمقتدر۔۴۰

رامپور:۔فہرست کتب خانہ، رامپور۔۲۲۱

انڈیا آفس:۔فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس جلد دوم، مرتبہ سی۔اے اسٹوری و پروفیسر اے، جے، آربری نمبر ۱۷۰۴

نزیر احمد:۔''ہند کے مختلف کتب خانوں میں موجود عربی وفارسی مخطوطات پر مختصر نوٹ،، از حافظ نزیر احمد۔ مطبوعہ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ جلد ۱۳، ص ۷۷ تا ۱۳۹۔ اور جلد ۱۴، ص ۱۹۹۔ نمبر ۴۶

قاضی حماد الدین گجراتی

قاضی حماد الدین بن محمد اکرم گجراتی مشاہیر فقہائے گجرات میں سے تھے اور اپنے عہد کے ممتاز ترین علما میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ شہر نہروالہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ آپ کے حکم سے مفتی رکن الدین ناگوری نے "الفتاوی الحمادیه" تصنیف کی، جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب نے اس میں فقہ، اصول فقہ، حدیث اور تفسیر کی دو سو چار (۲۰۴) کتابوں کو مآخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔[۱۴۴] یہ ایک معتبر تصنیف ہے اور فتاوی عالمگیری میں اس کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس کی ترتیب بھی فتاوی کے دوسرے مجموعوں کی ترتیب کے مطابق ہے۔[۱۴۶]

مفتی رکن الدین نے اپنی کتاب "الفتاوی الحمادیه" کے آغاز میں قاضی حماد الدین کے فضل وکمال اور مختلف علوم وفنون میں مہارت کا ذکر کیا ہے۔[۱۴۷] اور اس کتاب کا نام بھی قاضی حماد الدین کے نام پر رکھا۔ آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

مفتی داود بن رکن الدین ناگوری

شیخ داود بن رکن الدین ہندوستان کے ممتاز ترین علما میں سے تھے۔ فقہ اور اصول فقہ میں آپ درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، نہروالہ کے مفتی تھے۔

آپ نے "الفتاوی الحمادیه" کی تدوین میں اپنے والد ماجد کی مدد کی تھی۔ جیسا کہ انھوں نے اس کے آغاز میں اس کی صراحت کی ہے۔

ہندوستان کے ممتاز مؤرخ مولانا عبدالحی حسنی "نزهة الخواطر" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"احد العلماء المبرزين فی الفقه و الاصول" ۱۴۸؎

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

ملا داود گجراتی

داود بن ابی داود گجراتی ہندوستان کی تاریخ اور سیرت وسوانح کا گہرا علم رکھتے تھے۔

سلاطین دکن کے حالات میں ان کی کتاب ''تحفۃ السلاطین'' مشہور ہے۔ اسے انھوں نے سلطان فیروز بن داود بہمنی کے لیے لکھا تھا۔ ۱۴۹؎

ان کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

مفتی رکن الدین ناگوری

مفتی رکن الدین بن حسام الدین ہندوستان کے مشاہیر فقہاے کرام میں سے تھے، آپ نہر والہ کے مفتی تھے، فقہ حنفی میں آپ کی کتاب ''الفتاوی الحمادیہ'' بہت اہم کتاب ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی اپنی اردو تصنیف ''یاد ایام'' (مختصر تاریخ گجرات) میں مفتی رکن الدین کے متعلق رقم طراز ہیں:

> مفتی رکن الدین بن حسام الدین ناگوری نہر والہ کے مفتی تھے، فقہ واصول فقہ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا، قاضی القضاۃ حماد الدین بن محمد اکرم گجراتی کی فرمائش سے فتاوی حمادیہ تصنیف کی، جو فقہ حنفی کی بہت مشہور کتاب ہے، دو سو چار (۲۰۴) کتابوں کو پیش نظر رکھ کر اس کو تصنیف کیا تھا، فتاوی عالمگیری وغیرہ میں اس کے حوالے جا بجا موجود ہیں، افسوس ہے کہ ایسے جلیل القدر مصنف کے حالات تاریکی میں ہیں اور سنہ وفات بھی ان کا معلوم نہیں ہو سکا''۔ ۱۵۰؎

اسی طرح مولانا عبدالحی حسنی اپنی عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"الشيخ العالم الكبير العلامة ركن الدين بن حسام الدين الحنفى الناگورى أحد الفقهاء المبرزين فى الفقه و الاصول، كان مفتياً بمدينة نهرواله من بلاد گجرات،له " الفتاوى الحمادية" فى مجلد ضخم ، وأخذ المسائل الفقهية فى كتابه عن أربعة و مائتين من كتب الفقه و الأصول و الحديث و التفسير"۔[151]

ڈاکٹر زبید احمد نے ''عربی ادبیات میں علم فقہ۔حنفی مسلک'' کے تحت ''الفتاوی الحمادیہ'' کا تذکرہ کیا ہے: موصوف رقم طراز ہیں:

''الفتاوی الحمادیہ'' یہ کتاب ابوالفتح رکن بن حسام الدین المفتی الناگوری نے گجرات میں بمقام نہروالہ اپنے قیام کے دوران میں اپنے بیٹے کی مدد سے قاضی حماد الدین بن قاضی اکرم کی فرمائش پر مرتب کی تھی اور اس کا نام بھی ان ہی کے نام پر رکھا، مصنف اور ان کے سرپرست کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات نہیں۔ اس کتاب میں جن تصانیف کا حوالہ دیا گیا ہے، یا جن تصانیف میں اس کتاب کا حوالہ ہے ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی ہجری کے آخر یا نویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی تھی، مصنف نے ان کتابوں کی طویل فہرست درج کی ہے جن سے اس نے اپنی کتاب مرتب کرنے میں استفادہ کیا ہے۔ یہ ایک معتبر تصنیف ہے اور فتاوی عالمگیری میں اس کے حوالے دیے گئے ہیں اس کی ترتیب بھی فتاوی کے دوسرے مجموعوں کی ترتیب کے مطابق ہے''۔[152]

'الفتاوى الحمادية'

''الفتاوی الحمادیہ'' مفتی رکن الدین کی مشہور تصنیف ہے، جو ایک ضخیم جلد میں ہے، اسے آپ نے قاضی حماد الدین بن محمد اکرم گجراتی کے حکم سے تصنیف کیا تھا۔ قاضی حماد الدین بن محمد اکرم اپنے زمانہ کے مشہور فقہائے گجرات میں سے تھے اور آپ نہروالہ کے قاضی القضاۃ تھے۔[153] فتاوی حمادیہ کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب نے اس میں فقہ، اصول فقہ، حدیث اور تفسیر کی دو سو چار کتابوں کو ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے اور اس کتاب کے حوالے فتاوی عالمگیری میں جا بجا موجود ہیں، یہ فقہ حنفی کی ایک مستند کتاب ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی کی اطلاع کے مطابق ''الفتاوی الحمادیہ'' کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"الحمد لله الذی نور قلوب العارفین بنور التوحید و الایمان،، الخ ۱۵۴

ڈاکٹر زبید احمد کی تحقیق کے مطابق الفتاوی الحمادیہ طبع ہوچکی ہے، اس کا نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے جس کا نمبر ۳: ۸۱۵ ہے اور اس فتاوی کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں۔

بانکی پور: فہرست عربی مخطوطات، بانکی پور، ۱۹۔۱:۱۷۲۳

بوہار: فہرست کتب خانہ بوہار، جلد دوم، عربی مخطوطات۔۲:۱۶۲

دہلی: فہرست عربی مخطوطات دہلی، انڈیا آفس، لندن۔۸۱۵

قاہرہ: فہرست عربی کتب ومخطوطات، خدیوی کتب خانہ، قاہرہ۔۳:۸۸

رام پور: فہرست کتب خانہ، رامپور۔۲۲۲

بنگال: عربی وفارسی مخطوطات، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔۱۴

کلکتہ: فہرست عربی وفارسی مخطوطات کتب خانہ کلکتہ مدرسہ، مرتبہ کمال الدین وعبدالمقتدر۔۴۱

انڈیا آفس: فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس جلد دوم، مرتبہ سی۔اے اسٹوری و پروفیسر اے، جے، آربری، ۱۶۸۹۔۱۶۹۱۔ ۱۵۵

شیخ عبداللطیف پٹنی

شیخ عبداللطیف بن جمال الدین موصوف بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے شیخ طریقت بھی تھے، انھوں نے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری سے کی تھی اور درجۂ کمال کو پہنچے، فقر اور توکل آپ کا شعار تھا، گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی اور ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

صاحب "نزهة الخواطر" لکھتے ہیں کہ اُن کی نو(۹) تصنیفات ہیں جن کے نام معلوم نہیں ہوسکے۔

تاریخ وفات ۴؍رمضان المبارک ہے سال وفات کا علم نہیں۔۱۵۶

شیخ علاء الدین علی بن احمد مہائمی

شیخ علاء الدین علی بن احمد گجرات کے برگزیدہ عالم شیخ وقت تھے۔
مولانا عبدالحی حسنی ''یادایام'' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سوا حقائق نگاری میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔ جو تصنیفات ان کی پیش نظر ہیں ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، ان کو ابن عربی ثانی کہنا زیبا ہے''۔[۱۵۷]

میر غلام علی آزاد بلگرامی رقم طراز ہیں:

"و الشیخ علی کان من نحاریر الزمان و أصحاب الذوق و العرفان مثبتاً للتوحید الوجودی، مقتضیاً بالشیخ محی الدین ابن العربی قدس سره"[۱۵۸]

اسی طرح نواب صدیق حسن خاں ''ابجد العلوم'' میں لکھتے ہیں:

"وکان الشیخ من علمائها الصوفیه وکان مثبتاً للتوحید الوجودی مقتضیا باشیخ ابن عربی...... له مصنفات تدل علی غزارة علمه و کمال قدرته علی العلوم". [۱۵۹]

آپ کی ولادت ۷۷۶ھ میں مہائم میں ہوئی، آپ قبیلۂ نوائت یا نوائط سے تعلق رکھتے تھے، جو دکن اور گجرات میں ایک قوم تھی۔[۱۶۰] مہائم کوکن کی بندرگاہ ہے، جو دکن میں سمندر کے کنارے ایک علاقہ ہے۔ نوائت علاقۂ کوکن میں ایک قوم ہے۔ کہتے ہیں کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی نے پچاس ہزار اولیا وعلما کو قتل کیا تو قریش کا ایک گروہ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر ساحل ہند پر پہنچا، اور وہیں سکونت اختیار کر لی، ان کی اولاد سے قوم نوائت ہے۔[۱۶۱]

آپ کی وفات بروز جمعہ ۲۸ر جمادی الاخری ۸۳۵ھ کو مہائم میں ہوئی اور وہیں تدفین ہوئی، آپ کی قبر زیارت گاہ خلائق ہے۔[۱۶۲]

آپ کے تفصیلی حالات کے لیے مولانا عبدالرحمان پرواز اصلاحی کی کتاب ''مخدوم علی مہائمی (حیات: آثار وافکار)'' ملاحظہ فرمائیں، جو نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ، بمبئی سے جنوری ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی ہے۔

مختلف مآخذ کے ذریعہ آپ کی بائیس (۲۲) تصانیف کے نام دست یاب ہو سکے ہیں، جن کی فہرست درج ذیل ہے:

(١) تبصير الرحمن وتيسير المنان فى تفسير القرآن

(٢) زوارف ا للطائف فى شرح عوارف المعارف

(٣) إراء ة الدقائق فى شرح مرأة الحقائق

(٤) شرح النصوص للقونوى

(٥) أدلة التوحيد

(٦) خصوص النعم فى شرح فصوص الحكم

(٧) استجلاء البصر فى الرد على استقصاء النظر لابن المطهر الحلّى

(٨) النور الاظهر فى كشف سر القضاء و القدر

(٩) الضوء الاظهر فى شرح النور الاظهر

(١٠) أجلة التاييد فى شرح ادلة التوحيد

(١١) انعام الملك العلام باحكام حكم الاحكام

(١٢) لمعات عراقى كا عربى ترجمه

(١٣) رسالة جام جهان نما كاعربى ترجمه

(١٤) آراء الدقائق فى شرح مرآة الحقائق

(١٥) رساله فى الفقه الشافعى

(١٦) مشرّع الخصوص الى معانى النصوص

(١٧) كشف الظلمات

(١٨) الرتبة الرفيعه فى الجمع و التوفيق بين اسرار الحقيقة و انوار الشريعه

(١٩) مرأة الحقائق تعريب جام جهان نما

(٢٢) امحاض النصيحه

(٢١) فقه مخدومى

(۲۲) رسالہ عجیبۃ

مندرجہ بالا کتب میں سے بعض کے متعلق جو معلومات فراہم ہو سکی ہیں، انھیں آئندہ صفحات میں پیش کیا جارہا ہے۔

تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان بعض ما یشیر الی اعجاز القرآن

آپ کی یہ تفسیر ''تفسیر رحمانی'' اور تفسیر مہائمی کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور کہنا چاہیے کہ یہ تفسیر قرآن پاک کا سب سے بڑا تصنیفی شاہکار ہے۔

شیخ علاء الدین علی بن احمد المعروف مخدوم علی مہائمی نے قرآن میں نظم و ترتیب کے بعض جلووں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں آپ نے جس ذہانت و فطانت سے کام لے کر ایک آیت سے دوسری آیت کا ربط بتایا ہے اور تمام قرآنی مضامین کو باہم دگر مربوط کیا ہے، آپ کا نمایاں و امتیازی کارنامہ ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''یاد ایام'' میں تفسیر مہائمی کے متعلق رقم طراز ہیں:

''تفسیریں تو سیکڑوں لکھی جا چکی ہیں، لیکن جس بات سے ان کی تفسیر کو امتیاز و خصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں التزام کے ساتھ تمام قرآن پاک کی آیات کریمہ باہم دیگر مربوط ہونے کو ایسے دلنشیں طریقہ سے بیان کیا ہے، جس کو پڑھ کر انسان وجد میں آجاتا ہے اور بے ساختہ منھ سے داد نکلتی ہے''۔[۱۶۳]

تفسیر مہائمی کا موضوع دراصل نظم قرآن ہے ایک آیت کو دوسری آیت کے ساتھ کیا تعلق ہے اور پوری سورت کا مضمون ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح مناسبت رکھتا ہے۔ آپ نے اس عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا ہے کہ کہیں سلسلہ کلام ٹوٹتا نہیں، اور بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ سلسلۂ مضمون میں آیت بریکٹ کے اندر آتی جاتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی حقائق و معارف بھی اختصار کے ساتھ بیان کرتے جاتے ہیں۔

آیات قرآنی کے باہمی تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ ایک مسلسل اور مربوط کلام کے قالب میں ڈھل جائیں، ایک عظیم الشان علم ہے۔ مگر آپ نے اس نعمت کی عظمت کا جن لفظوں میں اعتراف کیا ہے اور اس کے مقابل میں اپنی بے مائگی اور آلودگی کا جس درجہ آپ کو احساس ہے وہ ان کی تفسیر کا مطالعہ

کرنے والوں سے مخفی نہیں ہے، آپ اس علم کو محض فضل الٰہی کی بخشش قرار دیتے ہیں اور اسی احساس کے ما تحت آپ نے اپنی کتاب کا نام "تبصیر الرحمن و تیسیر المنان" رکھا ہے۔

شیخ مہائمی کے نزدیک زبان و بیان سے زیادہ قرآن کے معنی و مفہوم کی اہمیت ہے، اس لیے آپ نہ تو صرف ونحو کے پیچیدہ مسائل سے بحث کرتے ہیں نہ لغوی تحقیقات میں الجھتے ہیں۔ آپ چھوٹے چھوٹے جملوں اور واضح اشاروں سے آیات قرآنی کی تفسیر بیان کرتے ہیں، آثار و احادیث کے حوالے بھی کہیں کہیں ملتے ہیں اور بعض جگہ فلسفیانہ اور عقلی توجیہات بھی، عارفانہ حقائق بھی ہیں اور تصوف کے بعض نکتے بھی، لیکن اس کی تفصیلات میں نہیں جاتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی تفسیر تفصیلی نہیں بلکہ اجمالی ہے، اور عام طور سے بڑی بڑی باتوں کو بھی نہایت اختصار کے ساتھ لکھ دیتے ہیں، البتہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر بہت تفصیل سے بیان کی ہے، پہلے تو اس کے نام کی فضیلت اور اہمیت کا ذکر کیا ہے، پھر اس کے جو مختلف نام ہیں مثلاً فاتحة الكتاب، سورة الحمد، سورة الشكر، سورة المنة، المثاني، سورة الكنز، سورة المناجاة، سورة التفويض، ام الكتاب، سورة الوافيه، سورة الشفا وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے، اور وضاحت کی ہے کہ یہ نام کیوں رکھے گئے، اور ان ناموں سے سورۃ کا تعلق کیا ہے، اس سورۃ میں الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت، عبادت، استعانت اور صراط مستقیم کی توضیح میں بڑی دقت نظری سے کام لیا ہے۔ اس کے بعد یہ بحث چھیڑی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ الحمد میں داخل ہے یا نہیں؟ آپ نے جس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

اس تفسیر کا امتیاز اور خصوصیت یہ ہے کہ ہر سورۃ سے پہلے اس کے مضمون اور عنوان کا مختصر تعارف کراتے ہیں اور بتاتے ہیں اس کا یہ نام کیوں رکھا گیا، اگر کسی واقعہ یا کسی پیغمبر کی وجہ سے ہے تو اس کی تھوڑی سی تاریخ بھی بیان کر دیتے ہیں۔ سورۃ آل عمران کے بارے میں بتاتے ہیں:

> ''اس سورۃ کا نام آل عمران اس لیے رکھا گیا کہ سورۃ کی زیادہ تر آیتیں آل عمران (یعنی حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ، حضرت مریم اور ان کی ماں) کے اصطفاء و برگزیدگی سے متعلق ہیں، جن کی تعداد اسی سے کچھ اوپر ہے اور اس اصطفاء و برگزیدگی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصطفاء و برگزیدگی اور آپ کو اللہ کے ہر محبّ و محبوب کا مقتدا بنانے پر دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس سورۃ کا نام ''الزہراء'' بھی ہے اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے کی پوری وضاحت اس سورۃ میں

موجود ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں گڈ مڈ ہو گیا تھا‘‘۔

شیخ مہائی تفسیر تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان،، میں رقم طراز ہیں:

"(سورة آل عمران) سميت بها الان اصطفاء آل عمران وهم عيسى و يحيى و مريم و أمها نزل فيه منها مالم ينزل في غيره اذ هو بضع و ثمانون آية و قد جعل هذا الاصطفاء دليلا على اصطفاء نبينا محمد صلى الله عليه وسلم و جعله متبوعا لكل محب الله و محبوب له، وتسمى الزهراء لانها كشفت عما التبس على أهل الكتابين من شأن عيسى عليه السلام" [۱٦۴]

(سورة النساء) اس سورة کا نام النساء اس لیے رکھا گیا ہے کہ جتنی آیتیں اس سورة میں عورتوں کے احکام سے متعلق ہیں، کسی دوسری سورة میں نہیں ہیں۔

تفسیر مہائی میں رقم طراز ہیں:

(سورة النساء) سميت بها لان ما نزل منها في أحكامهن أكثر مما نزل في غيرها (بسم الله) المتجلي بجمعيته في النفس الواحدة، (الرحمن) بخلق زوجها منها وبث الرجال و النساء منهما لعمارة العالم (الرحيم) بما أمر من التقوى في رعاية حقوقه و حقوق خلقه الخ [۱٦۵]

(سورة الاعراف) سورة الاعراف اس لیے نام رکھا گیا ہے کہ اعراف اہل کمال کے بلند مقامات میں سے ایک مقام ہے، اس لیے اس سورة کے دوسرے مندرجات سے زیادہ اہمیت دینے کے قابل ہے۔

شیخ مہائی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"(سورة الاعراف) سميت بها لانها من المنازل الرفيعه لاهل الكمال المفيضين على سائر الطوائف فشأنها أولى با لاعتبار من سائر الشؤن المذكورة في هذه السورة (بسم الله) الجامع للكمالات التي تجلى بها في هذا الكتاب لتوسيع صدر رسول الله صلى الله عليه وسلم و أتباعه". [۱٦٦]

(سورة برأة) اس کو سورہ برأت اس لیے کہتے ہیں کہ اس لفظ سے یہ سورة شروع ہوئی ہے اور اس سورة کے اکثر مندرجات کا مآل و مرجع برأت ہی ہے۔

اس سورت کا ایک اور نام "تـوبـہ" بھی ہے کیونکہ اس میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے۔ اس سورت کے یہی دو نام مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی چند نام ہیں مثلاً "المقشقشه" یعنی نفاق سے بری کرنے والی "المبعثره" یعنی ان کے احوال و اخبار کی چھان بین کرنے والی" المنیرة" یعنی ان کے حالات کی وضاحت کرنے والی، "المشردة" یعنی ان کا شیرازہ منتشر کرنے والی۔ اسی طرح اور بھی نام ہیں الفاضحه، المخزيه، الحافرة، المنقرة، المنكله وغیرہ اس لیے کہ اس طرح کی چیزیں اس میں بار بار آئی ہیں۔

اس سورۃ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں رحمت کا لفظ ہے، جو امان کو مستلزم ہے اور امان جنگ اور عہد شکنی کے منافی ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے گئے اور منافقین نے یہ افواہ پھیلائی کہ مشرکین نے عہد شکنی کی، تو اللہ تعالی نے اپنے رسول کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی اپنی قوم کو ان سے تعلقات منقطع کر لینے کی ہدایت کریں، اور فرمایا (براۃ) یعنی یہ اس تعلق کا خاتمہ ہے، جو تمہارا مشرکین کے ساتھ تھا اور اس تحفظ کا خاتمہ ہے جو تمہاری طرف سے ان کو حاصل تھا۔

شیخ علاء الدین علی بن احمد اپنی تفسیر "تبصير الرحمن و تيسير المنان بعض ما يشير الى اعجاز القرآن" میں سورۃ براءۃ کے متعلق لکھتے ہیں:

> (سورة براءة) سميت بها لافتتاحها بها و مرجع أكثر ما زكر فيها اليها و بالتوبة لتكررها فيها "فان تبتم فهو خير لكم،، فان تابو و أقاموا الصلوة،، ثم يتوب الله من بعد ذلك على من يشاء،، فان يتوبوا يك خير الهم ،، عسى الله ان يتوب عليهم،، لقد تاب الله على النبى،، ألم يعلموا أن الله هو يقبل التوبة،، ألتائبون العابدون،، وهما أشهر أسمائها وتسمى ألمقشقشه أى ألمبرئة عن النفاق و المبعثرة أى ألباحثة.........(براءة) أى هذه قطع علقة كانت لهم مع المشركين و قطع عصمة كانت لهم منكم و صلت اليكم (من الله ورسوله) لتنبذوا عهودكم"۔[۱۶۷]

دوسری خصوصیت اس تفسیر کی یہ ہے کہ ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی نئی تشریح ہے، جو سورۃ کے مضمون کو مد نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے مثلاً الحمد سے پہلے بسم اللہ کی تشریح کرتے ہیں تو سورۂ بقرۃ میں دوسرے طرز سے معنی بیان کرتے ہیں یہ آپ کی زبان و بیان پر پوری مہارت کی دلیل

ہے۔ ایک ہی جملے کو مختلف انداز اور مختلف معنوں میں استعمال کیا جائے اور کہیں بھی تفسیر و تشریح میں فرق نہ پڑے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی اندازہ ہو جائے کہ اس سورۃ میں کس قسم کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔

تیسری خصوصیت اس تفسیر کی یہ ہے کہ آپ حروف مقطعات کو مختلف الفاظ کا مخفف سمجھتے ہیں، ان کے خیال میں لفظ کے بجائے ان کا ایک حرف استعمال ہوا ہے جیسا کہ ہر زبان میں اس کا طریقہ مروج ہے، اسی لیے آپ نے قرآن کے تمام حروف مقطعات کی موقع و محل کے لحاظ سے توجیہ کی ہے اور بتایا ہے کہ ان حروف کے اندر ایسے معانی پوشیدہ ہیں، جو سلسلۂ مضمون سے الگ نہیں ہیں بلکہ اس کی ایک کڑی ہیں۔ چنانچہ آپ نے ہر حرف سے اندازاً ایک لفظ بنا لیا ہے اور پھر اس کی تشریح کی ہے حالانکہ علما کے نزدیک حروف مقطعات متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں اور ایسے اسرار ہیں، جس کے حقیقی معنی اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ اس کے معانی منقول ہیں اور نہ صحابہ اور تابعین سے، اس لیے عام طور سے مفسرین ان کے معانی بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں اور ہمیشہ اس موقع پر واللہ اعلم بالصواب،، لکھ دیا کرتے ہیں۔

چوتھی خصوصیت اس کی یہ ہے کہ تفسیر مہائمی میں بعض جگہ فلسفیانہ و حکیمانہ خیالات کی آمیزش ملتی ہے اور آپ نے بعض جگہ فلاسفہ و حکما کی رائیں نقل کی ہیں چنانچہ آپ نے افلاطون، ارسطو، بوعلی سینا، فارابی، شیخ الاشراق وغیرہ کے خیالات بھی پیش کر دیے ہیں، جس کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی نے تفسیر مہائمی پر اعتراض کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی کی تحقیق کے مطابق دو اور مفسرین کرام کے نام ملتے ہیں جو ہر سورۃ کے ساتھ بسملہ کی تفسیر نئے انداز سے کرتے ہیں، ان دونوں مفسرین عظام اور ان کی تفاسیر جلیلہ کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) امام عبدالکریم بن ہوازن قشیری (۴۶۵-۳۷۶ھ) اور ان کی عظیم تفسیر لطائف الاشارات۔

(۲) امام ابوالحسن ابراہیم بن عمر بقاعی (۸۵-۸۰۹ھ) اور ان کی تفسیر جلیل، نظم الدرر فی تناسب الآیات و السور۔ [۱۶۸]

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اپنے مضمون ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد اولین'' میں شیخ قشیری، شیخ مہائمی، اور شیخ بقاعی[۱۶۹] تینوں بزرگوں کی تفاسیر جلیلہ کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے، نمونہ کے طور پر سورہ ''الکوثر''

کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

''سورۃ الکوثر'' کی تفسیر بسملہ میں رنگ قشیری دوسرا ہے: بسم اللہ وہ اسم ہے جو اپنے جلال سے بندہ کو جلالت مآب بناتا ہے۔ جب کہ وہ خود ازل ہی سے اپنی عزت وعظمت کے استحقاق کلی کی بنا پر جلالت مآب ہے۔ وہ اسم عزیز ہے کہ جس کا اقبال وافضال وہ چاہتا ہے اسے معزز وافضل بنا دیتا ہے۔ البتہ وہ اپنے دشمنوں کو زنجیروں اور طوقوں سے باندھ کر جہنم رسید اور ذلت نصیب کر کے ذلیل وخوار کرتا ہے۔ امام مہائمی کہتے ہیں کہ یہ سورت تمام انبیاورسل پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت میں آپ ہی کو کوثر کا عطیہ ارزانی ہوگا اور یہ قرآن کریم کے عظیم ترین مقاصد میں سے ہے۔ اللہ کے نام سے جو اپنے کمالات کے ساتھ اپنے رسول میں جلوہ گر ہے۔ وہ رحمٰن ہے کہ اس نے آپ کو کوثر عطا کی۔ وہ رحیم ہے کہ اس نے آپ کو نماز اور قربانی کا حکم دیا۔ امام بقاعی فرماتے ہیں کہ اس سورت کریمہ کا مقصود ہر امکانی خیر اور ہر ممکن انعام کے عطائے الٰہی کا بیان ہے۔ اس کو کوثر کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ وہ ہر انعام کو مشتمل ہے جس طرح قربانی میں بھی اس کا اظہار ہوتا ہے، کیونکہ عربوں کے نزدیک قربانی انتہائی کرم کی علامت ہوتی ہے۔ اللہ کے نام سے جو سب سے زیادہ فیاض اور سب سے کریم بادشاہ ہے اور جس کے فضل وکرم کی کوئی حد وانتہا نہیں، وہ رحمٰن ہے کہ اس نے اپنی مخلوقات کو اپنے جود وکرم سے ڈھانپ رکھا ہے اور اپنے انعامات کی تقسیم میں ان میں تفاوت قائم رکھا ہے۔ وہ رحیم ہے کہ اس نے اپنے حزب والوں کو اپنی ہدایت خاص سے ہدایت یافتہ ہونے اور اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کی نعمت عطا کر رکھی ہے۔۱۷۰

(قشیری، سوم ص ۷۷۳، مہائمی، دوم ص ۴۱۵، بقاعی، بست ودوم ص ۲۸۷) ۱۷۱

شیخ مہائمی کی تفسیر "تبصیر الرحمن و تیسیر المنان" زیر مطالعہ ایک جلد میں سورۃ کہف تک اسلامک اسٹڈیز لائبریری علی گڑھ میں موجود ہے جو چار سو ستاون (۴۵۷) صفحات پر مشتمل ہے۔

مولانا پرواز اصلاحی کی اطلاع کے مطابق مولانا محمد جمال الدین دہلوی مدار المہام ریاست بھوپال نے زر کثیر صرف کر کے مطبع بولاق مصر سے دو ضخیم جلدوں میں شائع کرایا ہے سنہ تصنیف ۸۳۱ھ ہے اور اس پر تقریظیں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد حسین دہلوی اور مصری فاضل محمد البیسونی البیانی

کے قلم سے ہے سنہ طباعت ۱۲۹۵ھ ہے۔۲ے۱

ڈاکٹر زبید احمد کی تحقیق کے مطابق اس کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

برلن:۔فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ برلن، مرتبہ اہل وارٹ۔۸۷۰، ۹۲۵، ۹۳۱

کوپریلی:۔فہرست کتب خانہ کوپریلی زادہ، استنبول، ۷۔۸۴

قلیچ علی:۔کتب خانہ قلیچ علی، استانبول۔۴۲

لوتھ:۔فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس، مرتبہ لوتھ۔۸۔۹۷

داماد ابراہیم:۔فہرست کتب خانہ داماد ابراہیم، استانبول۔۱۲۷

قاہرہ:۔فہرست عربی کتب و مخطوطات، خدیوی کتب خانہ، قاہرہ۔۱، ۱۳۵

بروکلمن اور انڈیا آفس:۔فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس، جلد دوم۔مرتبہ سی، اے، اسٹوری و پروفیسر اے، جے آربری۔۱۱۴۲

زوارف اللطائف فی شرح عوارف المعارف

عوارف المعارف حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ) کی مشہور تصنیف ہے اور تصوف کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

علامہ مہائمی نے اس کتاب کی شرح زوارف کے نام سے لکھی ہے، جس میں مبہم اور مجمل گوشوں کی وضاحت کے ساتھ صوفیانہ اصطلاحات، مشکل الفاظ کا حل بھی بتایا گیا ہے، بعض جگہ احادیث اور صوفیہ کی کتابوں سے مزید واقعات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر نکتہ آفرینی کے نمونے بھی ملتے ہیں۔

مولانا پرواز اصلاحی کی اطلاع کے مطابق اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ محمدیہ جامع مسجد ممبئی میں موجود ہے۔کتابت نہایت باریک ہے اور کاتب کا نام محمد عظمت اللہ ابن مولوی کرامت اللہ ہے۔۳ے۱

مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

رامپور:۔فہرست کتب خانہ رامپور۔۳۴۴

بانکی پور:۔فہرست عربی مخطوطات بانکی پور۔۱۳، ۸۶۳ ۴ے۱

اِراءۃ الدقائق شرح مرآۃ الحقائق

''جام جہاں نما'' کو عربی میں منتقل کرنے کے بعد آپ نے ضرورت محسوس کی کہ ان مباحث کو جو

کتاب کے اندر ہیں اس کی تشریح کی جائے تاکہ اس سلسلے میں جو پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں وہ دور ہو جائیں، اس کے پیش نظر یہ کتاب تصنیف کی ہے۔
مولانا پرواز اصلاحی کی تحقیق کے مطابق اراءۃ الدقائق کو عبد القادر جیتیکر نے عربی ٹائپ میں ممبئی سے چھپوا کر شائع کیا ہے، اس کا مطبوعہ نسخہ جامع مسجد ممبئی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ تفصیلی معلومات کے لیے مولانا اصلاحی کی کتاب ''مخدوم علی مہائمی'' صفحہ نمبر ۱۱۵ ملاحظہ فرمائیں۔

أدلة التوحيد

آپ کا عجیب وغریب رسالہ ہے، جو " الم ذلك الكتاب لاريب فيه " کے وجوہ اعراب کے بیان میں ہے' جس میں بارہ کروڑ تراسی لاکھ چوالیس ہزار پانچ سو چوبیس (۱۲۸۳۴۴۵۲۴) وجوہ اعراب بیان کی ہیں۔

شیخ غلام علی آزاد بلگرامی ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' میں رقم طراز ہیں:

"إن له رسالـه عجيبه فی تخريج وجوه اعراب قوله تعالی "الم ذلك الكتاب لا ريب فيه هدی للمتقين" .... ويعبر عن هذا العدد بالهند اثنی عشر كروراً و ثلاثه و ثمانون لكاً و اربعة و أربعون ألفاً و خمس مائة و أربعة و عشرون وجهاً". ۵۷؎

خصوص النعم فی شرح فصوص الحکم

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی معرکتہ الآرا تصنیف فصوص الحکم نے صوفیانہ عقائد کی تشکیل میں بہت گہرا اثر ڈالا ہے، کیونکہ یہی وہ تصنیف ہے جس میں شیخ اکبر نے مسئلہ وحدۃ الوجود کو نہایت مکمل شکل میں پیش کیا ہے۔

چونکہ مسئلہ وحدۃ الوجود علمی سے زیادہ ذوقی اور روحانی تھا، اس وجہ سے بعض علما نے اس کتاب کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، طرح طرح کے اعتراضات کیے اور فصوص کی تردید میں کتابیں لکھیں اور بعض اکابر نے شیخ ابن عربی کی حمایت میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔

شیخ مہائمی نے آپ کی حمایت میں کتاب لکھی اور ثابت کیا کہ آپ کے اقوال شریعت مطہرہ کے عین مطابق ہیں۔

شیخ مہائمی کی اس شرح کا مخطوطہ کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں موجود ہے، جس کی ضخامت ۱۵۶ اوراق ہے، ہر صفحے میں ۱۵ سطریں ہیں، کتابت صاف ستھری اور روشن ہے، متن کے لیے سرخ روشنائی استعمال کی گئی ہے اور شرح کے لیے سیاہ روشنائی استعمال کی گئی ہے، سنہ کتابت درج نہیں ہے سعد اللہ کے نام کی ایک مہر ہے، جس میں ۱۱۶۱ھ کندہ ہے اور اس مہر کے نیچے کتاب کی قیمت درج ہے اور ۱۲۰۲ھ خریداری کا سال لکھا ہے۔ ۷۶؎

النور الازهر فى كشف سرّ القضاء و القدر

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے قضا اور قدر پر تفصیلی بحث کی ہے اور اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ شیخ مہائمی نے شیخ اکبر کے نقطۂ نظر کو عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں مزید واضح کیا ہے اور اپنے اس مختصر سے رسالے میں نہایت دقیقہ رسی کا ثبوت دیا ہے۔

ڈاکٹر زبید احمد اپنی کتاب ''عربی ادبیات'' میں لکھتے ہیں کہ اس تصنیف کے متعلق معلومات کے لیے فہرست مخطوطات عربی و فارسی، کتب خانہ ممبئی یونیورسٹی صفحہ ۲۸۲ دیکھیے۔ ۷۷؎

انعام الملك العلام باحكام حكم الاحكام

آپ نے اس کتاب میں احکام شرع کی حکمتیں اور اسرار بیان کیے ہیں اور قرآن وحدیث کی ہر بات کو عقل کی میزان پر تول کر پیش کیا ہے، یہ آپ کی بڑی نادر و نایاب کتاب ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''یادایام'' (مختصر تاریخ گجرات) میں مذکورہ کتاب کے متعلق رقم طراز ہیں:

> ''انعام الملک العلّام'' اسرار شریعت کے علم میں ہے اور گمان غالب ہے کہ اس فن میں سب سے پہلی تصنیف ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی اسی فن میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اب تک اس فن میں کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی، یہ میرے دعوے کی دلیل ہے کہ سب سے اول مہائمی نے اس فن میں کتاب لکھی ہے، جو شاہ ولی اللہ کی نظر سے نہیں گزری''۔ ۷۸؎

ڈاکٹر زبید احمد کی تحقیق کے مطابق کتب خانہ ممبئی یونیورسٹی ص ۲۸۲ پر اس کتاب سے متعلق تفصیلات موجود ہیں۔ ۷۹؎

کتاب "لمعات عراقی"

''لمعات عراقی'' شیخ فخر الدین عراقی (۶۸۸ھ) کی مشہور تصنیف فارسی زبان میں ہے، شیخ مہائمی نے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا عربی میں ترجمہ کیا ہے اور اس پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔۱۸۰

شیخ فخر الدین عراقی کی کتاب کا موضوع مسئلہ زماں ہے۔ قدیم زمانے سے فلاسفہ کے یہاں زماں کے تصور میں اختلاف رہا ہے اور قدما نے مختلف خیالات بیان کیے ہیں۔

مولانا پرواز اصلاحی اپنی کتاب ''مخدوم علی مہائمی'' میں مذکورہ کتاب کے متعلق رقم طراز ہیں:

> زمانۂ حال کے فلاسفہ نے زمانہ کی چار قسمیں بیان کی ہیں،....ان چاروں قسموں کے علاوہ فخر الدین عراقی نے زمانے کی پانچویں قسم بھی بیان کی ہے یعنی زمان ایزدی (DIVINE) اور یہ وہ زماں ہے جو ایاب وذہاب اور گزر وسفر کی صفت سے منزہ ہے اور اسی لیے کسی قسم کی تقسیم قبول نہیں کرتا، اور نہ اس میں تغیر یا حدوث وتواتر کی شان پائی جاسکتی ہے یہ وہ زمانہ ہے، جو ازلیت سے بالاتر ہے، نہ اس کا آغاز ہے نہ انجام، قرآن حکیم نے اسی زمانِ ایزدی کو ''امّ الکتاب'' سے تعبیر کیا ہے''۔۱۸۱

رسالہ فی الفقہ الشافعی (فقہ مخدومی)

آپ کی یہ کتاب فقہ شافعی پر ہے۔ مختصر سی کتاب ہے، جس میں صرف عبادات کا ذکر ہے یہ طبع ہو چکی ہے اور ممبئی میں اس کا اردو ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر زبید احمد ''عربی ادبیات'' میں فقہ مخدومی کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''اس کے مصنف علی بن احمد المہائمی ہیں، یہ ممبئی سے طبع ہو چکی ہے۔ اردو تفسیر القرآن کے مصنف عبدالحق نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب میں چند غلطیاں تو ہیں لیکن یہ شافعیوں کے لیے ایک مفید تصنیف ہے''۔۱۸۲

اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن میں موجود ہے۔ مخطوطہ نمبر ۲: ۱۰۹۶ ہے۔۱۸۳

مشرّع الخصوص فی شرح الفصوص

''الفصوص'' شیخ صدر الدین قونوی (۶۷۱ھ) کی تصنیف ہے، جس میں فنا وبقا جیسے دقیق مباحث پر عجیب وغریب نکتے بیان کیے گئے ہیں، شیخ مہائمی نے اسی کتاب کے مضامین کو زیادہ پھیلا کر لکھا ہے اور

جا بجا مشکل مقامات کی شرح کی ہے۔

"مشرّع الخصوص فی شرح الفصوص" کا مخطوطہ کتب خانہ انڈیا آفس جلد دوم مرتبہ سی، اے اسٹوری و پروفیسر اے، جے، آربری میں موجود ہے، مخطوطہ نمبر ۱۳۲۸ ہے۔۱۸۴

الرتبه الرفیعه فی الجمع و التوفیق بین اسرار الحقیقه و انوار الشریعه

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی ذات بابرکات پر یمن کے خطۂ زبید کے شیخ اسماعیل مقری نامی شخص نے طعن وتشنیع کی، اور آپ کے خلاف ایک کتاب "الزریعه الی نصرة الشریعه" لکھی، جب شیخ مہائمی کو اس بات کا علم ہوا، اس وقت آپ نے "الرتبه الرفیعه" تصنیف کی، اور اس کتاب میں شیخ اکبر کی شخصیت، علما و مشائخ کے نزدیک آپ کا مرتبہ اور اکابرامت کی رائیں بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر مباحث، تصوف کے مدارج وغیرہ سے متعلق ہیں۔

"الرتبه الرفیعه" کا مخطوطہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد میں موجود ہے۔۱۸۵

شیخ محمد بن ابی بکر دمامینی

آپ کا لقب بدرالدین اور نام محمد بن ابی بکر تھا، عام طور پر ابن الدمامینی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کا نسب نامہ اس طرح ذکر کیا ہے:

"الشیخ الامام العلامه بدر الدین محمد بن أبی بکر بن عمر بن أبی بکر ابن محمد بن سلیمان بن جعفر بن یحی بن حسین بن محمد بن أحمد بن أبی بکر ابن یوسف بن علی بن صالح بن ابراهیم البدر القرشی المخزومی الاسکندری ثم الهندی الگجراتی".۱۸۶

امام سخاوی "الضوء الامع لأهل القرن التاسع" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"و اشتغل ببلده علی فضلاء وقته فمهر فی العربیه و الادب و شارك فی الفقه وغیره لسرعة ادراکه و قوة حافظته".۱۸۷

عربی زبان وادب میں تفوق ومہارت کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

"وكـان أحـد الـمتكلمين فى فنون الأدب، أقر له الأدباء بالتقدم فيه و باجازة القصـائـد و الـمقـاطيع و النثر، معروفاً باتقان الوثائق مع حسن الخط و المودة"۔[۱۸۸]

اسی طرح مشہور اسلامی مؤرخ مولانا عبدالحی حسنی "نزهة الخواطر" میں لکھتے ہیں:

"واشتغل ببلده على فضلاء وقته و تفقه وتعانى الأداب ففاق فى النحو و النظم و النثر و الخط و معرفة الشروط و شارك فى الفقه و غيره و ناب فى الحكم عن ابن التينسى"۔[۱۸۹]

آپ کی ولادت ۷۶۳ھ میں اسکندریہ میں ہوئی۔[۱۹۰] آپ نے اپنے عہد کے علوم مروجہ کی تحصیل کی اور نحو، ادب، شاعری، نثر نگاری، خطاطی، اور علم الفقہ میں درجۂ کمال کو پہنچے۔

پھر قاہرہ تشریف لائے اور وہاں حدیث کی سماعت کی، عہدۂ قضا کے ساتھ ساتھ درس وتدریس میں بھی حصہ لیا، یہاں تک کہ ہر طرف ان کی شہرت پھیل گئی، پھر جامعہ ازہر میں نحو کی تدریس کے لیے منصب صدارت پر فائز ہوئے، پھر اسکندریہ چلے گئے، وہاں بھی درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے ساتھ ہی کسب معاش کے لیے تجارت شروع کی، پھر قاہرہ گئے، اور قاضی مقرر ہوئے۔ لیکن یہ عہدہ انھیں راس نہ آیا۔ اس کے بعد اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ ۸۰۰ھ میں دمشق چلے گئے۔ وہاں سے حج کے لیے گئے، لوٹ کر اپنے وطن اسکندریہ آئے اور جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے، پھر امور دنیا میں مشغول ہوگئے۔ چنانچہ کپڑے کا ایک بڑا کارخانہ قائم کیا، اتفاق ایسا ہوا کہ اس کارخانہ میں آگ لگ گئی، اور ان کا زیادہ تر مال ضائع ہوگیا۔ وہاں سے وہ بھاگ کر صعید مصر چلے گئے۔ لیکن ان کے قرض خواہوں نے ان کا تعاقب کیا، اور ان کو کشاں کشاں قاہرہ لے آئے، یہاں پر شیخ تقی الدین ابن حجہؒ اور ناصر الدین البارزی نے ان کا ساتھ دیا، یہاں تک کہ ان کے حالات بہتر ہوگئے۔

اس کے بعد وہ الملک المؤید کی مجلس میں آئے اور مالکیہ کے قاضی مقرر ہوئے، لیکن یہ منصب بھی ان کو راس نہ آیا۔ پھر ۸۱۹ھ میں وہ حجاز چلے گئے۔ انھوں نے وہاں حج کیا۔ پھر ۸۲۰ھ میں یمن آئے، اور ایک سال تک وہاں جامعہ زبید میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی، لیکن یہاں بھی انھیں کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوئی، اس کے بعد وہ ہندوستان آگئے، اور سلطان احمد بن محمد مظفر گجراتی کے دور سلطنت

میں شعبان ۸۲۰ھ میں گجرات آئے۔ یہاں انھیں بڑا عروج نصیب ہوا، اور لوگوں نے ان سے استفادہ کیا اور ان کو بہت بڑا درجہ دیا، یہاں وہ دنیاوی لحاظ سے بھی بہت خوش حال ہو گئے۔

آپ کا وصال ماہ شعبان ۸۲۷ھ میں گلبرگہ کرناٹک میں ہوا[191] صاحب کشف الظنون نے سال وفات ۸۲۸ھ لکھا ہے[192] علامہ جلال الدین سیوطی نے "بغیۃ الوعاۃ" میں سال وفات ۸۳۷ھ اور دوسری روایت ۸۳۸ھ بیان کی ہے۔[193]

مولانا عبدالحی حسنی لکھتے ہیں:

''علوم ادبیہ کے امام علامہ بدر الدین محمد بن ابی بکر الدمامینی ۸۰۰ھ میں گجرات تشریف لائے اور برسوں احمد آباد میں درس و تدریس فرماتے رہے۔ تسہیل ابن مالک کا نسخہ احمد آباد ہی میں ان کو ملا تھا، جس کی ایک مبسوط شرح لکھ کر سلطان احمد شاہ گجراتی کے نام پر معنون کی۔ علاوہ اس کے شرح مغنی اللبیب، شرح صحیح بخاری اور عین الحیوۃ خلاصہ حیاۃ الحیوان یہ تینوں کتابیں اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی تھیں''۔[194]

اسی طرح ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ نے ''محاضرات میمنی'' میں مولانا عبدالعزیز میمنی کا قول نقل کیا ہے:

''دو پرانے علما جن کا ہند سے تعلق رہا ہے، بڑے علامۃ الدھر تھے، ایک ابوبکر دمامینی اور دوم امام صاغانی لاہوری، ابوبکر دمامینی مصر کے جید عالم تھے۔ ابن ہشام نے ابوحیان غرناطی کی کتاب کے مقابلے میں ''مغنی اللبیب'' لکھی، ابوحیان اندلس چھوڑ کے مصر میں آیا اور اس کا وقار کافی بڑھ چکا تھا۔ تاہم ابن ہشام نے اپنے حسد کا ثبوت دیا۔ ابوبکر دمامینی نے ''مغنی البیب'' کا ردّ لکھا۔ ابوبکر اپنے وقت میں مصر میں مالکیوں کا قاضی القضاۃ تھا، حوادث زمانہ سے مجبور ہو کر علی وجہہ سمندر کی راہ اختیار کی، اور تقدیر نے اس کو ہندوستان پہنچایا۔ پہلے سورت میں اترا، اس وقت گجرات کا حاکم احمد شاہ تھا، گجرات میں ہی بیٹھ کر اس نے "المنهل الصافي في شرح الوافي" لکھی، بعد میں دکن چلا گیا اور گلبرگہ میں وفات کی، اور وہاں ہی مدفون ہے۔ عروض و قوافی میں اس کی دنیا میں مشہور کتاب ہے۔ اور مصر میں چھپ چکی ہے''۔[195]

آپ کی بہت سی تصانیف ہیں، ان میں سے کچھ مشہور کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(١) تحفة الغريب شرح مغنى اللبيب لابن هشام

(٢) نزول الغيث فى التنقيد على شرح لامية العجم للصفدى

(٣) الفتح الربانى فى الرد على التبيانى المعترض على مصابيح الجامع[196]

(٤) عين الحيوة فى اختصار حياة الحيوان للدميرى

(٥) العيون الفاخره الغامزه على خبايا الرامزه للخزرجى فى العروض

(٦) شمس المغرب فى المرقص و المطرب

(٧) المصابيح فى شرح الجامع الصحيح للبخارى[197]

(٨) جواهر البحور فى العروض[198]

(٩) اظهار التعليل المغلق

(١٠) تعليق الفرائد فى شرح تسهيل الفوائد[199]

(١١) الفواكه البدريه منظومه[200]

(١٢) لمحة البدر مقامه مختصره

(١٣) معدن الجواهر فى شرح جواهر البحور

(١٤) مقاطع الشرب[201]

(١٥) المنهل الصافى فى شرح الوافى للبلخى فى النحو[202]

(١٦) شرح الخزرجية[203]

مندرجہ بالا کتب میں سے بعض کے متعلق جو معلومات فراہم ہو سکی ہیں، انھیں آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے:

تحفة الغريب فى شرح مغنى اللبيب لابن هشام النحوى

مغنی اللبیب شیخ جمال الدین ابی محمد عبد اللہ بن یوسف المعروف بابن ہشام (م ۷۶۲) کی نحو میں کتاب ہے، دمامینی نے اس کی مختصر شرح پہلی مرتبہ مصر میں لکھی اور اس کا نام "تحفة الغريب" تجویز کیا۔ پھر جب ہندوستان آئے تو اس کی طویل شرح لکھی۔

صاحب "کشف الظنون" آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"والشیخ محمد بن ابی بکر الدمامینی سماہ تحفة الغریب بشرح مغنی اللبیب و توفی سنة ۸۲۸ ثمانون و عشرین و ثمانمائة اول شرح المغنی للدمامینی وهو شرح صغیر بالقول الحمد لله الذی لا افتقار الی مغن سواه الخ ذکر فیه انه بالغ فی اعتراضه علی المتقدمین مع تراکیب مغلقه اقول وکان تألیفه بمصر ثم لما رحل الی الهند شرحه هناك شرحا اطول منه..."۔ ۲۰۴

بدرالدین الدمامینی نے ''مغنی'' کی مدح میں مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں:

الا انما مغنی اللبیب مصنف — جلیل به النحوی یحوی امانیه

وما هو الا جنة قد تزخرفت — ألم تنظر الابواب فیه ثمانیه ۲۰۵

"تحفة الغریب فی شرح مغنی اللبیب "شائع ہوچکی ہے اور اس کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

برلن:۔فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث، ۸، ۶۷۲۷

لوتھ:۔فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس، مرتبہ لوتھ۔ ۹۶۷

لیڈ:۔ CATALOGUE CODICUM ORIENTALIUM BIBLIO THE CAE ACADAMIAE LUGDUND- BATAVAE. 217

اسکر:۔ ESCUR- DERENBOURG, HO-LES MANUSCRITS ARABES DEL, ESCURIAL 1.203

قاہرہ:۔فہرست عربی کتب ومخطوطات، خدیوی کتب خانہ، قاہرہ، ۷۵/۴

ینی:۔فہرست ینی کتب خانہ، استنبول، ۹۸۔۱۰۸۸

حمیدیہ:۔فہرست کتب خانہ حمیدیہ، استنبول، ۱۸۱۶

نورعثمانیہ:۔فہرست کتب خانہ نوری عثمانیہ، استنبول، ۴۶۰۶

ندوہ:۔فہارس مطبوعات ومخطوطات عربی وفارسی، کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ، ۶۷۲

آصفیہ:۔فہرست کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۶۴۴/۲

علی گڑھ:۔فہرست نسخہ قلمی کتب خانہ سبحان اللہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔۱۳

بانکی پور:۔فہرست عربی مخطوطات بانکی پور۔۲۱۲ ۲۰۶

نزول الغيث فى التنقيد على شرح لاميه العجم للصفدى

"لامية العجم" ابی اسمعیل الحسین بن علی (۵۱۴ھ) کی کتاب ہے، انھوں نے اس کتاب کو بغداد میں ۵۰۵ھ میں نظم کیا تھا، جس میں اپنے حالات کو بیان کیا ہے اور زمانے سے شکایت کی ہے۔

کتاب کا آغاز مندرجہ ذیل مصرعے سے ہوتا ہے:

اصالة الرأى صانتنى عن الخطل وصلية الفضل زانتنى لدى العطل ۲۰۷

"لامية العجم" کی شرح صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی (۷۶۴ھ) نے کی، جس کا نام "الغيث" تجویز کیا، الغیث کے ردّ میں شیخ بدرالدین محمد بن ابی بکر دمامینی نے اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "نزول الغيث" رکھا، جس کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"اما بعد حمد الله الذى لا يتوجه عليه الاعتراض الخ ۲۰۸

حاجی خلیفہ کشف الظنون میں رقم طراز ہیں:

"لامية العجم" لمؤالدين ابى اسمعيل الحسين بن على فخر الكتاب العميد الطغرائى المتوفى سنة ٥١٤ اربع عشرة و خمسمائه نظمها ببغداد سنة ٥٠٥ و اعتنى عليها (بها) الادباء فشرحها صلاح الدين خليل بن ايبك الصفدى وسماه "الغيث" و شرحها ايضاالاديب بدر الدين محمد ابن ابى بكر (بن عمر) بن محمد بن سليمان المالكى الدمامينى وله مختصر فى رده سماه نزول الغيث اوله اما بعد حمد الله الذى لا يتوجه عليه الاعتراض الخ زكر فيه ان بعض الطلبة فى الاسكندريه مدحه ثم لما ارتحل الى مصرسنة ٧٩٤ وقف عليه فزيفه ووجد الصلاح قد ارتكب فسارا و رأى فيه سقطات كثيرة فاراد تبكيت ذلك المادح فكتب ما تيسر له من الاعتراضات بقال اقول"۔ ۲۰۹

عين الحياة فى اختصار حياة الحيوان للدميرى

بدرالدین دمامینی نے اپنے استاد کی کتاب حیوۃ الحیوان کی تلخیص کی ہے۔"حيوة الحيوان" شیخ کمال الدین محمد بن عیسیٰ دمیری (م۸۰۸) کی "علم الحیوان" پر مشہور کتاب ہے۔۲۱۰

محمد بن ابو بکر دمامینی نے ۸۲۳ھ میں احمد شاہ بن مظفر شاہ کو عین الحیاۃ لکھ کر ہدیہ کی۔ کشف الظنون کے مطابق عین الحیاۃ کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"الحمد لله الذى اوجد بفضله حياة الحيوان" الخ ۲۱۱

صاحب کشف الظنون دمامینی کی عین الحیاۃ کے متعلق رقم طراز ہیں:

"محمد بن ابى بكر ابن الدمامينى (م۸۲۸) اوله الحمد لله الذى اوجد بفضله حياة الحيوان الخ زكر فيه ان كتاب شيخه هذا كتاب حسن فى بابه جمع ما بين احكام شرعية و اخبار نبوية و مواعظ نافعه و فوائد بارعة و امثال سائره و ابيات نادرة و خواص عجيبة و اسرار غريبه لكنه طول فى بعض اماكنه ووقع فى بعضه مالا يليق بمحاسنه فاختار منه عينه و سماه عين الحياة مهديا الى الامير احمد شاه بن مظفر شاه من ملوك الهند و فرغ فى شعبان سنة ۸۲۳ ثلاث و عشرين و ثمانمائة". ۲۱۲

المصابيح فى شرح الجامع الصحيح للبخارى

بخاری شریف کی شرح ہے۔ آپ نے سلطان احمد بن محمد مظفر کے لیے اس کو تصنیف کیا تھا اور اس کے کچھ ابواب اور مقامات پر حواشی بھی لکھے ہیں، جن میں کسی غریب لفظ سے گفتگو کی ہے، یا نحوی اعراب کے متعلق بتایا ہے، یا کسی غلطی پر متنبہ کیا ہے۔

صاحب "نزهة الخواطر" کے مطابق مصابیح الجامع شرح صحیح البخاری کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"الحمد لله الذى فى خدمة السنة النبوية اعظم سيادة" الخ ۲۱۳

حاجی خلیفہ "كشف الظنون" میں رقم طراز ہیں:

"الجامع الصحيح،، و شرحها العلامه بدر الدين الدمامينى و سماه مصابيح الجامع زكر انه الفه للسلطان احمد شاه بن محمد بن مظفر من ملوك الهند وعلقه على ابواب منه و مواضع تحتوى على غريب و اعراب و تنبيه (قلت لم يذكر الدمامينى فى ديباجة شرحه هذا الذى نقله المؤلف لكن قال فى آخر

نسخة قديمة كان انتهاء هذا التأليف بزبيد من بلاد اليمن قبل ظهر يوم الثلاثاء العاشر من شهر ربيع الأول سنة ۸۲۸ ثمان و عشرين و ثمانمائة على يد مؤلفه محمد بن ابی بکر بن عمر بن ابی بکر المخزومی الدمامینی"[۲۱۴]

جواهر البحور فی العروض

''جواہر البحور'' فن عروض میں بدرالدین محمد بن ابی بکر دمامینی کی کتاب ہے، انھوں نے اس کتاب کی شرح لکھی، اوراس کا نام ''معدن الجواہر'' رکھا۔

حاجی خلیفہ ''کشف الظنون'' میں ''جواہرالبحور'' اور ''معدن الجواہر'' کے متعلق رقم طراز ہیں:

"جواهر البحور في العروض،، لمحمد بن ابی بکر ابن الدمامینی المتوفی سنة ثمان و عشرين و ثمانمائة ثم شرحه و سماه معدن الجواهر"۔ [۲۱۵]

تعليق الفرائد فی شرح التسهيل الفوائد لابن مالك الطائی

دمامینی نے اس کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے کہ جب وہ ۸۲۰ھ کے ماہ شعبان کے اواخر میں گجرات آئے تو وہاں انھوں نے اس کتاب کو غیر معروف پایا۔ حسن اتفاق سے وہ اس کتاب کو اپنے ساتھ لائے تھے تو بعض طلبہ نے اسے دیکھا اور ان سے اس کی شرح لکھنے کی درخواست کی، چنانچہ انھوں نے اس کی شرح لکھ دی۔[۲۱۶]

"نزهة الخواطر" کے مطابق اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

"اللهم اياك نحمد على نعم توجهت الأ مال" الخ[۲۱۷]

المنهل الصافی فی شرح الوافی للبلخی فی النحو

''الوافی'' فن نحو میں محمد بن عثمان بن عمر بلخی کی کتاب ہے، اس کتاب کی شرح محمد بن ابی بکر دمامینی نے لکھی، اوراس کا نام ''المنهل الصافی'' رکھا، اوراس کتاب کو شاہ گجرات شہاب الدین احمد کو ہدیہ کیا، جس کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

الحمد لله على احسانه [۲۱۸]

صاحب ''کشف الظنون'' مذکورہ کتاب کے متعلق رقم طراز ہیں:

"الوافی فی النحو. لمحمد بن عثمان بن عمر البلخی المتوفی سنة... شرحه

الشیخ الامام محمد بن ابی بکر الدامینی لما سفر الی الھند و رأی ان اھل کجرات مشغولون بہ فاھداہ لملك الھند المستنصر باللہ شھاب الدین احمد و سماہ المنھل الصافی اولہ الحمد للہ علی احسانہ الخ قال و کان تألیف المتن بجزیرۃ مھاپور من الھند فی مدۃ یسیرۃ اولھا آخر رمضان سنۃ ۸۲۵ خمس و عشرین و ثمانمائۃ و آخرھا ذی الحجہ من السنۃ المذکورۃ و بیضہ فی صفر (من السنۃ التی تلیھا)"۲۱۹

"المنھل الصافی فی شرح الوافی" کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:
لوتھ:۔فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس، مرتبہ لوتھ، ۹۷۲
رامپور:۔فہرست کتب خانہ، رامپور، ۵۵٦
بانکی پور:۔فہرست عربی مخطوطات، بانکی پور، ۱۲۲۸ ۲۲۰

لمحۃ البدر

دمامینی کا مختصر مقامہ ہے۔صاحب کشف الظنون کے مطابق لمحۃ البدر کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"اما بعد حمد اللہ الذی محا السیئۃ بالحسنۃ"الخ ۲۲۱

صاحب ''الضوء اللامع'' نے ان کے کلام کے متعدد نمونے نقل کیے ہیں، ان میں سے کچھ نقل کیے جاتے ہیں:

رمانی زمانی بما سائنی　　فجائت نحوس و غابت سعود
وأصبحت بین الوری بالمشیب　　علیلا فلیت الشباب یعود

قلت لہ و الدجی مول　　ونحن بالانس فی التلاقی
قد عطس الصبح یا حبیبی　　فلا تشمتہ بالفراق

یا عذولی فی مغن مطرب　　حرك الاوتاد لما سفرا
کم یھز العطف منہ طرباً　　عند ما تسمع منہ وتری

اللــه أكبــر يــا مـحـراب طـرتـه	كم ذا تصلى بنار الحرب من صاب
و كم أقمت با حشائى حروب هوى	فمـنك قـلبى مفتون بمحراب ۲۲۲

رعـى الـلـه مـصراً إننا فى ظلالها	نـروح و نـغـدو سـالمين من الكد
ونشـرب مـاء الـنيـل مـنها براحة	وأهـل زبيد يشربون من الكد ۲۲۳

أيــا عـلـمــاء الهـنـد إلـى سـائل	فـمـنـوا بتـحـقيق بـه يظهر السر
فـمـا فاعل قد جر با لخفض لفظه	صـريـحاً ولا حرف يكون به جر
وليــس بـذى جـر ولا بـمجـاور	لذى الخفض و الانسان للجر يضطر
فـمـنـوا بتـحـقيـق بــه أستفيده	فمن بحركم ما زال يستخرج الدر ۲۲۴

خطیب ابوالفضل گاذرونی

شیخ ابو الفضل گاذرونی بلند پایہ عالم اور کامل شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلی درجہ کے مصنف بھی تھے۔ آپ کی پیدائش اور نشو نما شیراز میں ہوئی اور آپ نے اپنے عہد کے علوم مروجہ کی تحصیل جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی ، دوانی اور ان کے علاوہ علمائے وقت سے کی ، پھر آپ سلطان محمود بن محمد گجراتی کے عہد سلطنت میں ہندوستان تشریف لائے اور گجرات میں درس وتدریس کی خدمت انجام دینے لگے۔

شیخ مبارک بن خضر نا گوری اور ان کے علاوہ علمائے وقت نے آپ سے علوم مروجہ کی تحصیل کی ، مندوی نے آپ کی وطنی نسبت شیراز کی طرف بیان کی ہے اور ابن المبارک نے گاذرون کی طرف۔

آپ کے سال وفات کا صحیح علم نہیں ، صاحب کشف الظنون کے مطابق آپ کی وفات ۹۴۰ھ کے آس پاس ہوئی ، ۲۲۵ اس کے برخلاف ڈاکٹر زبید احمد نے ۹۵۹ھ کو آپ کا سال وفات قرار دیا ہے۔ ۲۲۶

مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی اردو تصنیف ''یادایام'' میں ''علمائے منطق وحکمت'' اور گجرات کے وزرائے باکمال کے تحت آپ کا ذکر کیا ہے:

> ''علمائے منطق وحکمت،، ابوالفضل گاذرونی ، علامہ ابوالفضل استرآبادی ، علامہ عماد طارمی تھے اور یہ تینوں محقق دوانی کے شاگرد تھے۔ عبدالحلیم عرف خداوند خاں اور عبدالعزیز عرف آصف خان ابو

الفضل گاذرونی کے شاگرد تھے''۔۲۲۷؎

مولانا موصوف اپنی عربی تصنیف "نزهة الخواطر" میں لکھتے ہیں:

"الشيخ العالم الكبير العلامه أبوالفضل الخطيب الگاذرونی، أحد الاساتذة المشهورين، ولد و نشأ بمدينة شيراز، ثم قدم الهند ودخل گجرات فی أيام السلطان محمود بن محمد الگجراتی فسكن بها و درس و أفاد، وله تعليقات نفيسة علی تفسير البيضاوی، وقد نسبه المندوی إلی بلدة شيراز و ابن المبارك إلی گاذرون"۔۲۲۸؎

ڈاکٹر زبید احمد ''عربی ادبیات'' میں تفاسیر قرآن کے تحت خطیب ابوالفضل گاذرونی کے متعلق رقم طراز ہیں:

''خطیب ابوالفضل گاذرونی جلال الدین دوانی کے شاگرد تھے اور محی الدین کی شاگردی بھی اختیار کی تھی جو نامور عالم سید شریف جرجانی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، سلاطین گجرات کی سرپرستی ان کو ہند لے آئی، ابوالفضل اور فیضی کے والد شیخ مبارک کے استاد بھی تھے''۔۲۲۹؎

مصطفیٰ بن عبداللہ (حاجی خلیفہ) کشف الظنون میں آپ کے متعلق رقم طراز ہیں:

"الفاضل ابی الفضل القرشی الصديقی الخطيب المشهور بالكازرونی المتوفی فی حدود سنة اربعين وتسعمائه (٩٤٠) وهی حاشيه لطيفة فی مجلد اورد فيها من الدقائق و الحقائق مالا يحصی"۔۲۳۰؎

آپ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شرح الارشاد

(۲) الحاشيه علی تفسير البيضاوی

(۳) الحاشيه علی شرح المواقف

مندرجہ بالا کتب کے متعلق جو معلومات فراہم ہوسکی ہیں، انھیں آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے:

شرح الارشاد

الارشاد شہاب الدین دولت آبادی نے لکھی ہے، یہ عربی نحو کی ایک نصابی کتاب ہے، اور بعض علما

کی رائے میں یہ ابن حاجب کی مشہور تصنیف کافیہ پر بھی فوقیت رکھتی ہے، ان تمام خوبیوں کے علاوہ جن کی وجہ سے یہ ایک عمدہ کتاب تسلیم کی جاتی ہے، اس میں ایک اور خصوصیت پائی جاتی ہے، جو نحو کی دوسری کتابوں میں نہیں ہے اور جس کی تشریح خود مصنف نے ان الفاظ میں کی ہے:

"وتیسر لی بتیسیر الله ایراد النظیر لاحکامه فی ضمن التعبیر ممثلا لکل تمثیلا ینطق بعبارة ما سبق او سبق"۔

(اللہ کے فضل وکرم سے مجھے اس کے احکام کی تعبیر میں نظیریں لانے کی توفیق ہوئی، جس میں ہر حکم کے لیے ایک مثال دی ہے، جو اس عبارت یا گزشتہ عبارت پر بالکل منطبق ہوجاتی ہے۔)

یہ کتاب لکھتے ہوئے اس عجیب خصوصیت کو شروع سے آخر تک برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن الارشاد کے مصنف ان دشوار قیود پر بہت کامیابی سے غالب آگئے جو انھوں نے اپنی علمیت کے اظہار کے لیے ازخود عائد کر لیے تھے اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

"من الحروف الجارة من التی یراد منها ابتداء الغایتة فی المکان او ما یرجع من البیان و الباء لالصاق الشی بالشی و علی لاستعلاء الشی علی الشی و فی لوقوع معنی الفعل فی زمان ومکان و الی لبلوغ الشی الیٰ غایة وعن لبعد و المجاوزة عن الشی وحتی لحصول شی حتی منتها والکاف لکون الشی بشی اٰخر معناً"۔

کافیہ سے بھی ایک ایسی ہی عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے:

"فمن لابتداء و التبیین و الباء للالصاق و علی الاستعلاء و فی للظرفیه وعن للمجاوزة الکاف للتشبیه"۔

دونوں کتابوں کے ان مماثل اقتباسات کا مقابلہ کرنے سے الارشاد کی امتیازی خصوصیت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

اگر چہ الارشاد کو وہ شہرت ومقبولیت حاصل نہیں ہوسکی جو الکافیہ کو ہے تاہم دونوں تصانیف کے ایک محتاط موازنہ سے یہ ظاہر ہوجائے گا کہ ترتیب اور موضوع کی تشریح کے اعتبار سے الارشاد زیادہ بہتر تصنیف ہے، کسی کلیہ کو خود اس کی تعریف کے الفاظ سے واضح کرنا ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے کافیہ کے

مقابلہ میں الارشاد زیادہ مختصر اور جامع ہے۔ کافیہ کی اتنی شہرت اور مقبولیت کا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب عربی بولنے والے ملک میں اور ایک ایسے زمانے میں لکھی گئی جب اس قسم کی کوئی اور نصابی کتاب موجود نہ تھی، اس کے برعکس الارشاد ہند میں لکھی گئی تھی اور ایک ایسے زمانے میں لکھی گئی جب اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی تھیں، اگرچہ یہ قول نقش ثانی نقش اول سے ہمیشہ بہتر ہوتا ہے الارشاد کے حق میں ہے تاہم وہ کافیہ کی برتری کو متاثر نہیں کر سکتی، جس کی تائید بھی ایک اور مشہور مقولہ سے ہوتی ہے کہ متقدمین کو فضیلت حاصل ہے۔

کئی علما نے الارشاد کی شرحیں لکھی ہیں، حاجی خلیفہ نے ابوالفضل گاذرونی کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے الارشاد کی بہت عمدہ شرح لکھی ہے۔

حاجی خلیفہ "کشف الظنون" میں الارشاد اور شرح الارشاد کے متعلق رقم طراز ہیں:

"الارشاد فی النحو ایضا للشیخ ابی محمد عبد الله ابن جعفر المعروف بابن درستویه النحوی المتوفی سنة سبع واربعین وثلثمائه و للشیخ الفاضل شهاب الدین احمد شمس الدین بن عمر الهندی الدولتابادی شارح الکافیه وهو متن لطیف تعمق فی تهزیبه کل التعمق وتأنق فی ترتیبه حق التأنق اوله الحمد لله کما یحب ویرضی و علی متن هندی شرح ممزوج للفاضل العلامه ابی الفضل الخطیب الکازرونی المحشی"۔ ۲۳۱؎

اس کتاب کا مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے، مخطوطہ نمبر ۲۱۳۲ ہے۔ ۲۳۲؎

حاشیه علی تفسیر البیضاوی

قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی، شافعی کی تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل جو تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے، بہت اہم تفسیر ہے۔

قاضی موصوف فارس کے علاقہ بیضا کے رہنے والے تھے، آپ کا تعلق شافعی مذہب سے تھا اور عرصہ تک شیراز کے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز رہے۔

تفسیر بیضاوی دراصل زمخشری کی تفسیر الکشاف کی تلخیص ہے، چونکہ کشاف پر معتزلی رنگ چڑھا ہوا ہے، اس لیے امام بیضاوی نے اس بات کی حتی المقدور کوشش کی ہے کہ اس رنگ کی اصلاح کی جائے،

چنانچہ انھوں نے کشاف کا اس طرح خلاصہ تیار کیا کہ اس کے اعتزال سے دامن بچاتے ہوئے اعراب، معانی اور بیان کے سارے نکات لے لیے، ان پر امام رازی کی تفسیر کبیر سے اشعری علم کلام کا اضافہ کیا یہ گویا کشاف کا اشعری ایڈیشن ہوا، پھر اس پر تفسیر راغب سے اشتقاق اور حقائق و اشارات بڑھائے۔ بیضاوی خود بھی ذہین آدمی تھے، اس وجہ سے اس مجموعۂ مختصرات پر اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا۔ اہل سنت کو کشاف سے روکنے والی چیز اس کا اعتزال تھا، اب راہ سے نہ صرف یہ رکاوٹ دور ہوئی بلکہ مذکورہ اضافوں کے بعد کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوگیا، چناچہ اہل سنت نے اس خلاصے کو ہاتھوں ہاتھ لیا، کشاف کے بجائے اسے نصاب درس میں شامل کیا گیا، اس کی شروح وحواشی لکھے گئے، غرض کہ بیضاوی کی کتاب کو وہ شہرت اور رواج نصیب ہوا کہ کشاف کا رنگ اس کے سامنے پھیکا پڑنے لگا۔

بروکلمان نے لکھا ہے کہ تفسیر بیضاوی کی تقریباً تراسی (۸۳) شرحیں اور حاشیے لکھے گئے ہیں، اس قول سے اس تفسیر کی مقبولیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ۲۳۳

خطیب ابوالفضل گازرونی نے بھی تفسیر بیضاوی پر ایک عمدہ حاشیہ لکھا ہے، جس کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"الحمد لله الذی انزل آیات بینات محکمة"۔ ۲۳۴

حاجی خلیفہ "کشف الظنون" میں رقم طراز ہیں:

"الفاضل ابی الفضل القرشی الصدیقی الخطیب المشهور بالکازرونی المتوفی فی حدود سنة اربعین وتسعمائة (۹٤٥) وهی حاشیه لطیفة فی مجلد اورد فیها من الدقائق و الحقائق مالا یحصی اولها الحمد لله الذی انزل آیات بینات محکمة"۔ ۲۳۵

ڈاکٹر زبید احمد کی تحقیق کے مطابق خطیب ابوالفضل گازرونی کا حاشیہ علی تفسیر بیضاوی مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہے:

پشاور:۔ لباب المعارف الاسلامیه فی مکتبه دار العلوم الاسلامیه: ازعبدالرحیم. (یہ اسلامیہ کالج، پشاور کی لائبریری کے اورینٹل سیکشن کی فہرست ہے۔) مخطوطہ نمبر ۴۸

رام پور:۔ فہرست کتب خانہ رامپور، مخطوطہ نمبر ۲۷ ۲۳۶

الحاشیه علی شرح المواقف

مواقف علم الکلام میں ہے۔ اسلام کے قدیم دور میں جب یونانی فلسفہ اور اسلامی نظریات ایک دوسرے سے دوچار ہوئے تو مسلمان مصنف الکلام فی کذا کے عنوان کے تحت فلسفیانہ مسائل پر اظہار خیال کرنے لگے اور اس موضوع کے لیے یہ عنوان قائم کرنے کا طریقہ اس قدر عام ہو گیا کہ دینی تعلیمات پر فلسفیانہ بحث و تحقیق کرنے والے مخصوص علم کا نام ہی الکلام ہو گیا۔

اسلامی عقائد پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں دو بہت زیادہ مشہور ہیں، ایک تو ''العقائد النسفیہ'' جو نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی متوفی ۵۳۴ھ کی تصنیف ہے۔

اور دوسری قاضی عضد الدین عبدالرحمٰن بن احمد الایجی (متوفی ۷۵۶ھ) کی المواقف ہے، جس کی شرح شریف علی بن محمد جرجانی نے (متوفی ۸۱۶ھ) شرح المواقف کے نام سے لکھی ہے۔ شریف علی بن محمد جرجانی نے اوائل شوال ۸۰۷ھ میں سمرقند میں شرح المواقف کو مکمل کیا۔ علمائے کبار نے شرح المواقف کی شروح لکھیں۔ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی (متوفی ۷۸۶ھ) اور سیف الدین ''احمد'' الابہری نے شرح المواقف کی شرح لکھی۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں عضدی کی المواقف اور شریف جرجانی کی شرح المواقف کا تذکرہ کرتے ہوئے گازرونی کے حاشیہ علی شرح المواقف کا بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ کشف الظنون میں رقم طراز ہیں:

> "المواقف فی علم الکلام للعلامه عضد الدین عبد الرحمن ابن احمد الایجی القاضی المتوفی سنة (٧٥٦ھ) الفه لغیاث الدین وزیر خدا بنده وهو کتاب جلیل القدر رفیع الشان اعتنی به الفضلاء فشرحه السید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی سنة ٨١٦ ست عشرة وثمانمائة وهو ادون شرحه فرغ منه فی اوائل شوال سنة ٨٠٧ سبع وثمانمائة بسمرقند....
> ولابی الفضل الکازرونی تعلیقة وعلق الفاضل مسعود الشروانی علی الهیات شرح المواقف للسید حاشیه مقبولة وخرج السیوطی احادیثه فی کتاب"۔۲۳۷

ڈاکٹر زبید احمد کی اطلاع کے مطابق گازرونی کے الحاشیہ علی شرح المواقف کا مخطوطہ پشاور کے کتب

خانے میں موجود ہے:

پشاور:۔لباب المعارف الاسلامیه فی مکتبه دار العلوم الاسلامیه: ازعبدالرحیم (یہ اسلامیہ کالج، پشاور کے اورینٹل سیکشن کی فہرست ہے) مخطوطہ نمبر ۸۵۶ ہے۔ ۲۳۸

بہادر شاہ گجراتی

بہادر شاہ بن مظفر شاہ بن محمود شاہ کبیر اپنے بھائی سکندر کے بعد عید الفطر کے دن ۹۳۲ھ میں تخت نشین ہوا، بہادر شاہ اسم با مسمّیٰ تھا، اس کے دور میں بڑی فتوحات ہوئیں اور حدود سلطنت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔

مولانا ابوظفر ندوی ''گجرات کی تمدنی تاریخ'' میں بہادر شاہ کے عہد حکومت کے اضلاع کا ذکر کرتے ہیں، جس سے حدود سلطنت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مندرجہ ذیل اضلاع بہادر شاہ کے قبضہ میں رہے:

''ناگور، جالور، نزرباد، سلطانپور، دھولکا، دھندوکا، پٹن، بڑودہ، احمد آباد، بھڑوچ، کپرونج، راندیر (سورت) کھنبایت، احمد نگر، مہائم، بالاسنور، جھالاوار، داہود، تھانہ، چانپانیر، جوناگڑھ، دوارکا، دمن، دیو، سندھ کا کچھ حصہ، اجمیر، چتوڑ، مالوہ، خاندیس، برار، دولت آباد، اس کے مقبوضات میں داخل تھے، اس کے علاوہ کاٹھیاواڑ کی غیر مسلم ریاستیں، گجرات کی جنوبی سرحدی ریاستیں، نظام شاہی، عادل شاہی، بریرشاہی، اور بکلانہ وغیرہ اس کے باج گزار تھے''۔۲۳۹

مولانا عبدالحی حسنی نے ''یادایام'' میں بہادر شاہ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے، جس سے اس کی شخصیت، اور دور سلطنت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

''مظفر شاہ کے بعد اس کا بیٹا سکندر شاہ تخت نشین ہوا مگر تھوڑے دنوں کے بعد اس کو اپنے بھائی بہادر شاہ کے واسطے تخت خالی کر دینا پڑا، بہادر شاہ حقیقت میں اسم با مسمیٰ تھا، اس کے تخت نشین ہوتے ہی ہندوستان میں ہل چل پڑ گئی، شاہان دکن کے جھنڈے سرنگوں ہو گئے، نظام شاہ نے احمد نگر میں، عماد شاہ نے برار میں اور محمد شاہ نے برہانپور میں اس کے نام کا خطبہ پڑھوایا، مالوہ کی عظیم الشان سلطنت ممالک محروسہ گجرات کے ساتھ ملحق کر لی گئی، چتوڑ اور رنتھنبور کے فلک فرسا قلعے بڑی آسانی سے فتح کر لیے گئے، بیانہ کا قلعہ خاک کے برابر کر دیا گیا، اب اس کے بعد آگرہ اور

دہلی کا نمبر تھا مگر جب تقدیر بگڑتی ہے تو تدبیر مساعدت نہیں کرتی، رومی خاں نمک حرام کی سازش سے ہمایوں کے مقابلے میں اس کو شکست ہوئی، اور پرتگیزوں کی غداری سے ۹۴۳ھ میں یہ قتل کردیا گیا، بندر گووہ پر پہلے سے پرتگیزوں کا قبضہ تھا، جو شاہان بیجاپور سے وہ لے چکے تھے، اب بندر دیو پر بھی وہ متصرف ہوگئے جو پھر کبھی مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آیا"۔[٢٤٠]

مولانا موصوف نے تقریباً یہی باتیں اپنی عربی تصنیف "نزهة الخواطر" میں لکھی ہیں:

"وكان رحمه الله سلطاناً محساناً شجاعاً متهوراً فتاكما جواداً، لم يكن فى أهله أعظم همة منه ولا أوسع صدراً، يميل إلى الطرب ويجالس ولا يتحاشى الهزل ولا يجزع منه، واتسع ملكه فكانت الخطبه له بگجرات و الدكن، و برهان پور و مندو وأجمير و جانورو ناگور و جوناگڑه و كهنكهوت و رائسين و رنتهنبور وچتور وكالپى وبكلانه و ايدر و رادهنبور وأجين و ميوات و سيوانس و آبو و مندسور، وآخر ما خطب له بيانه فى ناحية أكبر آباد". [٢٤١]

عبدالقادر عیدروس نے "النور السافر" میں اور "ابوالفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی نے "شذرات الذهب" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے، اور دونوں کے الفاظ تقریباً ملتے جلتے ہیں۔

صاحب "النور السافر" رقم طراز ہیں:

"فى ثالث شهر رمضان قتل السلطان بهادر ابن السلطان مظفر صاحب كجرات فى بندر الديو. تجمع ذلك عدد حروف " قتل سلطاننابهادر" [٢٤٢]

ان کو ۳ رمضان ۹۴۳ھ میں شہید کردیا گیا، بعض مؤرخین نے سال وفات کی تاریخ "قتل سلطاننا بهادر" اور بعض حضرات نے "فرنگیان بہادر کش" سے نکالی ہے۔[٢٤٣]

شیخ پیر محمد گجراتی

شیخ پیر محمد بن جلال ہندوستان کے ممتاز ترین فقہائے کرام میں سے تھے۔ آپ کا نسب نامہ مندرجہ ذیل ہے:

"محمد بن الجلال بن عبدالعزيز بن عبدالله بن ابراهيم بن جعفر بن الجلال

بن محمود بن عبدالله بن عبدالحميد بن عبدالرحمن ابن عثمان بن مصعب بن أبان بن عامر بن سعد بن أبي وقاص الصحابي أحد العشرة المبشرة له بالجنة رضي الله عنه"۔ ۲۴۴

ان کی پیدائش اورنشو ونما ''جانپانیر'' اطراف گجرات میں ہوئی اور علماے عصر سے علوم متداولہ کی تحصیل کی، پھر حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج وزیارت کی سعادت سے سرفراز ہوئے، وہاں سے ہندوستان واپس تشریف لائے۔

آپ نے سلوک وطریقت کے تعلیم شیخ محمد غوث گوالیاری سے لی اور عرصۂ دراز تک شیخ موصوف کی خدمت میں رہ کر ان سے خرقۂ خلافت پاکر صاحب اجازت ہوئے، ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

الأوراد الغوثيه

ان کی مشہور تصنیف ''اورادغوثیہ'' ہے جو ذکر واذکار میں ہے، شیخ فتح اللہ بن محمود شطاری، آپ کے برادر طریقت نے "مونس الطالبين" میں آپ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔

مولانا عبدالحیٔ حسنی اپنی مشہور تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "كان من المشايخ الشطارية، ولد ونشأ بجانپانير من أعمال گجرات، وقرأ العلم على أساتذة عصره، ثم سافر إلى الحرمين الشريفين فحج وزار ورجع إلى الهند، وأخذ الطريقة عن الشيخ محمد غوث الگواليرى ولازمه مدة وتولى الشياخة بعده، وله الأوراد الغوثية كتاب فى الأذكار، ولصاحبه فتح الله بن محمود الشطارى الكشميرى مونس الطالبين كتاب فى ملفوظاته".۲۴۵

آپ نے ۹۶۹ھ میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔۲۴۶

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

شیخ جمال الدین بن محمود گجراتی

شیخ جمال الدین بن محمود بن علم الدین بن سراج الدین عمری گجرات کے مشہور رفقاے کرام میں سے تھے۔ آپ کی پیدائش اور نشو ونما گجرات میں ہوئی۔ آپ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ علوم ظاہری اور علوم باطنی اپنے چچا کے بیٹے نصیر الدین بن مجدالدین گجراتی سے حاصل کیے۔ علم و معرفت کا یہ سلسلہ آپ کے آباؤ اجداد سے چلا آ رہا تھا۔

آپ کی تصانیف میں المذاکرہ (حقایق و معارف سے متعلق فارسی زبان میں) اور ایک فارسی دیوان کا پتہ چلتا ہے۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' رقم طراز ہیں:

"الشیخ الصالح الفقیہ جمال الدین بن محمود الگجراتی ، ولد و نشأ بگجرات، وأخذ عن ابیہ وعن ابن عمہ نصیرالدین بن مجدالدین الگجراتی، وسلك مسلك آبائہ فی الجمع بین العلم والمعرفة، لہ مصنفات منھا "المذاکرہ" بالفارسیة فی الحقائق والمعارف، ولہ دیوان شعر فارسی"۔ ۲۴۷

۲۱ ربیع الاول ۹۰۴ھ یا ۹۰۸ھ میں احمد آباد میں کافروں نے شہید کر دیا تھا۔ ۲۴۸

قاضی جگن حنفی گجراتی

قاضی جگن حنفی گجرات کے مشاہیر فقہاے کرام میں سے تھے۔ آپ کی پیدائش اور نشو ونما گجرات کے قصبہ ''کن'' میں ہوئی[۲۴۹] اور دوسری روایت کے مطابق گجرات کے قصبہ ''کڑی'' میں ہوئی جو سلطان محمود شاہ بن محمد شاہ بن احمد شاہ گجراتی کی سلطنت میں تھا۔ ۲۵۰

قاضی جگن نہروالہ کے قاضی تھے آپ کے چار بھائی تھے اور چاروں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے۔ آپ کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے فقہ حنفی میں ایک مبسوط کتاب ''خزانۃ الروایات'' تصنیف کی اور اس کتاب کے شروع میں ''کتاب العلم'' کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔

قاضی موصوف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ فقہ کے مطالعے اور دینی مسائل کی تحقیق سے ان کو تمام عمر گہری دلچسپی رہی اور اس کے نتائج کو انھوں نے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔

مولانا عبدالحیٔ حسنی ''یاد ایام'' میں رقم طراز ہیں:

''قاضی جگن گجرات کے بہت بڑے عالم تھے مگر ان کا نام ونسب تک معلوم نہیں، فاضل چلپی نے ''کشف الظنون'' میں لکھا ہے کہ قاضی جگن گجرات کے قصبہ کن میں رہتے تھے حیف ہے کہ ایک شخص قسطنطنیہ میں بیٹھ کر یہ بتائے کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے اور خود گجرات والے اتنا بھی نہ جانتے ہوں، فقہ حنفی میں ان کی کتاب ''خزانۃ الروایات'' بہت مشہور کتاب ہے، مگر علماے احناف اس کی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے، تقریباً ۹۲۰ھ میں انھوں نے رحلت کی ہے''۔[۲۵۱]

صاحب ''شذرات الذہب'' قاضی جگن کے متعلق لکھتے ہیں:

"صاحب خزانة الفتاوى وهو القاضي جكن - بضم الجيم وفتح الكاف وسكون النون وهي كلمة هندية جعلت علما ومعناها بلسان الهند كثير المال - كان رحمه الله تعالى أحد اخوة اربعة كلهم فقهاء فضلاء ولوا القضاء بنهر واله من اقليم الكجرات واسم القصبة التي نشأوا بها كري - بفتح الكاف وكسر الراء آخره ياء مثناة تحت - وكان في أواخر سلطنة السلطان محمود شاه بن محمد شاه بن أحمد شاه الكجراتي"۔[۲۵۲]

خزانة الروايات

خزانۃ الروایات فقہ حنفی کے احکام کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتابوں سے اقتباسات کا مجموعہ ہے اور مرتب نے ان کتابوں کا اکثر حوالہ دیا ہے۔ اس کی ترتیب دوسری کتابوں سے تھوڑی مختلف ہے کہ شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ تحریر کیا ہے۔

قاضی موصوف نے اپنی کتاب میں یہ واضح کیا ہے کہ فقہ کے مطالعے اور دینی مسائل کی تحقیق سے ان کو تمام عمر گہری دلچسپی رہی اور اس کے نتائج کو انھوں نے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔

کتاب العلم میں انھوں نے علم اور علما کی فضیلت بیان کی ہے وہ خود حنفی تھے اس لیے امام ابوحنیفہ کے اوصاف وفضائل پر بھی ایک مقالہ قلم بند کیا ہے۔ انھوں نے فتاوی اور مفتی سے متعلق فنی نکات کی بھی تشریح کی ہے اور اصولِ فتاوی کے بارے میں یہ راے ظاہر کی ہے کہ شرط اولیں یہ ہے کہ فتاویٰ قرآن اور حدیث سے اخذ کردہ قطعی دلائل پر مبنی ہوں۔ اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر فتاویٰ امام ابوحنیفہ کے فیصلوں اور

اس کے بعد امام ابویوسف امام محمد کے فیصلوں کے مطابق ہوں۔ اگر امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں کی آرا میں اختلاف ہوتو پھر مفتی کو یہ اختیار ہے کہ وہ جو راے چاہے وہ پسند کرے۔ لیکن اگر کسی شاگرد کی راے استاد کی راے کے مطابق ہوتو پھر ان کی راے کو ترجیح دی جائے۔ سوا اس صورت کے کہ مستند فقہا نے استصلاح کے پیش نظر دونوں شاگردوں میں سے کسی ایک کی راے کو قبول کیا ہو۔ اگر مفتی کو کوئی مستند حدیث مل جائے اور وہ اس کے اطلاق کے بارے میں مطمئن ہوتو پھر امام ابوحنیفہ کی راے نظر انداز کردی جائے کیونکہ خود ان کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ اگر میری راے مستند حدیث کے خلاف ہوتو اس کو نظر انداز کردو۔[۲۵۳]

حاجی خلیفہ ''کشف الظنون'' میں خزانۃ الروایات کے متعلق رقم طراز ہیں:

"خزانة الروايات فى الفروع للقاضى جكن الحنفى الهندى الساكن بقصبه كن من الكجرات وهو مجلد اوله الحمد لله الذى خلق الانسان وعلمه البيان الخ ذكر فيه انه افنى عمره فى جمع المسائل وغريب الروايات وابتدأ بكتاب العلم لانه اشرف العبادات".[۲۵۴]

مولانا عبدالحئ فرنگی محلی نے ''خزانۃ الروایات'' کا شمار غیر معتبر کتابوں میں کیا ہے، چنانچہ مولانا عبدالحئ حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

"وقال الكهنوى فى النافع الكبير: إنه من الكتب غير المعتبرة، لأنه مملوء من الرطب واليابس مع ما فيه من الأحاديث المخترعة والاخبار المختلفة".[۲۵۵]

ڈاکٹر زبید احمد کی تحقیق کے مطابق ''خزانۃ الروایات'' کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

ولی الدین:	فہرست کتب خانہ ولی الدین، استنبول۔	۱۴۳۷
ینی :	فہرست ینی کتب خانہ، استنبول	۶۰۵
نور عثمانی :	فہرست کتب خانہ نوری عثمانیہ، استنبول	۱۵۲۰
عشیر :	فہرست کتب خانہ عشیر آفندی، استنبول	۳۲۶
بوہار :	فہرست کتب خانہ بوہار، جلد دوم، عربی مخطوطات	۱۵۶/۲

بانکی پور :	فہرست عربی مخطوطات، بانکی پور، ۱۹-۱:۳۹- ۱۷۳۶
بنگال :	ان عربی وفارسی کتب ومخطوطات کی فہرست جو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے ۱۹۰۸ اور ۱۹۱۰ کے دوران میں حاصل کیے۔ ۳۵۲/۲
لوتھ :	فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس، مرتبہ لوتھ ۲۷۶
رام پور :	فہرست کتب خانہ رام پور ۱۷۲
آصفیہ :	فہرست کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن ۱۰۸۴/۲
انڈیا آفس:	فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس جلد دوم، مرتبہ سی-اے اسٹوری و پروفیسر اے-جے-آر بری- ۴-۱۶۰۳ ۲۵۶

شیخ حسن بن اُحمد گجراتی

شیخ حسن بن احمد جو ابوصالح حسن محمد کے نام سے مشہور تھے، علامہ کمال الدین دہلوی کی اولاد میں سے تھے۔ آپ گجرات کے مشاہیر علمائے کبار میں سے تھے، فقہ اور اصول فقہ میں آپ درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اس کے علاوہ عربی زبان وادب اور تفسیر سے آپ کو غیر معمولی دلچسپی تھی۔

آپ کی ولادت بمقام احمد آباد ۹۲۳ھ میں ہوئی۔ اپنے عہد کے علمائے عظام سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ اس کے علاوہ علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل اپنے والد احمد بن نصیر الدین عمری اور اپنے چچا شیخ جمال الدین سے کی اور ان کے بعد شیخ کے رتبہ پر فائز ہوئے۔

مولانا عبدالحیٔ حسنی ''یاد ایام'' (مختصر تاریخ گجرات) میں رقم طراز ہیں:

> ''ابوصالح حسن بن محمد گجراتی مولانا کمال الدین علامہ کی اولاد میں تھے، علم ومشیخت ان کے گھرانے کی چیز تھی، انھوں نے چالیس برس تک علم کی خدمت کی اور اپنے کمالات ظاہری و باطنی سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا، ان کی تصنیفات میں ایک قرآن مجید کی تفسیر ہے، جس میں ربط آیات کی طرف زیادہ توجہ کی ہے، دوسری ''تفسیر بیضاوی'' کا حاشیہ ہے، تیسری ''نزہۃ الارواح'' کی شرح ہے، ۹۸۲ھ ان کا سنہ وفات لکھا ہے''۔ ۲۵۷

آپ کے علم وفضل کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا موصوف اپنی عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں شیخ حسن بن احمد کے متعلق لکھتے ہیں:

"وكان عالماً كبيراً بارعاً في الفقه والأصول والعربية والتصوف والتفسير، تولى الشياخة إحدى وأربعين سنة، وله مصنفات عديدة، منها تفسير القرآن الكريم اجتهد فيه في ربط الآيات بعضها ببعض، ومنها تعليقات شريفة على تفسير البيضاوي، وحاشية لطيفة على نزهة الأرواح".۲۵۸

شیخ حسن بن احمد نے سلوک وطریقت کی تعلیم اپنے والد سے لی تھی آپ کے والد کئی سلسلوں سے وابستہ تھے، سلسلۂ چشتیہ آپ نے شیخ حسن بن طاہر عباسی جونپوری سے حاصل کیا، اور سلسلۂ قادریہ شیخ محمد غیاث سے، انھوں نے شیخ علی سے، انھوں نے شیخ محمد سے، اور انھوں نے شیخ اسحاق ختلانی سے، اور انھوں نے شیخ علی بن شہاب ہمدانی سے اپنی سند کے ساتھ ابی نجیب سہروردی سے حاصل کیا تھا اور سلسلۂ مداریہ اپنے بھائی شیخ فریدالدین سے، انھوں نے شیخ تاج الدین سے، انھوں نے شیخ صادق سے، انھوں نے شیخ سدھن سے، انھوں نے شیخ جمن سے، انھوں نے شیخ بدیع الدین المدادالمکنپوری سے حاصل کیا تھا۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' رقم طراز ہیں:

"وقرأ العلم على من بها من العلماء، ثم أخذ الطريقة عن والده وعمه الشيخ جمال الدين، وكان والده أخذ عن غير واحد من المشايخ الچشتية منهم الشيخ حسن بن طاهر العباسي الجونپوريؒ، وأخذ الطريقة القادرية عن الشيخ محمد غياث عن الشيخ علي عن الشيخ محمد عن الشيخ إسحاق الختلاني عن الشيخ علي بن الشهاب الهمداني بسنده إلى أبي النجيب السهروردي، و أخذ الطريقة المدارية عن أخيه الشيخ فريدالدين عن الشيخ تاج الدين عن الشيخ صادق عن الشيخ سدهن عن الشيخ جمن عن الشيخ بديع الدين المدار المكنپوري".۲۵۹

آپ کی وفات ۲۸/ذی قعدہ سنہ ۹۸۱ھ یا ۹۸۲ھ میں ہوئی۔۲۶۰

آپ کی بہت سی تصانیف ہیں ان میں سے مشہور مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تفسیر القرآن الکریم

مذکورہ تفسیر میں ربط آیات پر خاص توجہ دی گئی ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ ایک آیت کا تعلق

دوسری آیت سے کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کا مخطوطہ کسی لائبریری میں موجود ہے یا نہیں۔

(۲) تعلیقات شریفه علی تفسیر البیضاوی

(۳) حاشیة علی نزهة الارواح

نزہۃ الارواح شیخ حسین بن عالم (ابن محمد) کی سلسلۂ مشائخ میں کتاب ہے، جو مختصر منظوم فارسی زبان میں رسالہ ہے جس کا آغاز مندرجہ ذیل مصرع سے ہوتا ہے۔

بتوفیقش چو روشن دیدم آواز سخن را ہم بنامش کردم آغاز ۲۶۱

شیخ حسن بن احمد نے نزہۃ الارواح پر حاشیہ لکھا ہے، یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کا مخطوطہ کسی لائبریری میں موجود ہے یا نہیں۔

سید خوندمیر گجراتی

خوندمیر بن موسی حسینی نہروالی گجرات کے مشہور لوگوں میں سے تھے۔ آپ کی پیدائش اور نشو ونما نہروالہ (گجرات) میں ہوئی، جب سید محمد بن یوسف جونپوری مہدوی گجرات تشریف لائے تو ان سے بیعت کی اور ان کے مسلک کی تصدیق کی۔ پھر سید محمد بن یوسف کے ساتھ خراسان کا سفر کیا، اور عرصۂ دراز تک خراسان میں قیام کیا۔

پھر گجرات واپس لوٹے اور کھنبایت میں سکونت پذیر ہوگئے جو نہروالہ سے آٹھ میل پر واقع ہے۔ آخر عمر تک لوگوں میں اپنے مسلک کی دعوت وتبلیغ کرتے رہے۔ اور بہت سے لوگوں کو اپنے مسلک کی طرف راغب کر کے فتنہ میں ڈال دیا۔

مظفر شاہ حلیم نے اس فتنہ کو رفع کرنے کا حکم دیا اور نہروالہ پر لشکر کشی کی، معرکہ میں خوندمیر کو قتل کیا۔

خوندمیر بن موسی کے معتقدین نے ان کو "صدیق الولایۃ" اور "خلیفۂ ثانی" کا لقب دیا تھا۔ ۱۶/ شوال ۹۳۰ھ کو قتل کیے گئے۔ ۲۶۲

سید خوندمیر نے "بحر الفوائد و أم العقائد" علم کلام میں تصنیف کی تھی۔

صاحب "نزهة الخواطر" سید خوندمیر کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"فأمر مظفر شاه الحليم الگجراتي بدفع تلك الفتنة، وقتله في المعركة، وكان لقبه في أهل مذهبه "صديق الولاية" و "الخليفة الثاني" وله بحر الفوائد و أم

العقائد کتاب فی الکلام ۔ ۲۶۳

شیخ رحمت اللہ سندی

شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ بلند پایہ محدث اور کامل شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے مصنف بھی تھے۔

شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ کی پیدائش ''دربیلہ'' اطراف سندھ میں ہوئی، آپ کے سال ولادت کی تصریح نہیں ملتی، قیاسی طور پر آپ ۹۳۰ھ کے آس پاس پیدا ہوئے۔ اور اپنے زمانہ کے اساتذہ سے تحصیل علم کی، پھر آپ والد ماجد کے ساتھ گجرات تشریف لے گئے، گجرات سے حرمین شریفین کا سفر کیا اور علوم متداولہ کی تحصیل علمائے حرمین سے لی، حدیث کی سند شیخ علی بن محمد بن غریق خطیب مدنی اور ان کے علاوہ ائمہ حدیث سے حاصل کی۔ پھر آپ ہندوستان تشریف لائے اور گجرات میں سکونت اختیار کر لی اور عرصۂ دراز تک درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

آپ کے ساتھ شیخ عبداللہ بن سعداللہ سندی حرمین شریفین سے ہجرت کر کے گجرات تشریف لائے اور عرصۂ دراز تک حدیث وتفسیر کی خدمت انجام دیتے رہے۔

ڈاکٹر زبید احمد ''عربی ادبیات'' میں شیخ رحمت اللہ سندی اور شیخ عبداللہ سندی کے متعلق رقم طراز ہیں:

> ''شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ سندی اور ان کے ایک دوست عبداللہ دونوں سندھ کے باشندے تھے یہ دونوں حجاز چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی اور دونوں کنز العمال کے مصنف علی متقی برہانپوری کے مرید ہو گئے۔ اپنے علم وتقوی کی وجہ سے یہ لوگ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور شیخین کہلاتے تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو علی متقی کے شاگرد تھے لکھا ہے کہ خواجہ عبدالرشید کہا کرتے تھے کہ یہ شیخین انھیں دوسرے شیخین حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی یاد دلاتے ہیں''۔ ۲۶۴

شیخ عبداللہ بن سعداللہ کے تفصیلی حالات آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہوں۔

شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی سے بھی غافل نہ رہے، آپ سلسلہ چشتیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔ ہزاروں تشنگان علوم آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور ان سے خرقۂ خلافت پا کر صاحب اجازت ہوئے۔

مولانا عبدالحیٔ حسنی ''یادایام'' میں رقم طراز ہیں:

''سلسلہ چشتیہ شیخ محمد بن احمد کو اباً عن جدٍ ملا تھا۔ ہندوستان میں یہی ایک طریقہ ہے جو بغیر واسطہ حضرت معین الدین چشتی اجمیری کے پہنچا ہے اس سلسلہ میں شیخ رحمت اللہ، شیخ بہاء الدین، شیخ علی متقی وغیرہ بڑے جلیل القدر مشائخ ہوئے ہیں جو دکن اور گجرات میں صدیوں تک لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے ہیں''۔[۲۶۵]

آپ نہایت متقی پرہیز گار تھے توکل آپ کا شعار تھا آپ ہدایا کو شبہ کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تھے۔ سلاطین آپ کے پاس ہدایا بھیجتے تھے آپ شیخ علی بن حسام الدین کے ذریعہ غربا اور علما پر اس کو تقسیم کرادیا کرتے تھے آپ آخر عمر میں مکۃ المکرّمہ واپس تشریف لے گئے۔

آپ کا وصال ۱۸؍محرم الحرام ۹۹۳ھ میں مکۃ المکرّمۃ میں ہوا۔[۲۶۶] صاحب نزہۃ الخواطر کے مطابق ۲۲؍محرم الحرام ۹۹۴ھ[۲۶۷] وہدیۃ العارفین (۱/۳۶۶) نے ۹۷۸ھ وکشف الظنون (۲/۱۵۴۵) نے ۱۰۱۴ھ اور ڈاکٹر زبید احمد نے ''عربی ادبیات'' (ص ۹۴) میں سال وفات ۹۹۰ھ لکھی ہے۔

ہندوستان کے متعدد تذکرہ نگاروں نے آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے، عبدالقادر عیدروس نے ''النور السافر'' میں اور مولانا عبدالحیٔ حسنی نے اپنی عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' اور اردو تصنیف ''یادایام'' میں اور ڈاکٹر زبید احمد نے ''عربی ادبیات'' میں آپ کا تذکرہ بیان کیا ہے۔ اور چونکہ ہجرت کر کے آپ مکۃ المکرّمہ تشریف لے گئے اس وجہ سے ہندوستان سے باہر کے تذکرہ نگاروں نے بھی آپ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔

ابوالفلاح عبدالحیٔ بن عماد الحنبلی نے "شذرات الذھب" اور خیرالدین الزرکلی نے "الاعلام" اور یوسف الیان سرکیس نے "معجم المطبوعات" اور مصطفیٰ بن عبداللہ نے "کشف الظنون" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے۔

عبدالقادر عیدروس "النور السافر" میں شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"إنه كان من العلماء العاملين وعبادلله الصالحين رحمه الله تعالىٰ، وطبق بعض الفضلاء فى تاريخ موته بحساب الجمل فجاء رحمه الله "قد نال مراده"

وزاد فی العدد اثنان، وذلك مسامح فيه عند أهل هذا الفن خصوصاً إذا كان التاريخ مناسباً للحال، ثم قال: وقد اشار صاحبنا الشيخ الفاضل محمد بن عبداللطيف الجامی المکی الشهير بمخدوم زاده فی القصيدة التی رثاه بها فقال:

رحمة الله لا تفارق مثوى   رحمة الله بالحيا والغمام

قال: وبالجملة فإنه كان بقية السلف الصالح رحمه الله " ۔۲٦٨ے

اسی طرح صاحب "شذرات الذهب" شیخ موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

" رحمة الله بن عبدالله السندی الحنفی نزيل المدينة المشرفة وتوفی فی مكة (٩٩٣هـ) فی ثامن عشر المحرم، وكان له أخ اسمه حميد وكان أيضا من أهل العلم والصلاح حسن الاخلاق كثير التواضع ظاهر الفضل جليل القدر وحصل له فی آخر الامر جاه عظيم وجاود بها تسع سنين ومات بها أيضاً انتهی وممن أخذ عنه النجم الغيطی وممن أخذ عن الشيخ حميد الشيخ محمد علی ابن الشيخ محمد علان المکی الشافعی الصديقی الشهير بابن علان شيخ شيخنا السيد محمد بن السيد حمزه الحسينی نقيب السادة الاشراف بدمشق"۔ ٢٦٩ے

مشہور اسلامی مؤرخ مولانا عبدالحیٔ حسنی اپنی اردو تصنیف ''یاد ایام'' میں رقم طراز ہیں:

''شیخ عبداللہ بن سعدالدین متقی اور شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ سندی دونوں کا شمار محدثین کبار میں تھا، اور دونوں مہاجر تھے، کشش آب ودانہ سے پھر ہندوستان تشریف لائے اور برسوں احمد آباد میں رہ کر حدیث کی خدمت کرتے رہے، اسی زمانہ میں شیخ بہلول دہلوی نے گجرات پہنچ کر ان دونوں بزرگوں سے حدیث پڑھی تھی اور دہلی واپس جا کر مدۃ العمر اسی فن شریف کی خدمت کرتے رہے''۔ ٢٧٠ے

مولانا موصوف نے تقریباً یہی باتیں اپنی عربی تصنیف "نزهة الخواطر" میں بھی لکھی ہیں:

"الشيخ العالم الكبير المحدث رحمة الله بن عبدالله بن ابراهيم العمری

السندی المهاجر إلی المدینة المنورة ولد "دربیله" من أعمال السند ونشأ بها علی فضل عظیم، ورحل إلی گجرات مع أبیه ..... وکان صاحب تقوی وعزیمة، کان لایقبل النذور عند إقامته فی الحجاز لنوع شبهة فیها، وکان السلطان العثمانی یبعث بها إلی الشیخ علی بن حسام الدین المتقی لقسمتها علی المحاویج والعلماء وعاد إلی مکة المبارکة فی آخر عمره". ۱۷۱ے

اسی طرح خیر الدین الزرکلی "الاعلام" میں رقم طراز ہیں:

"رحمة الله بن عبدالله بن ابراهیم السندی: فقیه، حنفی، من اهل السند. ولد بها وهاجر الی الحرمین، فأقام بالمدینة وتوفی بمکة عن ٦٠ عاماً ونیف. له کتب منها "مجامع المناسك و نفع الناسك –ط" و "غایة التحقیق رساله، وجمع المناسك تسهیلاً للناسك" و "لباب المناسك وعباب المسالك–ط". ۱۷۲ے

آپ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(١) کتاب المناسك

(٢) المناسك الصغیر

(٣) لباب المناسك وعباب المسالك

(٤) مجمع المناسك ونفع المناسك

(٥) المناسك الاوسط

(٦) غایة التحقیق ونهایة التدقیق فی الاقتداء بالشافعیة

(٧) المناسك الکبیر

مندرجہ بالا کتب میں سے بعض کے متعلق جو معلومات فراہم ہو سکی ہیں انھیں آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔

المناسك الصغیر

المناسک الصغیر جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے مناسک حج سے متعلق ایک مختصر سی کتاب ہے۔ اس موضوع پر مصنف نے ایک ضخیم کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام المناسک الکبیر ہے۔ اور زیر تبصرہ کتاب

اسی کا خلاصہ ہے۔ اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایران کے نامور عالم دین ملا علی قاری نے اس کی ایک شرح لکھی ہے۔

المناسک الصغیر کا مخطوطہ برلن لائبریری مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے۔ فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ برلن نمبر ۴۰۵۵۔ ۳۔ ۷۳ے

لباب المناسك وعباب المسالك

شیخ رحمت اللہ سندی کی مناسک حج پر مختصر اور بہت جامع کتاب ہے اس کی شرح سلطان محمد القاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) نے لکھی ہے۔ اور اس کا نام المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط رکھا ہے۔

صاحب کشف الظنون کے مطابق "لباب المناسك وعباب المسالك" کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"الحمد لله أكمل الحمد" الخ ۷۴ے

حاجی خلیفہ کشف الظنون میں زیر تبصرہ کتاب کے متعلق رقم طراز ہیں:

"لباب المناسك: مختصر جامع للشيخ رحمة الله السندى نزيل مكة المكرمة اوله الحمد لله اكمل الحمد الخ شرحه على ابن سلطان محمد القارى نزيل مكة المكرمة المتوفى سنة ١٠١٤ اربع عشرة و الف وسماه المسلك المتقسط فى المنسك المتوسط وهو شرح ممزوج اوله الحمد لله الذى اوضح المحجة باوضح الحجة الخ." ۷۵ے

صاحب "معجم المطبوعات" کے مطابق لباب المناسک چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

صاحب معجم المطبوعات رقم طراز ہیں:

"لباب المناسك وعباب المسالك: لخصه من كتاب جمع المناسك عوناً للسالك وتسهيلاً للناسك– طبع الكتاب موسوماً بمناسك الحج الى بيت المعيد المبدى للامام الفاضل رحمة الله السندى – موشى الطرر العوارى بحواشى الملاعلى القارى– (فقه حنفى)."۷٦ے

لباب المناسک وعباب المسالک کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

بانکی پور : فہرست عربی مخطوطات بانکی پور۔ ۱۷۶۰

آصفیہ : فہرست کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۱۰۲/۱ ۲۷۷

مجمع المناسك ونفع المناسك

اس کتاب میں حجاج کرام کی آسانی کے لیے ارکان حج اور حرمین شریفین وحجاج کرام کے فضائل بیان کیے ہیں۔

صاحب "معجم المطبوعات" مجمع المناسک کے متعلق لکھتے ہیں:

"مجمع المناسك ونفع المناسك فی نسك الحج وفضائل الحرمین والقدس والحجاج والمجاور علی التفضیل"۔۲۷۸

مجمع المناسک ونفع المناسک چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور اس کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

قاہرہ : فہرست عربی کتب ومخطوطات، خدیوی کتب خانہ، قاہرہ، نمبر ۳:۲۷۰

سلیمانیہ : فہرست کتب خانہ سلیمانیہ، استنبول، ۴۱۲ (غلطی سے عبداللہ بن ابراہیم سے منسوب کیا ہے) (عربی ادبیات، ص ۳۰۰)

المناسك الاوسط

المناسک الاوسط کا مخطوطہ پشاور لائبریری میں موجود ہے:

پشاور : لباب المعارف الاسلامیہ فی مکتبہ دارالعلوم الاسلامیہ: از عبدالرحیم (یہ اسلامیہ کالج، پشاور کی لائبریری کے اورینٹل سیکشن کی فہرست ہے) ۶۳۵

غاية التحقيق و نهاية التدقيق فی الاقتداء بالشافعية

غایۃ التحقیق کا مخطوطہ قاہرہ لائبریری میں موجود ہے:

قاہرہ : فہرست عربی کتب ومخطوطات، خدیوی کتب خانہ، قاہرہ-۴:۳۸۶ ۲۷۹

ابوالقاسم عبدالعزیز گجراتی المعروف بآصف خان

عبدالعزیز بن محمد حمید الملک المعروف آصف خاں گجرات کے مشہور وزیر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے عالم، محدث، فقیہ تھے۔ آپ کے علم وفضل کی شہرت مکہ معظمہ تک پھیلی ہوئی تھی، علامہ ابن حجر

مکی نے آپ کے مناقب میں ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔

آپ کی پیدائش ۱۲؍ربیع الاول ۹۰۷ھ یا ۹۰۹ھ میں بمقام جانپانیر (گجرات) میں ہوئی، والد ماجد سے صرف، نحو، معانی اور بیان کی کتابیں پڑھیں، حدیث وفقہ کی تحصیل قاضی برہان الدین نہروالی، اوران کے علاوہ علماے کبار سے لی، منطق، فلسفہ اصول وطب کی تعلیم خطیب ابوالفضل گاذرونی اور سید أبی الفضل استر آبادی سے حاصل کی، جو محقق دوانی کے تلامذہ تھے۔

مولانا سید ابوظفر ندوی ''گجرات کی تمدنی تاریخ'' میں ابوالقاسم عبدالعزیز گجراتی کے متعلق رقم طراز ہیں:

''علوم شرعیہ کی تعلیم قاضی برہان الدین نہروالی سے اور علوم عقلیہ کی تحصیل خطیب ابوالفضل گاذرونی سے کی، بعد فراغت تعلیم مکہ معظمہ سے گجرات واپس آئے اور سرکاری ملازم ہوگئے، کچھ دنوں کے بعد ان کو ''حبیب الملک'' کا خطاب ملا، اور محکمۂ وزارت میں داخل ہوئے، محمد بن محمد مجدالدین وزیر اعظم نے اپنا نائب بنایا اور بہادر شاہ نے اس کو منظور کرلیا، محمد مجدالدین خداوند خان وزیر اعظم نے دیکھا کہ پورا محکمۂ وزارت اس کا تابع اور وہ خود برائے نام رہ گیا ہے، تو مستعفی ہوگیا۔ سلطان نے ان کو وکیل مطلق (نائب سلطان، اس کو وزیر مختار یا وزیر مطلق بھی کہتے ہیں) بنادیا، اور حبیب الملک کو مسند عالی آصف خاں کا خطاب دیکر وزیر کے عہدہ پر سرفراز کیا، ۹۴۲ھ میں جب کہ خداوند خاں ہمایوں کے قبضہ میں چلا گیا تو ان کو وکیل مطلق کا درجہ دے کر مکہ معظمہ روانہ کیا، تاکہ ہمایوں کے مقابلے میں سلطان سلیمان ترکی سے مدد حاصل کرے، یہ مکہ معظمہ سے شام اور وہاں سے مصر اور یہاں سے جہاز کے راستے سے قسطنطنیہ پہنچے، اور سلطان سلیمان سے مدد کے طالب ہوئے، اس نے اس کا وعدہ کیا، آصف خاں پھر مکہ معظمہ واپس آگئے، اور دس برس وہاں مقیم رہے کیونکہ ہمایوں کے واپس جانے کے بعد بہادر شاہ پھر گجرات پر قابض ہوگیا اور اس کے مرنے پر گجرات کے امرا آپس میں لڑنے بھڑنے لگے، اور کسی نے ان کی خبر نہ لی، ۹۵۵ھ میں محمود ثالث نے اعتماد خاں کے مشورہ سے ان کو واپس بلالیا اور نائب سلطان یا وکالت مطلقہ کے عہدہ پر سرفراز کیا، ۹۶۱ھ میں برہان نامی غلام نے سلطان محمود کے ساتھ اس نیک دل وزیر کو بھی قتل کرڈالا، یہ بڑا عالم، محدث، متقی اور سخی آدمی تھا، تدبیر مملکت میں بے نظیر، سلطان کا وفادار، ملک کا

بہی خواہ، علما کا قدر داں، کتابوں کا عاشق، طلبہ کا حامی، غریبوں کا ماویٰ وملجا تھا''۔ ۲۸۰

اسی طرح مولانا عبدالحئی حسنی ''یاد ایام'' میں عبدالعزیز معروف بہ آصف خاں کے متعلق لکھتے ہیں:

''علوم وفنون کی تحصیل سے فراغت ہوئی تو دربارشاہی میں پہنچے، بہادرشاہ کے زمانہ میں وزارت ملی، محمود شاہ کے زمانہ میں وکالت مطلقہ کے عہدہ پر سرفراز ہوئے، باوجود ان مناصب جلیلہ کے درس وتدریس ومذاکرۂ علمی کا مشغلہ آخر وقت تک قائم رہا، علامہ ابن حجر مکی نے ایک رسالہ ان کے حالات میں لکھا ہے، اس میں ان کے فضل وکمال، تقویٰ وتقدس کی بڑی مدح سرائی کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں آصف خاں مکہ معظمہ میں آکر رہے تھے، تو عجب طرح کی رونق مکہ معظمہ میں پیدا ہوگئی تھی، علما وفقہا ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے اور گھر گھر علم کا چرچا ہوگیا تھا''۔ ۲۸۱

ابن حجر مکی نے جب سنا کہ عبدالعزیز آصف خاں کو ۹۶۱ھ میں شہید کردیا گیا تو انھوں نے اس کی مدح میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس میں آصف خاں کے علم وفضل کو بیان کیا ہے۔

شہاب الدین احمد بن حجر مکی رسالہ مناقب عبدالعزیز آصف خاں میں رقم طراز ہیں:

"حتی نفق العلم فی ذمنه بمكة نفاقاً عظيماً واجتهد اهله فيه اجتهاداً بالغاً وشاب الطلبة وعكفوا عكوفا باهرا عليه وبحثوا عدة الدقائق لينفقوها فی حضرته وتحفظوا الاشكالات ليتقربو بها الی خواطره كل ذلك لاسباغه علی المنتهين الی العلم بای وجهٍ كانوا من ضوافی الاحسان وواسع الامتنان مالم يسمع بمثله من اهل زمنه و من قبله بمددٍ عديدةٍ"۔ ۲۸۲

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' کی تحقیق کے مطابق علامہ عزالدین عبدالعزیز مکی نے آصف خاں کی مدح میں چھیاسی (۸۶) شعر کا ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے چند ابیات مندرجہ ذیل ہیں:

هو الجواد الذی سادت مكارمه — شرقاً و غرباً وصارت فيهما مثلا

أعنی آصفخان عزالدين سيدنا — أعزه اللـه عزاً للعدی خذلا

وكل من باسمه الميمون طايره — يسمی علی كل سام قد سما وعلا

وإن لـی ذمة منـه بتسميتـی — عبدالعزيز دعی حقی بها وكلا

فصار من لا لـه علم ومعرفة — بالعلم بعد مشيب الرأس مشتغلا

جزيت خير جزاء من إلهك عن　　هذا الصنيع الذى اختصت به النبلاء [۲۸۳]

برہان الدین نامی شخص نے سلطان محمود بن اللطیف کے ساتھ عبدالعزیز آصف خاں کو بھی ۹۶۱ھ میں شہید کر دیا۔[۲۸۴]

علامہ عزیز الدین عبدالعزیز مکی نے آصف خاں کی وفات کے بعد ان کا مرثیہ بھی لکھا ہے، جس کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

"أى القلوب لهذا الحادث الجلل　　أطراده الشم لم تنسف ولم تزل

و أى نازلة فى الهند قد نزلت　　بلفحها كل حبر فى الحجاز صلى

أعظم بنازلة فى الكون طاربها　　براً وبحراً مسير السفن والابل

أخبارها طرقت سمعى فحملنى　　طردتها غب رذء غير محتمل

أهدت لأهل الحجاز اليأس بعد رجا　　واليأس بعد الرجا كالطل بالأسل

فأصبح الناس فى الفكر وفى وهج　　كثيرة ومزاج غير معتدل" [۲۸۵]

شیخ عبداللہ متقی سندی

شیخ عبداللہ بن سعد اللہ مشاہیر علمائے ہند میں سے تھے۔ فن حدیث کے امام تھے اور گجرات میں آپ کے درجہ ومرتبہ کا کوئی محدث نہ تھا۔

آپ کی پیدائش سندھ میں ہوئی اور علوم متداولہ کی تحصیل اپنے زمانہ کے علمائے کبار سے کی۔ ۹۴۷ھ میں قاضی عبداللہ بن ابراہیم[۲۸۶] کے ساتھ گجرات تشریف لے گئے، پھر ان کے ساتھ گجرات سے حرمین شریفین کا سفر کیا، علمائے عصر سے حدیث کی تحصیل کی، شیخ علی بن حسام الدین متقی برہان پوری سے حدیث کی سند لی، اور عرصۂ دراز تک مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ پھر ۹۷۷ھ میں شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندی کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور گجرات میں عرصۂ دراز تک درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

ڈاکٹر زبید احمد "عربی ادبیات" میں شیخ عبداللہ متقی اور شیخ رحمت اللہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

"رحمت اللہ اوران کے ایک دوست عبداللہ دونوں سندھ کے باشندے تھے یہ دونوں حجاز چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی، دونوں "کنز العمال" کے مصنف علی متقی برہان پوری کے مرید ہو گئے۔

اپنے علم وتقویٰ کی وجہ سے یہ دونوں دوست بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور شیخین کہلاتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو علی متقی کے شاگرد تھے لکھا ہے کہ خواجہ عبدالرشید کہا کرتے تھے کہ یہ شیخین انھیں دوسرے شیخین حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی یاد دلاتے ہیں''۔ ۲۸۷

شیخ رحمت اللہ سندھی کے تفصیلی حالات پہلے ذکر کیے جاچکے ہیں۔

شیخ عبداللہ سے ہزاروں علما وفضلا نے علمی استفادہ کیا پھر آپ مکۃ المکرّمہ تشریف لے گئے اور ماہ ذی الحجہ ۹۸۴ھ میں مکۃ المکرّمہ میں وفات پائی۔

ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے متعدد تذکرہ نگاروں نے آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے۔ عبدالقادر عیدروس نے ''النور السافر'' میں اور مولانا عبدالحیٔ حسنی نے اپنی اردو تصنیف ''یاد ایام'' اور عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں اور ڈاکٹر زبید احمد نے ''عربی ادبیات'' میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔

الادیب أبوالفلاح عبدالحیٔ بن العماد الحنبلی نے ''شذرات الذہب'' اور اسماعیل باشا البغدادی نے ''ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے۔

عبدالقادر عیدروس ''النور السافر'' میں رقم طراز ہیں:

"الشیخ العلامة المفنن عبدالله بن سعد الدین المدنی السندی بمکة رحمه الله تعالی، وکان من کبار العلماء البارعین واعیان الائمة المتبحرین، وله جملة مصنفات منها حاشیة علی العوارف للسهروردی". ۲۸۸

اسی طرح أبوالفلاح عبدالحیٔ بن عماد حنبلی ''شذرات الذہب'' میں شیخ موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

"عبدالله بن سعد الدین المدنی السندی کان من کبار العلماء البارعین و أعیان الائمة المتبحرین وله جملة مصنفات منها حاشیة علی العوارف للسهروردی وتوفی بمکة فی ذی الحجة". ۲۸۹

مولانا عبدالحیٔ حسنی ''یاد ایام'' میں شیخ عبداللہ متقی کے متعلق رقم طراز ہیں:

''شیخ عبداللہ بن سعدالدین متقی اور شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ سندی دونوں کا شمار محدثین کبار میں تھا اور دونوں مہاجر تھے، کشش آب ودانہ سے پھر ہندوستان تشریف لائے، اور برسوں احمد آباد میں رہ

کر حدیث کی خدمت کرتے رہے، اسی زمانہ میں شیخ بہلول دہلوی نے گجرات پہنچ کر ان دونوں بزرگوں سے حدیث پڑھی تھی، اور دہلی واپس جا کر مدۃ العمر اسی فن شریف کی خدمت کرتے رہے''۔ ۲۹۰؎

مولانا موصوف اپنی عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"الشیخ العالم المحدث عبدالله بن سعدالله المتقی السندی المهاجر إلی المدینة المنورة، لم یکن فی زمانه أعلم منه بالحدیث والتفسیر ولد ونشأ فی ارض السند علی فضل عظیم، ورحل إلی گجرات صحبة القاضی عبدالله بن ابراهیم السندی سنة سبع و اربعین وتسعمائة، ثم سافر إلی الحرمین الشریفین معه، و أخذ الحدیث بها عن أئمة العصر، وسکن بالمدینة مدة طویلة، ثم رجع إلی الهند صحبة الشیخ رحمة الله بن القاضی عبدالله السندی سنة سبع وسبعین وتسعمائة و أقام بگجرات زماناً، وکان یدرس ویفید، أخذ عنه خلق کثیر من العلماء، ثم عاد إلی مکة المبارکة وتوفی بها، توفی فی شهر ذی الحجة سنة أربع وثمانین وتسعمائة بمکة المبارکة"۔ ۲۹۱؎

آپ صاحب تصانیف بھی تھے، آپ کی مشہور تصنیف حاشیہ علی عوارف المعارف للسہروردی ہے۔

حاشیه علی عوارف المعارف للسهروردی

عوارف المعارف فن تصوف میں شیخ شہاب الدین ابی حفص عمر بن (محمد بن) عبداللہ سہروردی (المتوفی ۶۳۲) کی کتاب ہے۔ شہاب الدین عمر بن محمد کا شمار فقہائے شافعیہ میں ہوتا ہے آپ کی پیدائش ۵۳۹ھ میں سہرورد میں ہوئی اور آپ نے علوم متداولہ کی تکمیل بغداد میں کی۔ ۲۹۲؎

خیر الدین الزرکلی ''الاعلام'' میں رقم طراز ہیں:

"عمر بن محمد بن عبدالله أبوحفص شهاب الدین القرشی، التیمی، البکری السهروردی: فقیه شافعی، مفسر، واعظ، من کبار الصوفیه مولده فی "سهرورد" ووفاته "ببغداد"۔ ۲۹۳؎

عوارف المعارف ''۶۳ ابواب پر مشتمل ہے، شیخ شہاب الدین عوارف المعارف کے خطبہ میں رقم

طراز ہیں:

"لایزال فی کل عصر منهم علماء قائمون بالحق ویظهر فی الخق آثارهم من اقتدی بهم اهتدی و من انکرهم ضل واعتدی ثم ان ایثاری لهدیهم ومحبتی لهم علما بشرف حالهم وصحة طریقهم المبنیة علی الکتاب والسنة حدانی ان ادب عن هذه العصابة بهذه الصبابة واؤلف ابوابا فی الحقائق والآداب الخ" ۲۹۴؎

عوارف المعارف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ علمائے اسلام نے اس پر حاشیہ اور تعلیقات لکھے، اور مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے ہیں عارفی نے ترکی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، اور ظہیر الدین عبدالرحمٰن بن علی شیرازی نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا، شیخ عزالدین محمود بن علی الکاشی النظیر ی نے فارسی زبان میں عوارف المعارف کا ترجمہ کیا اور اس کا نام ''مصباح الہدایہ ومفتاح الکفایۃ'' رکھا۔ اور کتاب مذکور میں احادیث کی تخریج شیخ قاسم ابن قطلو بغا (متوفی ۸۷۹ھ) نے کی ہے۔ ۲۹۵؎

ہندوستانی علما میں سے شیخ عبداللہ متقی سندی نے اس پر حاشیہ لکھا ہے۔

فن تصوف میں علمائے قدیم کی کتابوں پر حاشیہ لکھنے کا رواج تھا۔ ہندی علما نے شیخ ابونصر کی کتاب "اللمعہ" قشبری کی "الرساله القشیریه" شہاب الدین سہروردی کی "عوارف المعارف" اور ابن عربی کی "فصوص الحکم" جیسی بلند پایہ فن تصوف کی تصانیف پر حاشیے لکھے۔

یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ حاشیہ عوارف المعارف کا مخطوطہ کسی لائبریری میں موجود ہے یا نہیں۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے ''جمع المناسک ونفع السالک'' کو غلطی سے شیخ عبداللہ سندھی کی تصنیف بتایا ہے مگر یہ شیخ رحمت اللہ سندھی کی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے عربی ادبیات صفحہ ۳۰۰ پر لکھا ہے کہ کتب خانہ سلیمانیہ استانبول میں جو مخطوطہ ہے اس کو غلطی سے عبداللہ بن ابراہیم سے منسوب کیا ہے۔

شیخ عبدالقادر حضرمی

آپ کا نام عبدالقادر، کنیت ابوبکر اور لقب محی الدین ہے، آپ کی ولادت بروز جمعرات ۱۰ ربیع الاول ۹۷۸ھ کو احمد آباد گجرات میں ہوئی۔

آپ کے والد شیخ بن عبداللہ عیدروس یمن کے ایک اعلیٰ خاندان عیدروس کے فرد تھے۔ آپ

۹۵۸ھ میں ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور احمد آباد میں سکونت اختیار کر لی۔ محی الدین عبدالقادر کی ماں ایک ہندوستانی کنیز تھیں جنھیں ان کے باپ کی خدمت میں کسی مرید نے پیش کیا تھا۔

شیخ بن عبداللہ نے بیٹے کی ولادت سے پہلے خواب میں شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ أبوبکر عیدروس وغیرہ اولیاے کرام کو دیکھا تھا۔ جب بیٹے کی ولادت ہوئی تو اسی نسبت سے عبدالقادر نام ابوبکر کنیت اور محی الدین لقب تجویز کیا۔

آپ نے علوم متداولہ کی تحصیل ہند اور یمن کے مشہور علماے عظام سے کی تھی۔ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی سے بھی آپ غافل نہ رہے اور والد ماجد سید شیخ بن عبداللہ عیدروس، شیخ درویش حسین کشمیری، شیخ موسیٰ بن جعفر کشمیری، شیخ محمد بن حسن چشتی گجراتی وغیرہ مشائخ کرام سے خرقۂ خلافت پا کر فائز المرام ہوئے۔

آپ گجرات میں برسہا برس درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، آپ کثیر التصانیف تھے، آپ کے علم وفضل کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بادشاہ اور امرا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور علمی وباطنی فیوض حاصل کرتے تھے۔[۲۹۶]

آپ کے خلفا میں سید علامہ جمال الدین محمد بن یحییٰ شامی مکی، شیخ کبیر بدرالدین حسن بن داؤد کوکنی ہندی، شیخ فقیہ محمد ابن عبدالرحیم باجابر حضرمی، شیخ شہاب الدین أحمد بن ربیع بن احمد بن عبدالحق سنباطی مکی ثم المصری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح آپ کے تلامذہ میں شیخ بن عبداللہ بن شیخ، عفیف الدین عبداللہ بن فلاح الحضرمی، سید شیخ بن عبدالقادر، محمد بن علوی بن محمد أبی بکر الشیخ احمد بن علی المالکی بسکری، سید محمد بن عبداللہ الحضرمی زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔

آپ نے ۱۰۳۸ھ میں احمد آباد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔[۲۹۷]

"النور السافر" کے محشی نے ۱۰؍محرم الحرام ۱۰۳۷ھ تاریخ وفات لکھی ہے جو صحیح نہیں ہے[۲۹۸] خیرالدین الزرکلی نے عبدالقادر عیدروس کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھا ہے کہ المشرع الروی (۲/۱۴۷) اور تاریخ الشعرا الحضرمیین (۱/۱۲۳) نے سال وفات ۱۰۴۸ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔[۲۹۹]

مولانا عبدالحیٰ حسنی ’’یاد ایام‘‘ (مختصر تاریخ گجرات) میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالقادر بن سید شیخ حضرمی گجرات کے مشہور عالم ومصنف وصاحب سلسلہ تھے کتب خانہ ان کا نہایت عالی شان تھا، ان سے علامہ جمال الدین محمد شامی، شیخ محمد بن عبدالرحیم باجابر، احمد بن ربیع بن احمد سنباطی، حسن بن داؤدکوکنی و دیگر علمائے کرام نے سندیں حاصل کی ہیں ۔ ان کی تصنیفات میں سے ''الحدائق الخضرہ'' سیرۃ النبی ﷺ پر مبسوط کتاب ہے۔ ''النور السافر فی اعیان القرن العاشر'' تاریخ میں بڑی مفید کتاب ہے، ''الروض الاریض'' ان کے عربی دیوان کا نام ہے، علاوہ ان کتابوں کے اور بھی ان کی تصنیفات ہیں، محمد بن فضل اللہ محبی نے ''خلاصۃ الاثر'' میں ابوبکر شلی نے ''المشرع الروی'' میں مولانا عبدالحی مرحوم نے ''طرب الاماثل'' میں ان کا ترجمہ لکھا ہے''۔۳۰۰

آپ سے اکتالیس '۴۱' تصانیف یادگار ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) **الفتوحات القدوسية فى الخرقة العيدروسية** ایک ضخیم جلد میں خودنوشت سوانح عمری ہے۔۳۰۱

(۲) "**الحدائق الخضرة فى سيرة النبى** ﷺ" یہ آپ کی پہلی تصنیف ہے جب آپ نے اس کو تصنیف کیا تھا اس وقت آپ کی عمر بیس (۲۰) سال سے کم تھی۔۳۰۲

(۳) "**إتحاف الحضرة العزيزة لعيون السيرة الوجيزة**" یہ کتاب ''الحدائق'' کے طریقہ پر ہے مگر اس سے مختصر ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد کی اطلاع کے مطابق اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ برلن فہرست عربی مخطوطات مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے جس کا نمبر ۹۶۶۰ ہے۔۳۰۳

(٤) **المنتخب المصطفى فى أخبار مولد المصطفىٰ و أصحابه العشرة**

اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ برلن فہرست عربی مخطوطات مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے۔ جس کا نمبر ۹۶۳۵ ہے۔۳۰۴

(٥) **المنهاج إلى معرفة المعراج**

(٦) **الأنموذج اللطيف فى أهل بدر الشريف** (النور السافر میں خودنوشت حالات)

(٧) **أسباب النجاة النجاح فى أذكار المساء والصباح**

اس کتاب کا مخطوطہ برلن، فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث میں موجود

ہے، جس کا مخطوطہ نمبر ۳۷۱۸ ہے۔ ۳۰۵

(۸) الدر الثمين فی بيان المهم من علوم الدين ۳۰۶

اس کتاب کا مخطوطہ مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہے۔

برلن : فہرست کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث۔ ۱۸۴۴

بوہار : فہرست کتب خانہ بوہار، جلد دوم، عربی مخطوطات ۱/۴۵۳ ۳۰۷

(۹) الحواشی الرشيقة على العروة الوثيقة

(۱۰) فتح الباری بختم صحيح البخاری

(۱۱) "تعريف الأحياء بفضائل الأحياء"

یہ کتاب مصر میں "اتحاف السادات المتقين للمرتضىٰ الزبيدی" کے حاشیہ پر چھاپی گئی ہے۔ صاحب معجم المطبوعات رقم طراز ہیں:

"تعريف الاحياء بفضائل الاحياء" طبع بهامش كتاب اتحاف السادة المتقين بشرح أسراد إحياء علوم الدين لمحمد مرتضى الزبيدى" (مصر ۱۳۱۱) ۳۰۸

ڈاکٹر زبید احمد کی اطلاع کے مطابق اس کتاب کا مخطوطہ برلن، (فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ برلن) مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے۔ مخطوطہ نمبر ۱۷۱۳ ہے۔ ۳۰۹

(۱۲) عقداللآل بفضائل الآل

(۱۳) بغية المستفيد بشرح تحفة المريد

(۱٤) النفحة العنبرية بشرح بيتين العدنية

(۱٥) "غاية القرب فی شرح نهاية الطلب"

اس کتاب کا مخطوطہ فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے جس کا نمبر ۳۴۲۱ ہے۔ ۳۱۰

(۱٦) "شرح على قصيدة الشيخ أبى بكر العيدروس النونية" ۳۱۱

اس کتاب کا مخطوطہ بوہار فہرست کتب خانہ بوہار۔ جلد دوم، عربی مخطوطات میں موجود ہے جس کا نمبر ۴۳۳۰ ہے اور دوسرا مخطوطہ فہرست کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے جس کا نمبر

۴۰۱۲ ہے۔۳۱۲

(١٧) كتاب إتحاف إخوان الصفاء بشرح تحفة الظرفاء بأسماء الخلفاء

(١٨) صدق الوفاء بحق الإخاء

(١٩) كتاب النور السافر عن أخبار القرن العاشر

(٢٠) الزهر الباسم من روض الأستاذ حاتم

(٢١) كتاب قرة العين فى مناقب الولى عمر بن محمد باحسين

(٢٢) الروض الأريض والفيض المستفيض (دیوان شعر عربی) ۳۱۳

(٢٣) "الروض الناضر فى من اسمه عبدالقادر من أهل القرنين التاسع والعاشر" ۳۱۴

(٢٤) "الفتح القدسى فى تفسير آيت الكرسى" آیت ۲:۲۵٦ کی تفسیر۔
اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ بوہار، جلد دوم، عربی مخطوطات میں موجود ہے جس کا نمبر ۴/ ۴۵۷ ہے۔۳۱۵

(٢٥) "روح الراح وراح الارواح" کتب خانہ بوہار میں اس کتاب کا مخطوطہ ہے جس کا نمبر ۱۲٦ ہے۔۳۱٦

(٢٦) "المقالة النافعة والرسالة الجامعة" اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ بوہار، جلد دوم، عربی مخطوطات میں موجود ہے جس کا نمبر ۱/ ۴۵۷ ہے۔۳۱۷

(٢٧) "القول الجامع فى بيان العلم النافع" اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ بوہار، جلد دوم، عربی مخطوطات میں موجود ہے جس کا نمبر ۲/ ۴۵۷ ہے۔۳۱۸

(٢٨) "افية المستفيد بشرح تحفة المريد" (کذا) اس کتاب کا مخطوطہ بھی کتب خانہ بوہار میں ہے جس کا نمبر ۳/ ۴۵۷ ہے۔۳۱۹

(٢٩) "الزهر الباسم من روض الأستاذ حاتم" ۳٦ صفحات پر مشتمل مخطوطہ "مکتبہ البار" یمن میں موجود ہے۔۳۲۰ اور اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث میں بھی موجود ہے جس کا نمبر ۳۳۳۷ ہے۔۳۲۱

(۳۰) **"نفائس الانفاس فی نسبة الخرقة والالباس"۔**
اس کتاب کا مخطوطہ فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس جلد دوم مرتبہ سی، اے اسٹوری و پروفیسر اے، جے، آر بری میں موجود ہے جس کا مخطوطہ نمبر ۱۳۸۸ ہے۔۳۲۲

(۳۱) **"الموشح فی تصوف"** اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے جس کا نمبر ۳۴۲۲ ہے۔۳۲۳

(۳۲) **"رجز"** اس کا مخطوطہ کتب خانہ برلن، مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے جس کا نمبر ۱/۸۱۶۱ ہے۔۳۲۴

(۳۳) **"الاعتقادیة"** اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ بوہار (عربی مخطوطات) میں موجود ہے۔ مخطوطہ نمبر ۴۵۴ ہے۔۳۲۵

(۳۴) **"کتاب المنهاج الی معرفة المعراج"** مخطوطہ کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے جس کا نمبر ۲۶۰۹ ہے۔۳۲۶

(۳۵) **"صفوة الصفوه فی بیان احکام القهوه"** اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے، مخطوطہ نمبر ۵۴۷۹ ہے۔۳۲۷

(۳۶) **"المکاتیب"** اس کتاب کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں۔

دہلی : فہرست عربی مخطوطات، دہلی، انڈیا آفس، لندن-۲-۱۲۷

برلن : فہرست عربی مخطوطات، کتب خانہ برلن، مرتبہ اہل وارث-۲۶۳۳-۔ ۳۲۸

(۳۷) **"فتح الجواد فی شرح قصیدة عبدالهادی"** اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ بوہار میں موجود ہے جس کا نمبر ۴۳۲ ہے۔۳۲۹

(۳۸) **"صدق الوفاء بحق الاخاء"** مخطوطہ کتب خانہ برلن، مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے۔ مخطوطہ نمبر ۱۰۱۳۹ ہے۔۳۳۰

(۳۹) **"الرسالة فی مناقب البخاری"** رسالہ کا مخطوطہ کتب خانہ بوہار میں موجود ہے جس کا نمبر ۴۵۴ ہے۔۳۳۱

(۴۰) **"اسعاف اخوان الصفاء لشرح تحفة الظرفاء"** کتب خانہ بوہار میں مخطوطہ موجود ہے جس کا نمبر ۲۰۱ ہے۔۳۳۲

(٤١) "مـولـد الـنبي" اس کامخطوطہ بنگال، ایشیا ٹک سوسائٹی آف بنگال میں موجود ہے، مخطوطہ نمبر ۱۰۲۵/۱ ہے۔۳۳۳

آپ کی مندرجہ بالا تصانیف تاریخ، تذکرہ، سیرت اور دیگر موضوعات پر مشتمل ہیں۔ان کتابوں میں سے بعض کے متعلق جو معلومات فراہم ہوسکی ہیں انھیں آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔

اتحاف الحضرة العزيزة لعيون السيرة الوجيزة

اس کتاب میں حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے مختصر حالات درج ہیں۔

ڈاکٹر زبید احمد عربی ادبیات میں مذکورہ کتاب کے متعلق رقم طراز ہیں:

''اس کتاب میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے مختصر حالات درج ہیں اس کتاب میں سوا اس کے کوئی اور خصوصیت نہیں کہ انداز بیان واضح اور سادہ ہے اور اس میں وہ غیر تاریخی چیزیں موجود نہیں جو صوفیا کی تحریروں میں عام طور پر پائی جاتی ہیں، یہ کتاب دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں چار باب ہیں جو آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ سے متعلق ہیں دوسرے حصہ میں دس باب ہیں جن میں ان دس اصحاب رسول کے مختصر حالات زندگی قلم بند کیے گئے ہیں جو عشرۂ مبشرہ کہلاتے ہیں۔ خاتمہ میں اصحاب رسول کے اوصاف وفضائل بیان کیے گئے ہیں''۔۳۳۴

اس کتاب کا مخطوطہ برلن، فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے۔ جس کا نمبر ٩٦٦٠ ہے۔۳۳۵

النور السافر عن اخبار القرن العاشر

آپ کی وقائع نگاری پر بہت مشہور اور عمدہ تصنیف ہے اس لیے ہم اس کے متعلق قدرے تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔

"النور السافر عن اخبار القرن العاشر" جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے دسویں صدی ہجری میں پیش آنے والے واقعات کا تاریخ وار تذکرہ ہے، قدیم مصنفین نے اس قسم کی جو کتابیں لکھی ہیں ان میں ابن حجر کی "الـدرر الـكامنة فی القرن الثامنة" اور سخاوی کی "الـضوء اللامع فی القرن التـاسـع" دو کتابیں بہت مشہور ہیں اور یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کے خاکے میں قدرے ترمیم کردی گئی ہے۔ مذکورہ بالا دو کتابیں ایسے مذہبی اور غیر مذہبی ممتاز اشخاص کے مختصر سوانحی خاکوں تک

محدود ہیں جنھوں نے آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں وفات پائی۔ ان میں لوگوں کے نام تاریخی نہیں بلکہ حروفی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ لیکن محی الدین نے اپنی کتاب میں تاریخی ترتیب اختیار کی ہے اور نہ صرف سر برآوردہ امرا و علما کے مختصر حالات لکھے ہیں بلکہ اہم سیاسی و معاشرتی واقعات بھی قلم بند کیے ہیں یہ کتاب الدرر الکامنة اور الضوء اللامع جیسی مفید سوانحی تصانیف کے سلسلہ میں ایک اہم اضافہ ہے اور خلاصة الآثار اور عجائب الآثار جیسی مفید کتابیں جو آئندہ لکھی گئیں اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ النور السافر کے علاوہ اور کئی کتابیں بھی جو اسی قسم کی ہیں اور کم وبیش اسی زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں مختلف اشخاص نے لکھی ہیں جن میں "الکواکب السائرہ بمناقب علماء المأة العاشرة" زیادہ اہم ہے۔

النور السافر عن اخبار القرن العاشر کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"الحمد لله رب العالمین۔ والعاقبة للمتقین۔ ولا عدوان الا علی الظالمین۔ والصلوٰة والسلام علی سیدنا محمد سیدالمرسلین۔ وخاتم النبیین وعلی آله وصحبه اجمعین۔" ۳۳۶ع

کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے بیان کیا ہے کہ اس نے اپنی تصنیف میں مصر، شام، حجاز، یمن، روم اور ہندوستان وغیرہ کے نامور عالموں، قاضیوں، بادشاہوں اور امیروں کی تاریخیں لکھی ہیں اور کچھ دوسرے حالات، عجیب وغریب قصے اور لطائف بھی قلم بند کیے ہیں اور یہ اعتراف کیا ہے کہ اس صدی میں پیش آنے والے تمام واقعات نہیں لکھ سکا کیونکہ ان سب کا علم نہیں، اور یہ احساس کرتے ہوئے کہ اس نے جتنے واقعات لکھے ہیں ان سے زیادہ چھوڑ دیے ہیں ایک نامکمل کتاب لکھنے کا عذر یہ پیش کیا ہے کہ جو چیز مکمل طور پر بیان نہ ہو سکے اس کو بالکل چھوڑ دینا درست نہیں۔

عبدالقادر عیدروس ''النورالسافر'' میں رقم طراز ہیں:

"... وبعد هذا النموذج لطیف، وعنوان شریف، ذکرت فیه وفیات من ظفرت بتاریخ وفاته، ممن مات فی هذاالقرن، الذی اوله سنة احدی وتسعمائة ختم بالحسنی، من سائر العلماء، والصلحاء، والقضاة، والادباء، والملوك، والاعیان، مصریاً کان اوشامیاً، حجازیاً کان او یمنیاً، رومیاً او هندیاً، شرقیاً او مغربیاً، وضممت الی ذلك ذکر بعض الحوادث والماجریات

والحكايات العجيبة والملح الغريبة، ولايعدم كل شخص من نادرة جرت له من الاخبار. وشعر نظمه من الاشعار. على وجه الاختصار وما يحصل من الاعتبار. ولله در من قال:

اذا عرف الانسان اخبار من مضى	تخيلته قد عاش حينا من الدهر
فقد عاش كل الدهر من كان عالماً	كريماً حليماً فاغتنم اطول العمر ۳۳۷

اصل کتاب کے شروع میں حصول برکت کے لیے مصنف نے آنحضرت ﷺ کے مختصر حالات قلم بند کیے ہیں اور پھر ۹۰۱ھ سے لے کر ۱۰۰۰ھ تک کے حالات قلم بند کیے ہیں۔

''النور السافر'' میں رقم طراز ہیں:

"... وسميته النور السافر عن اخبار القرن العاشر ولنذكر قبل الشروع فى المقصود نبذة شريفة من اوصاف سيد المرسلين وافضل الاولين والآخرين، تيمنا بذكره، واستشعاراً لعظيم قدره، عسى ان اسعد بشفاعته واحشر فى زمرته، لحبي اياه، والتجائي الى شريف علياه، ﷺ وشرف، ومجد، وعظم"۔۳۳۸

مصنف نے علما کی ایک بڑی تعداد کے مختصر حالات لکھے ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل اشخاص خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

"السخاوى، جلال الدين سيوطى، شيخ بن عبدالله، ابن سويد، احمد بن محمد القسطلانى، جلال الدين الدوانى، مزجّد، بحرق الحضرمى، ابن حجر الهيثمى، على متقى، محمد بن طاهر پٹنى، عبدالنبى، قطب الدين النهروالى، حكيم شهاب الدين محمود بن شمس الدين سندهى"۔

بادشاہوں اور امیروں کے تذکروں میں مندرجہ ذیل نام شامل ہیں:

(۱) قائت بے، سلطان مصر، جس کا انتقال ۹۰۱ھ میں ہوا۔

(۲) محمود بن محمد، بادشاہ گجرات جس نے ۹۱۶ھ میں وفات پائی۔

(۳) مظفر شاہ ثانی، بادشاہ گجرات، سن وفات ۹۳۲ھ

(۴) بہادر شاہ، بادشاہ گجرات، سن وفات ۹۴۳ھ

(۵) محمود شاہ ثانی، بادشاہ گجرات، سن وفات ۹۶۱ھ

(۶) احمد شاہ ثانی، بادشاہ گجرات، سن وفات ۹۶۷ھ

(۷) خداوند خاں، بادشاہ گجرات، سن وفات ۹۶۸ھ

(۸) قطب شاہ، سلطان گولکنڈہ، سن وفات ۹۹۰ھ

النور السافر میں جو سیاسی واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے چند قابل ذکر ہیں۔
گجرات پر ہمایوں کی فوج کشی۔ بہادر شاہ کو مصطفیٰ بہرام کی غداری سے کس طرح شکست ہوئی۔ آصف خاں کا مکہ معظّمہ سے واپس آنا اور منصب وزارت پر فائز ہونا اور پھر ان دونوں کا ۹۶۱ھ میں مارا جانا۔ دیو پر پرتگالیوں کا قبضہ۔ اکبر کی فتح گجرات۔ احمد آباد اور اس کے بانی کے حالات۔ مظفر بن محمود کا مغلوں کو شکست دے کر ۹۹۱ھ میں احمد آباد، بھڑوچ اور بڑودہ پر دوبارہ قبضہ کرنا اور اگلے سال ان مقامات کا پھر اس کے ہاتھ سے نکل جانا۔

سوانحی خاکوں اور سیاسی واقعات کے مختصر بیان کے ساتھ ہی کچھ چیزیں موضوع سے ہٹ کر قلم بند کی گئی ہیں ان میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

حضر موت، احقاف، سبا، ارم، ذات العماد، مزار صالح اور مزار ہود وغیرہ۔ معجزات کے امکان پر بحث۔ عدن میں ۹۱۴ھ میں زلزلہ آنے اور آگ لگنے کا بیان۔ قہوہ کا بیان۔

عبدالقادر عیدروس شاعر بھی تھے اور آپ کو شاعری سے گہری دلچسپی تھی اس لیے اس کتاب میں ان متعدد علما اور شعرا کے منتخب اشعار بھی موجود ہیں جن کا آپ نے تذکرہ کیا ہے۔ جنوبی عرب سے چونکہ آپ کا تعلق ہمیشہ برقرار رہا اس لیے آپ نے عدن، حضرت موت اور یمن کے سیاسی امور پر بہت کچھ لکھا ہے۔

مختصر یہ کہ ''النور السافر'' ایک مفید تاریخی تصنیف ہے، جس میں واقعات تاریخی ترتیب سے قلم بند کیے گئے ہیں اور یہ تصنیف بروز جمعہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۰۱۲ھ کو بمقام احمد آباد مکمل ہوئی۔

النور السافر میں لکھتے ہیں:

"وقع الفراغ من تـأليف هذا التاريخ اللطيف في يوم الجمعة ثاني عشر شهر ربيع الثاني سنة اثني عشر بعد الالف باحمد اباد، والحمد لله حمداً يوافي

نعمه ویکافی مزیده، ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم، دعواهم فیها سبحانك اللهم وتحیتهم فیها سلام وآخر دعواهم ان الحمد لله رب العالمین"۔۳۳۹ے

"النور السافر عن اخبار القرن العاشر" شعبۂ عربی اور شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کی مشترکہ لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک جلد میں موجود ہے جس کا سرورق غائب ہے۔ پانچ سو آٹھ (۵۰۸) صفحات پر مشتمل ہے۔ لائبریری کے رجسٹر میں "المکتبۃ العربیۃ" بغداد ۱۹۳۴ء مندرج ہے۔

ڈاکٹر زبید احمد کی تحقیق کے مطابق "النور السافر" کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

برٹش میوزیم: فہرست عربی مخطوطات، برٹش میوزیم۔ ۹۳۷

بانکی پور: فہرست عربی مخطوطات، بانکی پور۔ ۶۵۹

بوہار: فہرست کتب خانہ بوہار، جلد دوم، عربی مخطوطات۔ ۲۷۳

رام پور: فہرست کتب خانہ رام پور۔ ۶۵۰

آصفیہ: فہرست کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن، ۱/۳۴۴۔ ۲/۱۸۰۔ ۳۴۰ے

الروض الناضر فی من اسمه عبدالقادر

یہ کتاب بھی محی الدین عبدالقادر عیدروس کی تصنیف ہے۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں ان مشہور مسلمانوں کے مختصر حالات قلم بند کیے گئے ہیں جن کا نام عبدالقادر ہے یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے اس میں عبدالقادر نامی چالیس اشخاص کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں۔

ڈاکٹر زبید احمد کی تحقیق کے مطابق اس کا مخطوطہ برلن، فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ برلن مرتبہ اہل وارث میں موجود ہے، مخطوطہ نمبر ۹۸۹۰ ہے۔ ۳۴۱ے

ألروض الأریض والفیض المستفیض

یہ آپ کا عربی دیوان ہے۔

راقم الحروف کو آپ کے دیوان کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا کہ اس دیوان کا مطبوعہ یا غیر مطبوعہ قلمی نسخہ کسی کتب خانے میں موجود ہے یا نہیں۔ موقع ومحل کے اعتبار سے آپ کے چند اشعار "النور السافر" سے نقل کیے جاتے ہیں:

اذا مـا اشتـد ليل الهموم ودجى	جعلـت الـى اهل بدر ألا لتجا
ومـا خـاب عبـد لهم قـد رجـا	ومتى تـوسـل بهـم الى الله فرجا

ومـنـه

قسماً ببديع جماله وبيان لسانه	انـى لـمعـان آداب صفـاتـه دق
فـقهت مـن منطقه العذب حديثه	وفهـمـت مـن دقة حضره سريرق
وايـنمـا كـنت فقلبى طائر نحوه	ومتى اردت صرفـه رأيتـه يشق

ومـنـه

شـافـعى احـمـد لي عند مـالكى	ومـا خـاب من احـمد لـه شـافع
بـل حـقيـق ان يـغفـر لـه ذلاتـه	ويـنـعـم عـليـه بـالذى هو طامع

ومـنـه

ايها العاذلون اقصروا عن عتابى	اننى استعذبت فى العشق عذابى
ليـس لـى غيـر الغرام شرعـاً	انـنـى فيـه مـرسل بـالـكـتـاب

ومـنـه

يـارسـولـي اذا وصلت الى سولي	فهن هـنـاك نـفسك بـالـوصول
واذا جـزت بـحيهم اجـر ذكـرى	ولـطف الـقـول كي يرقوا النحوي

ومـنـه

لـما كان حبيبى اصل مبدأ الوجود	وكـان فـى الـخـلـق لـلرسل ختام
صـح انهـم بيـت حسـن بـدا	لـكـن حبيبـى كان لحسنهم التمام[۳۴۲]

شیخ عطا محمد گجراتی

شیخ عطا محمد علاء الدین حسینی، قادری، گجراتی بلند پایہ عالم اور کامل شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے۔

ہمایوں شاہ تیموری ۹۴۱ھ میں جس وقت احمد آباد (گجرات) میں داخل ہوا تو آپ بہادر شاہ کی صحبت میں ''دیو'' کی طرف گئے تو پرتگالیوں نے آپ کو قید کرلیا۔ جب انھوں نے آپ کو آزاد کیا، تو آپ

نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج وزیارت کی سعادت سے سرفراز ہوئے پھر گجرات واپس تشریف لائے اور درس وتدریس منقطع ہوگیا۔

آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے تین خلفا تھے شیخ بہاء الدین، شیخ محمد اور شیخ ابراہیم اور یہ تینوں حضرات علمائے کبار میں سے تھے اور شیخ عطا محمد کے پانچ صاحبزادے عبدالرزاق، ابوصالح النصر، محمد، احمد اور علی تھے اور پانچوں عالم تھے۔

مولانا عبدالحیٔ حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں شیخ عطا محمد کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وكان له خمسة أبناء، كلهم علماء عبدالرزاق، و أبوصالح النصر، و محمد و أحمد، و علي وكان له ثلاثة خلفاء، كلهم علماء: الشيخ بهاء الدين ، والشيخ محمد والشيخ إبراهيم"۔[۳۴۳]

آپ کا عربی اشعار میں دیوان ہے۔[۳۴۴] اور اس کے اشعار شیخ ابن الفارض مصری کے اشعار کے طرز پر ہیں۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' لکھتے ہیں:

"وكان شاعراً مجيد الشعر، له أعجوبة الزمان ونادرة الدوران، ديوانان فى الشعر العربى، وأبياته على منوال أبيات الشيخ ابن الفارض المصرى"۔[۳۴۵]

آپ نے ماہ ربیع الاول ۹۸۶ھ میں احمد آباد میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔[۳۴۶]

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

مولانا علی شیر گجراتی

شیخ علی شیر حنفی، بنگالی ثم الگجراتی مشاہیر علمائے ہند میں سے تھے۔ آپ کی پیدائش اور نشو ونما سر زمین بنگال میں ہوئی۔ آپ شیخ نورالہدیٰ ابی البرکات کی نسل سے تھے جو شیخ جلال الدین چشتی کے اجل خلفا میں تھے۔

شیخ علی شیر حنفی نے علوم مروجہ کی تحصیل کے لیے اودھ کا سفر کیا اور عرصۂ دراز تک اودھ میں رہ کر علوم متداولہ کی تحصیل کی، پھر آپ نے دہلی کا سفر کیا اور دہلی میں شیخ محمد غوث گوالیری کی خدمت میں رہ کر سلوک وطریقت کی تحصیل کی اور بالآخر فائز المرام ہوئے۔

شیخ موصوف نے محمد غوث گوالیری کے ساتھ گجرات کا سفر کیا اور مسجد عماد الملک احمد آباد (گجرات) میں قیام کیا۔ آپ علم ہیئت، علم ہندسہ اور علم نجوم میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

مشہور اسلامی مؤرخ مولانا عبدالحئی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وکان عالماً کبیراً بارعاً فی الهیئة والهندسة والنجوم والدعوة والتکسیر"۔ ۳۴۷

آپ کی وفات ۹۷۰ھ کے کچھ بعد احمد آباد میں ہوئی۔ ۳۴۸

آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شرح علی نزهة الأرواح

(۲) شرح علی جام جهان نما

(۳) شرح علی السوانح للغزالی (شیخ محمد غوث گوالیری کے حکم سے سوانح امام غزالی کی شرح لکھی)

شرح علی نزهة الأرواح

"نزهة الأرواح" شیخ حسین بن عالم (ابن محمد) المعروف بالامیر حسینی، غوری، ہروی کی سلسلۂ مشائخ میں کتاب ہے۔ جس کو ۷۱۱ھ میں شیخ حسین بن عالم نے تصنیف کیا تھا، آپ کا وصال ۷۱۸ھ میں ہوا۔

"نزهة الأرواح" مختصر منظوم فارسی زبان میں رسالہ ہے جس کا آغاز مندرجہ ذیل مصرعے سے ہوتا ہے:

بتوفیقش چو روشن دیدم آواز سخن راہم بنامش کردم آغاز الخ ۳۴۹

حاجی خلیفہ کشف الظنون میں ''نزهة الأرواح'' کے متعلق رقم طراز ہیں:

"نزهة الأرواح "فی سلسلة المشایخ" لمفخر السادات حسین بن عالم (ابن محمد) المعروف بالامیر حسینی الغوری، الهروی، الفه سنة ۷۱۱ احدی عشر و سبعمائة "مات سنة ۷۱۸" مختصر فارسی منشور و منظوم اولها:

بتوفیقش چو روشن دیدم آواز سخن راہم بنامش کردم آغاز الخ ۳۵۰

شیخ علی شیر حنفی نے نزہۃ الارواح کی شرح لکھی ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ شرح نزہۃ الارواح کا

مخطوطہ کسی لائبریری میں موجود ہے یا نہیں۔

شیخ قطب الدین گجراتی

شیخ قطب الدین ذاکر، نہروالی گجراتی ''قطب جہاں'' کے لقب سے مشہور تھے۔آپ گجرات کے مشاہیر صوفیائے کرام میں سے تھے۔

شیخ ولی محمد اور شیخ لشکر محمد آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔آپ کے مکتوبات ضخیم جلد میں موجود ہیں۔

صاحب ''نزہتہ الخواطر'' آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"الشیخ الصالح قطب الدین الذاکر النهروالی الگجراتی المشهور بقطب جهاں، کان من کبار المشایخ فی بلاد گجرات، أخذ عنه الشیخ ولی محمد والشیخ لشکر محمد فی بدایة أمرهما، وله مکتوبات تجمعها مجلدات ضخمة فی الحقائق والمعارف". [۳۵۱]

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

شیخ ولی محمد اور شیخ لشکر محمد بعد میں شیخ محمد غوث گوالیاری کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور ان سے خرقۂ خلافت پاکر صاحب اجازت ہوئے۔[۳۵۲] شیخ ولی محمد اور شیخ لشکر محمد سلسلہ عشقیہ شطاریہ کے سلسلۃ الذہب کی کڑی تھے۔

شیخ لشکر محمد بن راجن جانپانیری، گجراتی ۹۰۰ھ ''مہلاسہ'' اطراف گجرات میں پیدا ہوئے۔فنون حربیہ میں آپ کو دلچسپی تھی اسی وجہ سے آپ فوج میں داخل ہوگئے، بادشاہ وامرا کی خدمت کرتے تھے۔پھر آپ فوج سے الگ ہوگئے اور قاضی محمود بیر پوری کی صحبت اختیار کرلی، پھر اس کے بعد شیخ قطب الدین ذاکر نہروالی کے دامن طریقت سے وابستہ ہوگئے، پھر ۹۵۱ھ میں شیخ محمد غوث گوالیاری سے نسبت ہوگئی اور شیخ موصوف سے خرقۂ خلافت پاکر رشد وہدایت میں مشغول ہوگئے اور قاضی محمد مورپی سے "هدایة الفقه" پڑھی اور تیس سال تک گجرات میں قیام کیا، پھر آپ ۹۸۲ھ میں برہانپور تشریف لے گئے اور برہانپور میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

شیخ موصوف کے خلفا میں شیخ عیسی بن قاسم سندھی وغیرہ ہوئے ہیں۔آپ کی وفات ۲۸؍شوال

۹۹۳ھ میں ہوئی۔ آپ کے نام (لشکر محمد عارف) ہی سے آپ کا سن وفات (۹۹۳ھ) نکلتا ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی "نزهة الخواطر" میں رقم طراز ہیں:

"الشيخ الأجل لشكر محمد بن راجن بن پير بن ركن الدين القرشي الجانپانيري الگجراتي ثم البرهانپوري، أحد المشايخ العشقية الشطارية، ولد في مهلاسه من أرض گجرات نحو سنة تسعمائة". ۳۵۳

شیخ ولی محمد حنفی شطاری کے تفصیلی حالات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ محمد بن احمد نہروالی

آپ کا لقب قطب الدین اور نام محمد بن احمد بن محمد بن محمود حنفی نہروالی تھا۔ آپ بڑے جلیل القدر محدث، فقیہ اور ادیب تھے۔

''یادایام'' کے مولف لکھتے ہیں:

''مفتی قطب الدین محمد نہروالی گجرات کے ان علمائے کرام میں تھے، جن پر ہم سب کو فخر ہے، یہ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے، اپنے والد مولانا علاء الدین احمد سے علم حاصل کر کے مکہ معظمہ گئے اور ان کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا اور باوجود ہندی ہونے کے شرفائے مکہ کے میر منشی قرار دیے گئے''۔ ۳۵۴

صاحب "شذرات الذهب" رقم طراز ہیں:

"قطب الدين محمد بن علاء الدين أحمد بن محمد بن قاضي خان بن بهاء الدين بن يعقوب بن حسن بن على النهروالي الهندي ثم المكي الحنفي الامام العلامه ولد سنة سبع عشرة وتسعمائة وأخذ عن والده والشيخ عبدالحق السنباطي وهو اجل من أخذ عنه من المحدثين والشيخ محمد التونسي والشيخ ناصر اللقاني والشيخ أحمد بن يونس بن الشلبي وغيرهم ... وكان بارعاً مفنناً في الفقه والتفسير والعربية ونظم الشعر وشعره في غاية الرقة منه الزائية المشهورة". ۳۵۵

اسی طرح صاحب "معجم المؤلفين" آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"محمد بن أحمد بن محمد بن محمود النهروالی، الهندی ثم المکی، الحنفی (قطب الدین مؤرخ، فقیه، مفسر، عالم بالعربیة، ناظم، من تصانیفه: البرق الیمانی فی الفتح العثمانی، الاعلام باعلام بیت الله الحرام، طبقات الحنفیة، ومناسك". ۳۵۶؎

صاحب "نزهة الخواطر" رقم طراز ہیں:

"الشیخ العالم العلامه المحدث محمد بن أحمد بن محمد بن محمود الحنفی النهروالی المفتی قطب الدین بن علاء الدین المکی صاحب "الاعلام باعلام بیت اللّه الحرام" کان من العلماء المبرزین فی الحدیث والفقه والأصلین والإنشاء والشعر ... و أما مصنفاته فمن أحسنها کتابه "الاعلام باعلام بیت اللّه الحرام" صنفه سنة خمس وثمانین وتسعمائة ومنها "البرق الیمانی فی الفتح العثمانی" ومنها "منتخب التاریخ فی التراجم" ومنها "تمثال الأمثال النادرة" أو التمثیل والمحاضرة بالأبیات المفردة النادرة" ومنها "الکنز الأسمی فی فن المعمی" وله أبیات کثیرة بالعربیة". ۳۵۷؎

اسی طرح قاضی علامہ محمد بن علی الشوکانی ''البدر الطالع'' میں لکھتے ہیں:

"قطب الدین بن علاء الدین النهروالی ثم المکی الحنفی العالم الکبیر أحد المدرسین بالحرم الشریف فی الفقه والتفسیر والاصلین وسائر العلوم وکان یکتب الانشاء لأشراف مکة وله فصاحة عظیمة یعرف ذلك من اطلع علی مؤلفه الذی سماه (البرق الیمانی فی الفتح العثمانی) وهو مؤلف (الاعلام باعلام بیت الله الحرام) وکان عظیم الجاه عند الاتراك لایحج أحد من کبرائهم الا وهو الذی یطوف به ولا یرتضون بغیره وکانوا یعطونه العطاء الواسع وکان یشتری بما یحصله منهم نفائس الکتب ویبذ لها لمن یحتاجها واجتمع عنده منها مالم یجتمع عند غیره وکان کثیر التنزهات فی البساتین وکثیرا ما یخرج الی الطائف ویستصحب معه جماعة من العلماء والادباء

ویقوم بکفایة الجمیع".۳۵۸؎

صاحب "النور السافر" آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"العالم الفاضل المفتی الشیخ قطب الدین الحنفی المکی النهروالی نسبة الی نهرواله من اعمال الهند بمکة المشرفة وکان من الاعیان المذکورین والفضلاء المشهورین مجللا محترماً". ۳۵۹؎

اسی طرح صاحب "هدیة العارفین" آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"محمد بن علاء الدین علی بن احمد بن شمس الدین محمد النهروالی قطب الدین المکی المؤرخ الحنفی المتوفی سنة ۹۸۸ ثمان و ثمانین وتسعمائة. من تصانیفه الاعلام باعلام بلد الله الحرام فی تاریخ مکة البرق الیمانی فی الفتح العثمانی، التمثیل والمحاضرة بالابیات المفردة النادرة فی مجلد. جامع فی الحدیث جمع فیه الکتب السنة طبقات الحنفیة فی اربع مجلدات، الطرز الاسماء علی کنز المعمی الفوائد النسیة فی الرحلة المدنیة والرومیة مناسك الحج وغیر ذلك". ۳۶۰؎

آپ کی ولادت ۹۱۷ھ میں مکۃ المکرمہ میں ہوئی، آپ کے والد محترم نہروالہ گجرات سے ہجرت کرکے حجاز چلے گئے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اس کے بعد ۹۴۳ھ میں بغرض تعلیم مصر گئے اور علوم متداولہ کی تکمیل کی، پھر آپ نے استانبول کا سفر کیا، اس کے بعد مکۃ المکرمہ تشریف لائے اور مدرسہ اشرفیہ میں مدرس مقرر ہوگئے۔ ۹۶۵ھ میں آپ دوبارہ استانبول تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے اور مدرسہ کنبایاتیہ میں درس دینے لگے، جب ۹۷۵ھ میں مدرسہ السلیمانیہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ وہاں چلے گئے اور پھر مفتی مکہ مقرر ہوئے۔

مولانا عبدالحئی حسنی ''یادایام'' میں رقم طراز ہیں:

''مفتی قطب الدین نہروالی اپنے والد مولانا علاء الدین احمد سے علم حاصل کرکے مکہ معظمہ گئے اور شیخ احمد بن محمد العقیلی النویری و محدث یمن عبدالرحمٰن بن علی ربیع سے حدیث پڑھی، نور الدین ابوالفتوح شیرازی سے ان کو بھی صحیح بخاری کی سند حاصل تھی، جو قلت وسائط کی وجہ سے حجاز و یمن

میں بہت مقبول ہوئی ہے، ان کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا اور باوجود ہندی ہونے کے شرفاے مکہ کے میرمنشی قرار دیے گئے''۔[۳۶۱]

آپ کی وفات ۹۹۰ھ میں مکۃ المکرّمہ میں ہوئی۔[۳۶۲] اور دوسرے قول کے مطابق ۹۸۸ھ یا ۹۹۱ھ میں ہوئی۔[۳۶۳]

آپ کی بہت سی تصانیف ہیں ان میں سے کچھ مشہور کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) الإعلام بأعلام بيت الله الحرام

(۲) البرق اليماني فی الفتح العثماني

(۳) منتخب التاريخ فی التراجم [۳۶۴]

(٤) تمثال الأمثال النادرة

(٥) الكنز الأسمى فی فن المعمى

(٦) طبقات الحنفية [۳۶۵]

(٧) مناسك قطب الدين

(٨) الجامع فی الحديث (جمع فيه الكتب السنة)

(٩) الفوائد السنية فی الرحلة المدنية والرومية

(١٠) الطرز الاسماء علی كنز المعمی الفوائد السنية فی الرحلة المدنية والرومية

مندرجہ بالا کتب میں سے بعض کے متعلق جو معلومات فراہم ہو سکی ہیں انھیں آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔

الإعلام بأعلام بيت الله الحرام

مکۃ المکرّمہ کی مفصل تاریخ ہے جو ایک مقدمہ، دس ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں مصنف نے اپنی کتاب کے مآخذ کی فہرست بھی درج کی ہے اور لکھا ہے کہ مکہ کا قدیم ترین مؤرخ عبدالولید محمد بن عبدالکریم الارزقی ہے۔ مندرجہ ذیل فہرست ابواب سے اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے:

باب اول : مکہ اور کعبہ کا جغرافیائی بیان

باب دوم : کعبہ کی بنا اور تعمیر

باب سوم : عہد جاہلیت اور آغاز اسلام میں مسجد الحرام کی کیفیت

باب چہارم : عباسیوں کے عہد میں مسجد الحرام میں کیا اضافہ کیا گیا

باب پنجم : منصور کے عہد میں شروع ہو کر اس کے بیٹے مہدی کے عہد میں مکمل ہونے والی تعمیر کے بعد آئندہ عباسیوں کے عہد میں ہونے والے دو اہم اضافوں کا خصوصی بیان۔

باب ششم : جراکسہ کے عہد میں مسجد کی مرمت

باب ہفتم : مسجد الحرام عہد عثمانیہ میں

باب ہشتم : مسجد الحرام سلیم اوّل کے عہد حکومت میں

باب نہم : مسجد الحرام سلیم دوم کے عہد حکومت میں

باب دہم : مسجد الحرام سلطان مراد کے عہد میں

ضمیمہ : مکہ میں مقدس مقامات کا بیان۔

کعبہ کی تاریخ کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے مصنف نے عہد رسالت سے لے کر خود اپنے زمانہ تک کی مسلمانوں کی پوری تاریخ کا ایک سرسری خاکہ بھی پیش کیا ہے۔

صاحب "کشف الظنون" الاعلام باعلام بلد الله الحرام کے متعلق رقم طراز ہیں:

"الاعلام باعلام بلد الله الحرام : من تواريخ مكة المكرمة للشيخ الامام قطب الدين محمد بن احمد المكي الحنفي المتوفى سنة ثمان وثمانين وتسعمائة الفه سنة ٩٧٩ مرتبا على مقدمة وعشرة ابواب واهداه الى السلطان مراد خان وترجمته بالتركية للمولى عبدالباقي الشاعر المتوفى سنة ثمان والف ذكر فيه ان الوزير محمد باشا العتيق بعثه على ذلك"۔ ۳۶۶

اسی طرح صاحب "معجم المطبوعات" الاعلام کے متعلق لکھتے ہیں:

"الاعلام باعلام بيت الله الحرام– رتبه على مقدمة وعشرة ابواب و أهداه الى السلطان مراد خان وفرغ من تأليفه سنة ٩٨٥ھ ۔ أوله، الحمد لله الذى

جعل لمسجد الحرام حرماً آمنا الخ مط عبدالرزاق ۱۳۰۳، ص ۲۰۵ – و طبع فی عوطا۔ لیبسیك سنة ۱۲۷٤ – ۱۸۵۷، باعتناء العلامه وستنفلد وله مقدمة باللغة الالمانية، ص ٤٨٠"۔ ۳۶۷

''مغربی علما نے اس کتاب کی اہمیت کو بخوبی محسوس کیا اور اس نوعیت کی دوسری کتابوں کے ساتھ اس کو بھی ووسٹن فلڈ نے مرتب کیا ہے''۔ ۳۶۸

الاعلام باعلام بیت الله الحرام شعبۂ اسلامیات وعربی کی مشترکہ لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں موجود ہے۔ اور اس کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

بانکی پور : فہرست عربی مخطوطات، بانکی پور-۱۵:۱۰۸۵

آصفیہ : فہرست کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن-۸-۱۷ ۳۶۹

البرق اليمانى فى الفتح العثمانى

یہ کتاب دسویں صدی ہجری کے آغاز سے ۹۷۸ھ تک یمن میں ہونے والے واقعات کی تاریخ ہے۔ جو تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ۱۳ فصلوں میں منقسم ہے جس میں دسویں صدی ہجری کے آغاز سے لے کر عثمانی ترکوں کی فتح یمن تک یمنی بادشاہوں کی تاریخ قلم بند کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں ۳۷ فصلیں ہیں، اس میں یمن پر ترکوں کے قبضہ سے لے کر سلطان سلیمان کے عہد حکومت تک کی تاریخ بیان کی گئی ہے، تیسرے باب میں ۶۰ فصلیں ہیں اور اس میں سلطان سلیم کے عہد حکومت میں پیش آنے والے واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے، خاتمہ ۴ فصلوں پر مشتمل ہے۔ جس میں سنان پاشا کی مصر کو واپسی اور اس کی فتوحات تونس کا حال بیان کیا گیا ہے۔

البرق الیمانی فی الفتح العثمانی کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"الحمد لله الذى نصر الدين الحنيفى بصادم وسنان الخ "

صاحب "كشف الظنون" البرق اليمانى فى الفتح العثمانى کے متعلق رقم طراز ہیں:

"البرق اليمانى فى الفتح العثمانى فى التاريخ للعلامة قطب الدين محمد بن احمد المكى المتوفى سنة ثمان وثمانين وستعمائة مجلد اوله الحمد لله الذى نصر الدين الحنيفى بصادم و سنان الخ ... واهداها الى الوزير محمد پاشا

وهی علی مقدمة وثلاثة ابواب وخاتمة ذکر فی الاعلام ان الوزیر المذکور اعطاه نسخة من تاریخ الیمن المنظومة بالترکی للمرحوم مصطفی بیك الرموذی امیر اللوا ودفتر دار الیمن وذکر انه تاریخ لطیف غیر انه لما کان منظوما لم یتمکن ناظمة من اداء المعنی بالتمام لکنه اقر بالانتفاع منه فی کثیر من الاخبار ثم نقله المولی مصطفی ابن محمد المعروف بخسرو زاده المتوفی سنة ثمان وتسعین وتسعمائة من العربیة الی الترکیة۔ " ۳۷۰؎

اسی طرح صاحب "معجم المطبوعات" البرق الیمانی کے متعلق لکھتے ہیں:

"البرق الیمانی فی الفتح العثمانی– وفیه تاریخ الیمن من سنة ۹۰۰ عند أول الفتح العثمانی علی ید الوزیر سلیمان باشا الی أیام المؤلف، طبع قسم منه مع ترجمة الی اللغة البرتغالیة فی لیزبون ۱۸۹۲م، ص ۱۰۰، (من هذه الکتاب نسخة خطیة کاملة فی الحزانة التیموریة۔ ۳۷۱؎

کتاب مذکورہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ ۳۷۲؎ اوراس کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

برلن : فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ برلن، مرتبہ اہل وارث-۹۷۴۲

لوتھ : فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس، مرتبہ لوتھ-۱۶۱۶

ویانا : فہرست عربی، فارسی وترکی مخطوطات، کتب خانہ ویانا، مرتبہ فلوگل-۹۷۷

پیرس : فہرست عربی مخطوطات، نیشنل لائبریری، پیرس، مرتبہ ڈی سلان-۵۰-۱۶۴۴

برٹش میوزیم: فہرست عربی مخطوطات، برٹش میوزیم-۱۶۴۶

ریو : ضمیمہ فہرست عربی مخطوطات، برٹش میوزیم، مرتبہ ریو-۵۸۸ ۳۷۳؎

التمثیل والمحاضرة فی الابیات المفردة النادرة

بروکلمن نے اس کا نام تمثال الامثال الثائرة فی الابیات الفریاة النادرة لکھا ہے۔

صاحب "ایضاح المکنون" التمثیل والمحاضرة کے متعلق رقم طراز ہیں:

" التمثیل والمحاضرة بالابیات المفردة النادرة تألیف قطب الدین محمد بن

علاء الدین احمد بن شمس الدین محمد الحنفی مفتی الحرمین المتوفی سنة ۹۸۸ ثمان و ثمانین وتسعمائة"۔ ۳۷۴؎

ڈاکٹر زبید احمد کی تحقیق کے مطابق "التمثیل والمحاضرة" کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

قاہرہ : فہرست عربی کتب ومخطوطات، خدیوی کتب خانہ، قاہرہ-۴/۲۲۹

لیڈ : Catalogue Codicum Orientalium Biblio the Cae Acadamiae Luadund- BATAVAE. No. 376 ۳۷۵؎

الكنز الأسمى فی فن المعمی

شیخ قطب الدین کا ایک رسالہ ہے جس کے اوّل صفحہ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"اول ما ینطق به اللسان آخر دعوی ساکنی الجنان الخ "

عبدالمعین بن احمد نے جو ابن البکا البلخی کے نام سے مشہور ہیں انھوں نے ایک رسالہ ۹۹۳ھ میں لکھا اور اس کا نام "الطرز الاسمی علی کنز المعما" رکھا، گویا یہ شیخ قطب الدین کے رسالہ کی شرح ہے۔

صاحب "کشف الظنون" "الکنز الأسمی فی فن المعمی" کے متعلق لکھتے ہیں:

"کنز الاسما فی علم المعما لقطب الدین محمد بن علاء الدین علی المکی رسالة اولها اول ما ینطق به اللسان آخر دعوی ساکنی الجنان الخ وتوفی سنة "۹۸۸" وصنف عبدالمعین بن احمد الشهیر بابن البکا البلخی کتابا صغیرا سماه الطراز الاسمی علی کنز المعما فصار کالشرح له اتمه فی سنة ۹۹۳ ثلاث وتسعین وتسعمائة"۔ ۳۷۶؎

ڈاکٹر زبید احمد کی تحقیق کے مطابق "الکنز الأسمی فی فن المعمی" کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

برلن : فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ برلن، مرتبہ اہل وارث-۷۳۴۶

اسکر : Escur - Derenbourg, ho - Les Manuscrits Arabes DeL,

۳۷۷ Escuriali. 556

مناسك قطب الدين

شیخ قطب الدین کی مناسک حج پر بہت عمدہ کتاب ہے۔

صاحب "کشف الظنون" "مناسک قطب الدین" کے متعلق رقم طراز ہیں:

"مناسك قطب الدين– محمد بن احمد بن علاء الدين محمد النهروالی الهندی المکی المتوفی سنة ۹۹۱ احدی وتسعين وتسعمائة وهو كتاب حافل جامع لاكثر ما يحتاج اليه الحاج شامل لذلك وقد افرد ادعية الحج من المناسك فی رسالة مستقلة"۔ ۳۷۸

یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کتاب چھپ چکی ہے یا اس کا مخطوطہ کسی کتب خانہ میں موجود ہے۔

الجامع فی الحديث

الجامع فی الحدیث شیخ قطب الدین کی بہت عمدہ کتاب ہے۔ جس میں احادیث کو جمع کیا ہے اور آپ نے احادیث کو بہت عمدہ طریقہ پر مرتب کیا ہے، آپ سے پہلے امام عبدالرزاق بن ہمام الصغانی (متوفی ۲۱۱ھ) اور ابن وہب نے بھی احادیث کو جمع کیا تھا۔

صاحب "کشف الظنون" الجامع فی الحديث کے متعلق لکھتے ہیں:

" الجامع فی الحديث للامام عبدالرزاق بن همام الصغانی المتوفی سنة (۲۱۱ / احدی عشر و مائتين) والفاضل قطب الدين محمد ابن علاء الدين المکی المتوفی سنة ۹۸۸ ثمان و ثمانين و تسعمائة (۹۹۰) جمع فيه الكتب السنة ورتب وهذب احسن تهذيب ولابن وهب (ابی محمد عبدالله الفهری المتوفی سنة ۱۹۷ سبع و تسعين ومائة ايضا)"۔ ۳۷۹

الجامع فی الحدیث کے بارے میں راقم کو یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کتاب چھپ چکی ہے یا کسی لائبریری میں اس کا مخطوطہ موجود ہے۔

الفوائد السنية فی الرحلة المدنية والرومية

علامہ قطب الدین محمد بن محمد نے ۹۵۹ھ یا اس کے بعد الفوائد السنیۃ کو تصنیف کیا ہے۔

حاجی خلیفہ ''کشف الظنون'' میں رقم طراز ہیں:

"الفوائد السنية فی الرحلة المدنية والرومية للعلامة قطب الدين محمد بن محمد المكی النهروالی (المتوفی سنة ۹۹۱ احد و تسعين وتسعمائة) جمعها فی سنة ۹۵۹ تسع و خمسين و تسعمائة وبعدها"۔ ۳۸۰؎

عبدالقادر عیدروس نے ''النور السافر'' میں آپ کے کلام کے متعدد نمونے نقل کیے ہیں، ان میں سے کچھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

بسيف الحجى عند اهتراز النوائب	تقلدت فاستغنيت عن كل قاضب
وجردت من رأسی الشديد عزائماً	افل بها حد السيوف الغواضب
فضائلهم محصودة فی ثيابهم	واورادهم اتقان هذه المناكب
زمانی رمانی بينهم يستهينني	وليس محلی غير هام الكواكب ۳۸۱؎

آپ کی عربی شاعری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے بعض احباب کو منظوم مکتوب لکھا، جس کا بعض حصہ نقل کیا جاتا ہے:

بعد اهداء اطيب السلام	وابلغ التمحيد والاكرام
وبث شوق لايزال زائدا	وذكر وجد مفرط تزايدا
فتضع الخد علی الارض اذا	قابلت ذاك الضريح لايذا
ثم تقول يا بني الرحمة	للعالمين وجميع الأمة

''اضعف خلق اللہ قطب الدین''۔۳۸۲؎

....

اقبل كالغصن حين يهتز	فی حلل دون لطفها الخز
مهفهف القد ذو محيا	بعارض الخد قد تطرز
حرم من وصله مباحاً	لما اصل القلا وجوز
يا قطب لا تسل عن هواه	واثبت وكن فی هواه مركز ۳۸۳؎

....

الدن لی والكأس والقرقف	وللفقيه الكتب والمصحف

لاتنكروا حالي ولا حاله　　كل مما ينفعه اعرف
عارضه لام وفي صدغة　　واو ولكن آه لو يعطف
عزيز مصر الحسن لوكان في　　زمانه هام به يوسف

....

شمس الضحى بعد العشى　　زارت فزال تلهف
واستقبلت بدر السما　　فنظرت للقمرين في

....

عذولي زادني في الحب عذلا　　واكثر في مغالبتي وآذا
وصار يلوم من اهواه حتى　　شكى من لوم عذالي و آذا

....

بلغ حبيبي بعض ما　　ألقاه اذا بصرته
اما عذولي قل له　　دع عنك ما أضمرته

....

لنا ان دارت الكأس العقاد　　باطراح الرماح دم مدار

ادیب فاضل جمال الدین ابن ملازادہ نے ماہ رمضان میں شیخ قطب الدین کومندرجہ ذیل دو اشعارلکھ کر بھیجے۔

يا قطب اهل العلم في ام القرى　　رمضان هل ببهجة لم توصف؟
فتهن وحدك ان ذاتك اصبحت　　هي اشرف في اشرف في اشرف

علامہ قطب الدین حنفی نے اس کا مندرجہ ذیل اشعار میں جواب دیا اور دینار بھیجے۔

يا اوحد الفضلاء انت جمالنا　　فتهن بالشعر الشريف الأشرف
شعر بشعر لاربا فيه وان　　زاد العيار بوزن هذا الأشرف ۳۸۴ھ

شیخ محمد غوث گوالیری

شیخ محمد بن خطیر الدین المعروف محمد غوث گوالیری موصوف بلند پایہ عالم اور کامل شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے مصنف بھی تھے۔

آپ کے خلفا میں شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی بھی تھے، جو ہمارے مقالہ کا موضوع ہے اس وجہ سے آپ کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کرتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۷/رجب المرجب بروز جمعہ ۹۰۷ھ میں گوالیار میں ہوئی[۳۸۵] اور دوسرے قول کے مطابق ۹۰۶ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔[۳۸۶]

آپ کا نسب نامہ مندرجہ ذیل ہے:

"محمد بن خطیر الدین بن عبداللطیف بن معین الدین بن خطیرالدین ابن أبی یذید بن الشیخ فرید الدین العطار الشطاری الگوالیری المشهور بالشیخ محمد غوث کان من کبار المشایخ الشطاریة، ولد ونشأ بمدینة گوالیار"۔ [۳۸۷]

آپ نے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل فرید الدین احمد سے لی، اور چنار گڑھ کے غار میں آپ نے بارہ سال تک عبادت و ریاضت میں گزارے، اس درمیان آپ کی غذا درخت کے پتے تھے۔ عرصۂ دراز تک الحاج المعمر حمید بن ظہیر الشطاری کی خدمت میں رہ کر سلسلہ شطاریہ حاصل کیا، اور ان سے خرقۂ خلافت پاکر صاحب اجازت ہوئے۔

مولانا عبدالحیٔ حسنی ''یادایام'' میں شیخ محمد غوث گوالیری کے متعلق رقم طراز ہیں:

''سلسلۂ شطاریہ شیخ محمد غوث گوالیری کے وساطت سے گجرات پہنچا ہے، جس زمانہ میں ہمایوں کو شیر شاہ سے شکست کھا کر عراق جانا پڑا، شیخ محمد غوث گجرات تشریف لے گئے اور تقریباً بارہ برس وہاں مقیم رہے، وہاں ان کی تکفیر بھی ہوئی اور سلسلہ بھی پھیلا، یہ مزے کی بات ہے کہ رہنے والے گوالیار کے مگر نواح آگرہ و دہلی میں ان کے فضل و کمال سے لوگ نا آشنا، گجرات و دکن کے علما و مشائخ نے ان کو سرآنکھوں پر جگہ دی، علامہ وجیہ الدین علوی، شیخ صدرالدین ذاکر، شیخ سیر محمد، شیخ لشکر محمد، شیخ ولی محمد، شیخ علی شیر اور بہت سے بزرگان گجرات نے اس سلسلہ کو حاصل کیا اور گجرات و دکن میں یہ سلسلہ ایسا پھیلا کہ اور سلسلے اس کے سامنے فنا ہو گئے، شیخ صبغۃ اللہ بھڑوچی اس کو لے کر مدینہ طیبہ پہنچے اور بڑے بڑے مشائخ مدینہ نے ان سے اس کو حاصل کیا۔

شیخ لشکر محمد کے خلیفۂ اجل شیخ عیسیٰ جند اللہ تھے، جو تمام علوم وفنون میں علامہ اور حدیث شریف میں فرد فرید تھے، وہ بھی اسی سلسلہ کے علم بردار تھے، ان کے فیض تربیت سے ایسے ایسے

باکمال مشائخ نکلے جو عرصۂ دراز تک ہندوستان کے باشندوں کو اپنے انفاس قدسیہ سے مستفید فرماتے رہے''۔۳۸۸

مولانا موصوف اپنی عربی تصنیف "نزھة الخواطر" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وكان شيخاً جليلاً وقوراً عظيم الهيبة ذا سخاء و إيثار وتواضع للناس، يسلم عليهم ويقوم لهم وينحني كل الانحناء وقت التسليم سواء كام مسلماً أو وثنياً، وكذلك يرد التحية عليهم، ولذلك كان العلماء ينكرون عليه، وكان لايعبر عن نفسه "بأنا" وقت التكلم بل يقول: الفقير يقول كذا ويفعل كذا"۔۳۸۹

اسی طرح خیرالدین الزرکلی ''الاعلام'' میں آپ کے متعلق رقم طراز ہیں:

"محمد بن خطير الدين بن بايزيد العطار، أبو المؤيد: متصوف هندي. ينعت بالغوث، له "الجواهر الخمس– ط" جزء ان صغيران، في الحروف والأسماء "على اصطلاح المتصوفة" ألفه بكجرات سنة ٩٥٦"۔ ۳۹۰

عبدالقادر بدایونی جو شیخ محمد غوث گوالیری کے ہم عصر تھے اور انھوں نے شیخ موصوف کو دیکھا تھا وہ اپنی مشہور تصنیف ''منتخب التواریخ'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شیخ محمد غوث شیخ ظہور اور حاجی حضور عرف حاجی حمید کے مرید ہیں شطاری سلسلہ میں ان کا نسب سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامیؒ سے ملتا ہے۔ ابتدائی حال میں وہ بارہ سال تک کوہستان چنار کے دامن میں مقیم رہے، نماز ان کا ٹھکانہ تھا اور غذا درختوں کے پتے، اس عرصہ میں انھوں نے بڑی سخت ریاضتیں کیں، علم ''اسماء الٰہی'' میں مقتدا اور صاحب تصوف تھے، اس علم کی اجازت ان کو اپنے بڑے بھائی شیخ بہلول سے جو بڑے صاحب کرامت بزرگ گزرے ہیں حاصل تھی ان دونوں بزرگوں سے ہمایوں بادشاہ مغفرت پناہ کو بڑی مخلصانہ عقیدت تھی ہمایوں کو شاید ہی کسی اور سے ایسی عقیدت رہی ہو، ان ہی سے ہمایوں نے بھی ''دعوت اسماء'' کا طریقہ سیکھا تھا۔

جب شیر شاہ نے اقتدار سنبھالا تو ہمایوں کے تعلق کی وجہ سے وہ شیخ محمد غوث کے خلاف ہوگیا، اس

لیے شیخ گجرات چلے گئے۔ وہاں کے حکام وسلاطین نے سر آنکھوں پر لیا اور وہ سب شیخ کے عقیدت مند رہے۔

شیخ کی کرامتوں اور کمالات باطنی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ میاں شیخ وجیہ الدین جیسا تبحر عالم ربانی بھی ان کی بارگاہ تقدس کا حاشیہ نشین بن گیا تھا۔ ان کے دامن فیض سے دہلی گجرات اور بنگالہ میں کتنے ہی صاحب مرتبہ بزرگ پیدا ہوئے۔ ان کے کمالات روحانی کے آثار اب تک ہندوستان میں باقی ہیں۔

۹۶۷ھ میں شیخ ممدوح گجرات سے آگرہ آئے تھے، اکبر کی نوعمری کا زمانہ تھا، وہ ان کی تحریص و ترغیب پر ان کے مریدوں میں شامل ہوگیا لیکن کچھ ہی دن بعد ان کا منکر ہوگیا۔ خان خاناں بیرم خان اور شیخ گدائی سے ان کی نبھ نہ سکی اس لیے وہ ناراض ہوکر گوالیار چلے گئے۔ وہاں ایک خانقاہ قائم کرکے مریدوں کی تربیت وتکمیل میں مشغول رہے۔ سماع وسرور اور وجد کا بھی ذوق تھا بلکہ انھوں نے سماع کے متعلق رسالہ بھی تصنیف کیا تھا۔

شیخ نہایت سخی دریا دل آدمی تھے، طبیعت میں بڑا انکسار تھا چنانچہ کبھی اپنے آپ کو ''میں'' نہیں کہا، ہمیشہ خود کو ''فقیر'' ہی کہا کرتے تھے۔ اس معاملہ میں ان کو اتنا کچھ غلو تھا کہ جب کسی کو غلہ دیتے تو اس کے وزن کو ظاہر کرنے کے لیے ''من'' کا لفظ ادا نہیں کرتے تھے بلکہ کہتے تھے اتنے میم اور نون (من) فلاں آدمی کو دے دو''۔[۳۹۱]

آپ کا تعلق ہمایوں بادشاہ سے تھا غالبًا اسی وجہ سے شیر شاہ آپ سے ناراض ہوگیا اس کے علاوہ بعض حاسدوں نے آپ کی تصنیف ''معراج نامہ'' شیر شاہ کے سامنے پیش کی اور یہ کہا کہ اس میں بہت سی خلاف شرع باتیں ہیں اس پر وہ اور غضب ناک اور آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہوگیا اور آپ ہجرت کرکے گجرات تشریف لے آئے۔

معراج نامہ میں شیخ محمد غوث نے اپنی معراج کی کیفیت بتائی ہے اور کچھ ایسی باتیں لکھیں ہیں جو ظاہر میں عقلاً ونقلاً قابل ملامت اور مذموم معلوم ہوتی ہیں مگر ان کو شیخ وجیہ الدین جیسا عالم تبحر ہی سمجھ سکا، شیخ موصوف نے فرمایا کہ ہم ارباب قال ہیں اور شیخ اہل حال، ہمارا ذہن ان کے کمالات کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور ظاہر شریعت میں کوئی اعتراض ان پر نہیں آتا۔ اور آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس میں لکھا کہ

صوفیاے کرام حالت سکر میں جو کہہ جاتے ہیں وہ قابل مواخذہ نہیں ہوتا۔

شاہ محمد غوث جب گجرات تشریف لے آئے تو یہاں علما نے معراج نامہ کے مندرجات پر ایک طوفان برپا کردیا اور آپ کے قتل کے درپے ہوگئے۔

عبدالقادر بدایونی اپنی تصنیف ''منتخب التواریخ'' میں واقعۂ مذکورہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

''جب سلطان محمود گجراتی کے زمانے میں شیخ محمد غوث ہندوستان سے گجرات گئے تو شیخ علی متقی نے جو مشائخ کبار اور اپنے وقت کے علماے روزگار میں تھے، ان کے قتل کا فتویٰ دیا، سلطان نے اس کا اجرا میاں وجیہ الدین کی راے پر موقوف کردیا، چنانچہ میاں وجیہ الدین شیخ کی ملاقات کو گئے اور پہلی ہی ملاقات میں ان کے ایسے معتقد ہوئے کہ بے اختیار ہوگئے اور اس فتویٰ کو پرزے پرزے کرڈالا۔ یہ سن کر شیخ علی متقی ان کے مکان پر گئے اور ان سے کہا تم کیوں بدعت کے رواج پر راضی ہوگئے؟ شرع میں رخنہ ڈالتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا۔ ہم ارباب قال ہیں اور شیخ اہل حال، ہمارا ذہن ان کے کمالات کو نہیں سمجھ سکتا، اور ظاہر شریعت میں کوئی اعتراض ان پر نہیں آتا، غرض ان کے اثر سے تمام گجرات کے حکام شیخ محمد غوث کے معتقد ہوگئے اور شیخ نے اس بلا سے نجات پائی''۔۳۹۲؎

شیخ وجیہ الدین علوی، شاہ محمد غوث سے اتنے متاثر ہوئے کہ شرف بیعت حاصل کرلیا، عبدالقادر بدایونی مزید لکھتے ہیں:

''شیخ وجیہ الدین علوی کوئی معمولی عالم نہ تھے، اپنے عہد کے جلیل القدر علما میں ان کا شمار کیا جاتا تھا بلکہ اگر سرآمد علما کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا... آپ علوی نسب سے تعلق رکھتے تھے، لیکن اپنے نسب کو انھوں نے مسافر ہونے کی وجہ سے شہرت نہ دی، اپنے زمانہ کے بڑے عابد و متقی عالم تھے، شریعت کی نہایت پابندی کرتے تھے گوشہ نشینی ان کا شعار تھا، ہمیشہ دینی علوم کے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے تمام عقلی اور نقلی علوم پر قدرت و عبور حاصل تھا، چنانچہ ''صرف ہوائی'' سے لے کر ''قانون''، ''شفا''، ''شرح مفتاح'' اور عضدی جیسی کتابوں سے شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جس پر انھوں نے شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو، ایک مخلوق ان کے علمی افادہ سے فیض اُٹھاتی رہی... ارادت کا تعلق تو کسی اور سے تھا، لیکن شیخ محمد غوث سے تربیت وارشاد حاصل کیا تھا اور آداب طریقت میں

ان کے پیرو تھے۔ ان ہی کے پاس سلوک کی تکمیل کی تھی، صوفیانہ مشرب سے بڑا ذوق اور مناسبت تھی''۔ ۳۹۳؎

گجرات میں اٹھارہ انیس سال گزارنے کے بعد شاہ محمد غوث ۹۶۶ھ میں اکبر آباد تشریف لائے۔ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

''۹۶۶ھ میں شیخ محمد غوث اپنے مریدین اور معتقدین کے ساتھ بڑے کرّ وفر سے گجرات سے آگرہ تشریف لائے، شہنشاہ اکبر عقیدت مندانہ پیش آیا۔ شیخ گدائی کو تنگ نظری اور نفاق وحسد کی وجہ سے شیخ محمد غوث کا آنا اور ان کی دوکان پر دوکان لگانا نہ بھایا، خان خاناں کو بھی جس طرح شیخ سے پیش آنا چاہیے تھا، پیش نہ آیا، کیونکہ شیخ گدائی نے اس کے مزاج میں پورا رسوخ پیدا کرلیا تھا بلکہ اس نے تو مختلف مجالس منعقد کر کے شیخ محمد غوث کے رسالہ کو سامنے رکھا اور کہا کہ شیخ نے اس میں اپنی معراج کی کیفیت بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ مجھ کو بیداری میں حضرت رب العزت شانہ سے مجالسہ ومکالمہ ہوا ہے اور اس طرح حضرت رسالت پناہی ﷺ پر بھی تقدیم کی ہے۔ اسی قسم کی اور خرافات جو عقلاً ونقلاً قابل ملامت اور مذموم ہیں، مجالس میں شیخ کی طرف منسوب کی گئیں، شیخ کو اس میں گھسیٹ کر نشانۂ تیر ملامت بنایا گیا۔ یہاں تک کہ شیخ محمد غوث آزردہ خاطر ہوکر گوالیار تشریف لے گئے اور وہاں سلسلۂ رشد وہدایت جاری کیا، اور جو ایک کروڑ کی جاگیر عطا کی گئی تھی اس پر قناعت کی''۔ ۳۹۴؎

آپ کی وفات ۱۴ر رمضان المبارک بروز پیر ۹۷۰ھ میں اکبر آباد میں ہوئی اور گوالیار میں مدفون ہوئے۔ ۳۹۵؎

عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ شاہ محمد غوث کا انتقال اکبر آباد میں ہوا اور لاش مبارک گوالیار لے جائی گئی اور یہیں دفن کیا گیا۔ ۳۹۶؎

مزار مبارک پر اکبر بادشاہ کی طرف سے شاہ محمد غوث کے صاحب زادے شیخ عبداللہ کی نگرانی میں شاندار مقبرہ تعمیر ہوا۔

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے ''معارف'' کے اپنے ایک مضمون میں وضاحت کی ہے کہ شاہ محمد غوث کی اولاد کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیلات ایک مستند مخطوطہ سے نقل کی گئی ہیں جو موصوف کے خاندان

کے چشم و چراغ سید خطیر الدین صاحب نے عنایت فرمایا تھا۔

شاہ محمد غوث گوالیاری نے چار شادیاں کیں، ان سے نو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

پہلی بیوی سے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

(۱) قطب عالم شاہ عبداللہ المعروف بہ شیخ بدھا، آپ کا مزار مبارک گوالیار میں روضہ شاہ محمد غوث کے بائیں جانب ہے۔

(۲) میر شاہد، آپ کا مزار روضۂ مذکور کے ایوان میں ہے۔

(۳) میر ہادی شریف، مزار روضۂ مذکور کے صحن میں ہے۔

(۴) بی بی زاہدہ

(۵) بی بی مالحہ

دوسری بیوی سے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

(۱) میر علی، مزار گوالیار میں روضۂ شاہ محمد غوث کے صحن میں ہے۔

(۲) میر ولی، مزار صحن روضۂ مذکور میں ہے۔

(۳) بی بی کریمہ

(۴) بی بی رحیمہ

تیسری بیوی سے ایک صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہوئیں۔

(۱) شاہ نور الدین المعروف بہ ضیاء اللہ عابد، مزار اکبر آباد میں، بمقام ٹیا محل منڈوی حضرت میں ہے۔

(۲) بی بی حفیظہ

چوتھی بیوی سے تین صاحبزادے ہوئے:

(۱) سید اسمٰعیل

(۲) سید مظفر

(۳) سید ادریس۔ تینوں لوگوں کا مزار گجرات میں ہے۔ ۳۹۷

شیخ محمد غوث گوالیاری کے چند ممتاز خلفا مندرجہ ذیل ہیں:

شیخ لشکر محمد عارف باللہ برہان پوری، شیخ وجیہ الدین گجراتی، شیخ صدرالدین ذاکر، شیخ ولی محمد، شیخ ودوداللہ شطاری، شیخ میاں ابراہیم سرہندی، میاں تان سین، سید کالے شطاری وغیرہ۔

آپ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جواهر خمسه

(۲) اوراد غوثیه

(۳) معراج نامه

(٤) بحر الحيات

(٥) ضمائر و بصائر

(٦) كليد مخازن

(۷) جواهر سبعه

(۸) رساله صغیر

(۹) شرح نور نامه

(۱۰) رفيع الدرجات

(۱۱) سبيل المستحقين والمجذوبين

(۱۲) حسن الاخلاق

(۱۳) كنز الوحده

(١٤) گلزار ابرار

مندرجہ بالا کتب کے متعلق جو معلومات فراہم ہو سکی ہیں، انھیں آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے:

الجواهر الخمسة

جواہر خمسہ شیخ غوث گوالیری نے ۹۲۹ھ میں کوہ چنار پر زمانۂ ریاضت میں تصنیف کی، پھر جب شاہ محمد غوث شیر شاہ سوری کی ایذا رسانیوں سے مجبور ہو کر گجرات تشریف لائے تو مریدین و معتقدین نے التماس کی کہ جواہر خمسہ کی مزید توضیح و تصریح کر دی جائے، چنانچہ آپ نے ۹۵٦ھ میں بعض مقامات کی توضیح و تنقیح کی۔ جب دوسرا نسخہ تیار ہو گیا تو فرمایا: پہلا نسخہ جہاں کہیں بھی ہو اس نسخۂ ثانی سے تصحیح کر کے

مطابق کرلیا جائے۔

جواہر خمسہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر باب کو جوہر سے موسوم کیا ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پہلا جوہر : اقسام عبادت کا بیان، فرائض مذہب اور ہر مہینے اور ہر ہفتے سے متعلق جو عبادات ہیں ان کا ذکر۔

دوسرا جوہر : زہد و تقویٰ کے بیان میں۔

تیسرا جوہر : اسمائے اعظم، ادعیۂ ماثورہ اور احزاب مشہورہ کی دعوت کے اعمال اور ان کی شرطیں۔

چوتھا جوہر : شرب شطاریہ کا بیان۔

پانچواں جوہر: اشغال ورثۃ الحق کا بیان یعنی ان خصوصیات کا جن سے سالک وارث حق ہوسکتا ہے۔۳۹۸

شطاریہ سلسلہ کے صوفیہ کا جواہر خمسہ پر باقاعدہ عمل رہا ہے۔

چنانچہ شاہ وجیہ الدین علوی نے اپنے خلیفہ سید صبغۃ اللہ بھڑوچی، انھوں نے اپنے خلیفہ شیخ احمد الشناوی، پھر انھوں نے اپنے خلیفہ شیخ احمد قشاشی کو جواہر خمسہ کی اجازت دی، موصوف نے شیخ ابراہیم کو، انھوں نے اپنے صاحبزادے شیخ ابوطاہر اور پھر موصوف نے اپنے شاگرد رشید حضرت شاہ ولی اللہ کو جواہر خمسہ کی اجازت دی۔۳۹۹

شاہ محمد غوث نے جواہر خمسہ فارسی میں تصنیف کی تھی، جس کو بعد میں شیخ وجیہ الدین علوی کے تلمیذ رشید سید صبغۃ اللہ بھڑوچی نے عربی میں منتقل کیا پھر ان کے شاگرد شیخ احمد الشناوی نے اس پر حاشیہ لکھا۔۴۰۰

نواب صدیق حسن خاں ''ابجد العلوم'' میں سید صبغۃ اللہ بھڑوچی کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وعرّب الجواهر الخمسة وحرر عليه تلميذه الشيخ احمد الشناوی حاشية وذكر له الشيخ محمد عقيلة المكی ترجمة حسنة فی كتابه لسان الزمان" ۴۰۱

حاجی خلیفہ "کشف الظنون" میں رقم طراز ہیں:

"الجواهر الخمسة للشيخ ابى المؤيد محمد بن خطيرالدين وهو مختصرا وله الحمد لله الاحد الصمد الخ الفه بكجرات سنة ٩٥٦ ست و خمسين وتسعمائة ورتب على جواهر الاول فى العبادة الثانى فى الزهد الثالث فى الدعوة الرابع فى الانكار الخامس فى عمل المحققين من اهل الطريقة"۔۴۰۲؎

اسی طرح خیرالدین الزرکلی "الاعلام" میں رقم طراز ہیں:

"محمد بن خطيرالدين بن بايزيد العطار له "الجواهر الخمس–ط" جزء ان صغيران، فى الحروف والأسماء "على اصطلاح المتصوفة" ألفه بكجرات سنة ٩٥٦"۔ ۴۰۳؎

اوراد غوثیة

اورادغوثیہ شاہ محمد غوث گوالیاری کی صوفیانہ تصنیف ہے، پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب رسالہ معارف میں رقم طراز ہیں:

مفتی غلام سرور لاہوری اور مولانا محمد غوثی نے اس کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، مصنف کے بیان کے مطابق یہ کتاب جمادی الاول ۹۴۹ھ میں تصنیف ہوئی۔

''واملاے مذکور در ماہ جمادی الاول سنہ تسع واربعین وتسعمائۃ است'' (اورادغوثیہ، ص ۵۴)

اورادغوثیہ کے دیباچے میں بھی مصنف نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف جواہر خمسہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''ایں کتاب را اورادغوثیہ نام نہادہ شد، چوں سالک را ازیں اکتفا نہ شود، جواہر خمسہ کہ تصنیف ایں درویش ہمچو دریائے محیط ست کہ رفعت معانی آں ہمچو عرش دارد، ہر چند کہ شناکند در پائیش رفتش پیش آں کتاب را پیشوائے خود سازد و درعمل آرد تا بہ مایۂ مقصود رسد''۔۴۰۴؎

معراج نامه

شیخ محمد غوث کی یہ تصنیف بڑی معرکۃ الآراء ہے۔ اسی کتاب کی وجہ سے شیر شاہ سوری، شیخ موصوف سے بدظن ہوکر آپ کے درپے آزار ہوا اور آپ کو ترک وطن کر کے گجرات جانا پڑا۔

گجرات میں تشریف لے گئے تو یہاں بھی بقول ملا عبدالقادر بدایونی شیخ علی متقی نے شیخ محمد غوث

پر کفر کا فتوی لگا دیا۔ یہ فتوی جب شیخ وجیہ الدین علوی کے پاس گیا، تو انھوں نے اس کو چاک کر دیا اور شیخ علی متقی سے فرمایا:

''ہم ارباب قال ہیں اور شیخ اہل حال، اور ظاہر شریعت میں کوئی اعتراض ان پر نہیں آتا''۔۵۰۵

شیخ محمد اکرام اپنی تصنیف ''رود کوثر'' میں لکھتے ہیں:

''واقعہ مذکورہ کے بعد شیخ وجیہ الدین علوی نے تکفیر کے مسئلے پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا تھا، جس میں ابتداءً فقہی کتابوں سے مسئلہ تکفیر پر روشنی ڈالی، پھر احادیث سے سنداً سب کو مشرح بیان کیا ہے، آخر میں صوفیاے کرام کے احوال سے بحث کی ہے، حالت سکر میں جو کہہ جاتے ہیں وہ قابل مواخذہ نہیں ہوتا۔ پھر سید محمد غوث گوالیاری کی کتاب اوراد غوثیہ پر لوگوں نے جو اعتراضات کیے تھے ان کا جواب دیا ہے۔...آپ کا ارشاد یہ تھا کہ کسی شخص کی سو باتوں میں سے ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اس کو مسلم سمجھو، اور کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہ کہو''۔۵۰٦

پھر جب شیخ محمد غوث گوالیری گجرات سے اکبر آباد پہنچے تو اسی معراج نامہ کی وجہ سے بیرم خاں اور شیخ گدائی در پے آزار ہو گئے، شیخ محمد غوث مجبوراً گوالیار واپس آ گئے۔ غرض یہ کہ اس معراج نامہ کی وجہ سے شیخ محمد غوث کو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ شاہ وجیہ الدین جیسی فکر رسا کس کے پاس تھی جو اس کتاب کے اسرار و معارف کو سمجھ سکتا۔

''غالباً رسالہ معراج نامہ عہد ہمایوں کی تصنیف ہے، کیونکہ ۹۴۷ھ میں شیر شاہ کا غلبہ ہو گیا تھا۔ ۵۰۷

بحر الحیات

یہ کتاب امرت کنڈ کا ترجمہ ہے، جو شاہ محمد غوث نے کیا تھا۔

شیخ محمد اکرام ''رود کوثر'' میں بحر الحیات کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس میں ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں کے اطوار واشغال کو فارسی میں منتقل کیا اور اپنی ابتدائی تصنیف جواہر خمسہ میں بھی ان کی ایک آدھ جھلک دکھائی اس سے شطاریہ طریقے کے اس ارتباط پر روشنی پڑتی ہے جو اس کا ہندو یوگ سے تھا۔ ازمنہ وسطیٰ میں مشرقی ہندوستان کے ہندوؤں میں دو تحریکوں نے جنم لیا۔(ا) ویشنومت میں چیتنیہ کی احیاے مذہب کی تحریک نے جس کا اگر ابتدائی ردّ عمل جونپور سے اٹھنے والی مہدوی تحریک تھی تو آخری جواب حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات تھیں۔

(۲) شیومت والوں میں تنترک طریقوں نے زور پکڑا۔ جس کی نچلی سطح پر خلاف اخلاق مظاہرے اور آئین و رواج سے آزادی تھی اور اس سے بالا روحانی سطح پر ریاضتوں اور یوگ سے عناصر فطرت کو تسخیر کرنے کے ارمان تھے۔ عجب نہیں کہ اس تحریک کی بے آئینی نے مداری فرقے کو متاثر کیا ہو۔ اور روحانی سطح پر تسخیر فطرت کے نیم روحانی طریقے ان ہی اثرات سے شطاری سلسلے میں آگئے ہوں"۔ ۴۰۸

ضمائر و بصائر

ان رسائل میں شاہ محمد غوث نے علم تصوف کے موضوع، مبادی، مسائل اور مقاصد کا بیان ہے اور اس علم کے حقائق اور معاملات ظاہر کیے گئے ہیں۔

کلید مخازن

مبدأ و معاد کے متعلق یہ بڑا عجیب وغریب رسالہ ہے، اس میں علوی و سفلی اشیا کی حقیقتیں، توحید صوفیہ کے مشرب اور کشفی تحقیق کے اصول بتائے گئے ہیں اور ارباب فنا و بقا کے لیے عینی اور علمی موجودات کی شناخت، کشف و معائنہ کے ذریعہ ظاہر کی گئی ہے۔

مولانا محمد غوثی نے لکھا ہے کہ شاہ محمد غوث کے خلیفۂ بزرگ شیخ بدیع الدین جیلانی سمرقندی نے کلید مخازن پر عمدہ حاشیہ لکھا ہے اور تعلیقات لگائی ہیں اور شیخ وجیہ الدین علوی نے بھی اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔

مولانا محمد غوثی نے یہ بھی لکھا ہے کہ احمد آباد (گجرات) میں یہ کتاب میر عبدالاول کے ہاتھ آگئی، موصوف بڑے صاحب معرفت اور ذی علم تھے، جب انھوں نے یہ رسالہ صفحہ بصفحہ مطالعہ فرمایا اور رسالہ کے مغز اور مافیہا کا لطف اُٹھایا تو غوث الاولیا کی خدمت میں مکتوب ارسال کیا جس میں تحریر تھا:

"حکمت و ہیئت کے چند مسئلے جن کی دشواریاں عدم دسترسی ذہن کے سبب سے بہ آسانی حل نہیں ہوئی تھیں، اس مشکل کشا رسالہ کی بدولت آسان ہوگئیں"۔ ۴۰۹

کنزالوحدہ

مولانا محمد غوثی نے لکھا ہے کہ یہ شیخ محمد غوث گوالیاری کی آخری تصنیف ہے، اس کتاب کے ضمن میں توحید کشفی اور ایمان حقیقی کا بیان ہے، موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ محمد غوث کے خلیفہ بزرگ شیخ

بدیع الدین جیلانی سمرقندی نے کنز الوحدۃ پر عمدہ حاشیہ لکھا ہے اور تعلیقات لگائی ہیں۔ ۱۰؎

گلزار ابرار

بعض تذکرہ نگاروں نے گلزار ابرار کو بھی شاہ محمد غوث گوالیاری کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب اپنے مقالہ میں رقم طراز ہیں:

نظامی بدایونی نے قاموس المشاہیر میں لکھا ہے:

آپ کی تصانیف سے گلزار ابرار اور جواہر خمسہ ہیں، اول الذکر میں صوفیاے کرام کے حالات درج ہیں۔ ولیم بیل نے بھی یہی ستم ظریفی کی ہے:

آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان تصانیف میں جواہر الخمسہ اور دوسری گلزار ابرار ہے، مؤخر الذکر میں ہندوستان کے تمام مشائخ صوفیا کے حالات زندگی، جاے مدفن اور بہت سی دوسری باتیں درج ہیں۔

مگر فی الحقیقت گلزار ابرار مولانا محمد غوثی کی تالیف ہے، شاہ محمد غوث کا وصال ۹۷۰ھ میں ہوا اور گلزار ابرار کا سنہ تکمیل و تالیف ۱۰۲۲ھ ہے اور زمانۂ تالیف ۱۰۰۴ھ تا ۱۰۲۲ھ، ظاہر ہے کہ یہ کتاب شاہ محمد غوث گوالیاری کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ محمد غوثی نے گلزار ابرار کے سال اتمام پر یہ قطعہ لکھا ہے:

بے حجابانہ خلوتے دارند　　　چوں بزرگاں دریں چہار چمن

خلوتے بے حجاب گشت ازاں　　　سال اتمام ایں حدیقہ دریں ۱۱؎

شیخ محمد بن طاہر پٹنی

شیخ محمد بن طاہر پٹنی بڑے جلیل القدر محدث تھے اور شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے قریبی لوگوں میں تھے۔ اس لیے ہم ان کے متعلق قدرے تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔

مولانا عبد الحی حسنی ''یاد ایام'' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''علامہ مجد الدین محمد بن طاہر پٹنی ایسے بلند پایہ محدث تھے جن کے فضل و کمال کی شہرت دنیا بھر میں ہے اور ان کی تصنیفات سے علماے حجاز و یمن اسی طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے کہ ہندوستان کے علما''۔ ۱۲؎

صاحب "معجم المؤلفین" آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"محمد طاهر الفتنی الکجراتی، الهندی الصدیقی (ملك المحدثین) محدث، مفسر، لغوی، صوفی، عارف بالرجال ولد فی فتن من بلاد کجرات بالهند، وزار الحرمین، والتقی بکثیر من العلماء وعاد فانقطع للعلم، ودعا الی مناوأة البواهیر، وانکر علیهم بدعتهم فقتلوه بالقرب من اجین، و دفن فی فتن"۔ ۴۱۳

میر غلام علی آزاد بلگرامی "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"هو خادم الاحادیث المقدسة وناصر السنن المؤسسة، تلمذ علی بعض علماء کجرات و أخذ نبذة من العلوم المتداولات، ثم انسلك إلی الحرمین المکرمین زادهما الله شرفاً وعلواً وأدرك علمائهما ومشائخهما لاسیما الشیخ علی المتقی قدس الله سره، وتعاطی منه فیوضات وافره وفتوحات مکأثره وعطف عنان العزم إلی بلده وعاد إلی مسارح اغواده ونجده وصدف جل همته علی إفادة العلوم وشد خرامه علی إعلاء کلمة الحی القیوم"۔ ۴۱۴

اسی طرح صاحب "النور السافر" آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"استشهد الرجل الصالح العلامة جمال الدین محمد طاهر الملقب بملك المحدثین الهندی رحمه الله آمین علی یدی المبتدعة من فرقتی الرافضة السبابة والمهدویة القتالة۔... وکان علی قدم من الصلاح والودع والتبحر فی العلم، وکانت ولادته سنة ثلاث عشر و تسعمائة، وحفظ القرآن وهو لم یبلغ الحنث، وجد فی طلب العلم ومکث کذلك نحو خمس عشرة سنة، وبرع فی فنون عدیده وفاق الاقران حتی لم یعلم ان احداً من علماء کجرات بلغ مبلغه فی فن الحدیث"۔ ۴۱۵

نواب صدیق حسن خاں "ابجد العلوم" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"صاحب مجمع البحار فی غریب الحدیث وفتن بلدة من بلاد کجرات تلمذ

علی علماء بلده وصار راساً فی العلوم الحدیثة والادبیة ورحل إلی الحرمین الشریفین وادرك علماء هما ومشائخهما سیما الشیخ علی المتقی وذكره فی مبدء كتابه مجمع البحار واثنی علیه ثناء حسنا جمیلا وعاد الی بلده وقصر همته علی افادة العلوم وكان طریقته الاشتغال بعمل المداد واعانة كتبة العلوم بهذا الامداد حتی فی حالة الدرس ایضا یشتغل بحله له المغنی فی اسماء الرجال وتذكرة الموضوعات"۔ ۱۶؎

خیرالدین الزرکلی "الاعلام" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"محمد طاهر الصدیقی الهندی، الفتنی، جمال الدین: عالم بالحدیث ورجاله، كان یلقب بملك المحدثین، نسبته إلی فتن (من بلاد كجرات بالهند) ومولده ووفاته فیها، زار الحرمین والتقی بكثیر من العلماء وعاد، فانقطع للعلم. ودعا إلی مناوأة البواهیر وكانوا قومه، أنكر علیهم بدعتهم، فانفردوا به فقتلوه بالقرب من "اجین" ودفن فی فتن"۔ ۱۷؎

اسی طرح مشہور اسلامی مؤرخ مولانا عبدالحی حسنی "نزهة الخواطر" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشیخ الامام العالم الكبیر المحدث اللغوی العلامه مجدالدین محمد بن طاهر ابن علی الحنفی الفتنی الكجراتی صاحب "مجمع بحار الانوار فی غریب الحدیث" الذی سارت بمصنفاته الرفاق واعترف بفضله علماء الآفاق"۔ ۱۸؎

صاحب "شذرات الذهب" آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"جمال الدین محمد طاهر الهندی الملقب بملك المحدثین ولد سنة ثلاث عشرة وتسعمائة وحفظ القرآن قبل أن یبلغ الحنث وجد فی طلب العلم نحو خمس عشرة سنة وبرع فی فنون عدیدة حتی لم یعلم أن أحداً من علماء كجرات بلغ مبلغة فی الحدیث وورث من أبیه مالا جزیلا فأنفقه علی طلبة العلم ... وكان عالماً عاملا متضلعا متبحراً ودعا وله مصنفات منها مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار"۔ ۱۹؎

آپ کی ولادت ۹۱۳ھ میں پٹن میں ہوئی[۴۲۰] اور دوسرے قول کے مطابق ۹۱۴ھ میں ہوئی۔[۴۲۱]
محمد نام اور جمال الدین یا مجد الدین لقب تھا۔[۴۲۲] تذکرہ نگاروں نے آپ کا نام محمد بن طاہر اور محمد طاہر دونوں طرح سے لکھا ہے۔ شاہ عبدالحق دہلوی اور بعض دوسرے تذکرہ نگاروں نے آپ کا نام محمد طاہر لکھا ہے۔ لیکن علامہ محمد غوث شطاری، آزاد بلگرامی اور کئی دوسرے ارباب تذکرہ نے محمد بن طاہر لکھا ہے۔ اور شیخ نے خود اپنی کتابوں میں اپنا نام محمد بن طاہر ہی لکھا ہے۔[۴۲۳]
تاریخ گجرات کے مشہور عالم مولانا سید ابوظفر ندوی نے آپ کا حسب ذیل شجرہ نسب تحریر کیا ہے جو خود شیخ کے ایک خاندانی بزرگ سے ان کو دست یاب ہوا تھا:

"محمد بن طاهر بن علی بن الياس بن ابوالنصر داؤد بن ابوعیسیٰ عبدالملك بن ابوالفتح یونس شامی مؤلف جامع القصص ابن عمر شامی صاحب البداية والنهاية بن عبدالله بن ابوالعطا حسين مفتی بن ابوالمحامد احمد غريب بن ابوقاسم محمد بن ابوالصلاح محمد بن ابوالفيض عبدالله بن ابوالرضا عبدالرحمن بن ابوالبقا قاسم امیر محمد عباس بن ابوالنصر محمد طيفور شامی بن ابوالمجد خلف بن ابوالمجد احمد بن ابوالوجود شعيب بن ابوطلحة بن عبدالله بن عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق صاحب رسول الله"۔[۴۲۴]

اس شجرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نسباً صدیقی تھے اور ان کے آبا و اجداد کا تعلق عرب سے تھا۔ اس کے ثبوت میں چند اشعار بھی پیش کیے جاتے ہیں، جو ان کے پوتے اور ممتاز عالم و فقیہ شیخ عبدالقادر بن ابوبکر کے استاذ شیخ عبداللہ طرفہ انصاری نے کہے تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

قد كان جدّ ابيك بُلّ ضريحه — من اوحد العلماء والفضلاء
اعنی محمد طاهر من منجی — الصديق حققه بغير مراء[۴۲۵]

ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے پردادا کی قبر کو خدا سیراب کرے وہ یکتائے روزگار علما و فضلا میں تھے یعنی محمد بن طاہر بلا شک وشبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھے۔
لیکن آپ کو عام طور پر ہندنژاد اور بوہرہ قوم کا فرد خیال کیا جاتا ہے۔ جمہور کا اتفاق ہے کہ شیخ محمد

بن طاہر کا تعلق بوہرہ قوم سے تھا۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے بھی ''اخبار الاخیار'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی ''مآثر الکرام'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اما شیخ محمد طاہر بہ اتفاق جمہور از قوم بوہرہ است وکلام شیخ عبدالحق دہلوی در اخبار الاخیار ہم تصریح می کند۔ وصدیقی بعضے می گویند بہ اعتبار نسب از جانب مادر بود وبعضے می گویند از جہت اعتقاد بود کہ چون شیعہ خود را حیدری می گویند او خود را صدیقی خواند''۔ ۴۲۶؎

آپ ماں کی جانب سے نسباً صدیقی تھے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نسبت عقیدہ کے اعتبار سے ہے، کیونکہ فرقہ شیعہ اپنے کو حیدری کہتا تھا اس کے مقابلہ میں یہ اپنے کو صدیقی کہتے تھے۔

شیخ محمد بن طاہر نے خود اپنی کتاب ''تذکرۃ الموضوعات'' میں اپنے کو ہندی نژاد قرار دیا ہے:

"فقد قال اضعف عباد القوی الولی محمد بن طاهر بن علی الفتنی الهندی مسكنا ونسباً والحنفی مذهباً: هذا مختصر يجمع اقوال العلماء النقاد"۔ ۴۲۷؎

آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، بلوغ سے قبل ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، اس کے بعد دوسرے فنون کی جانب متوجہ ہوئے۔ انھوں نے طلب علم میں بڑی سعی ومحنت کی اور اس میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا، پندرہ برس کی عمر میں معقول ومنقول اور اصول وفروغ میں اس درجہ کمال حاصل کیا کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فاضل وکامل خیال کیے جانے لگے اسی زمانہ سے درس بھی دینے لگے تھے۔

''مؤرخین کا بیان ہے کہ گجرات میں شیخ محمد بن طاہر اور شیخ وجیہ الدین سے زیادہ ممتاز کوئی آدمی نہ تھا''۔ ۴۲۸؎

شیخ محمد بن طاہر کے زمانہ میں گجرات ایک بڑا علمی مرکز تھا۔ خود ان کے وطن نہر والہ پٹن میں علوم و فنون کا چشمہ جاری تھا۔ قدیم پایہ تخت ہونے کی وجہ سے یہاں اصحاب علم وفن اور صوفیہ ومشائخ کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اس لیے سب سے پہلے شیخ نے اپنے وطن ہی کے مولانا شیخ ناگوری، شیخ برہان الدین سمہودی، مولانا یداللہ سوہی، ملامتھ یا مٹھ وغیرہ علما وفضلا کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔

شیخ محمد بن طاہر اپنے وطن میں تعلیم مکمل کرنے اور کتب متداولہ سے فراغت کے بعد حرمین تشریف لے گئے اور وہاں کے مندرجہ ذیل بزرگوں سے فن حدیث کی تحصیل کی۔

"شيخ ابوالحسن بكری، علامه احمد بن حجر هيثمی، شيخ احمد بن حجر

مصری مکی صاحب صواعق محرقه، شیخ علی بن عراق، شیخ جار الله بن فهد مکی، شیخ عبدالله عیدروس مدنی، شیخ علی مدنی، شیخ برخوردار سندھی، شیخ عبیداللہ حضرمی، شیخ ابی عبیداللہ زبیدی"۔[۴۲۹]

مکہ معظمہ ہی میں شیخ علی متقی کی بارگاہ فضل وکمال میں بھی ان کی رسائی ہوئی اور ان سے خاص طور پر استفادہ کیا، اپنی کتاب ''مجمع بحار الانور'' کی ابتدا میں ان کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا ہے۔ یہ عقیدت اور تعلق اس قدر بڑھا کہ ان سے بیعت بھی ہوئے۔[۴۳۰]

حجاز میں کئی برس قیام کے بعد جب آپ وطن واپس تشریف لائے تو پورے طور پر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے۔[۴۳۱]

آپ نے اپنے وطن نہروالہ پٹن میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ جس میں ہر قسم کے علوم پڑھائے جاتے تھے مگر یہ حدیث کی تعلیم کے لیے زیادہ مشہور تھا۔ وہ اس کے خود مدرس اعلیٰ تھے، ان کے بعد ان کے لڑکے اور پوتے کے زیر اہتمام یہ مدرسہ عرصۂ دراز تک چلتا رہا۔ عہد عالمگیری میں جب نیا مدرسہ قائم ہوا تو یہ اسی میں منضم ہوگیا۔[۴۳۲]

فن حدیث کے آپ امام تھے، گجرات میں آپ کے درجہ ومرتبہ کا کوئی محدث نہ تھا، ان کے اس فضل وکمال کے تمام لوگ معترف ہیں دراصل آپ نے فن حدیث میں بے نظیر کمال حاصل کیا تھا اور اپنی زندگی اس مفید اور بابرکت علم کی خدمت کے لیے وقف کردی تھی۔

''آپ کا شمار ہندوستان کے اکابر علما اور افاضل محدثین میں ہوتا ہے رئیس المحدثین اور ملک المحدثین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے ان کے فضل وکمال اور علم حدیث میں خصوصیت وامتیاز کا آوازہ شہرت ہندوستان سے گزر کر دنیائے اسلام میں بھی بلند ہوگیا تھا''۔[۴۳۳]

آپ صلاح وتقوی کے زیور سے بھی آراستہ تھے، دینی حیثیت سے آپ کے بلند مرتبہ ہونے کا ثبوت وہ خواب بھی ہیں جن کو اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کے اور ان کے شیخ علی متقی کے حال میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے جمعہ ۲۷ر رمضان کو خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا اور آپ سے پوچھا اس زمانہ میں سب سے افضل کون ہے: تو آپ ﷺ نے فرمایا تم یعنی شیخ علی متقی! انھوں نے دریافت کیا پھر کون افضل ہے، فرمایا محمد بن طاہر ہندی۔

اسی شب میں شیخ علی متقی کے شاگرد شیخ عبدالوہاب کو بھی خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی اور انھوں نے بھی آپ سے یہی بات دریافت فرمائی تو آپ نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو شیخ علی متقی کو دیا تھا۔ شیخ عبدالوہاب اپنا خواب بیان کرنے کے لیے جب اپنے استاد علی متقی کی خدمت میں آئے تو انھوں نے ان کو کچھ کہنے سے پہلے ہی یہ فرمایا کہ میں نے بھی وہی خواب دیکھا ہے جو تم نے دیکھا ہے۔

صاحب ''النور السافر'' رقم طراز ہیں:

"ومن مناقبه العظيمة انه رأى النبى ﷺ فى المنام وكانت ليلة جمعه وسبع وعشرين فى شهر رمضان فسأله من افضل الناس فى زمانه فقال له : انت قال: ثم من فقال: محمد بن طاهر بالهند، ورأى تلميذه الشيخ عبدالوهاب ايضا فى تلك الليلة النى ﷺ وسأله مثل ذلك فقال له: شيخك ثم محمد بن طاهر بالهند فجاء الى الشيخ على المتقى ليخبره بالرؤيا فقال له قبل ان يتكلم: قد رأيت مثل الذى رأيت"۔ ۴۳۴؎

شیخ محمد بن طاہر میں بڑی دینی حمیت اور ایمانی غیرت تھی، سنت کا اتباع اور اس کی ترویج اور ردّ بدعت ان کی زندگی کا مقصد تھا، آپ کی قوم بوہرہ سنی اور شیعہ دو گروہوں میں بٹی ہوئی تھی، سنی بوہروں میں زمانہ کے اثر اور شیعہ بوہروں کے اختلاط کی وجہ سے گوناگوں بدعتیں پھیل گئی تھیں اور دین داری مفقود ہوئی جارہی تھی اس زمانہ میں مہدویت کا زور واثر بھی بہت بڑھ گیا تھا۔ اس کے پیش نظر شیخ بڑی سرگرمی اور نہایت جانفشانی سے بدعت اور مہدویت کے قلع قمع کرنے اور سنت و دین داری کے فروغ اور بول بالا کرنے کے لیے کمربستہ ہوگئے۔

ادھر مہدوی مذہب کے ماننے والے بھی شیخ سے بڑی نفرت کرتے تھے اور ان کے اور اہل سنت مسلمانوں کے درپے آزار رہتے تھے، چنانچہ موسیٰ خاں اور شیر خاں طالب علم بن کر ان کے مدرسہ میں آئے اور موقع کے منتظر رہتے کہ اگر کبھی ان کو تنہا پاجائیں تو قتل کردیں، چنانچہ ایک روز کوٹھے پر تنہا دیکھ کر وہ دونوں وہاں پہنچ گئے اور تلوار سے ان کے شانہ پر حملہ کیا جس سے شیخ زخمی ہوگئے یہ لوگ اتر کر بھاگ گئے۔ مگر گھبراہٹ اور جلدی میں ایک شخص زینہ سے اترتے وقت گر گیا اور اس کا سر نالی میں چلا گیا شیخ کے ایک شاگرد نے بڑھ کر اس کا کام تمام کردیا اور بھاگ گیا مگر شیر خاں کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس

کے پیچھے سوار لگا دیے سواروں نے احمد آباد کے قریب ایک گاؤں میں اسے پکڑ لیا اور قتل کر دیا۔ ۳۵ھ

شیخ اس حادثہ کی وجہ سے زخمی ہو گئے لیکن جلد ہی ٹھیک ہو گئے اور اسی جوش و خروش کے ساتھ برابر مہدویت اور بدعت کے استیصال میں منہمک رہے، بالآخر مہدویوں کی شورش سے تنگ آ کر آپ نے اپنے سر سے دستار فضیلت اتار دی اور یہ عہد کیا کہ جب تک میری قوم تمام بدعتوں اور ضلالتوں سے تائب نہ ہو جائے گی اس وقت تک میں سر پر عمامہ نہ باندھوں گا۔

شیخ اپنی ان کوششوں میں پوری طرح سرگرم عمل تھے کہ ۹۸۰ھ میں اکبر بادشاہ نے گجرات فتح کر لیا، جب علامہ شیخ محمد بن طاہر سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی تو اس نے ان سے برہنہ سر رہنے کا سبب پوچھا، جب انھوں نے اس کے سامنے حقیقت حال بیان کی تو بادشاہ نے خود ان کے سر پر عمامہ باندھا اور کہا کہ دین کی حفاظت میرا فرض ہے، آپ اپنا کام جاری رکھیں، میں اس میں آپ کی پوری مدد کروں گا چنانچہ اس نے اپنے رضائی بھائی خان اعظم مرزا عزیز کو گجرات کا گورنر مقرر کیا، یہ راسخ العقیدہ سنّی تھا اس نے اپنے ایام حکومت میں شیخ کی پوری مدد کی اور مہدویت کا زور و اثر ختم کرنے میں ان کی مکمل امداد کی، اس کے نتیجہ میں پٹن میں امن و امان ہو گیا۔ اور شیخ محمد بن طاہر مطمئن ہو کر درس و تدریس، رشد و ہدایت اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے، مگر کچھ عرصہ بعد خان اعظم تبدیل ہو گیا اور اس کی جگہ عبدالرحیم خانخاناں گورنر ہوا جس کے عہد حکومت میں شیعہ بوہرے پھر دلیر ہو گئے اور ان کی سرگرمیاں بھی تیز ہو گئیں۔ شیخ نے یہ صورت حال دیکھی تو پھر اپنا عمامہ سر سے اتارا اور آگرہ کا رخ کیا تا کہ بادشاہ کے حضور عرض حال کریں۔

علامہ محمد بن طاہر نے جب آگرہ جانے کا ارادہ کیا تو شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی نے انھیں اشارتاً و کنایتاً مختلف طریقوں سے اس ارادہ سے روکنا چاہا لیکن محمد بن طاہر اپنے ارادہ سے باز نہ آئے۔

۹۸۶ھ میں آپ آگرہ کے لیے روانہ ہوئے، پہلے مالوہ پہنچے اور مشہور شہر سارنگ پور میں تین روز قیام کیا، جب وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک گاؤں سوجی پہنچے جو اجین کے قریب تھا۔

دوسری طرف شیخ کی روانگی کی اطلاع پا کر مہدوی فرقہ کے لوگ بھی ان کے تعاقب میں نکلے تا کہ کہیں موقع پا کر ان کا کام تمام کر دیں۔ چنانچہ ۶ رشوال ۹۸۶ھ کو اسی گاؤں میں جب شیخ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے تو مہدویوں نے نہایت بے رحمی سے انہیں شہید کر دیا۔ لاش وہاں سے پٹن لائی گئی اور آبائی

قبرستان میں دفن کیے گئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیخ نے اپنے جن مریدوں کے یہاں سارنگ پور میں تین روز قیام کیا تھا ان کا نام شیخ حاجی محمد تھا۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے مجھ کو شہید کر دیا۔ تم آ کر کفن دفن کرو۔ چنانچہ وہ اپنے عزیزوں کو لے کر وہاں پہنچے اور جسد مبارک کو سارنگ پور لا کر تجہیز وتکفین کی، جنازہ کی نماز بڑی شان سے ہوئی اور کئی دفعہ ہوئی اور شیخ بھکاری کی قبر میں دفن کیے گئے۔ اکبر بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے لاش پٹن میں منتقل کر دینے کا حکم دیا، چنانچہ لاش پٹن لائی گئی اور ان کی اولاد نے ایک مشہور تعمیر شدہ گنبد خرید کر اس میں دفن کیا، جہاں آج تک لوگ زیارت اور فاتحہ خوانی کے لیے جاتے ہیں۔ ۳۶؎

آپ کی بہت سی تصانیف ہیں، ان میں سے کچھ مشہور کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) توسل (فن رجال میں)
(۲) چهل حديث
(۳) حاشيه توضيح وتلويح
(۴) حاشيه صحيح بخارى
(۵) حاشيه صحيح مسلم
(۶) حاشيه مشكوة المصابيح
(۷) حاشيه مقاصد الاصول
(۸) خلاصة الفوائد (علم صرف میں ہے)
(۹) دستور الصرف (علم صرف میں ہے)
(۱۰) رساله احكام بئر
(۱۱) رساله امساك مطر
(۱۲) رساله فضيلت صحابه
(۱۳) رساله كحليه
(۱۴) رساله نهروله (دشمنوں کے خوف سے رسالہ مکیہ کے نام سے مشہور ہوا۔)
(۱۵) سوانح نبوى (ﷺ) یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت

سے وفات تک کے حالات سال بسال تحریر کیے ہیں۔

(۱۶) شرح عقیدہ (علم کلام میں ہے)

(۱۷) طبقات حنفیه

(۱۸) عدة المتعبدين

(۱۹) كفاية المفرطين

(۲۰) مختصر اتقان

(۲۱) مختصر مستظهريه

(۲۲) مقاصد جامع الاصول (صحاح ستہ کی حدیثوں پر مشتمل ہے)

(۲۳) منهاج السالكين (راہ سلوک میں سالکین کو جن احادیث کی ضرورت ہوتی ہے، انھیں اس میں پیش کیا ہے)

(۲۴) نصاب البيان

(۲۵) نصاب الميزان

(۲۶) نصيحة الولاة والرعاة والرعية

(۲۷) المغنى فى ضبط اسماء الرجال

(۲۸) تذكرة الموضوعات

(۲۹) قانون الموضوعات

(۳۰) مجمع بحار الانوار

(۳۱) اسماء الرجال

(۳۲) رسالة فى لغات المشكاة

مندرجہ بالا کتب میں سے بعض کے متعلق جو معلومات فراہم ہوسکی ہیں، انھیں آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔

كفاية المفرطين شرح الشافية

شافیہ جو علم صرف میں ہے اس کی شرح ہے، آسان سے آسان تر الفاظ میں اس کی شرح کی گئی

ہے کہیں لغوی معنی بتادیے ہیں کہیں مصنف نے کوئی غیر معروف مثال دی ہے، تو شارح نے اس کی مشہور مثال دے کر اس کو واضح کر دیا ہے کہیں کوئی پیچیدہ جملہ ہو تو آسان الفاظ میں حل کر دیا ہے۔ ۴۳۷

تذکرہ محمد بن طاہر محدث پٹنی کے مطابق اس کا ایک نسخہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ متوسط تقطیع ۱۲/۸ طویل وعریض، خط نسخ، زبان عربی، ہر صفحہ پر ۱۳ سطریں، کل صفحات ۱۵۷ ہیں۔ ۹۶۱ھ کی تصنیف ہے، کتاب کا سن نہیں دیا گیا۔ کاغذ احمدی سفید ہے شافیہ کا متن سرخی سے دیا گیا ہے اور اس کی شرح سیاہی سے لکھی گئی ہے، کہیں کہیں حاشیہ بھی ہے جو کسی دوسرے شخص کا ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت کے وقت دوسرے نسخے بھی سامنے موجود تھے۔

صاحب ''تذکرہ محمد بن طاہر'' کے مطابق کفایۃ المفرطین کا آغاز عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"الحمد لله الذی بیده الجود والكرم"

اور کفایۃ المفرطین کا اختتام عبارت ذیل سے ہوتا ہے:

"والحمد لله اولاً و آخراً والصلوة والسلام علی سیدنا محمد و آله وصحبه اجمعین"۔ ۴۳۸

اور اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

آصفیہ : کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن۔ نمبر ۲/۸۹۸ ۴۳۹

نصیحة الولاة والرعاة والرعية

سلطان محمود حاکم گجرات کی وفات کے بعد شیر خاں اور موسیٰ خاں فولادی حاکم پٹن خود مختار ہو بیٹھے، یہ دونوں فرقۂ مہدویہ کے پیرو تھے اور اہل سنت کو بہت ایذا دیتے اور نقصان پہنچاتے تھے، ان کو اس ظلم وجور سے باز رکھنے کے لیے شیخ نے یہ رسالہ تحریر فرما کر اس کا حاکموں کے پاس ایک ایک نسخہ بھیجا۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ ۱۹۷۹ء میں ان کو خطہ مہران کے ایک مطالعاتی دورے کے درمیان خیر پور پبلک لائبریری میں شیخ محمد بن طاہر کی مذکورہ بالا کتاب کا ایک قدیم مخطوطہ دیکھنے میں آیا۔ اس مقالہ میں اس نسخہ کا تعارف اور محمد بن طاہر کے حالات قلم بند کرنے کے علاوہ کتاب کا پورا متن بھی شائع کیا ہے، ڈاکٹر صاحب نے اسے محمد بن طاہر کی ایک نو دریافت تالیف بتایا ہے۔ ۴۴۰

شیخ محمد بن طاہر کے آثار کی فہارس میں اس کتاب کا نام تو کجا اس بات کا ذکر بھی نہیں ملتا کہ انھوں

نے اس موضوع پر کبھی قلم بھی اٹھایا تھا۔ تاہم ان کے شائع کردہ متن میں رسالہ کا نام تحفۃ الولاۃ ونصیحۃ الرعیۃ والرعاۃ دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ خیر پور پبلک لائبریری کا مخطوطہ 3/1x18,2/1 سم سائز کے ۸۱ صفحات پر محیط ہے۔ اور ہر صفحہ پر ۶ سم لمبی ۱۳ سطریں ہیں کتابت خط نستعلیق میں ہے اور عناوین سرخ روشنائی میں مرقوم ہیں، اہم الفاظ وعبارات کی نشان دہی سرخ خطوط سے کی گئی ہے، املا کی بعض خصوصیات بھی ہیں یہ نسخہ ۱۰۳۴ھ کا لکھا ہوا ہے گویا مصنف کی وفات ۹۸۶ھ کے نصف صدی بعد کا نسخہ ہے۔

کتاب کی ابتدا میں حمد ونعت اور منقبت کے بعد مصنف لکھتے ہیں:

''جب اس شاہ شیران اعظم وخان خاناں معظم نے اپنے بھائی قطب الخوانین مرحوم طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلق خدا کے سروں پر سے جباروں اور غمازوں کے دبدبے کو ختم کر کے ان کی آسودگی خاطر کے لیے عدل کو عام کرنے، شرعی قوانین کو رواج دینے اور خیر اندیشی اور اولوالامر وقضات کی دوستی اور نصیحت کے جذبے نے مجھے اس بات پر ابھارا کہ اس موضوع سے متعلق نبی کریم ﷺ کی چند احادیث اور ماضی کے فضلا کے کچھ اقوال کو الگ سے لکھا جائے تاکہ وہ متذکرۂ بالا سعی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے اور قطب مرحوم کی مرضی کے اجرا میں مفید و مددگار ثابت ہو سکیں اور پھر اس مجموعے کے ساتھ علم فراست پر مبنی چند لطائف کا بھی اضافہ کر دیا جائے جو امور سلطنت کی تفویض اور مستحقین کو مختلف مناصب کے اعطا میں ایک ناصح وزیر اور واضح دستور کا کام دیں اور ان سے تمام ارباب نظم ونسق کو فائدہ پہنچے اور وہ ان پر عمل پیرا ہو کر آخرت ابدی اور دنیا کی عارضی زندگی کے ثمرات سے بیک وقت کما حقہ بہرہ ور ہو سکیں''۔

مقدمہ کے علاوہ کتاب کے مباحث ومشمولات کی فہرست یہ ہے۔

(۱) فصل درمکارم اخلاق

(۲) "فصل فی فضله"(عام لوگوں کے مقابلہ میں سلطان عادل کی فضیلت)

(۳) فصل فی خطره (اس میں یہ دکھایا ہے کہ اقتدار و بادشاہی جہاں اعزاز کی چیز ہے وہاں اس کے کچھ لوازم بھی ہیں جن کی بجا آوری میں کوتاہی قیامت کے دن سلطان کو گرفتار عذاب بھی کرا سکتی ہے۔)

(٤) فصل در سیرت سلاطین سلف (نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور خلفاے راشدین کے ذکر میں)

(٥) فی شرائط السلطنت (بادشاہوں کو کن چیزوں کو کرنا اور کن سے بچنا چاہیے)

(٦) فصل در حقوق رعایا (مسلم و غیر مسلم رعایا کے بادشاہ پر کیا حقوق ہوتے ہیں)

(٧) فصل در بعض نصائح (سلطان محمد ملک شاہ کے نام امام غزالی کا ایک خط درج کیا ہے)[۴۴۱]

شیخ محمد بن طاہر کے پوتے شیخ عبدالوہاب نے رسالہ مناقب میں مذکورہ بالا کتب کا ذکر کیا ہے۔[۴۴۲]

المغنی فی ضبط اسماء الرجال

اسماء الرجال کی بہت عمدہ کتاب ہے۔ تذکروں اور فہرستوں میں اس کا مکمل نام مختلف طور پر درج ہے۔ لیکن خود مصنف نے ''مجمع بحار الانوار'' کے مقدمہ میں اس کا نام المغنی فی ضبط اسماء الرجال لکھا ہے۔ اس میں رواۃ و رجال کے ناموں کو ضبط کیا گیا ہے اور ان کے حالات سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ اور ان کی تصحیح کی گئی ہے، نہایت مختصر، مگر مفید ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''اخبار الاخیار'' میں رقم طراز ہیں:

''و رسالہٗ دیگر مختصر مسمی بمغنی کہ تصحیح اسماء الرجال کردہ بے تعرض بہ بیان احوال بغایت مختصر و مفید''۔[۴۴۳]

شیخ محمد بن طاہر نے مجمع بحار الانوار میں رواۃ و رجال کے ناموں اور مقامات کو مکمل طور پر ضبط نہ کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس پر اصل بحث المغنی میں ہو چکی ہے، اس لطیف عالمانہ اور عمدہ تصنیف کا اصل مقصد رواۃ کے ناموں کا صحیح تلفظ حروف و حرکات کے ذریعہ ظاہر کرنا ہے، اس لیے اس میں ان کے حالات سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ آخر میں رسم کتابت پر ایک فصل سپرد قلم کی گئی ہے اور دوسری فصل میں علما کی تاریخ پیدائش و وفات کی نشان دہی کی گئی ہے۔[۴۴۴]

مذکورہ بالا کتاب متعدد بار چھپ چکی ہے۔ اور ابن حجر عسقلانی کی ''تقریب التہذیب'' کے حاشیہ پر بھی دہلی سے طبع ہوئی ہے۔

ڈاکٹر زبید احمد کی تحقیق کے مطابق ''المغنی'' کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں۔

(۱) بانکی پور : فہرست عربی مخطوطات-۳۱-۷

(۲) آصفیہ : فہرست کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن-۱:۸۸-۷-۳:۳۵۰

(۳) بوہار : فہرست کتب خانہ بوہار، جلد دوم، عربی مخطوطات-۲۴۲ ۴۴۵ ؏

تذکرۃ الموضوعات

شیخ طاہر پٹنی کی بڑی مشہور کتاب ہے، آپ نے بڑی کاوش اور تحقیق سے اس کتاب کو لکھا ہے، اس میں مختلف عنوانات قائم کر کے ان کے تحت موضوع حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور اس کی تالیف میں متعدد کتابوں سے مدد لی ہے۔

اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ باوجود بے انتہا مصروفیت اور ارباب دولت کے مظالم سے پریشانیوں کے بعض اعزہ کے اصرار سے اس کتاب کو ۹۵۸ھ میں لکھ ڈالا۔

اس میں موضوع حدیثوں کے علاوہ ان کے بارہ میں محدثین اور نقادان فن کے اقوال بھی اس لیے نقل کیے ہیں تاکہ لوگ احادیث کو موضوع، ضعیف یا صحیح قرار دینے میں افراط وتفریط کے بجائے احتیاط سے کام لیں کیونکہ غال اور مفرط قسم کے لوگ محض سنی سنائی باتوں کی وجہ سے حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ کر دیتے ہیں اور خود غور وفکر سے کام نہیں لیتے، اس لیے شیخ محمد بن طاہر نے اس کے مقدمہ میں متنبہ کیا ہے کہ اگر کوئی مصنف کسی حدیث کو موضوع بتائے تو جب تک دوسرے ذرائع سے اس کی تصدیق وتائید نہ ہو جائے اس حدیث کو موضوع نہ سمجھا جائے۔

حافظ ابن جوزی جو اس فن کے امام سمجھے جاتے ہیں مگر انھوں نے حدیثوں کو موضوع قرار دینے میں افراط سے کام لیا ہے اسی لیے علمائے فن نے ان پر نقد وتعاقب کیا ہے، علامہ سیوطی کا بیان ہے کہ ان کی کتاب موضوعات میں ضعیف تو درکنار بہت سی صحیح اور حسن روایتوں کی بھی تخریج کی گئی ہے، علامہ ابن صلاح نے ابن جوزی کی کتاب کی تین سو حدیثوں کے متعلق بتایا ہے کہ یہ موضوع نہیں ہیں۔ ان میں ایک حدیث صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی بھی ہے جو حماد بن شاکر سے مروی ہے اور بقیہ حدیثیں صحاح وسنن کی دوسری کتابوں کی ہیں۔ احمد بن ابی المجد سے منقول ہے کہ ابن جوزی کا ان روایتوں کو موضوع بتانا درست

نہیں ہے جن کے کسی راوی پر اس قسم کا نقد کیا گیا ہے کہ ''وہ ضعیف یا لین ہے یا قوی نہیں ہے'' کسی راوی کے بارے میں اس قسم کے کلام کی وجہ سے اس کی روایت کو موضوع سمجھ لینا زیادتی ہے، اس افراط اور تشدد کے مقابلہ میں بعض کوتاہ اور سہولت پسند قسم کے لوگ ہر اس چیز کو جو حدیث کے نام سے بیان کی جاتی ہے صحیح باور کر لیتے ہیں۔ ۴۴۶؎

علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی اپنی کتاب ''تذکرۃ الموضوعات'' میں رقم طراز ہیں:

"هذا مختصر يجمع اقوال العلماء النقاد: المحدثين السرّاد فى وضع الحديث أو ضعفه حتى يتبين ان وضعه أو ضعفه متفق او انه بسبب متصور قاصر أو سهو ساه مختلف .... فان الناس فيه بين افراط و تفريط فمن مفرط يجزم بالوضع بمجرد السماع من أحد لعله ساه او ذو تخليط ... قد اكثر ابن الجوزى فى الموضوعات من اخراج الضعيف بل ومن الحسان، ومن الصحاح، كما نبه عليه الحفاظ ومنهم ابن الصلاح وقد ميز فى حيزه ثلثمائة حديث وقال لا سبيل الى ادراجها فى الموضوعات فمنها حديث فى صحيح مسلم وفى صحيح البخارى رواية حماد بن شاكر". ۴۴۷؎

مصر سے یہ کتاب چھپ چکی ہے اور اس کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

(۱) بنگال : ''عربی فارسی مخطوطات''، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، اے-بی-۱۸

(۲) آصفیہ : فہرست کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن-۱:۱۱۲۶

(۳) بوہار : فہرست کتب خانہ بوہار، جلد دوم، عربی مخطوطات-۴۷

(۴) دہلی : فہرست عربی مخطوطات دہلی، انڈیا آفس، لندن-۱۶۱

(۵) بانکی پور : فہرست عربی مخطوطات، بانکی پور-۳۱۵ ۴۴۸؎

قانون الموضوعات

اس کتاب میں شیخ نے ان راویوں کو جمع کر دیا ہے، جو موضوع حدیثیں بتاتے تھے یا بیان کرتے تھے ان لوگوں کے نام حروف تہجی سے دیے گئے ہیں آخر میں دو فصلیں کنیت اور نسب میں ہیں۔ انھوں نے راویوں کے نام کے ساتھ ان کے اوصاف بھی بیان کیے ہیں، جن سے ان کا غیر معتبر ہونا واضح ہو جاتا ہے

اور کتابوں کے حوالہ بھی دیے ہیں، اسے تذکرۃ الموضوعات کے بعد مرتب کیا تھا وہ خود لکھتے ہیں کہ تذکرۃ الموضوعات سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ ضعیف، کذاب، وضاع اور مفتری راویوں کو جمع کردوں تا کہ اس کی حیثیت موضوع روایات کی معرفت اور ضعیف اور گھڑی ہوئی حدیثوں کے ضبط کے بارہ میں ایک کلی قاعدہ وقانون کی ہوجائے۔

محدث کبیر شیخ محمد بن طاہر پٹنی اپنی کتاب 'قانون الاخبار الموضوعة والرجال الضعفاء" میں لکھتے ہیں:

"لما استرحت عن اعياء جمع الموضوعات وما فيها من تنقيدات الفضلاء البردة حركني بعض الأعزة وميز الأحبة وصدق الطوية وفرط المحبة أن اجمع الضعفاء من الرواة الكذابين: و أسرد الوضاع والمفترين: ليكون قانوناً كلياً في معرفة الأخبار الموضوعات وضبط الضعاف والمفتريات"۔[۴۴۹]

مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل والاخبار

یہ شیخ محمد بن طاہر کی سب سے اہم اور مہتم بالشان کتاب ہے، ان کا بیان ہے کہ اس کی بنیاد "نہایہ ابن اثیر" اور "ناظر عین الغریبین" پر رکھی ہے، یہ ایک جامع لغت ہے، جس میں کلام مجید اور حدیث کے مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق کی گئی ہے، یہ کتاب اگر چہ مشکل اور غریب الفاظ حدیث کی توضیح کے لیے لکھی گئی ہے اور اس لحاظ سے یہ عدیم المثال ہے مگر مصنف نے چونکہ ان حدیثوں کو بھی نقل کردیا ہے جن میں یہ الفاظ مذکور ہیں اس طرح یہ حل لغات کے علاوہ حدیثوں کی عمدہ شرح وتفسیر بھی ہے، اسی لیے علمائے فن نے اس کو صحاح ستہ کی شرح بھی کہا ہے۔

مشہور اسلامی مؤرخ مولانا عبدالحی حسنی "یادایام" میں رقم طراز ہیں:

"ان کی سب سے مشہور تصنیف لغت حدیث میں "مجمع بحار الانوار" ہے، جس کو یہ کہنا چاہیے کہ وہ صحاح ستہ کی شرح ہے۔[۴۵۰]

جب سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اسی وقت سے اہل علم میں یہ مقبول ہے اور سب کو اس پر اتفاق ہے، شیخ محمد طاہر نے اس کو تصنیف کرکے علما پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

صاحب "کشف الظنون" رقم طراز ہیں:

"مـجـمـع الـبـحـار فـى غـرائـب الـتـنـزيـل ولطائف الاخبار للشيخ محمد طاهر الصديقى الفتنى المتوفى سنة ۹۸۱ احدى و ثمانين تسعمائة "۹۸٤" وله عليه ذيل وتكمله جرى فيه على طريق نهاية ابن الاثير"۔ ۴۵۱

ابوعبدالکبیر محمد عبدالجلیل سامرودی ''تذکرۃ الموضوعات'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"مـصـنـفـات عـديـدة منها مجمع بحار الانوار مع التكمله فى أربع مجلدات فى غريب الحديث على نمط نهاية ابن الاثير"۔ ۴۵۲

صاحب ''ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون'' رقم طراز ہیں:

"مجمع بحار الانوار فى التفسير لمحمد طاهر الهندى من تفسير غريب القرآن والحديث"۔ ۴۵۳

شیخ عبدالوہاب رسالہ مناقب میں لکھتے ہیں:

''مجمع البحار جوایک طرح سے حدیث کی شرح ہے اور حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا ہے''۔ ۴۵۴

ڈاکٹر زبید احمد اپنے مقالہ ''علوم حدیث پر ہندوستان کی عربی تالیفات'' میں رقم طراز ہیں:

"مـجـمـع بحار الانوار فى غرائب التنزيل ولطائف الاخبار" مشہور گجراتی محدث شیخ محمد بن طاہر پٹنی کی تصنیف لطیف ہے، اس کو اپنے مرشد کامل شیخ علی متقی کے نام گرامی سے معنون کیا تھا یہ تصنیف قرآن وحدیث کا جامع لغت ہے الفاظ کی ترتیب مادہ کے حروف پر ہے، ایک مادہ کے جس قدر حروف قرآن وحدیث میں آئے ہیں ان سب کو ایک جگہ بیان کرتے ہیں اور جن احادیث میں وہ الفاظ آئے ہیں ان کو بھی نقل کرتے ہیں، اس سے پہلے غرائب قرآن وحدیث پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن میری ناقص رائے میں یہ سب سے بہتر وجامع تر ہے''۔ ۴۵۵

علامہ شیخ محمد طاہر کے پوتے شیخ عبدالوہاب ''رسالہ مناقب'' میں فرماتے ہیں:

''اس یگانہ روزگار کی کتابیں بے حد قبول ہوئیں۔ چنانچہ قدوۃ المحققین شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس فقیر سے خود فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں تھا اور ہندوستان آنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ عارف کامل حضرت مولانا شیخ علی متقی کو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ گھر جاتے وقت پٹن کی طرف سے جانا کہ وہاں تم کو ایک بڑی نعمت حاصل ہوگی۔ چنانچہ اپنے مرشد اور استاد کے حکم

کے بموجب اس راہ سے واپس ہوا جب موضع کجیہ پہنچا جو پٹن سے دو کوس پر واقع ہے تو شیخ کریم (یعنی محمد بن طاہر) کے بڑے لڑکے شیخ محمد ابراہیم جو میرے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے، مجھے ملے اور وہ مجھ سے اس طرح ملے جیسے مخلص اور شناسا آدمی کے ساتھ ملتا ہے۔ پھر مجمع البحار مجھے عنایت کی اور باوجود اس کے کہ ہماری ان کی کبھی ملاقات نہ تھی پھر بھی صداقت، خلوص اور محبت ایسی دکھائی جو دوستوں کے شایان شان ہے، اس لیے ان سے اس کا سبب پوچھا، انھوں نے فرمایا کہ اس رات کو حضرت شیخ نے مجھے خواب میں فرمایا کہ شیخ عبدالحق مکہ سے روانہ ہو کر اس ملک کے اطراف میں آئے ہیں تم جا کر ان کا استقبال کرو اور کتاب ''مجمع البحار'' ان کو دے دو۔ اس کے بعد عرصہ تک پٹن میں مقیم رہا اور چونکہ اس کتاب کے سوا کوئی دوسری چیز مجھے نہیں ملی، سمجھا کہ ''نعمت عظمیٰ'' سے مراد یہی کتاب ہے''۔[۴۵٦]

کتاب کے مقدمہ میں مصنف نے علم حدیث کی اہمیت بیان کی ہے اور غرائب پر قدیم مصنفین اور علمائے اسلام کے اعتنا اور کتابیں لکھنے کا ذکر کیا ہے، پھر خود اس موضوع پر یہ کتاب لکھنے کی وجہ اس کی نوعیت اور وہ اصول تحریر کیے ہیں جن کو اس کتاب میں مدنظر رکھا ہے، کتاب کے آخر میں مصطلحات حدیث کی وضاحت اور سادات کی تخاریج درج ہے، ذیل میں اس کی چند خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) یہ اپنے موضوع پر اہم اور حاوی ہونے کے علاوہ احادیث کی تشریح و تفسیر کے لحاظ سے بھی نہایت مفید، کارآمد اور بلند پایہ کتاب ہے۔

(۲) ابن اثیر کی نہایہ اس موضوع پر بے نظیر کتاب خیال کی جاتی ہے، مجمع البحار میں اس کے تمام مباحث سمیٹ لیے گئے ہیں اس کی کوئی اہم بحث شاذ و نادر ہی اس میں شامل ہونے سے رہ گئی ہو البتہ جو باتیں زیادہ مشہور ہیں انھیں اس میں قلم انداز کر دیا گیا ہے۔ النہایہ کے علاوہ بھی اس فن کی اہم تصانیف کے مندرجات اور مفید بحثوں کو بھی اس میں نقل کیا گیا ہے۔

(۳) اس موضوع پر اس سے پہلے جو کتابیں لکھی گئی ہیں یہ ان سب کی جامع بھی ہے اور ان پر اضافہ بھی ہے کیونکہ اس میں متعدد ایسے امور سے بھی تعرض کیا گیا ہے، جن کے ذکر سے اس فن کی دوسری کتابیں خالی ہیں۔

(۴) النہایہ کے مباحث کو مجمع البحار میں سمیٹ لیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ

اس میں اس پر متعدد اضافہ بھی کیے ہیں جیسے ابن اثیر نے عموماً کلمات کو ضبط نہیں کیا ہے مگر علامہ پٹنی ان کے ضبط کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اور طلبہ کی سہولت کے خیال سے لفظوں کو اسی ہیئت میں نقل کرتے ہیں، جس میں وہ حدیث میں آئے ہیں۔ اسی طرح صاحب النہایہ مادہ کے ذکر میں حدیث میں وارد اس کے دوسرے صیغوں اور مشتقات کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے ہیں مگر صاحب ''مجمع البحار'' صیغوں اور مشتقات کو بھی ذکر کرتے ہیں، انھوں نے بعض شارحین کے حوالے سے بھی ابن اثیر کے بیان پر اضافے کیے ہیں۔

(۵) یہ کتاب شرحوں کی کتابوں کے مباحث کی جامع بھی ہے، اس موضوع کی کتابوں میں لفظوں کے جو وضعی معنی بیان کیے ہیں ان سے واقفیت کے بعد بھی حدیث کے مفہوم میں اشکال باقی رہتا ہے، جس کے حل کے لیے کتب شروح کی احتیاج رہ جاتی ہے لیکن اس کتاب کا مطالعہ شروح سے بے نیاز کر دیتا ہے، کیونکہ مصنف ان امور کو بھی بیان کرتے ہیں جو شرحوں میں مذکور ہیں۔

(۶) غریب الحدیث کے مصنفین نے ان لفظوں کے معنی نہیں لکھے ہیں، جن کے وضعی معنی معلوم و مشہور ہیں لیکن ''مجمع البحار'' میں اسے اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ زیر بحث حدیث میں اس لفظ کی تاویل کسی خاص نوعیت کی ہوتی ہے۔

(۷) معنی حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے وہ شارحین کے بیان پر اضافہ بھی کرتے ہیں اس لحاظ سے یہ عام شرحوں پر بھی یک گونہ اضافہ ہے۔

مصنف نے خود اس کتاب کا تکملہ اور ذیل بھی لکھا تھا، ان میں اصل پر بعض مفید اور قیمتی اضافہ ہیں، تکملہ اور ذیل دونوں اصل کتاب کے آخر میں شامل ہیں۔

پٹن میں مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا جو قلمی نسخہ اب تک محفوظ ہے، اس کے حاشیہ پر مفید تعلیقات بھی درج ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مصنف ہی کی تحریر کی ہوئی ہیں۔

مجمع البحار کی اہمیت کی وجہ سے مصنف کی زندگی ہی میں اہل علم نے اس کی بے شمار نقلیں تیار کی تھیں اس لیے مختلف کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں، خود مصنف کے کتب خانہ کی جو کتابیں ابھی تک محفوظ رہ گئی ہیں ان میں ''مجمع البحار'' کا ایک قلمی نسخہ بھی ہے جو خاص مصنف ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

مولانا ابوظفر ندوی ''گجرات کی تمدنی تاریخ'' میں رقم طراز ہیں:

''میں نے جب ۱۹۳۲ء میں نہروالہ پٹن میں علامہ محمد طاہر پٹنی کے کتب خانہ کو دیکھا تو بہت افسوس ہوا کیونکہ اس وقت اس کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں تھا اگر آئندہ کوئی سامان نہ ہوا تو جتنا بچا کھچا رہ گیا ہے وہ بھی تلف ہوجائے گا۔ کتاب ''مجمع البحار'' خاص مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اس کتب خانہ سے نکال کر لوگوں نے مجھے دکھائی تھی مگر کسی اندرونی شہادت سے اس کی تصدیق نہ ہوسکی''۔ ۴۵۷

۱۹۶۷ء میں ''مجمع البحار'' کا نیا ایڈیشن دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوا ہے اور اس کے مخطوطات مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

بانکی پور : فہرست عربی مخطوطات، بانکی پور-۲/۱۰۰۱-۹/۱۱۸۸ھ

لوتھ : فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس، مرتبہ لوتھ-۱۰۲۳

ندوۃ : فہارس مطبوعات ومخطوطات عربی وفارسی، کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، (ن)۱۳۵۔

کلکتہ : فہرست عربی وفارسی مخطوطات، کتب خانہ کلکتہ مدرسہ، مرتبہ کمال الدین و عبدالمقتدر، کلکتہ، ۸۰۔ ۴۵۸

شیخ محمود بن خوند میر گجراتی

شیخ محمود خوند میر حسینی، مہدوی، گجراتی سید محمد بن یوسف جونپوری کے مسلک مہدویت کے پیرو تھے اور اپنے والد خوند میر بن موسیٰ کی طرح اپنے مسلک کے داعی تھے۔

اور سید محمد بن یوسف جونپوری کے مسلک مہدویت کے ماننے والوں نے شیخ موصوف کو ''حسین الولایۃ'' اور ''خاتم المرشد'' کا لقب دیا تھا۔

محمود بن خوند میر کی تصنیف ''انصاف نامہ'' ہے جو علم کلام میں اپنے مسلک کی توثیق میں لکھی ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی "نزهة الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

"الشيخ الفاضل محمود بن خوند مير الحسيني المهدوي الگجراتي، كان سبط السيد محمد بن يوسف الحسيني الجونپوري ومن دعاة مذهبه، لقبوه بحسين الولاية وخاتم المرشد، له انصاف نامة، كتاب في الكلام على مذهبه"۔ ۴۵۹

آپ کی سال وفات کا علم نہیں۔

سلطان محمود بن لطیف گجراتی

سلطان محمود بن لطیف بن مظفر بن محمود گجراتی اپنے چچا بہادر شاہ کے بعد اوائل ربیع الاول ۹۴۴ھ میں تخت نشین ہوئے۔ کم عمری کی وجہ سے زیادہ سوجھ بوجھ نہیں تھی، سلطان محمود بن الطیف نے وکالت کا متولی افضل خاں کو بنایا، اور نیابت مطلقہ اختیار خاں کے سپرد کی، اور عہدۂ وزارت پر صدر خاں کو مقرر کیا، اور فوج کا امیر (کمانڈر) عماد الملک کو مقرر کیا۔

سلطان محمود شاہ کے عہد حکومت میں مذکورہ بالا امرا کی آپس میں خانہ جنگی کی وجہ سے بہت سے گجراتی علاقہ ہاتھ سے نکل گئے، مولانا سید ابوظفر ندوی کی اطلاع کے مطابق صرف مندرجہ ضلعوں پر قبضہ تھا۔

''نذر باد، سلطان پور، دھولکا، دھندھوکا، پٹن، احمد نگر، احمد آباد، بڑودہ، بھڑوچ، کیرونج، سورت، کھنبایت، سومناتھ، مہائم، بالاسنور، جھالا واڑ، داہود، جانپانیر، جونا، دیو، دمن''۔[۶۰]

محمود شاہ نہایت متقی، پرہیز گار تھا، علما کی بہت قدر کرتا تھا، حرمین شریفین میں کئی مدرسہ قائم کیے اور کھنبایت میں ایک بندرگاہ کی آمدنی حرمین شریفین کے رہنے والوں کے لیے وقف کر دی تھی۔

مولانا عبدالحی حسنی ''یاد ایام'' میں لکھتے ہیں:

''بہادر شاہ کے بعد اس کا بھتیجا محمود شاہ تخت نشین ہوا، علما کی قدر دانی میں یہ اپنے اسلاف سے کم نہیں تھا، دعوتوں میں اس کا دستور تھا کہ اپنے ہاتھ میں آفتابہ لے کر علما کے ہاتھ دھلاتا تھا، اس کے زمانہ میں سرمایۂ نازش ہندوستان شیخ علی متقیؒ دو بار ہندوستان تشریف لائے، اور اسی کے زمانہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ مکہ معظمہ میں باب العمرہ کے متصل قائم کیا گیا، جس میں علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی اور عز الدین عبدالعزیز زمزمی وغیرہ علمائے مکہ تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، علاوہ اس کے کئی رباط اور مکتب مکہ معظمہ میں تعمیر کیے گئے، محمود شاہ نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اس نے خلیج کھمبایت میں ایک بندرگاہ کی آمدنی محض حرمین شریفین کے رہنے والوں کے واسطے وقف کر دی تھی، جہاں سے ایک لاکھ اشرفیوں کی قیمت کا مال جدہ بھیجا جاتا تھا اور اس کے بھیجنے میں جو کچھ صرف ہوتا تھا، وہ خزانہ شاہی سے دیا جاتا تھا، اس مال کے فروخت سے جو کچھ آمدنی ہوتی تھی، وہ سب اہل حرمین محترمین پر تقسیم کر دی جاتی تھی''۔[۶۱]

مولانا موصوف نے تقریباً یہی باتیں اپنی عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں لکھی ہیں:

"ومن أعماله الصالحة ماوقفه على الحرمين الشريفين من قرى بنواحی کنبایة ۔ ... ومن عمادته بمكة المباركة رباط بسوق الليل فی جوار المولد الشريف النبوی عليه صلوات الله وسلامه، والعين القديمة جارية فيه، يشتمل على مدرسة وسبيل ومكتب الأيتام وخلاوی أرضية وسطحية ورباط بباب العمرة وسبيل بطريق جدة"۔ ۲۶۲ء

اَبوالفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی ''شذرات الذہب'' میں رقم طراز ہیں:

"قال فی النور فی ليلة ثلاثة عشر من ربيعها الاول قتل السلطان محمود شاه بن لطيف شاه صاحب كجرات شهيداً وسببه أن بعض خدمه سولت له نفسه قتله فدبر الحلية وواطأ بعض الوزراء والحرس فقيل دس له سما فی شرابه وفی حلواه فشكا السلطان عقب تناوله حرارة عظيمة اشتعلت بباطنه فاستغاث فقيل بل له سكراً نباتاً ودس له سما ليعجل موته قبل أن يشعر به وقيل بل طلب السلطان الطبيب فبادر ذلك الشقی و ذبح السلطان والطبيب ولم يشعر أحد ثم أرسل رسل السلطان المعتادين الى وزرائه وطلبوهم على لسان السلطان فقدم كل على انفراده من غير شعور له بشئ فكل من دخل من الوزراء قتلوه فلما كثر القتل وقع الاحساس ببعض ماجرى انتهى"۔ ۲۶۳ء

اوائل ربیع الاول ۹۶۱ھ محمود آباد میں آپ کو شہید کر دیا گیا، اور جسد مبارک کو ''سرکھیج'' لے جایا گیا اور آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ ۲۶۴ء

سلطان محمود بن محمد گجراتی

سلطان اَبو الفتح سیف الدین محمود بن محمد المعروف محمود بیگڑھ کی پیدائش ۱۰ر رمضان المبارک ۸۴۹ھ کو گجرات میں ہوئی۔

محمود بن محمد اپنے بڑے بھائی قطب الدین کے مرنے کے بعد محمود شاہ کا لقب پا کر سن ۸۶۳ھ میں تخت سلطنت پر چودہ برس کی عمر میں جلوہ افروز ہوئے۔

مولانا عبدالحی حسنی اپنی اردو تصنیف ''یادایام'' میں محمود بیگڑھ کے عہد حکومت کی مختصر تاریخ اور آپ

کی صفات حسنہ بیان کی ہیں۔طوالت کے خوف سے ہم صرف مولانا موصوف کی عبارت پر اکتفا کرتے ہیں،اس سے محمود بیگڑھ کے عہد حکومت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

''محمود بیگڑھ کو خدا نے وہ تمام صفات حسنہ عنایت کیے تھے جو حکمرانی کے لیے لازم ہیں،اس نے جونا گڑھ اور جانپانیر کے راجاؤں پر فوج کشی کی اور ان دونوں ریاستوں کو ممالک محروسہ سے ملحق کر دیا،محمود شاہ خلجی نے دکن پر فوج کشی کی تو اس نے اہل دکن کی مدد کے واسطے ایک عظیم الشان فوج روانہ کر دی جس سے محمود شاہ کو بے نیل مرام واپس جانا پڑا،شاہان برہانپور کو جب کبھی ضرورت پیش آئی اس نے ان کو بھی مدد دی،خود اپنے ملک کے لوگوں کی ایسی حوصلہ افزائی کی کہ سارا ملک سرسبزی وشادابی میں باغ بہار نظر آنے لگا۔دیہات اور قصبہ آباد و معمور ہو گئے،احمد آباد صنعت وحرفت کا مرکز بن گیا،سورت،بھڑوچ،مہائم،کنبایہ(کھمبایت)وغیرہ بنادر گجرات تجارت کی گرم بازاری سے بہت آباد اور پر رونق ہو گئے،نہروالہ،بڑودہ،سلطان پور،احمد نگر وغیرہ کی شہریت میں اضافے کیے گئے۔جانپانیر کے قریب محمود آباد،جونا گڑھ میں مصطفےٰ آباد اور احمد آباد سے بارہ کوس پر محمود آباد کے نام سے متعدد شہر آباد کیے گئے،ہر ایک جگہ مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کی گئیں''۔۶۵؎

مولانا سید ابوظفر ندوی ''گجرات کی تمدنی تاریخ''میں رقم طراز ہیں:

''سلاطین گجرات کے عہد میں گجرات کے حدود کم وبیش ہوتے رہے،اسی سبب سے ان کے حدود اربعہ بدلتے رہے اسی وجہ سے ہم حدود اربعہ کے بجائے ان ضلعوں کے نام لکھتے ہیں تا کہ آسانی کے ساتھ ان کے مقبوضات اور حدود اربعہ سمجھ میں آجائیں۔

ناگور،جالور،نذربار،سلطان پور،تھانہ،دھولکا،دہندھوکا،پٹن،بڑودہ،احمد آباد،بھڑوچ،کرونج،راندھر،(سورت)،کھنبایت،احمد نگر،مہائم(بمبئی)بالاسنور،جھالا واڑ(پایہ تخت دیرم گام)داہود(دوحد)تھانہ،خاندیس،جانپانیر،جونا گڑھ،دوارکا،دیو،دمن،سندھ کا کچھ حصّہ،یہ تمام ضلعے براہ راست اس کے دائرۂ حکومت میں تھے،اس کے علاوہ کاٹھیاواڑ اور گجرات،کانٹا کی غیر مسلم ریاستیں جیسے ریڈر،راج پیلا وغیرہ اس کی باجگذار تھیں''۔۶۶؎

محمود بن محمد اہل علم کے بڑے قدردان اور سرپرست تھے نتیجتاً عرب وعجم کے بڑے بڑے علما اور

فضلا گجرات میں جمع ہوگئے تھے، آپ کے عہد میں محدثین عرب کا اتنا بڑا اجتماع ہوگیا تھا کہ گجرات کو ہندوستان کا شیراز ویمن کہا جانے لگا تھا۔

مشہور اسلامی مؤرخ مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ومن مكارمه قيامه بتربية العلماء والصالحين لما كان مجبولا على حب العلم وأهله، فاجتمع فى حضرته خلق كثير من أفاضل العرب والعجم، حتى صارت بلاد گجرات عامرة آهلة من العلماء، ووفد عليه المحدثون من بلاد العرب، وأقبل الناس على الحديث الشريف، فتشابهت باليمن الميمون، وفاقت على سائر بلاد الهند فى ذلك"۔ ؎۲۶۷

آپ کے دور حکومت میں بڑے بڑے مندرجہ ذیل علما ہندوستان تشریف لائے، ان حضرات کو بڑے بڑے عہدے دیے گئے اور ''ملک المحدثین'' اور ''رشید الملک'' جیسے خطاب سے نوازا گیا۔

علامہ جمال الدین مالکی مصری جماعت محدثین کے سربراہ تھے اور انھیں ''ملک المحدثین'' کا خطاب دیا گیا تھا، جو ہندوستان میں سب سے پہلا خطاب تھا جو کسی بادشاہ کی طرف سے کسی محدث کو دیا گیا تھا۔ اسی عہد میں مجدالدین محمد الایجی شیراز سے گجرات آئے تھے اور ''رشید الملک'' خطاب کے ساتھ، محمود بیگڑھ کے بیٹے مظفر کے اتالیق مقرر ہوئے تھے۔ ۹۱۶ھ میں محمود بیگڑھ نہروالہ گئے تو وہاں ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی، اور اس میں تفسیر وحدیث پر علمائے وقت کا مباحثہ کرایا، اور شرکا کو بڑے بڑے انعاموں سے نوازا۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' محمود بیگڑھ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"وقت وفد عليه العلامة جلال الدين محمد بن محمد المالكى المصرى، فادناه وقربه إليه وولاه على ولاية الجزية فى سائر بلاده، ولقبه بملك المحدثين وهو أول من لقب بها أحداً فى بلاد الهند، ووفد عليه العلامة مجدالدين محمد بن محمد الايجى، فولاه على تعليم ابنه مظفر شاه، ولقبه برشيد الملك"۔ ؎۲۶۸

تصنیفات

عبدالکریم بن عطاء اللہ شیرازی نے آپ کے لیے ''طبقات محمود شاہی'' اور شمس الدین محمد شیرازی

نے ''مآثر محمود شاہی'' اور شیخ یوسف بن احمد نے منظر الانسان ترجمہ تاریخ ابن خلکان فارسی زبان میں تصنیف کی تھی اور ابوالقاسم بن احمد شافعی معروف بہ ابن فہد نے آپ کے حضور میں ''فتح الباری شرح بخاری'' کا وہ نسخہ پیش کیا تھا جو ان کے والد اور چچا کے قلم کا لکھا ہوا تھا۔

آپ کی وفات بروز پیر ۲/رمضان المبارک ۹۱۷ھ کو ہوئی۔ آپ نے اپنی زندگی کی ۶۸ منزلیں طے کیں اور ۵۵ سال تک کامیاب حکومت کی۔ ۶۹؎

سلطان مظفر حلیم گجراتی

سلطان مظفر بن محمود گجراتی المعروف مظفر شاہ حلیم حکمراں ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے محدث، مفسر اور فقیہ تھے۔ آپ نے بہت کم عمری میں حفظ کر لیا تھا اور فنون حربیہ سے بھی بخوبی واقف تھے، آپ نہایت متقی، پرہیز گار اور سخی تھے، اسی وجہ سے آپ کو ''السلطان الحلیم'' کا لقب دیا گیا تھا۔

آپ کی ولادت بروز جمعرات ۲۰/شوال ۸۷۵ھ میں گجرات میں ہوئی، اور آپ کی پرورش دربار شاہی میں ہوئی، اور علامہ مجد الدین محمد بن محمد الایجی سے علوم متداولہ کی تحصیل کی، اور حدیث کی سند شیخ جمال الدین محمد بن عمر ابن المبارک حمیری، حضرمی سے لی، اپنے والد کی وفات کے بعد بروز منگل ۳/رمضان المبارک ۹۱۷ھ کو تخت نشین ہوئے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''یادایام'' میں آپ کے متعلق رقم طراز ہیں:

''محمود شاہ کے بعد اس کا فرزند رشید نعم الخلف لنعم السلف کا صحیح مصداق مظفر شاہ حلیم تاج وسریر کا مالک ہوا، علوم وفنون میں یہ علامہ محمد بن الایجی کا شاگرد تھا، اور حدیث علامہ جمال الدین محمد بن عمر بحرق سے پڑھی تھی، قرآن مجید کے حفظ کر لینے کا شرف ایسی عمر میں اس کو نصیب ہوا تھا، جس کی نسبت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ''در ایام جوانی چناں کہ اُفتد دانی'' اس فضل وکمال کے ساتھ تقویٰ اور عزیمت کی دولت بھی اس نے خداداد پائی تھی، تمام عمر نصوص احادیث پر عمل رہا، ہمیشہ باوضو رہتا، نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، روزے عمر بھر نہیں چھوٹے، شراب ناب کو کبھی منہ سے نہیں لگایا، کبھی کسی پر بے جا سختی نہیں کی، بدزبانی سے کبھی اپنے منہ کو گندا نہیں کیا، عجیب تر یہ کہ اس پیکرِ تقدس میں سپہ گری اور ملک داری کی صفتیں بھی علیٰ وجہ الکمال مجتمع تھیں، مالوہ کی فتوحات عظیمہ تاریخوں میں پڑھیے، اور ان سے اس کے اخلاق فاضلہ کا اندازہ کیجیے''۔ ۷۰؎

اسی طرح عبدالقادر عیدروس ''النور السافر'' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"السلطان الاعظم مظفر شاہ ابن محمود شاہ صاحب کجرات، وکان عادلا فاضلا محباً لاهل العلم، وکان حسن الخط وکتب بیده جمله، مصاحف ارسل منها مصحفاً الی المدینة الشریفة، وخرجت روحه وهو مساجد والظاهر انه هو الذی وفد علیه الشیخ العلامة بحرق الحضرمی، وصنف بسببه السیرة النبویة وان کان اسم الکتاب یشعر بغیر ذلك فانه ماکان فی ذلك الزمان احد ممن ولی السلطنة اسمه احمد غیره. ولم یزل عنده مجللا مکرماً الی ان مات"۔ ۷۷۱

صاحب "نزهة الخواطر" آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وکان یقتفی آثار السنة السنیة فی کل قول وفعل، ویعمل بنصوص الأحادیث النبویة، وکثیراً ما یذکر الموت ویبکی، ویکرم العلماء ویبالغ فی تعظیمهم، کان لا یحسن الظن بمشایخ عصره فی بدایة حاله ثم مال إلیهم، ولم یزل یحافظ علی الوضوء ویصلی بالجماعة ویصوم رمضان، ولم یقرب الخمر قط، ولم یقع فی عرض أحد، وکان یعفو ویسامح عن الخطائین، ویجتنب الإسراف والتبزیر وبذل الأموال الطائلة علی غیر أهلها"۔ ۷۷۲

آپ کی وفات ۲ر جمادی الاولیٰ ۹۳۲ھ کو ہوئی اور مقام سرکھیج میں والد ماجد کے قریب دفن کیے گئے۔ ۷۷۳

شیخ ولی محمد گجراتی

شیخ ولی محمد حنفی، گجراتی سلسلۂ شطاریہ کے مشہور مشائخ کرام میں سے تھے۔ آپ کی پیدائش اور نشو و نما گجرات میں ہوئی۔ اوّلاً آپ شیخ قطب الدین ذاکر، نہروالی کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے پھر شیخ محمد غوث گوالیاری سے روحانی فیوض و برکات حاصل کیے اور ان سے خرقۂ خلافت پاکر صاحب اجازت ہوئے۔

آپ سن ۹۸۲ھ میں گجرات سے برہانپور منتقل ہوگئے اور برہانپور میں ۹۸۷ھ میں وفات پائی۔ ۷۷۴

آپ کی مشہور تصنیف ''شرح علی نزہۃ الارواح'' ہے۔

صاحب "نزهة الخواطر" لکھتے ہیں:

"الشيخ الصالح ولي محمد الحنفي أحد المشايخ الشطارية، ولد بجانپا نير ونشأ بها، وبايع الشيخ قطب الدين الذاكر، ثم لازم الشيخ محمد غوث الگواليري و أخذ عنه الطريقة، له شرح على نزهة الارواح"۔[475]

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

شیخ یوسف بن احمد گجراتی

شیخ یوسف بن احمد حسینی گجراتی اپنے عہد کے مشاہیر علماے عظام میں سے تھے، آپ کے دادا سید عثمان، شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی، بخاری، گجراتی کے خلفاے کبار میں سے تھے۔

صاحب "نزہۃ الخواطر" لکھتے ہیں:

الشيخ الفاضل الكبير يوسف بن أحمد بن محمد بن عثمان الحسيني الكجراتي أحد الافاضل المشهورين في عصره، وكان جده السيد عثمان من كبار خلفاء برهان الدين عبدالله بن محمود بن الحسين الحسيني البخاري الكجراتي"۔[476]

منظر الإنسان ترجمة تاريخ ابن خلكان

شیخ یوسف بن احمد کی مشہور تصنیف "منظر الإنسان ترجمة تاريخ ابن خلكان" فارسی زبان میں ہے۔ شیخ موصوف نے سلطان محمود شاہ کبیر کے لیے اس کو تصنیف کیا تھا۔ سن ۸۸۹ھ میں شاید اس کو تصنیف کیا تھا۔

مولانا عبدالحی حسنی اپنی عربی تصنیف "نزهة الخواطر" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"له "منظر الإنسان ترجمة تاريخ ابن خلكان" بالفارسية، صنفه للسلطان محمود شاه الكبير، لعله في سنة تسع و ثمانين وثمانمائة"۔[477]

آپ کے تفصیلی حالات اور سال وفات کا علم نہیں۔

☆☆☆

حواشی

۱ تاریخ گجرات، مولانا ابوظفر ندوی، ص:۱۸۰

۲ ایضاً

۳ عرب وہند کے تعلقات، سید سلیمان ندوی، ص:۱

۴ تاریخ گجرات، مولانا ابوظفر ندوی، ص:۱۸۹

۵ رجال السند والہند اِلی القرن السابع، قاضی اطہر مبارک پوری، ص:۱۳۲

۶ یادِ ایام مولانا عبدالحی حسنی، ص:۴۴

۷ اسی کو عربی تاریخوں میں 'نہروالہ' لکھا ہے، اور زمانہ بعد میں پٹن اور عربی میں فتن کے نام سے مشہور ہوا ہے۔

۸ یاد ایام، مولانا عبدالحی حسنی، ص:۴۷

۹ گجرات کی تمدنی تاریخ (مسلمانوں کے عہد میں)، مولانا ابوظفر ندوی، ص:۵

۱۰ اسی الغ خاں کو اہل گجرات الپ خاں اور الف خاں کے ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱۱ یاد ایام، ص:۴۷

۱۲ گجرات کی تمدنی تاریخ (مسلمانوں کے عہد میں)، ص:۶

۱۳ ایضاً

۱۴ یاد ایام، ص:۴۹

۱۵ ایضاً، ص:۵۰

۱۶ ایضاً، ص:۵۱

۱۷ گجرات کی تمدنی تاریخ (مسلمانوں کے عہد میں)، ص:۶

۱۸ ایضاً، ص:۷

۱۹ الإعلام بمن فی تاریخ الہند من الأعلام یعنی نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، مولانا عبدالحی حسنی، ج:۱، ص:۱۶۹

۲۰ ایضاً، ج:۱، ص:۲۳۹

۲۱ ایضاً، ج:۲، ص:۱۱۹

۲۲ ایضاً، ج:۲، ص:۱۶۹

۲۳ ایضاً، ج:۲، ص:۱۶۹

۲۴ ایضاً، ج:۲،ص:۱۸۲
۲۵ ایضاً،
۲۶ ایضاً، ج:۳،ص:۶
۲۷ ایضاً، ج:۳،ص:۱۱
۲۸ ایضاً، ج:۳،ص:۱۲
۲۹ ایضاً، ج:۳،ص:۳۵
۳۰ ایضاً، ج:۳،ص:۳۸
۳۱ ایضاً،
۳۲ ایضاً، ج:۳،ص:۴۴
۳۳ ایضاً، ج:۳،ص:۴۸
۳۴ ایضاً، ج:۳،ص:۵۲
۳۵ ایضاً، ج:۳،ص:۶۰
۳۶ ایضاً، ج:۳،ص:۶۴
۳۷ ایضاً، ج:۴،ص:۶۴
۳۸ ایضاً، ج:۳،ص:۶۷
۳۹ ایضاً، ج:۴،ص:۶۸
۴۰ ایضاً، ج:۳،ص:۶۹
۴۱ ایضاً، ج:۳،ص:۷۲
۴۲ ظفر الوالہ بمظفر وآلہ،عبداللہ محمد بن عمر مکی، آصفی، آغا خانی، ج:۱،ص:۳۲
۴۳ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۷۶
۴۴ ایضاً، ج:۳،ص:۸۲
۴۵ ایضاً، ج:۳،ص:۸۳
۴۶ ایضاً،
۴۷ ایضاً،
۴۸ ایضاً، ج:۳،ص:۸۵
۴۹ ایضاً، ج:۳،ص:۸۶
۵۰ ایضاً،
۵۱ ایضاً، ج:۳،ص:۹۲
۵۲ ظفر الوالہ بمظفر وآلہ، ج:۱،ص:۶
۵۳ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۱۰۵
۵۴ ایضاً، ج:۳،ص:۱۲۲
۵۵ ایضاً، ج:۳،ص:۱۳۰
۵۶ ایضاً، ج:۳،ص:۱۳۲
۵۷ ایضاً،
۵۸ ایضاً، ج:۳،ص:۱۳۵
۵۹ ایضاً، ج:۴،ص:۸
۶۰ ایضاً، ج:۴،ص:۲۰
۶۱ ایضاً،
۶۲ ایضاً، ج:۴،ص:۲۳
۶۳ ایضاً، ج:۴،ص:۳۶
۶۴ ایضاً،
۶۵ ایضاً، ج:۴،ص:۴۱
۶۶ ایضاً، ج:۴،ص:۴۷
۶۷ ایضاً، ج:۴،ص:۵۱
۶۸ ایضاً،
۶۹ ایضاً،
۷۰ ایضاً، ج:۴،ص:۵۸

۷۱ ایضاً، ج:۴،ص:۶۴

۷۲ ایضاً، ج:۴،ص:۷۰

۷۳ ایضاً، ج:۴،ص:۷۲

۷۴ ایضاً،

۷۵ ایضاً، ج:۴،ص:۸۲

۷۶ ایضاً، ج:۴،ص:۸۹

۷۷ ایضاً،

۷۸ ایضاً، ج:۴،ص:۹۲

۷۹ ایضاً، ج:۴،ص:۹۳

۸۰ ایضاً، ج:۴،ص:۹۴

۸۱ ایضاً، ج:۴،ص:۹۷

۸۲ ایضاً، ج:۴،ص:۱۰۰

۸۳ ایضاً، ج:۴،ص:۱۰۲

۸۴ ایضاً، ج:۴،ص:۱۰۹

۸۵ ایضاً، ج:۴،ص:۱۲۳

۸۶ ایضاً، ج:۴،ص:۱۲۴

۸۷ ایضاً، ج:۴،ص:۱۳۲

۸۸ ایضاً، ج:۴،ص:۱۵۲

۸۹ ایضاً، ج:۴،ص:۱۸۰

۹۰ ایضاً، ج:۴،ص:۱۹۴

۹۱ ایضاً، ج:۴،ص:۱۹۵

۹۲ ایضاً، ج:۴،ص:۲۰۸

۹۳ ایضاً، ج:۴،ص:۲۲۴

۹۴ ایضاً،

۹۵ ایضاً، ج:۴،ص:۲۲۶

۹۶ ایضاً،

۹۷ ایضاً، ج:۴،ص:۲۳۶

۹۸ ایضاً، ج:۴،ص:۲۵۹

۹۹ ایضاً،

۱۰۰ ایضاً، ج:۴،ص:۲۶۰

۱۰۱ ایضاً، ج:۴،ص:۲۶۵

۱۰۲ ایضاً، ج:۴،ص:۲۷۸

۱۰۳ ایضاً، ج:۴،ص:۲۷۹

۱۰۴ ایضاً،

۱۰۵ ایضاً، ج:۴،ص:۲۹۷

۱۰۶ یادِایام، ص:۷۷

۱۰۷ النور السافر عن اخبار القرن العاشر، محی الدین عبدالقادر عیدروس، احمد آبادی، ص:۲۰۴۔۲۰۵

۱۰۸ النور السافر، ص:۲۰۴۔۲۰۵، نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۲۸۰

۱۰۹ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۲۸۲

۱۱۰ ایضاً، ج:۴،ص:۲۹۸

۱۱۱ ایضاً،

۱۱۲ ایضاً، ج:۴،ص:۲۹۹

۱۱۳ ایضاً، ج:۴،ص:۳۰۰

۱۱۴ ایضاً،

۱۱۵ النور السافر، ص:۴۱۳

۱۱۶ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۳۱۰ ۱۱۷ ایضاً، ج:۴،ص:۳۱۱
۱۱۸ ایضاً، ج:۴،ص:۳۲۹ ۱۱۹ ایضاً، ج:۴،ص:۳۳۰
۱۲۰ ایضاً، ج:۴،ص:۳۳۲ ۱۲۱ ایضاً،
۱۲۲ ایضاً، ج:۴،ص:۳۴۴ ۱۲۳ ایضاً، ج:۴،ص:۳۵۱
۱۲۴ ایضاً، ج:۴،ص:۳۵۲ ۱۲۵ ایضاً، ج:۴،ص:۳۵۳
۱۲۶ یادایام، ص:۵۱۔۵۲ ۱۲۷ گجرات کی تمدنی تاریخ،ص:۹۔۱۰
۱۲۸ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۱۲ ۱۲۹ ایضاً،
۱۳۰ ایضاً، ج:۳،ص:۱۳
۱۳۱ تحفۃ المجالس (دیباچہ) ملفوظات شیخ شہاب الدین احمد کھتوی، اردو ترجمہ مولانا ابوظفر ندوی، ص:۷
۱۳۲ ایضاً، ص:۶۔۷ ۱۳۳ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۱۴
۱۳۴ ایضاً، ۱۳۵ تحفۃ المجالس (دیباچہ)، ص:۱۱
۱۳۶ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۱۴۔۱۵ ۱۳۷ تحفۃ المجالس (دیباچہ)، ص:۲۰
۱۳۸ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۱۷ ۱۳۹ ایضاً،
۱۴۰ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، ج:۱،ص:۳
۱۴۱ عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ڈاکٹر زبید احمد، ص:۲۹۸
۱۴۲ (ماہنامہ) برہان، دہلی، ج: دوم، مارچ ۱۹۸۵ء، ص:۱۳
۱۴۳ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، مئی ۱۹۳۰ء، ص:۳۴۷
۱۴۴ عربی ادبیات، ص:۲۹۸ ۱۴۵ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۵۵
۱۴۶ عربی ادبیات، ص:۹۰ ۱۴۷ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۴۸
۱۴۸ ایضاً، ج:۳،ص:۵۳ ۱۴۹ ایضاً،
۱۵۰ یادایام، ص:۹۵ ۱۵۱ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۵۴۔۵۵
۱۵۲ عربی ادبیات، ص:۹۰ ۱۵۳ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۴۸
۱۵۴ ایضاً، ۱۵۵ عربی ادبیات، ص:۲۹۶
۱۵۶ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۷۲ ۱۵۷ یادایام، ص:۹۳

۱۵۸۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، سید غلام علی آزاد بلگرامی، ج:۱،ص:۹۷

۱۵۹۔ ابجد العلوم، نواب صدیق حسن خاں، ص:۸۹۳ ۱۶۰۔ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۸۰

۱۶۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ایوب قادری، ص:۳۴۹ ۱۶۲۔ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۸۱

۱۶۳۔ یاد ایام، ص:۹۴

۱۶۴۔ تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان فی تفسیر القرآن، شیخ علاء الدین علی بن احمد مہائمی، ج:۱،ص:۱۰۱

۱۶۵۔ ایضاً، ج:۱،ص:۱۳۸ ۱۶۶۔ ایضاً، ج:۱،ص:۲۴۵

۱۶۷۔ ایضاً، ج:۱،ص:۲۹۲

۱۶۸۔ نقوش قرآن نمبر، نقوش، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء، ج:۲،ص:۶۱

۱۶۹۔ شیخ قشیری اور شیخ بقاعی کے تفصیلی حالات نقوش قرآن نمبر ج:۲،ص:۱۴۱، پر ملاحظہ فرمائیں۔
امام قشیری کی تفسیر ''لطائف الاشارات'' مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تین جلدوں میں موجود ہے۔ جو مرکز تحقیق التراث مصر سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اور امام بقاعی کی تفسیر ''نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور'' اسلامک اسٹڈیز اور شعبہ عربی کی مشترکہ لائبریری میں بائیس جلدوں میں موجود ہے۔ جو مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن سے ۱۳۹۳ھ میں شائع ہوئی ہے۔ (راقم الحروف)

۱۷۰۔ نقوش قرآن نمبر، ج:۲،ص:۱۲۵

۱۷۱۔ مخدوم علی مہائمی (حیات آثار وافکار)، عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی، ص:۱۳۱

۱۷۲۔ نقوش قرآن نمبر، ج:۲،ص:۱۴۵ ۱۷۳۔ مخدوم علی مہائمی، ص:۱۱۱

۱۷۴۔ عربی ادبیات، ص:۳۱۸ ۱۷۵۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ج:۱،ص:۹۷

۱۷۶۔ تعارف مخطوطات کتب خانہ دار العلوم دیو بند، مرتبہ مفتی ظفیر الدین، ص:۲۴

۱۷۷۔ عربی ادبیات، ص:۳۱۸ ۱۷۸۔ یاد ایام، ص:۹۴

۱۷۹۔ عربی ادبیات، ص:۳۱۸

۱۸۰۔ شیخ مہائمی کے اس ترجمے اور حاشیے کے متعلق تفصیلات کتب خانہ بمبئی یونیورسٹی صفحہ ۲۸۲ میں موجود ہیں (عربی ادبیات، ص:۳۱۸)

۱۸۱۔ مخدوم علی مہائمی، ص:۱۱۳۔۱۱۴ ۱۸۲۔ عربی ادبیات، ص:۹۸

۱۸۳۔ ایضاً، ص:۲۹۶ ۱۸۴۔ ایضاً، ص:۳۱۸

۱۸۵۔ مخدوم علی مہائمی، ص:۱۰۶

۱۸۶۔ نزہۃ الخواطر، ج:۳، ص:۹۷

۱۸۷۔ الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی، ج:۷، ص:۱۸۵

۱۸۸۔ الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، ج:۷، ص:۱۸۵، نزہۃ الخواطر، ج:۳، ص:۹۹

۱۸۹۔ نزہۃ الخواطر، ج:۳، ص:۹۷

۱۹۰۔ ہدیۃ العارفین، ج:۲، ص:۱۸۵، الضوء اللامع، ج:۷، ص:۱۸۵، نزہۃ الخواطر، ج:۳، ص:۹۷، الاعلام زرکلی، ج:۶، ص:۵۷، بغیۃ الوعاۃ (فی طبقات اللغویین والنحاۃ) تألیف جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی، شافعی، ص:۲۷

۱۹۱۔ الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، ج:۷، ص:۱۸۵، ہدیۃ العارفین، ج:۲، ص:۱۸۵، نزہۃ الخواطر، ج:۳، ص:۹۷، الاعلام زرکلی، ج:۶، ص:۵۷

۱۹۲۔ کشف الظنون، ج:۱، ص:۶۱۳، ج:۲، ص:۱۲۹۳

۱۹۳۔ بغیۃ الوعاۃ، ص:۲۷

۱۹۴۔ یادِ ایام، ص:۷۶

۱۹۵۔ (شعبہ جاتی تحقیقی مجلّہ) تحقیق شمارہ خاص (۱۰، ۱۱)، سندھ یونیورسٹی پاکستان، ص:۱۰۰

۱۹۶۔ ہدیۃ العارفین، ج:۲، ص:۱۸۵

۱۹۷۔ اس کے چند نسخے ہیں، ان میں سے ایک ضخیم جلد میں مکتبۂ اُدوز میں موجود ہے۔ (الاعلام زرکلی، ج:۶، ص:۵۷)

۱۹۸۔ کشف الظنون، ج:۱، ص:۶۱۳

۱۹۹۔ الاعلام، خیر الدین زرکلی، ج:۶، ص:۵۷، نزہۃ الخواطر، ج:۳، ص:۹۸

۲۰۰۔ کشف الظنون، ج:۲، ص:۱۲۹۳ ۲۰۱۔ ایضاً، ج:۲، ص:۱۷۸۱

۲۰۲۔ ہدیۃ العارفین، ج:۲، ص:۱۸۵ ۲۰۳۔ بغیۃ الوعاۃ، ص:۲۷

۲۰۴۔ کشف الظنون، ج:۲، ص:۱۷۵۲ ۲۰۵۔ حاشیہ کشف الظنون، ج:۲، ص:۱۷۵۱

۲۰۶۔ عربی ادبیات، ص:۳۹۶ ۲۰۷۔ کشف الظنون، ج:۲، ص:۱۵۳۷

۲۰۸۔ ایضاً، ج:۲، ص:۱۵۳۸ ۲۰۹۔ ایضاً، ج:۲، ص:۱۵۳۷۔۱۵۳۸

۲۱۰۔ کشف الظنون، ج:۱، ص:۶۹۶ ۲۱۱۔ ایضاً

۲۱۲ ایضاً، ج:۱،ص:۶۹۶

۲۱۳ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۹۸، کشف الظنون، ج:۱،ص:۵۴۹

۲۱۴ کشف الظنون، ج:۱،ص:۵۴۹ ۲۱۵ ایضاً، ج:۱،ص:۶۱۳

۲۱۶ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۹۹۸ ۲۱۷ ایضاً،

۲۱۸ عربی ادبیات،ص:۳۹۶

۲۱۹ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۹۸، عربی ادبیات،ص:۱۹۷

۲۲۰ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۹۸

۲۲۱ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۵۶۱

۲۲۲ الضوء اللامع، ج:۷،ص:۱۸۶، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، ج:۲،ص:۱۵۰

۲۲۳ نزہۃ الخواطر، ج:۳،ص:۱۰۱ ۲۲۴ ایضاً،

۲۲۵ کشف الظنون، ج:۱،ص:۱۸۹ ۲۲۶ عربی ادبیات،ص:۲۶۳

۲۲۷ یادِ ایام،ص:۷۷،۸۰،۸۱ ۲۲۸ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۱۳

۲۲۹ عربی ادبیات،ص:۲۶۳ ۲۳۰ کشف الظنون، ج:۱،ص:۱۸۹

۲۳۱ ایضاً، ج:۱،ص:۶۸ ۲۳۲ عربی ادبیات،ص:۳۹۸

۲۳۳ فہرست مخطوطات (عربی وفارسی) مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ج:۱،ص:۱۵

۲۳۴ کشف الظنون، ج:۱،ص:۱۸۹ ۲۳۵ ایضاً،

۲۳۶ عربی ادبیات،ص:۲۶۳ ۲۳۷ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۸۹۱،۱۸۹۲،۱۸۹۳

۲۳۸ عربی ادبیات،ص:۳۳۸

۲۳۹ گجرات کی تمدنی تاریخ،ص:۱۰۔۱۱ ۲۴۰ یادِ ایام،ص:۵۴۔۵۵

۲۴۱ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۵۴۔۵۵

۲۴۲ النور السافر،ص:۲۱۰، شذرات الذہب، ج:۸،ص:۲۵۲

۲۴۳ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۵۵، النور السافر،ص:۲۱۰، شذرات الذہب، ج:۸،ص:۲۵۲

۲۴۴ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۶۱ ۲۴۵ ایضاً

۲۴۶ ایضاً، ۲۴۷ ایضاً، ج:۴،ص:۷۰

۲۴۸ ایضاً
۲۴۹ ایضاً، ج:۴،ص:۷۵
۲۵۰ شذرات الذہب، ج:۸،ص:۹۷
۲۵۱ یادایام،ص:۹۶،نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۷۵
۲۵۲ شذرات الذہب، ج:۸،ص:۹۷
۲۵۳ عربی ادبیات،ص:۹۱۔۹۲
۲۵۴ کشف الظنون، ج:۱،ص:۲۰۷
۲۵۵ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۷۵
۲۵۶ عربی ادبیات،ص:۲۹۸
۲۵۷ یادایام،ص:۹۷
۲۵۸ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۷۹
۲۵۹ ایضاً،
۲۶۰ ایضاً،
۲۶۱ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۹۳۹
۲۶۲ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۹۶
۲۶۳ ایضاً
۲۶۴ عربی ادبیات،ص:۹۴
۲۶۵ یادایام،ص:۸۵
۲۶۶ شذرات الذہب، ج:۸،ص:۴۳۰،الاعلام زرکلی، ج:۳،ص:۱۹
۲۶۷ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۱۰۲
۲۶۸ النور السافر ص:۴۳۹۔۴۴۰
۲۶۹ شذرات الذہب، ج:۸،ص:۴۳۰
۲۷۰ یادایام،ص:۷۵
۲۷۱ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۱۰۱۔۱۰۲
۲۷۲ الاعلام زرکلی، ج:۳،ص:۱۹
۲۷۳ عربی ادبیات،ص:۳۰۰
۲۷۴ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۵۴۵
۲۷۵ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۵۴۵
۲۷۶ معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، یوسف الیان سرکیس، ج:۱،ص:۹۳۰
۲۷۷ عربی ادبیات،ص:۳۰۰
۲۷۸ معجم المطبوعات، ج:۱،ص:۹۳۰
۲۷۹ عربی ادبیات،ص:۳۰۰
۲۸۰ گجرات کی تمدنی تاریخ ص:۶۳،۶۴،۶۵
۲۸۱ یادایام،ص:۸۱
۲۸۲ ایضاً، ص:۸۱۔۸۲
۲۸۳ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۱۷۲
۲۸۴ ایضاً، ج:۴،ص:۱۶۸
۲۸۵ ایضاً، ج:۴،ص:۱۷۳
۲۸۶ قاضی عبداللہ بن ابراہیم کے تفصیلی حالات نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۱۸۱،شذرات الذہب، ج:۵،ص:۱۵۳، الاعلام، ج:۵،ص:۶۲، کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۱۷۷،۱۱۷۸، پر ملاحظہ فرمائیں۔

۲۸۷ عربی ادبیات، ص:۹۴ ۲۸۸ النور السافر، ص:۳۵۷

۲۸۹ شذرات الذہب، ج:۸، ص:۴۰۳

۲۹۰ یاد ایام، ص:۷۵ ۲۹۱ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۱۸۴

۲۹۲ شذرات الذہب، ج:۵، ص:۱۵۳، الاعلام، ج:۵، ص:۶۲

۲۹۳ الاعلام، خیر الدین زرکلی، ج:۵، ص:۶۲

۲۹۴ کشف الظنون، ج:۲، ص:۱۱۷۷

۲۹۵ ایضاً، ج:۲، ص:۱۱۷۷۔۱۱۷۸

۲۹۶ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۲۵۵، معجم المطبوعات، ج:۲، ص:۱۴۰۰، النور السافر، ص:۳۳۴، الاعلام، ج:۴، ص:۳۹

۲۹۷ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۲۵۷ ۲۹۸ النور السافر، ص:۳۳۴

۲۹۹ الاعلام خیر الدین زرکلی، ج:۴، ص:۳۹ ۳۰۰ یاد ایام، ص:۱۰۲

۳۰۱ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۲۵۶، عربی ادبیات، ص:۳۲۶

۳۰۲ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۲۵۶ ۳۰۳ عربی ادبیات، ص:۳۹۱

۳۰۴ ایضاً، ۳۰۵ ایضاً، ص:۳۲۵

۳۰۶ الاعلام خیر الدین الزرکلی، ج:۴، ص:۳۹ ۳۰۷ عربی ادبیات، ص:۳۲۶۔۳۴۰

۳۰۸ معجم المطبوعات، ج:۲، ص:۱۴۰۰ ۳۰۹ عربی ادبیات، ص:۳۳۵

۳۱۰ ایضاً، ص:۳۲۶ ۳۱۱ النور السافر، ص:۳۳۹

۳۱۲ ایضاً، ص:۴۱۰ ۳۱۳ عربی ادبیات، ص:۳۲۶

۳۱۴ الاعلام، ج:۴، ص:۳۹ ۳۱۵ عربی ادبیات، ص:۲۶۶

۳۱۶ ایضاً، ص:۳۲۵ ۳۱۷ ایضاً،

۳۱۸ ایضاً، ۳۱۹ ایضاً،

۳۲۰ الاعلام، ج:۴، ص:۳۹ ۳۲۱ عربی ادبیات، ص:۳۲۵

۳۲۲ ایضاً، ص:۳۲۶ ۳۲۳ ایضاً،

۳۲۴ ایضاً، ۳۲۵ ایضاً، ص:۳۴۰

۳۲۶ ایضاً، ۳۲۷ ایضاً

۳۲۸ ایضاً، ص:۴۴۰
۳۲۹ ایضاً
۳۳۰ ایضاً، ص:۳۹۱
۳۳۱ ایضاً،
۳۳۲ ایضاً،
۳۳۳ ایضاً
۳۳۴ ایضاً، ص:۱۸۶
۳۳۵ ایضاً، ص:۳۹۱
۳۳۶ النورالسافر،ص:۱
۳۳۷ ایضاً،
۳۳۸ ایضاً، ص:۲
۳۳۹ ایضاً، ص:۴۸۰
۳۴۰ عربی ادبیات،ص:۳۹۱
۳۴۱ ایضاً،
۳۴۲ النورالسافر،ص:۳۴۰۔۳۴۱
۳۴۳ نزہۃ الخواطر،ج:۴،ص:۲۰۲
۳۴۴ کشف الظنون،ج:۱،ص:۸۰۲
۳۴۵ نزہۃ الخواطر،ج:۴،ص:۲۰۲
۳۴۶ ایضاً،
۳۴۷ ایضاً، ج:۴،ص:۲۲۰
۳۴۸ ایضاً،
۳۴۹ کشف الظنون،ج:۲،ص:۱۹۳۹
۳۵۰ ایضاً،
۳۵۱ نزہۃ الخواطر،ج:۴،ص:۲۴۱
۳۵۲ ایضاً، ج:۴،ص:۲۴۶۔۳۴۶
۳۵۳ ایضاً، ج:۴،ص:۲۴۶
۳۵۴ یادایام، ص:۹۹
۳۵۵ شذرات الذہب،ج:۸،ص:۴۲۰
۳۵۶ معجم المؤلفین،عمررضا کحالہ،ج:۹،ص:۱۷
۳۵۷ نزہۃ الخواطر،ج:۴،ص:۲۵۴
۳۵۸ البدرالطالع،ج:۲،ص:۵۷
۳۵۹ النورالسافر،ص:۳۸۳
۳۶۰ ہدیۃ العارفین،ج:۲،ص:۲۵۵۔۲۵۶
۳۶۱ یادایام،ص:۹۹
۳۶۲ نزہۃ الخواطر،ج:۴،ص:۲۵۸،معجم المطبوعات العربیۃ والمعربہ،ج:۲،ص:۱۸۷۱
۳۶۳ معجم المؤلفین،ج:۹،ص:۱۷،البدرالطالع،ج:۲،ص:۵۸
۳۶۴ اس کا ایک نسخہ مندرجہ ذیل کتب خانے میں موجود ہے۔ Catalogue Codicum orientalium Biblio The Caeacadamiae Luadund Batavae No. 2010 (عربی ادبیات،ص:۳۹۰)
۳۶۵ ایضاح المکنون،ج:۲،ص:۷۸،ہدیۃ العارفین،ج:۲،ص:۲۵۵۔۲۵۶
۳۶۶ کشف الظنون،ج:۱،ص:۱۲۶
۳۶۷ معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ،ج:۲،ص:۱۸۷۱

۳۶۸ عربی ادبات،ص:۱۷۸ ۳۶۹ دائرہ معارف اسلامیہ(اردو)،ج:۲۲،ص:۵۳۰

۳۷۰ کشف الظنون، ج:۱،ص:۲۳۹ ۳۷۱ معجم المطبوعات، ج:۲،ص:۱۸۷۲

۳۷۲ دائرہ معارف اسلامیہ(اردو)،ج:۲۲،ص:۵۳۰

۳۷۳ عربی ادبیات،ص:۳۹۰ ۳۷۴ ایضاح المکنون، ج:۱،ص:۳۲۱

۳۷۵ عربی ادبیات،ص:۳۹۹ ۳۷۶ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۵۱۳

۳۷۷ عربی ادبیات،ص:۳۹۹ ۳۷۸ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۸۳۲

۳۷۹ کشف الظنون، ج:۱،ص:۵۷۶ ۳۸۰ ایضاً، ج:۲،ص:۱۲۹۸

۳۸۱ النور السافر،ص:۳۸۳ ۳۸۲ ایضاً، ص:۳۸۴

۳۸۳ النور السافر،ص:۳۸۵۔۳۸۶،شذرات الذہب، ج:۸،ص:۴۲۰

۳۸۴ النور السافر،ص:۳۸۸ ۳۸۵ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ،۱۹۶۲ء،ص:۳۴۹

۳۸۶ دائرہ معارف اسلامیہ(اردو)،ج:۱۹،ص:۵۰۱

۳۸۷ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۲۶۱ ۳۸۸ یادایام، ص:۹۱

۳۸۹ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۲۶۲ ۳۹۰ الاعلام، ج:۶،ص:۱۱۴

۳۹۱ منتخب التواریخ،عبدالقادر بدایونی،ص:۵۶۴۔۵۶۵

۳۹۲ ایضاً، ص:۵۸۴۔۵۸۵ ۳۹۳ ایضاً، ص:۵۸۴

۳۹۴ ایضاً، ص:۳۴۲ ۳۹۵ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۲۶۳

۳۹۶ منتخب التواریخ،ص:۵۶۵

۳۹۷ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ۱۹۶۲ء،ص:۳۴۹۔۳۵۰

۳۹۸ ایضاً ص:۳۵۹ ۳۹۹ رودکوثر، شیخ اکرام،ص:۳۴۰

۴۰۰ رودکوثر،ص:۳۴۰،تذکرہ علماے ہند،ایوب قادری،ص:۲۴۵

۴۰۱ ابجد العلوم،نواب صدیق حسن خاں،ص:۸۹۸

۴۰۲ کشف الظنون، ج:۱،ص:۶۱۴ ۴۰۳ الاعلام، ج:۶،ص:۱۱۴

۴۰۴ (ماہنامہ) معارف اعظم گڑھ،۱۹۶۲ء،ص:۳۶۱۔۳۶۲

۴۰۵ منتخب التواریخ (اردو)،ص:۵۸۵ ۴۰۶ رودکوثر،ص:۳۹۴

۴۰۷ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ،۱۹۶۲ء، ص:۳۶۳

۴۰۸ رودکوثر، ص:۴۰ ۴۰۹ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ،۱۹۶۲ء، ص:۳۶۴

۴۱۰ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، ص:۳۶۵ ۴۱۱ ایضاً،

۴۱۲ یادایام، ص:۹۷ ۴۱۳ معجم المؤلفین، ج:۱۰، ص:۱۰۰

۴۱۴ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ج:۱، ص:۱۰۹

۴۱۵ النورالسافر، ص:۳۶۱

۴۱۶ ابجدالعلوم، ص:۸۹۵ ۴۱۷ الاعلام، ج:۶، ص:۱۷۲

۴۱۸ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۲۶۵ ۴۱۹ شذرات الذہب، ج:۸، ص:۴۱۰

۴۲۰ النورالسافر، ص:۳۶۱، شذرات الذہب، ج:۸، ص:۴۱۰

۴۲۱ تذکرۃ الموضوعات (ترجمہ المؤلف) ہدیۃ العارفین، ج:۲، ص:۲۵۵، تذکرہ علمائے ہند (ایوب قادری)، ص:۴۴۰

۴۲۲ النورالسافر، ص:۳۶۱، شذرات الذہب، ج:۸، ص:۴۱۰

۴۲۳ دیباچہ تذکرۃ الموضوعات، ص:۳

۴۲۴ تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی: شیخ عبدالوہاب (مترجم) مولانا ابوظفر ندوی، ص:۱۰-۱۱

۴۲۵ اتحاف النبلاء فی تراجم الکملاء: نواب صدیق حسن خاں، ص:۳۹۸

۴۲۶ مآثرالکرام: میر غلام علی آزاد بلگرامی، ص:۱۹۶

۴۲۷ دیباچہ تذکرۃ الموضوعات، ص:۳ ۴۲۸ تذکرۃ المحدثین، ج:۳، ص:۱۳۷

۴۲۹ ایضاً، ص:۱۳۸

۴۳۰ اخبارالاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص:۴۶۸، مآثرالکرام، ج:۱، ص:۱۹۴، النورالسافر، ص:۳۶۲

۴۳۱ مآثرالکرام، ج:۱، ص:۱۹۴ ۴۳۲ گجرات کی تمدنی تاریخ، ص:۱۹۹

۴۳۳ النورالسافر، ص:۳۶۱، یادایام، ص:۹۷ ۴۳۴ النورالسافر، ص:۳۱۵

۴۳۵ تذکرۃ المحدثین، ج:۳، ص:۱۴۶ ۴۳۶ مآثرالکرام، ج:۱، ص:۱۹۵، النورالسافر، ص:۳۶۱

۴۳۷ تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر محدث پٹنی، ص:۱۸۲، ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، ج:۲، ص:۳۷۴

۴۳۸ تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر محدث پٹنی، ص:۸۲ ۴۳۹ عربی ادبیات، ص:۳۹۸

۴۴۰ تذکرۃ المحدثین، ج:۳، ص:۱۵۷ ۴۴۱ تذکرۃ المحدثین، ج:۳، ص:۱۵۸

۴۴۲ ترجمہ رسالہ مناقب،ص:۹۱ ۴۴۳ اخبار الاخیار،(فارسی)،۲۸۰

۴۴۴ ہدیۃ العارفین، ج:۲،ص:۲۵۵، یادایام،ص:۹۸،معجم المؤلفین، ج:۱۰،ص:۱۰۰،تذکرۃ الموضوعات (ترجمہ المؤلف)،الاعلام، ج:۶،ص:۱۷۲

۴۴۵ عربی ادبیات،ص:۲۸۲

۴۴۶ الاعلام، ج:۶،ص:۱۷۲،معجم المؤلفین، ج:۱۰،ص:۱۰۰،تذکرہ علمائے ہند (ایوب قادری)،ص:۴۴۰

۴۴۷ تذکرۃ الموضوعات، علامہ محمد طاہر بن علی ہندی،ص:۳

۴۴۸ عربی ادبیات،ص:۲۸۲۔

۴۴۹ تذکرۃ الموضوعات وفی ذیلہا قانون الموضوعات والضعفاء،ص:۲۳۰

۴۵۰ یادایام،ص:۹۸

۴۵۱ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۵۹۹ ۴۵۲ تذکرۃ الموضوعات (ترجمہ المؤلف)

۴۵۳ ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، ج:۲،ص:۴۳۳

۴۵۴ رسالہ مناقب ص:۸۹ ۴۵۵ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۴۲ء،ص:۴۲۴

۴۵۶ رسالہ مناقب،ص:۹۱ ۴۵۷ گجرات کی تمدنی تاریخ،ص:۲۲۳

۴۵۸ عربی ادبیات،ص:۲۸۲ ۴۵۹ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۳۰۰

۴۶۰ گجرات کی تمدنی تاریخ،ص:۱۱ ۴۶۱ یادایام،ص:۵۵۔۵۶

۴۶۲ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۳۰۲۔۳۰۳ ۴۶۳ شذرات الذہب، ج:۸،ص:۳۲۸

۴۶۴ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۳۰۴ ۴۶۵ یادایام،ص:۵۳

۴۶۶ گجرات کی تمدنی تاریخ،ص:۱۰ ۴۶۷ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۳۰۸

۴۶۸ ایضاً،

۴۶۹ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۳۰۹، ۳۱۰، یادایام،ص:۵۴، الضوء اللامع، ج:۱۰،ص:۱۴۴، گجرات کی تمدنی تاریخ،ص:۷

۴۷۰ یادایام،ص:۵۴ ۴۷۱ النور السافر،ص:۱۹۱۔۱۹۲

۴۷۲ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۳۱۷ ۴۷۳ ایضاً، ج:۴،ص:۳۲۵

۴۷۴ ایضاً، ج:۴،ص:۳۴۶ ۴۷۵ ایضاً،

۴۷۶ ایضاً، ج:۴،ص:۳۵۲ ۴۷۷ ایضاً،

باب دوم

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی
حالات وکوائف

☆ ولادت

☆ نام ونسب

☆ تعلیم وتربیت

☆ اساتذہ

☆ تعلیمی وتدریسی سرگرمیاں

☆ اولادواحفاد

☆ خلفاوتلامذہ

☆ شاہ صاحب کی تصانیف ایک نظر میں

گجرات پندرھویں صدی عیسوی محمود بیگڑھ کے عہد میں
(شیخ وجیہ الدین علوی اسی عہد میں تھے)

مزار شریف حضرت شاہ وجیہ الدین صاحبؒ (احمد آباد)
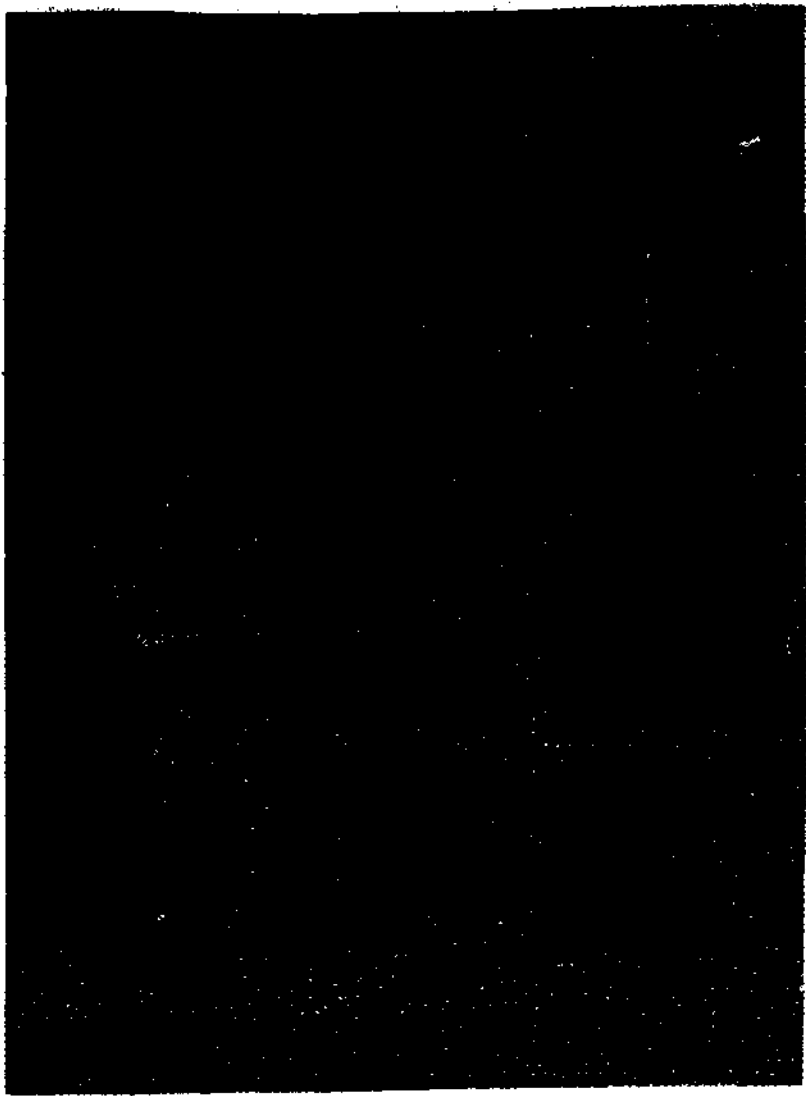
نام ونسب:

سید ابوظفر ندوی نے آپ کا نام سید احمد اور وجیہ الدین لقب تحریر کیا ہے[1] اور عام تذکرہ نگاروں نے آپ کے لقب وجیہ الدین سے ہی آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے، چنانچہ شیخ عبدالقادر عیدروس نے ''النور السافر'' میں، ابوالفلاح عبدالحی بن عمادالحنبلی نے ''شذرات الذہب'' میں، مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی اردو تصنیف ''یادِ ایام'' (مختصر تاریخ گجرات) اور عربی تصنیف 'نزہۃ الخواطر'' میں، خیرالدین الزرکلی نے ''الاعلام'' میں، عمر رضا کحالہ نے ''معجم المؤلفین'' میں، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' میں، عبدالقادر بدایونی نے ''منتخب التواریخ'' میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''اخبار الاخیار'' میں، مولانا رحمان علی نے ''تذکرہ علمائے ہند'' میں وجیہ الدین کے عنوان سے آپ کا تذکرہ تحریر کیا ہے۔

آپ کا سلسلۂ نسب ۲۵ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ سید حسینی پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' میں آپ کے نسب نامے کی تفصیل اس طرح پیش کی ہے:

> ''سید وجیہ الدین احمد بن قاضی سید نصر اللہ بن قاضی سید عماد الدین بن قاضی سید عطاء الدین بن قاضی سید معین الدین بن سید بہاء الدین بن سید کبیر الدین بن قاضی سید ظہیر الدین بن قاضی شمس الدین بن قاضی سید بدر الدین بن قاضی سید علم الدین بن قاضی سید بہاء الدین بن سید جمال الدین بن سید احمد بن سید احمد منتخب بن سید مرتضیٰ بن سید محمد العریض بن سید احمد المبرقع بن سید موسیٰ بن سیدنا امام محمد الجواز التقی بن سیدنا امام علی رضا بن سیدنا امام موسیٰ کاظم بن سیدنا امام جعفر صادق بن سیدنا امام محمد باقر بن سیدنا امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہید کربلا بن سیدنا امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ''[2]

سید ابوظفر ندوی کی اطلاع کے مطابق آپ کے مورث اعلیٰ سید کبیر الدین بن قاضی سید ظہیر الدین کا اصل وطن یمن تھا۔ لیکن مکہ معظمہ میں آکر مقیم ہوگئے تھے، اسی وجہ سے مکی مشہور ہوئے۔

سید بہاء الدین بن کبیر الدین:

سید کبیر الدین کے صاحبزادے سید بہاء الدین ایک دن خانۂ کعبہ میں معتکف تھے کہ ان کو بذریعۂ کشف ایسا معلوم ہوا کہ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہند کے صوبۂ گجرات میں جاکر خلق کی ہدایت کرو، چنانچہ آٹھویں صدی کے آخر یا نویں صدی کی ابتدا میں بہ عہد مظفر

شاہ اول گجرات تشریف لائے، آپ کے ہمراہ چند مرید وخدام بھی تھے، اور مقام پاٹری ضلع جھالاواڑ میں پہنچے۔

سید حسینی پیر علوی کی تحقیق کے مطابق قصبہٗ پاٹری اس زمانے میں جھالاواڑ کا تخت گاہ تھا۔ اور قلعہ نہایت مستحکم بنایا گیا تھا، جس کے آس پاس گہری خندق کھدوائی گئی تھی۔ اس وقت وہاں کا راجہ ستر سال قلعے میں مقیم تھا۔ سید بہاء الدین قلعے کے باہر ایک ڈیرہ میں مقیم ہوئے۔ مغرب کے وقت بآواز بلند اذان دے کر نماز ادا کی، اذان کی آواز سن کر اہل قلعہ غضب ناک ہوئے۔ راجہ نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ شب کے وقت آپ اندرون ڈیرہ قیام فرما ہوئے۔ اور دروازہ پر دو خادم ٹھہرے، رات کے وقت راجہ کے سپاہی آئے، تلاش کرنے پر خادم کے علاوہ کسی کو نہ پایا، ان کو سوتے میں شہید کر کے واپس ہوگئے۔ علی الصباح آپ نے اذان دے کر نماز ادا کی۔ جب قلعے میں آواز پہنچی تو راجہ نے ان سپاہیوں سے دریافت کیا، کہ میں نے تم کو ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ انھوں نے جواب دیا، صرف دو آدمی ملے، ان کو قتل کر کے چلے آئے۔ ادھر جب آپ نے خدام کی نعشوں کو دیکھا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور ان کی تجہیز و تکفین کر کے پٹن کی طرف کوچ کیا۔

پٹن پہنچ کر صوبے دار سے اس ظلم کا حال بیان کیا۔ اس زمانے میں دہلی میں اسلامی سلطنت تھی اور اس کی طرف سے پٹن میں ظفر خاں گجرات کا ناظم تھا، جب آپ نے مذکورہ واقعہ بیان کیا کہ وہاں کے کفار مسلمانوں سے بے رحمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور بلا وجہ مسلمانوں کو شہید کیا ہے۔ تو صوبے دار نے ایک لشکر آپ کے ہمراہ روانہ کیا۔ جب راجہ ستر سال نے فوج کو آتے دیکھا تو قلعہ بند ہوگیا، تقریباً چھ ماہ تک محاصرہ رہا، جس میں کبھی کبھی جنگ بھی ہوتی رہی، آخر مسلمانوں نے قلعے کو فتح کیا۔ آپ نے اسی جگہ سکونت اختیار کی۔ آپ کی ذات سے اسلام کو فروغ ہونے لگا۔ اکثر کفار آپ کے خوارق و کرامات کو دیکھ کر ایمان لائے۔ آپ علم ظاہر و باطن سے آراستہ اور پابند شریعت تھے، آپ کی قبر قصبہ پاٹری میں ہی ہے۔

سید بہاء الدین کے بعد آپ کے فرزند سید معین الدین آپ کے جانشین ہوئے، اور حکّام وقت کی طرف سے محکمہٗ قضا ان کے سپرد ہوا، اور پھر ان کے لڑکے سید عطاء الدین بادشاہ کی طرف سے قصبہٗ پاٹری کے قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے۔ آپ کو حضرت گنج بخش مغربی سے نسبت تھی۔

قاضی سید عماد الدین:

آپ سید عطاء الدین مذکور کے بیٹے تھے، اور شیخ وجیہ الدین علوی کے دادا تھے۔ آپ کا شمار

گجرات کے مشاہیر علماے عظام میں ہوتا تھا۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے ہوشمندی کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ اپنے والد سید عطاء الدین سے عربی علوم کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد پٹن میں اپنے عزیز کے مدرسے میں پڑھنا شروع کیا۔ آپ حضرت مخدوم گنج احمد مغربی کے مرید وخلیفہ تھے، اس کے علاوہ سلسلۂ چشتیہ سید حسین عرف شاہ قاضی چشتی سے حاصل کیا، اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔

سلطان محمود بیگڑہ آپ کا بڑا معتقد تھا، آپ کو بندر کھمبایت کا قاضی القضاۃ مقرر کیا تھا، ایک مرتبہ خوش ہوکر جاگیر مع خلعت کے دینا چاہی، مگر آپ نے بلند ہمتی سے قبول نہیں کیا، اور فرمایا یہ فقیر گوشۂ تنہائی میں خوش ہے، اور بادشاہوں کے حق میں دعا کرتا رہتا ہے۔

آپ کی وفات ۱۰؍ذی قعدہ ۹۱۶ھ کو ہوئی، آپ کی قبر قصبۂ پاٹری میں ہے۔ سید عماد الدین کے تین صاحبزادے تھے۔ (۱) قاضی شمس الدین، (۲) سید فتح اللہ (۳) قاضی شاہ نصر اللہ۔

(۱) قاضی شمس الدین:

آپ بڑے عالم وفاضل اور بڑے زاہد وعابد تھے۔ احمد آباد کے قاضی القضاۃ تھے، نیز علم وفضل میں آپ کا ممتاز درجہ تھا۔

آپ نے حضرت امام زین العابدین کی مناجات پر تضمین کی ہے اور اس پر شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی نے حاشیہ تحریر کیا ہے، جس کے دو شعر بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

یامن خلایق تستضئ بنوره — وجزئ دلایل ذاته فی وصفه

انّ الفضائل لا یعد بمجده — ومن الذی ادعوه واهتف باسمه

ان کان فضلك من فقیر یستمعه

(۲) سید فتح اللہ:

سید عماد الدین کے دوسرے صاحبزادے سید فتح اللہ تھے، جو باوجود علم وفضل بڑے پرہیز گار وشجاع تھے، جنھوں نے ایام جوانی میں شربت شہادت نوش کیا۔

(۳) قاضی شاہ نصر اللہ:

آپ شیخ وجیہ الدین علوی کے والد ماجد تھے، آپ کا شمار گجرات کے مشاہیر فقہاے کرام میں ہوتا تھا، نیز بڑے صاحب طریقت وشریعت تھے، حضرت شاہ قاضن سے سلسلۂ چشتیہ اور اپنے والد سید

عمادالدین سے سلسلۂ مغربیہ حاصل کیا تھا۔آپ سلطان محمود بیگڑہ کے آخر عہد میں بمقام چانپانیر قاضی کے عہدے پر مامور تھے،اوران کی خصوصیت یہ تھی کہ مشتبہ امور سے بہت احتراز فرماتے تھے۔سلطان مظفر حلیم ان سے بہت خوش تھا،اسی لیے احمد آباد اپنے ساتھ لاکر اپنے محل کے پاس امامت کے لیے جگہ دی۔

سید حسینی پیر علوی نے''تذکرۃ الوجیہ''میں آپ کے والد ماجد سید عمادالدین کا ایک واقعہ بیان کیا ہے،جس سے سید شاہ نصر اللہ کی شخصیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

شاہ نصر اللہ کے بچپن میں ایک مرتبہ آپ کے والد ماجد سید عمادالدین اپنے پیر سے ملنے گئے،اور آپ کا یہ معمول تھا کہ ہر مہینے میں چار پانچ دن کے لیے جایا کرتے تھے،اس مرتبہ جب وہاں پہنچے،تو فرزند کی یاد آئی،اس وجہ سے آپ نے حضرت شاہ قاضن چشتی سے واپس جانے کی اجازت طلب کی، حضرت شاہ صاحب نے واپس جانے کی وجہ معلوم کی۔آپ نے کہا اس وقت مجھ کو اپنے فرزند نصر اللہ کا خیال آیا ہے،اور طبیعت بھی بے چین سی ہورہی ہے،شاہ صاحب نے فرمایا ذرا صبر کرو،اور وضو میں مصروف ہوگئے۔آپ نے دیکھا کہ شاہ صاحب کے حجرے سے آپ کے صاحبزادے نکلے،آپ نے فوراً گود میں اٹھالیا۔آپ نے فرمایا اب تو مجھ کو اور بھی جلد جانا چاہیے کیوں کہ ان کی والدہ پریشان ہوں گی۔حضرت شاہ صاحب نے فرمایا تم جاؤ گے تو دیر میں پہنچو گے،لہذا اس کی فکر نہ کرو،جس طرح یہ آئے ہیں چلے جائیں گے۔

جب سید عمادالدین واپس مکان پر تشریف لائے،تو اپنے فرزند سے یہ واقعہ دریافت کیا۔انھوں نے بتایا کہ میں مکان کے باہر چند ہم عمر لڑکوں میں بیٹھا تھا،کہ شاہ صاحب آئے اور حجرے میں لے جا کر مجھ کو مرید بنایا،اور شجرہ وکلاہ عنایت کیا،اور اسی طرح مکان پر پہنچا کر چلے گئے۔

آپ نے عمر طویل پائی،سلطان محمود اول بیگڑہ کے عہد وسط میں پیدا ہوئے،اور سلطان محمود ثالث کے عہد میں اس دار فانی سے کوچ کیا،عمر بھر خوش حال رہے،اور اکابر شہر میں معزز اور معاصرین میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کی والدہ ماجدہ مولانا شہاب الدین بن مولانا محمود بن مخدوم علی شیر صدیقی کی صاحبزادی تھیں۔مولانا شہاب الدین کا گھرانا علم وفضل میں اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔

آپ کی وفات ۲۰؍محرم الحرام ۹۵۸ھ کو ہوئی۔"لہ جنات الفردوس نزلا" سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے[۳] آپ کی قبر احمد آباد نیلی گنبد میں ہے۔ قاضی نصر اللہ کے پانچ صاحبزادے تھے۔

(۱) سید نجم الدین

(۲) ظہیر الدین

(۳) بہاء الدین

(۴) شاہ برہان الدین

(۵) شاہ وجیہ الدین

(۱) سید نجم الدین:

سید نجم الدین حافظ قرآن و عالم باعمل تھے۔ آپ جنگلوں اور پہاڑوں میں یاد خدا میں مشغول رہا کرتے تھے، اور اپنے آپ کو طالب خدا رکھتے تھے۔

(۲) سید ظہیر الدین:

شیخ نصر اللہ کے دوسرے صاحبزادے ظہیر الدین تھے، جو دارالضرب شاہی میں افسر اعلیٰ تھے، اور حوالجات شاہی آپ کے تحت رہا کرتے تھے۔

(۳) سید بہاء الدین:

قاضی نصر اللہ کے تیسرے صاحبزادے بہاء الدین تھے، جو بڑے صالح اور پرہیزگار تھے۔ حسن صورت میں نہایت ہی حسین و جمیل تھے۔

سید حسینی پیر علوی کی تحقیق کے مطابق آپ نے ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے چہرے پر عطر مل رہے ہیں، صبح ہوئی تو خوشبو سے آپ کا دماغ مہک رہا تھا۔ آپ کے وصال تک خوشبو باقی رہی[۴]

آپ کی وفات ۱۷ر شوال ۹۴۶ھ کو اپنے والد کی زندگی میں ہوئی، عمر کی ستائیس[۲۷] بہاریں دیکھیں[۵]

(۴) شاہ برہان الدین:

شاہ نصر اللہ کے چوتھے صاحبزادے شاہ برہان الدین تھے، جو پانچوں بھائیوں میں سب سے

چھوٹے تھے اور گجرات سے ہجرت کر کے برہانپور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ عرصۂ دراز تک محکمۂ فوج میں رہے، اور کسی پر اپنا حال ظاہر نہ ہونے دیا۔ عبادت و ریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے، دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا، نیز دوسروں کی منفعت کو اپنی مصلحت میں مقدم رکھنا آپ کا خاص شعار تھا۔

آپ نے ۱۹ رذی قعدہ کو وفات پائی، سال وفات کا علم نہیں۔ آپ کی قبر برہانپور میں ہے۔

قاضی نصر اللہ کے پانچویں صاحبزادے شیخ وجیہ الدین علوی تھے۔ جو زیر بحث ہمارے مقالے کا موضوع ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شیخ وجیہ الدین علوی والد ماجد اور والدہ ماجدہ دونوں کی جانب سے اعلیٰ نسب کے تھے، اور دونوں علمی گھرانے تھے، جو علم و فضل میں بہت مشہور تھے۔

''شیخ وجیہ الدین علوی'' ولادت و وطن:

شیخ وجیہ الدین علوی کی ولادت ۲۲ رمحرم الحرام ۹۱۱ھ کو محمد آباد عرف چانپانیر (اطراف گجرات) میں ہوئی۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' میں رقم طراز ہیں:

"مولانا الشیخ وجیہ الدین العلوی الگجراتی" کان صاحب المناقب الفاخرة ووجیهاً فی الدنیا والآخرة، عالماً بعلوم الجهتین وخازن لکنوز النشأتین. ولد فی المحرم سنة أحد عشرة وتسع مائة ومسقط رأسه جابانیر من بلاد کجرات"۔[۷]

اور اسی قول کو مولانا عبد الحی حسنی نے نزہۃ الخواطر (۴:۳۴۲) میں، نواب صدیق حسن خاں نے ابجد العلوم (ص:۸۹۶) میں، خیر الدین الزرکلی نے الاعلام (۸:۱۱۰) میں، مولوی رحمان علی نے تذکرہ علمائے ہند (ص:۵۳۹) میں، عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین (۱۳:۱۶۰) میں اختیار کیا ہے۔

ایک دوسرا قول یہ ملتا ہے کہ آپ کی ولادت ۹۱۰ھ میں ہوئی، اس کا ذکر سید حسینی پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' اور مولانا ابوظفر ندوی نے اپنے مضمون میں کیا ہے[۸] لفظ "شیخ" اور "رحمة للعالمین" سے آپ کی ولادت کی تاریخ نکلتی ہے۔[۸]

آپ سادات حسینی میں سے تھے جیسا کہ پچھلے اوراق میں آپ کے نسب نامے میں ذکر کیا گیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے نام کے ساتھ علوی کی نسبت کیوں ذکر کی جاتی ہے؟ اس سلسلے

میں سید حسینی پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' میں مندرجہ ذیل دو واقعے تحریر کیے ہیں۔

پہلا واقعہ یہ ہے کہ سلاطین گجرات میں سے ایک بادشاہ کو یہ خیال ہوا کہ سادات کو ملازمت میں نہ رکھنا چاہیے، کیوں کہ ہم سے ان کی تعظیم ترک ہو جاتی ہے۔ اسی زمانے میں آپ کے خاندان کے اکابرین منصب قضاۃ اور دیگر محکموں میں ملازمت کر رہے تھے۔ ایک دن بادشاہ نے قاضی صاحب سے کہا، کیا آپ سید ہیں؟ آپ نے معاملے کو سمجھ کر فقیہانہ جواب دیا کہ ہم علوی ہیں، بادشاہ اس اصطلاح کو نہ سمجھا اور خیال کیا کہ علوی کوئی اور خاندان ہوگا۔ آپ کے اس فقیہانہ جواب کی وجہ سے آپ کے خاندان کے لوگ اپنے منصبوں پر قائم رہے، آپ اسی زمانے سے علوی لقب سے مشہور ہوئے۔ ۹

دوسرا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ آپ کے شاگرد رشید تاج الدین کا قول ہے کہ میں شیخ وجیہ الدین علوی کی علمی مجلس میں حاضر تھا، اور کچھ سادات ومشائخ بھی تشریف فرما تھے، اسی درمیان یہ موضوع زیر بحث آیا کہ شیخ موصوف علوی ہیں یا حسینی؟ ان حضرات میں سے ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا ایسا بھی کوئی ہے جو حسینی ہو اور علوی نہ ہو۔ ۱۰

تحصیل علم:

شیخ وجیہ الدین علوی نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں، اس کی فضا علم دین سے معمور تھی ظاہر ہے ایسے ماحول میں تعلیم وتربیت پر خاص توجہ، اور اس کا اہتمام ایک لازمی امر تھا۔ تقریباً سات آٹھ برس تک چانپانیر میں مقیم رہے کیوں کہ ۹۱۷ھ میں سلطان محمود بیگڑہ کے انتقال پر سلطان مظفر حلیم تخت نشین ہوا، جس نے آپ کے والد ماجد قاضی نصر اللہ کو اپنے ساتھ لا کر احمد آباد میں مقیم کیا۔

سات آٹھ برس تک آپ اپنے والدین کے کنار عافیت میں پرورش پاتے رہے، قدرت نے بھی اپنے عطیات میں کسی قسم کا بخل نہیں کیا تھا، ذہانت، ذکاوت، یادداشت کا مادّہ ابتدا سے موجود تھا۔ چنانچہ سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا، اور آٹھویں سال تجوید کے ساتھ قرآن پاک علما کے سامنے سنایا، اس کے بعد علوم متداولہ میں مشغول ہوئے، اور اپنے چچا سید شمس الدین صاحب سے عربی علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر اپنے ماموں سید ابوالقاسم صاحب سے حدیث کا درس لیا۔ چودہ پندرہ سال کی عمر میں علامہ محمد بن محمد مالکی مصری سے حدیث کا اختتام فرمایا۔ جو علامہ شمس الدین سخاوی کے شاگرد رشید تھے۔ شاہانِ گجرات نے ان کو ''ملک المحدثین'' کا خطاب دیا تھا، ساری عمر

گجرات میں رہے۔اور ۹۲۹ھ میں احمد آباد میں وفات ہوئی۔[11]

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی نے سب سے آخر میں محدث ابوالبرکات بنبانی عباسی کو حدیثیں سنائیں، جو محدثین میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے،اوران کا خاندان علم حدیث کی خدمت میں بہت مشہور تھا،نیز حدیث کی سند دینے کے مجاز تھے۔

علوم عقلیہ،منطق،حکمت، کلام، اصول کی تحصیل مولانا عماد الدین طارمی اورابوالفضل محمد گازرونی[12] سے لی، جو محقق جلال الدین دوانی کے شاگرد تھے،نیز چندواسطے سے علامہ سید شریف جرجانی سے بھی تلمذ کی نسبت رکھتے تھے۔علامہ طارمی علوم معقول ومنقول میں اہل زمانہ کے استاذ،اورعلماے زمانہ میں سب سے زیادہ عالم تھے،اور بے شمار علوم وفنون کے ماہر تھے، یہاں تک کہ علم کیمیا وسیمیا کے بھی ماہر تھے۔[13]

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

"...... ثم لازم العلامة عماد الدين محمد بن محمود الطارمی وآخذ المنطق والحكمة والكلام والأصول وغيرها من العلوم الآلية والعالية"۔[14]

۲۴رسال کی عمر میں شاہ صاحب نے علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی،اور "وجیه" مادۂ تاریخ ہے۔[15]

بیعت وسلوک:

شاہ صاحب علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی سے بھی غافل نہ رہے،اورابتداءً اپنے والد ہی سے چشتیہ اور مغربیہ طریقوں کو سیکھتے رہے،لیکن کچھ دنوں حضرت شاہ قاضن چشتی قدس سرہٗ[16] کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے،حضرت شاہ قاضن چشتی قدس سرہٗ کا تذکرہ مولانا عبدالحی حسنی نے ''نزہۃ الخواطر'' (۲۳۶:۴)ومولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' (حاشیہ،ص:۱۱۶) میں قلم بند کیا ہے،انھیں کتابوں سے آپ کے مختصراً احوال بیان کیے جاتے ہیں۔

شیخ قاضی خاں پٹنی گجرات کے مشہور صوفیاے کرام میں سے تھے،اورشیخ قاضن کے لقب سے مشہور تھے۔

آپ کی ولادت گجرات میں ہوئی، آپ شیخ علم الدین شاطبی کے دامن فیض سے وابستہ ہوکر بالآخر فائز المرام ہوئے، اوران کے بعد پٹن میں شیخ وقت کے رتبے پر فائز ہوئے، نیز شیخ شاطبی

کے علاوہ بھی مشائخ کرام سے سلوک وطریقت کی تعلیم لی، اور ان کے بتائے ہوئے راستے کی پیروی کی، اورآپ سے ہزاروں لوگ ایک لمبے عرصے تک کسب فیض کرتے رہے۔ آپ سلسلۂ چشتیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔

شیخ وجیہ الدین علوی نے آپ سے علوم باطنی کی تحصیل کی، اور کامل ہوکر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

آپ کی وفات بروز منگل ۲۷/صفر ۹۲۰ھ کو پٹن میں ہوئی۔[۱۷]

حضرت شاہ قاضن چشتی قدس سرہٗ کے انتقال کے بعد حضرت شاہ صاحب، میاں بدر الدین ابوالقاسم سہروردی کی طرف متوجہ ہوئے۔[۱۸] میاں بدر الدین کے علاوہ حضرت نجم الدینؒ کی صحبت میں بھی رہتے۔[۱۹] بسا اوقات جب جذب کا شوق غالب آتا، تو حضرت سید کبیر الدین مجذوب سے ملاقات فرماتے، اوردرد دل کی شکایت فرما کر علاج کے طالب ہوتے۔[۲۰] پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت سید محمد غوث گوالیاری گجرات تشریف لائے، جناب شاہ صاحب ان سے ملے اور اس درجے ان سے متاثر ہوئے کہ فوراً ان سے بیعت کرلی، اور ان کی صحبت، جلوت اور خلوت سے مستفیض ہوئے، اور کامل ہوکر سند اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔[۲۱]

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' میں رقم طراز ہیں:

......ولبس الخرقة من الشيخ قاضن قدس سرهٗ ولماورد الشيخ محمد غوث الكواليارى، صاحب الجواهر الخمسة، بكجرات تلاشى الشيخ وجيه الدين فى جماله وسلك الى منتهى الطريقة فى ظلالهٖ ومتع طلبة بجلائل الإفادات وملاء شرق العالم وغربه من لوامع البركات"۔[۲۲]

عبدالقادر بدایونی جوشیخ وجیہ الدین علوی کے زمانے میں موجود تھے، شیخ موصوف کے متعلق اپنی کتاب ''منتخب التواریخ'' میں لکھتے ہیں:

''......ارادت کا تعلق تو کسی اور سے تھا، لیکن شیخ محمد غوث سے تربیت وارشاد حاصل کیا تھا، اور آداب طریقت میں ان کے پیرو تھے، ان ہی کے پاس سلوک کی تکمیل کی تھی۔ صوفیانہ مشرب سے بڑا ذوق اور مناسبت تھی''۔[۲۳]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو شیخ وجیہ الدین علوی کے ہم عصر تھے، اور سفر حجاز کے درمیان شیخ

موصوف سے گجرات میں ملاقات بھی کی تھی، اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں رقم طراز ہیں:

''...علم سلوک میں آپ کو شیخ محمد غوث سے عقیدت اور نسبت حاصل تھی، لیکن بیعت کسی اور بزرگ سے تھے... آپ سلسلۂ قادریہ کے اکثر طور پر اذکار کیا کرتے تھے''۔[۲۴]

نورالدین جہانگیر بادشاہ اپنی تصنیف ''تزک جہانگیری'' میں رقم طراز ہے:

''...شیخ وجیہ الدین، شیخ محمد غوث کے ایسے بلند مرتبہ خلیفہ تھے، جن پر خود ان کے مرشد کو فخر تھا، شیخ وجیہ الدین ظاہری و باطنی صفات سے بہرہ ور تھے''۔[۲۵]

سید حسینی پیر علوی کی اطلاع کے مطابق شیخ محمد غوث گوالیاری نے اپنے دست مبارک سے شیخ وجیہ الدین علوی کو اجازت نامہ لکھ کر دیا تھا، جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ شیخ مشائخ الاسلام شیخ وجیہ الدین المخاطب بہ علی ثانی فتحیاب خلافت چہاردہ خانوادہ عطا کردن شد۔ دیگر دارائے ایں سلسلہ نیز عطا کردہ و طریقہ ہر ہر سلسلہ چنانچہ از حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مردان علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رسد و سالہائے مذکور رسیدہ بہ شیخ بیان کردہ آمد و عیاں دید و دریافت حال ایشاں شدہ و ارادت و واردات مرتبہ یافت اوّل قدم عارف باللہ۔ دوم عارف بہ نفس سوم قدم عارف منا ملبوس بہ صفات ندیدہ بیشتر واقعہ از خود مشائخ بجاے رسید کہ از نشان بے نشان کہ شایان اوست۔ این دریا بہ طریق کمانیہ جاری کند ہر کہ دست بدامن موی... بمقصود رسد دریں معنی فقیر شاہد و ضامن و شاہد کہ اولولایت کما ینبغی و شہ رسانیدن را قوت یافتہ دندا ہر کہ بادہ و مغفرت یابد باید مواخذہ نباشد از فعلہائے مرید شیخ جواب دہ گردد و اورا از محل عتاب و ثواب رساند ازیں معنی تمام پسران عظام و ایں و حضرت رسالت پناہی شاہد اند ہر کہ پنجہ ات گیرد و بیعت درزد بیمواخذہ گردد باشد ہر کہ در ولایت ایشاں خواندہ گردہ۔ حقیقی گردد خواندہ ایشاں خواندہ گردد ایشاں راندہ امت دہ الیہ درما قائم''۔[۲۶]

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب اپنے مضمون ''شاہ محمد غوث گوالیاری'' میں رقم طراز ہیں:

شیخ وجیہ الدین علوی کا شمار شیخ محمد غوث کے اجلّہ خلفا میں ہوتا ہے۔ شیخ وجیہ الدین کے ملفوظات کا ایک قلمی نسخہ جو مولانا راشد برہانپوری کی ملکیت میں ہے، اس کے ترقیمے کی عبارت سے شیخ موصوف کی خلافت کی توضیح ہو جاتی ہے، لکھتے ہیں:

"تمت هذا الملفوظات شاه وجيه الدين الحق والدين الخليفة الكامل المكمل للشيخ محمدغوث قدس الله برهما وافاض علينا فيضهما. آمين".

(بحوالہ علمی نقوش مؤلفہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۷ء) ۲۷

تعلیمی وتدریسی سرگرمیاں:

۹۳۴ھ میں تکمیل تعلیم کے بعد درس وتدریس کی طرف توجہ کی، اس وقت آپ کی عمر چوبیس[۲۴] یا پچیس[۲۵] سال کی تھی، ابتداے درس کا تاریخی مادہ "شیخ وجیہ" ہے۔ ۲۸ یہ سلطان بہادر شاہ گجراتی کا ابتدائی عہد تھا، یعنی اس کی تخت نشینی کو صرف دو تین سال گزرے تھے۔

عہد قدیم میں دستور تھا کہ صاحب علم وفضل جہاں بیٹھ جاتا، کچھ دنوں کے بعد وہی مقام اپنے وقت کا بہترین کالج ہو جاتا، اور آہستہ آہستہ امرا اور سلاطین کی توجہ سے طلبا کے لیے تمام سہولتیں بہم پہنچائی جاتیں۔

مولانا عبدالحی حسنی "یادایام" (مختصر تاریخ گجرات) میں "مدارس گجرات" کے تحت رقم طراز ہیں:

"جس طرح سے اس زمانے میں مدارس کے واسطے جداگانہ عمارتوں کے بنانے اور ساز وسامان پر بے اندازہ روپیہ خرچ کرنے کا دستور ہے، مسلمانوں کے عہد حکومت میں کبھی نہیں رہا، جس طرح سے اسلام کی پاک تعلیم ہم کو سادہ زندگی اختیار کرنے کی ہدایت کرتی ہے، اسی طرح ہماری تعلیم بھی سادہ طریقے سے ہوتی تھی...

...سب سے پہلے نیشاپور میں مدرسے کے لیے ایک شاندار عمارت بنائی گئی، اور اساتذہ کی تنخواہیں، اور طلبا کے وظائف مقرر ہوئے، اس کے بعد بغداد میں نظامیہ اور مستنصریہ کی عمارتیں تیار ہوئیں، اور دوسرے ملکوں میں اس کی تقلید کی گئی...... بایں ہمہ اصطلاحی معنوں میں بھی گجرات میں مدارس تعمیر کیے گئے تھے"۔ ۲۹

مدرسہ عالیہ علویہ کا قیام:

شیخ وجیہ الدین علوی نے ۹۳۴ھ میں تکمیل تعلیم کے بعد درس وتدریس کی طرف توجہ کی، چنانچہ ۹۳۵ھ میں باقاعدہ ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، یہ مدرسہ آپ نے سلطان بہادر شاہ کے عہد میں قائم کیا، جو اپنی خوبیوں کے باعث دن بدن ترقی پذیر ہوتا رہا، اس مدرسے میں جملہ علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی

تھی، تفسیر، حدیث، فقہ، کے بعد فلسفہ، منطق، ریاضی اور ہیئت وغیرہ کا پورا اہتمام تھا، اس کے ساتھ آپ سے ارشاد وطریقت کا سلسلہ بھی جاری تھا، شب کو جب اذکار واشغال سے فارغ ہوتے تو طلبا سے ان کی ضروریات وغیرہ کا حال دریافت کرتے، اور نکات علمی بتاتے ہوئے روحانی حقائق کی باریکیاں نہایت فراخ دلی وخندہ پیشانی سے ذہن نشین فرماتے، آپ کے تلامذہ علمی کمال کے ساتھ روحانی انوار سے بھی مستفیض ہوتے جاتے تھے، اور دور دور کے لوگ آکر فیض یاب ہوتے، ان تمام خوبیوں سے آپ کے مدرسہ کا شہرہ ہوگیا، جس کی شہرت سن کر طلبا کا جم غفیر آپ کے یہاں جمع ہوگیا، اور یہ معاملہ آپ کے زمانۂ حیات تک بڑی شہرت کے ساتھ قائم تھا، ہر طرف سے مشتاقان علم بے شمار تعداد میں آئے، اور فیض پاکر واپس چلے گئے۔ جن کی علمی معلومات وروحانی کیفیات کے اسرار ہند سے لے کر عرب تک چمکے، اور آپ کی زندگی میں استاذ الاساتذہ، استاد البشر، اور استاد امت محمد جیسے معزز خطاب آپ کے اسم گرامی کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ فقہا میں آپ بے نظیر فقیہ، محدثین میں ملک المحدثین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔[۳۰]

سید حسینی پیر علوی کی اطلاع کے مطابق مدرسے کی از سرنو تعمیر صادق خاں امیر نے کرائی، جس میں طلبا کے آرام وآسائش کا پورا انتظام تھا، اور ان کے وظائف روزینہ بھی حکومت کی طرف سے مقرر تھے، یہاں تک کہ طلبا کے لیے ایک طبیب بھی مقرر تھا۔ احمد آباد میں یہ سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ تھا۔[۳۱]

مولانا عبدالحی حسنی ''یادِ ایام'' میں ''مدرسہ عالیہ علویہ'' کے متعلق رقم طراز ہیں:

> ''احمد آباد میں علامہ وجیہ الدین کا مدرسہ سب سے زیادہ مشہور ہے، اس مدرسے میں طلبا کو وظائف بھی ملتے تھے، تقریباً پینسٹھ سال تک علامہ ممدوح نے اس میں تعلیم دی، اور مرنے کے بعد اسی میں مدفون ہوئے، اور ان کے فرزند مولانا عبداللہ ان کے جانشین ہوئے، صادق خاں نام ایک امیر نے مدرسہ کی عمارت از سرنو تعمیر کی، جس میں طلبا کے رہنے کے واسطے مکانات بنوائے اور وظائف کا معقول انتظام کیا''۔[۳۲]

مولانا سید ابوظفر ندوی اپنے مضمون ''شیخ وجیہ الدین علوی'' میں لکھتے ہیں:

''جناب شاہ صاحب نے جب ۹۳۵ھ میں باقاعدہ ایک مدرسے کی بنیاد رکھی تو بہت جلد اس کی

مقبولیت ہوگئی، طلبا کے رہنے کے لیے حجرے بھی تعمیر ہوگئے۔ اور وظائف کا بھی انتظام ہوگیا، شاہی مطبخ سے روزینہ پینتیس ماہانہ بھی ملنے لگا، طلبا کے علاج کے لیے ایک طبیب مقرر تھا، آپ نے اس مدرسہ میں ۶۴ سال تک تعلیم دی، اور مشہور ہے کہ اس مدت میں کبھی آپ نے قصداً مدرسہ بند نہیں فرمایا، اور نہ اسباق کا ناغہ ہونے دیا، ہر علم وفن کی تعلیم یہاں ہوتی تھی، ابتدا میں غالباً وہ تنہا مدرس تھے، لیکن رفتہ رفتہ طلبا کی تعداد بڑھنے لگی، اور طلبا کی انتہائی ترقی پر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے تلامذہ بھی اپنا وقت تدریس میں صرف کرتے ہیں، جو خود ابھی فارغ نہیں ہوئے ہیں۔ مندرجہ ذیل علوم وفنون کی تعلیم یہاں ہوتی تھی، ابتدائی تعلیم کے علاوہ تفسیر مع اصول، حدیث مع اصول، فقہ مع اصول، معانی وبلاغت، منطق، فلسفہ، ہیئت، مناظرہ، ادب وغیرہ علوم ظاہری کی تکمیل کر لینے پر جن تلامذہ کو تصوف کی طرف رجحان ہوتا، تو اس کی بھی تعلیم دیتے، ان کے علاوہ ایسے اشخاص جو باہر سے آ کر اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے ان لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے''۔ ۳۳؎

عبداللہ سورتی "الحركة العلمية والمعاهد الإسلامية والعربيه فى غجرات" میں ''مدرسہ عالیہ علویہ'' کے متعلق رقم طراز ہیں:

"مدرسة عالية علوية، كانت فى أحمد آباد أمام قصر السلطان مدرسة شهيرة عربية، وقد التحق بها مدارس غجرات وخانديس وكاتياوار، فالحق أنها كانت جامعة وكانت تدرس فيها علوم الفلسفة والمنطق والتصوف والعلوم الاسلامية والعربية،وفى عهد السلطان جهانكير تأتى الوظائف للطلبة من الأوقاف، وكانت شهرتها قائمة إلى القرن الحادى عشر،وكان رئيس هذه المدرسة غجرات الشيخ وجيه الدين العلوى فقد أفاد الناس سنين، وقد تولى الرياسة بعد وفاته الفاضل عبدالله، وقد بنى الأمير صادق خان عمارة جديدة لهذه المدرسة وقرر الوظائف للطلبة". ۳۴؎

مولانا ابوظفر ندوی ''گجرات کی تمدنی تاریخ'' میں ''مدرسہ عالیہ علویہ'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''مدرسہ عالیہ علویہ شاہی محل کے بالمقابل (جہاں آج پارسی کلب ہے) یہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا، یہ

درحقیقت اس زمانے کی یونیورسٹی تھی، جس سے گجرات، خاندیس، کاٹھیاواڑ اور دکن کے مدارس ملحق تھے، اس مدرسے میں منطق، فلسفہ، تصوف اور علوم دینی کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا، اسی کے ساتھ ایک دارالاقامہ بھی تھا، جس کے شکستہ حجرے اب تک موجود ہیں، جہانگیر کے عہد میں طلبا کے لیے وظائف بھی مقرر تھے، اس پر متعدد گاؤں وقف تھے۔ ۹۵۰ھ سے ۹۹۸ھ تک شاہ صاحب اس کو خود چلاتے رہے، پھران کے لڑکے اور پوتے چلاتے رہے، گیارہویں صدی کے آخر تک یہ پورے عروج پر تھا، مدرسہ ہدایت بخش قائم ہوا، تو اس پر زوال آگیا''۔ ۳۵

شیخ وجیہ الدین علوی کے درس کی خصوصیات:

سید حسینی پیر علوی اور مولانا ابوظفر ندوی نے آپ کے درس کی یہ خصوصیت بیان کی ہے کہ جب سے آپ نے درس دینا شروع کیا، آخر عمر تک صرچار مرتبہ ایسے مواقع پیش آئے، جس کی وجہ سے آپ کا درس موقوف رہا، جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

ایک واقعہ ۹۸۱ھ میں پیش آیا، جس کی وجہ سے آپ کا درس موقوف رہا، بقول سید ابوظفر ندوی جس کو "ظفر الواله بمظفر و آله" نے نقل کیا ہے۔

> ''لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھ جاتے، اور بوقت ضرورت لے جاتے، اس طرح آپ کے مکان میں قیمتی امانتوں کا خزانہ جمع ہوگیا تھا، ایک خادمہ کی مخبری کی وجہ سے آپ کو حاکم کے دربار میں لے جایا گیا، اس ناگوار واقعے کی وجہ سے شاہ صاحب کا قلب کئی دن تک مضطرب رہا، اور درس ملتوی کردیا''۔ ۳۶

دوسری مرتبہ شہنشاہ ہمایوں کی وجہ سے درس ملتوی کرنا پڑا، اور تیسری مرتبہ جب شیخ غوث گوالیاری بھڑوچ تشریف لائے تھے، اور چوتھی مرتبہ شیخ غوث ایڈر میں تشریف رکھتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کو درس ملتوی کرنا پڑا۔ ۳۷

فتاویٰ نویسی:

آپ کے پاس ہزاروں فتوے آتے، آپ اس کا محققانہ انداز سے جواب تحریر فرماتے، نیز آپ کا جواب حتمی سمجھا جاتا تھا، امرا اور وزرا آپ کی رائے کے بغیر کوئی حکم نافذ نہیں کرتے تھے، اور اگر کوئی اہم مسئلہ درپیش آتا، تو آپ کی رائے کو ترجیح دی جاتی تھی، اور آپ کے فتوے کی خصوصیت یہ تھی کہ کسی

کلمہ گو پر آپ نے تکفیر کا حکم صادر نہیں فرمایا، اس سلسلے میں مندرجہ ذیل دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق بعض لوگوں نے کفر کا فتویٰ شائع کیا، اور ایک خاص محضر نامہ آپ کے قتل کے لیے تیار کیا، لیکن شاہ صاحب نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا، اور اس قسم کی تکفیر کی مخالفت کی، اور اس مسئلے پر مفصل ایک رسالہ تحریر فرمایا، جب تکفیر کا فتویٰ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، تو اس نے شاہ صاحب کے دستخط نہ ہونے کی وجہ سے اس کو مسترد کر دیا۔ ۳۸

فرقۂ مہدویہ جو سید محمد جونپوری کی طرف منسوب ہے، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ آپ مہدی ہونے کے مدعی تھے، اس وقت کے بعض علما نے ان کی تکفیر و قتل کے واسطے ماحول تیار کیا، جب آپ کے سامنے وہ فتویٰ پیش کیا گیا، تو آپ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا جو جماعت دنیا چھوڑ کر وقف حق پرستی ہے، میرا قلم اس کی مخالفت میں نہیں اٹھ سکتا۔ ۳۹

مولانا ابوظفر ندوی اپنے مضمون ''شیخ وجیہ الدین علوی'' میں رقم طراز ہیں:

''...اس کے علاوہ ہزاروں فتوے آپ کے قلم سے نکلے، مگر کسی فتوے میں آپ نے تکفیر کی طرف اشارہ نہیں کیا، آپ کا ارشاد یہ تھا کہ کسی شخص میں ننانوے باتوں میں سے ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اس کو مسلم سمجھو، اور کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہ کہو''۔ ۴۰

علوی کتب خانہ:

آپ کے مدرسے کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا، جو اتنا بڑا تھا کہ شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس کی کوئی کتاب اس میں موجود نہ ہو، ان کتابوں میں سے بعض کتابیں نہایت ہی خوشخط اور مطلا و منقش تھیں، اکثر آپ کے تلامذہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، اس کے علاوہ نادر کتابیں نیز دوسرے علمائے گجرات کی تصنیفات و تالیفات بھی موجود تھیں۔

سید حسینی پیر علوی ''تذکرۃ الوجیہ'' میں شیخ وجیہ الدین علوی کے کتب خانے کے متعلق رقم طراز ہیں:

''......غالباً آپ کے فرزند شاہ حامد علوی اس کے منتظم تھے، جو اپنے وقت کے مشہور خوش نویس بھی تھے، کتابیں لکھنا لکھوانا ان کی تصحیح و تحشی، اور کتابوں کا جمع کرنا یہ آپ کا خاص شغل تھا، جب تک اس مدرسے میں درس کا سلسلہ جاری تھا، تب تک کتب خانہ اپنی شان میں موجود تھا۔ بارہویں صدی کے آخر میں مدرسے کا درس وغیرہ ملکی بدانتظامی کے سبب قائم نہ رہ سکا، اور کتب

خانہ بھی کسم پرسی کے عالم میں رہا''۔[۴۱]

مولانا ابوظفر ندوی اپنے مقالے میں علوی کتب خانہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''زمانۂ حال کے لوگ راوی ہیں کہ ان کے بزرگ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے کتب خانے کو دیکھا ہے، دو بڑے کمروں میں ازفرش تا سقف، بے ترتیبی اور بے احتیاطی کے ساتھ کتابیں بھری تھیں، راقم الحروف بھی جب ۱۹۲۱ء میں اس کتب خانے کو دیکھنے گیا، تو متعدد بڑے بڑے صندوقوں میں کتابیں بے ترتیبی سے پُر تھیں، چند دن کی پیہم کوشش کے بعد میں نے ان کتابوں کے اوراق منتشر کو مجتمع کر کے بالترتیب رکھوادیا تھا، لیکن اب ۱۹۳۱ء میں وہاں گیا ہے، کچھ کتابیں تو احباب کی نذر ہوئیں، کچھ عزلی کتابوں کو مجاور نے قرآن سمجھا، اور کمال دانائی سے بغرض ثواب ان کرم خوردہ کتابوں کو قدآدم زمین کھود کر دفن کر دیا، باقی کرم خوردہ کتابیں دریائے سابرمتی کی نذر ہوئیں، کچھ تھوڑی سی کتابیں جناب سید پیر حسینی صاحب مصنف تذکرۃ الوجیہ اور جناب بڑا میاں صاحب موجودہ متولی درگاہ کے پاس ہیں''۔[۴۲]

سید ابوظفر ندوی اپنی کتاب ''گجرات کی تمدنی تاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''علوی کتب خانہ اتنا بڑا تھا کہ شاید ہی کوئی فن ایسا ہو، جس کی کوئی کتاب اس میں موجود نہ ہو، جب خاندان سے علم جاتا رہا، تو کتابیں بھی ضائع ہو گئیں، اس صدی کی ابتدا میں مولوی عبدالمنعم صاحب مرحوم خطیب جامع مسجد بمبئی اور جناب یوسف صاحب بی، اے کھٹکے مرحوم بمبئی بہت سی کتابیں اٹھا لے گئے، کچھ کتابیں بطور یادگار میرے دوست سید منظور الحسن صاحب عرف حسینی پیر اور بڑے میاں صاحب موجودہ متولی درگاہ کے پاس ہیں''۔[۴۳]

وفات:

شاہ وجیہ الدین علوی ۲۹ رمحرم الحرام ۹۹۸ھ بروز اتوار صبح صادق کے وقت اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے، اس وقت آپ کی عمر (۸۸) برس کی تھی، اسی قول کو مولانا ابوظفر ندوی نے اپنے مضمون شیخ وجیہ الدین علوی ؒ اور اپنی تصنیف گجرات کی تمدنی تاریخ (ص:۱۹۹) میں، اور سید حسینی پیر علوی نے تذکرۃ الوجیہ (ص:۹۲) میں، مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی عربی تصنیف نزہۃ الخواطر (۴:۳۴۴) میں، اور اردو تصنیف یادِ ایام (ص: ۱۰۰) میں، شیخ عبدالقادر عیدروس نے النور السافر

(ص:۴۵٦) میں، عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ (ص:۵۸۴) میں، عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین (۱۳:۱٦۰) میں، خیرالدین الزرکلی نے الاعلام (۸:۱۱۰) میں، نواب صدیق حسن خاں نے ابجد العلوم (ص:۸۹٦) میں اختیار کیا ہے۔

ان سب کے برخلاف میر غلام علی آزاد بلگرامی نے آپ کی تاریخ پیدائش ۲۹ر محرم الحرام کی جگہ ۲۹ر صفر بیان کی ہے، البتہ سال وفات ۹۹۸ھ ہی تحریر کیا ہے۔ چنانچہ ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' میں رقم طراز ہیں:

"توفی یوم الأحد التاسع والعشرین من صفر سنة ثمان وتسعین وتسع مائة، ودفن بکجرات وتاریخ وفاته لهم جنات الفردوس نزلا"۔[۴۵]

ایک تیسرا قول شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ملتا ہے، آپ نے ''اخبار الاخیار'' (ص:۳۵۲) میں سال وفات ۹۹۸ھ کی جگہ ۹۹۷ھ تحریر کیا ہے، اور اسی قول کو صاحب حدائق الحنفیہ (ص:۳۸۹) نے بیان کیا ہے، اور پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے اپنے مضمون میں گلزار ابرار (اردو) محمد غوثی کے حوالے سے یہی قول تحریر کیا ہے۔[۴٦]

ایک قول مولوی رحمان علی صاحب کا تذکرہ علماے ہند (ص:۵۳۹) میں ملتا ہے، جس میں آپ نے تاریخ پیدائش ۲۹ر صفر بروز اتوار ہی تحریر کی ہے، البتہ سال وفات ۹۹۸ھ یا ۹۹۷ھ کی جگہ ۹۷۸ھ تحریر کیا ہے، غالباً آپ سے سہو ہو گیا ہے، یا کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۲۹ر محرم الحرام ۹۹۸ھ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے اسی قول کو بیان کیا ہے۔

اکثر تذکرہ نگاروں نے آپ کی وفات کا مادّہ تاریخ "لهم جنات الفردوس نزلا" تحریر کیا ہے، جس سے ۹۹۸ھ کی تاریخ نکلتی ہے۔ مولانا ابوظفر ندوی نے اپنے مضمون میں رسالہ حسن فراغی قلمی کتب خانہ پیر محمد شاہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ اس تاریخ میں دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی تاریخ خفیف تغیر سے جناب شاہ صاحب کے والد کی وفات کی بھی ہے، یعنی "له" اور "لهم" کے فرق سے دونوں کی الگ الگ تاریخیں نکلتی ہیں۔[۴۷]

سید ابوظفر ندوی نے اپنے مضمون میں ''خلاصۃ الوجیہ'' قلمی کے حوالے سے مندرجہ ذیل تاریخی

مادّے لکھے ہیں، موصوف رقم طراز ہیں:

اس سے بھی زیادہ دلچسپ تاریخ آپ کے تلمیذ رشید مولانا عبدالعزیز نے تحریر کی ہے، جو ان کی ذہانت اور فطانت کی بین شہادت ہے، چنانچہ آپ کی رحلت کی تاریخ ''شیخ وجیہ دین'' (۹۹۸ھ) نکالی ہے، پھر ''شیخ'' (۹۱۰ھ) سے سال ولادت اور ''وجیہ'' (۲۴) سے مدتِ تکمیل علوم وفنون اور ''شیخ وجیہ'' (۹۳۴ھ) سے آغازِ تعلیم وتعلّم اور لفظ ''دین'' (۶۴) سے کل مدت تدریس وہدایت، اور ''وجیہ دین'' (۸۸) سے کل مدت عمر نکلتی ہے۔۴۸ؔ

اس کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی مختلف تاریخی مادّے تحریر کیے ہیں۔

سید حسینی پیر علوی اور مولانا ابوظفر ندوی کی اطلاع کے مطابق آپ کا مزار مدرسے کے وسط صحن میں بنایا گیا، جو اس وقت تک زیارت گاہ عام وخاص ہے، امرائے اکبری میں سے ان کے معتقد ''صادق خاں'' نے روضہ کی عمارت تیار کی، اور امرائے جہانگیری میں سے فرید خاں المخاطب مرتضیٰ خاں بخاری نے اپنے عہد صوبہ داریٔ گجرات (۱۰۱۴ھ تا ۱۰۱۸ھ) میں مرقد کے اوپر چھتری تیار کی، جس پر سیپ کا کام نہایت اعلیٰ درجے کا ہے، اور مندرجہ ذیل اشعار کندہ ہیں:

مرتضیٰ خاں فرید دریا دل — فیض دانی ورحمتِ شامل
عرش برطرح کرد از ہمت — برسرِ قبر مرشدِ کامل
محوِ دیدارحق وجیہ الدین — آں بموت وحیات خود واصلِ
در برِ شاہدِ ازل خفتہ — ازشرابِ وصال لایعقل
ہست عین حضور آگاہی — غفلت اورا نمی کند غافل
کعبہٗ از درون چنان روشن — کہ جدارش نمی شود حائلِ
قبلہٗ حاجت و مقام مراد — مبدأ فیضِ عارف و کامل
سال تاریخ او زغیب رسید — عرش اسلام قبلہٗ و مقبل
تا فلک باد ، باد بانیِ این — تاجہاں باد باد این منزل۴۹ؔ

عرشِ اسلام قبلہ ومقبل سے تاریخ (۱۰۱۷ھ) نکلتی ہے، جس کی تحقیق وتصحیح نواب صدر یار جنگ مولانا شروانی نے کی ہے۔۵۰ؔ اور اسی طرح ''و'' کے ساتھ سید حسینی پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' میں

شعر نقل کیا ہے۔ ۵۱؎

اخلاق وعادات:

انسان کی اصلی زندگی اس کے اچھے اخلاق اورعادات ہی سے ہے، حضرت شاہ صاحب کی پیدائش ایک ایسے خاندان میں ہوئی، جو علم وعمل میں یکتائے زمانہ تھا، آپ کی تعلیم وتربیت دینی ماحول میں ہوئی، آپ کے والد ماجد بہت نیک، عبادت گزار، اور چانپانیر (گجرات) کے قاضی القضاۃ تھے، اسی سبب سے اخلاق کے لحاظ سے آپ کی ذات بہت ارفع تھی، سچائی آپ کی فطرت تھی۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' میں رقم طراز ہیں:

"كان صاحب المناقب الفاخرة ووجيها في الدنيا والآخرة، عالماً بعلوم الجهتين وخازن لكنوز انشأتين"۔ ۵۲؎

اسی طرح مولانا عبدالحئی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"وكان صاحب صدق وإخلاص، قانعاً باليسير، شريف النفس"۔ ۵۳؎

شیخ عبدالقادر بدایونی جو شاہ صاحب کے ہم عصر تھے، اپنی کتاب ''منتخب التواریخ'' میں رقم طراز ہیں:

''اپنے زمانے کے بڑے عابد ومتقی عالم تھے، ان کا قدم گھر اور مسجد کے علاوہ کسی جگہ نہیں نکلتا تھا، ان کا گھر ادنیٰ واعلیٰ سب کا مرکز ومرجع تھا''۔ ۵۴؎

صاحب ''حدائق الحنفیہ'' آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''عالم ماہر، فاضل متبحر، زاہد، عارف، فقیہ، محدث، جامع کمالات ظاہری وباطنی تھے''۔ ۵۵؎

تقویٰ:

آپ نہایت متقی پرہیز گار تھے، تقویٰ آپ کا شعار تھا، مشتبہ امور سے پرہیز کرنا گویا آپ کی فطرت تھی، آپ احتیاط کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، چاہے آپ کو کسی قدر بھی تکلیف اٹھانی پڑے۔ اسی سبب سے آپ اپنی غذا خود محنت سے حاصل کرتے، اور اپنے والد ماجد کے یہاں کھانے سے احتیاط رکھتے تھے، عرصہ کے بعد آپ کے والدین کو اس معاملے کی خبر ہوئی، اور والد کے استفسار پر آپ نے عرض کیا کہ آپ قاضی ہیں، اور ممکن ہے کہ ملازمین آپ کے لین دین میں مشتبہ امور کا خیال نہ کرتے ہوں، قاضی صاحب نے کہا کہ میں ہمیشہ تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہوں، اور

ہر معاملے میں کمال احتیاط رکھتا ہوں، اور غالباً اسی کا صلہ ہے کہ تمہارے جیسا نور عین خدا نے مجھے عنایت فرمایا، جو میرے ہی طرح کمال محتاط ہے۔

سید حسینی پیر علوی ''تذکرۃ الوجیہ'' میں رسالہ وجیہ الدین کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"وكان الشيخ فى ذلك الزمان متصفا ومتحلية بحلية التقوى ومتصفا بصفة الورع حيث لا ياكل من طعام ابيه بل من كسب يده المباركة فبلغ ذلك الخبر يوما لوالده الشريف فقال يا ولدى لم تحترز من اكل طعامى لم تجتنب من الرزق الحلال وماهو الا طيب وحلال وما ينسب ذلك، فقال لعل خادما من خدامك يذهب لشراء الطعام تنتنسا هل فى الشراء واعطاء الثمن فقال والده الشريف لا كما قلت انى احتاط فى تحصيل القوت على وجه الكمال ولولم يكن لى احتياط لما كان لى مثلك من ولدى".۵۶

لباس:

آپ کا لباس سادہ کھردرے کپڑے کا ہوتا تھا، لباس میں عام لوگوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے، آپ کا مزاج سادگی پسند تھا، قبہ، جبہ، کی طرف آپ نے کبھی توجہ نہیں کی، اور موٹے جھوٹے کپڑوں میں ہی قانع رہتے تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی 'نزہۃ الخواطر' میں رقم طراز ہیں:

"لايمتاز عن آحاد الناس فى الملبس...... ويختار الثياب الخشنة فى اللباس"۔۵۷

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جن کو حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل تھا، اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں رقم طراز ہیں:

''آپ بڑے معمر اور کامل ولی اللہ تھے، جامع کمالات وبرکات، ریاضت بہت کیا کرتے تھے، طالب علموں کی تربیت وہدایت آپ کے محبوب مشغلے تھے، شہر کے عام لوگوں جیسا لباس پہنتے تھے''۔۵۸

شیخ عبدالقادر بدایونی اپنی کتاب ''منتخب التواریخ'' میں آپ کے لباس کے متعلق لکھتے ہیں:

''وضع ولباس میں بھی وہ عام لوگوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے، موٹے جھوٹے کپڑوں میں ہی قانع رہتے تھے''۔۵۹

مولانا رحمان علی ''تذکرہ علمائے ہند'' میں رقم طراز ہیں:

''زمانے کے اکابر واخیار ان کے مکان پر پہنچتے تھے، اس کے باوجود ہمیشہ تدریس وتصنیف میں مشغول رہتے تھے، وضع اور لباس میں کسی شخص سے ممیز نہیں رہتے تھے، موٹے کپڑے پہنتے تھے''۔۶۰

صاحب ''رودکوثر'' آپ کے تذکرہ میں رقم طراز ہیں:

''ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، موٹا کپڑا پہنتے، اور عام لوگوں کی طرح رہتے''۔۶۱

قناعت پسندی:

قناعت آپ کا خاص شعار تھا، آپ اغنیا اور امرا سے بے پروا رہے، اور بطور مجبوری ایک دو مرتبہ کے علاوہ کبھی آپ امرا کے گھر نہیں گئے، آپ کی زندگی سادگی اور فقر کی جامع تھی۔ فتوحات سے جو کچھ آتا، اس کو طلبا اور محصلین پر خرچ کر دیتے تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں لکھتے ہیں:

"ویبذل على الطلبة والمحصلين عليه مايفتح له...... والتجرد عن أسباب الدنيا، لم يتردد إلى بيوت الأمراء والأغنياء إلا مرة أومرتين في عمره مكرها"۔۶۲

عبدالقادر بدایونی ''منتخب التواریخ'' میں رقم طراز ہیں:

''وہرگہ بطور خود بخانہ اہل دنیا نرفتہ مگر در مدت یک دو بار بحسب طلب واکراہ...... وہر چہ فتوح میرسید بذل وایثار می نمود''۔۶۳

وہ کبھی اپنے طور پر دنیادار اصحاب کے گھر نہیں گئے، بجز ایک دو مرتبہ کے، وہ بھی طلب کرنے پر نہایت اکراہ کے ساتھ، اور جو کچھ ہدیہ وتحائف آتے وہ خیرات کر دیتے تھے۔

مولانا ابوظفر ندوی اور سید حسینی پیر علوی کی اطلاع کے مطابق شاہان گجرات نے آپ کے خاندان کو متعدد مرتبہ وجہ معاش کے لیے جاگیریں پیش کی گئیں، مگر اہل خاندان نے کبھی قبول نہ کیا، خود

جناب شاہ صاحب کے ساتھ بھی یہ معاملہ ایک مرتبہ پیش آیا، مگر آپ نے رڈ کر دیا۔
مولانا رحمان علی ''تذکرہ علمائے ہند'' میں رقم طراز ہیں:

''جو کچھ فتوحات سے ملتا تھا، وہ سخاوت وایثار میں خرچ کر دیتے تھے''۔ ۶۴

صاحب ''رودکوثر'' آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''جو کچھ آتا، وہ دوسروں پر خرچ کرتے، امیروں کے گھر پر بطور خود کبھی نہ جاتے، ایک دو دفعہ حکام وقت کی طلب پر بہ مجبوری واکراہ جانا پڑا، ورنہ گھر اور مسجد کے احاطے سے باہر قدم نہ نکالتے''۔ ۶۵

رحم دلی:

آپ فطرتاً نہایت رقیق القلب تھے، اس لیے معمولی سے معمولی دردانگیز واقعے سے آپ کا دل بھر آتا تھا، جہاں کہیں کبھی ایسا واقعہ پیش آتا، جہاں آپ کچھ کر سکتے، تو ہرگز دریغ نہ فرماتے تھے۔

سید حسینی پیر علوی ''تذکرۃ الوجیہ'' اور مولانا ابوظفر ندوی نے اپنے مضمون میں آپ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ اتفاقاً آپ ایک جگہ سے گزرے، دیکھا ایک قیدی کو قتل کے لیے لے جا رہے ہیں، اس نے آپ سے رہائی کے لیے التجا کی، اور اس کی حالت کو ملاحظہ کر کے آپ نے لوگوں سے تحقیقات کرائی، معلوم ہوا کہ واقعی یہ شخص بے گناہ ہے، اور دراصل مجرم کوئی دوسرا ہے۔ چنانچہ آپ نے فوراً بادشاہ وقت سے سفارش کی، اور بادشاہ نے یہ کہہ کر فوراً رہائی کا حکم صادر فرمایا کہ یہ شخص تو بے گناہ ہے، اس کو تو رہا ہونا ہی چاہیے، لیکن اگر آپ مجرم کی بھی سفارش فرماتے، تو میں رہا کر دیتا۔ ۶۶

مظلوم کی دادرسی:

چوں کہ آپ فطرتاً رحم دل واقع ہوئے تھے۔ اس لیے جب کوئی مظلوم نظر سے گزرتا اور آپ اس کی مدد فرما سکتے ہوں تو کبھی دریغ نہ فرماتے۔ اور حتی الامکان اس کے ساتھ سلوک کرنے اور اس کی حاجت روائی میں سعی بلیغ فرماتے تھے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں سید حسینی پیر علوی نے ''رسالہ کشف الوجیہ'' کے حوالے سے آپ کا مندرجہ ذیل ایک واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔

ایک مرتبہ کچھ غریب عورتیں آپ کے پاس حاضر ہوئیں، اور فریاد کی کہ میرے کچے مکان حکام گرا دینا چاہتے ہیں، ہم غریب پکے عالیشان مکانات کیوں کر تعمیر کریں۔ آپ نے تمام حالات سن

کرایک خط بادشاہ وقت کولکھا، جس کو دیکھ کر بادشاہ نے ان مکانات کوشاہی خرچ سے پختہ تعمیر کرادیا۔ ۶۷

تاثیر دعا:

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا میں بڑا اثر رکھا تھا، سید حسینی پیر علوی اور مولانا ابوظفر ندوی نے اپنے مضمون میں چنگیز خاں[۶۸] کاایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جب چنگیز خاں نے طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھاکر ۹۷۴ھ میں احمد آباد پر قبضہ کرلیا، اور دولت سلطنت سے مفرور ہوکر، حرم سلطانی پر دراز دستی کرنا چاہی۔ اس وقت چند عورتیں جو حضرت سے خلوص واعتقاد رکھتی تھیں، انھوں نے آپ سے فریاد کی، چوں کہ اس وقت کوئی کسی کی سنتا نہ تھا۔ اس لیے دفع ظلم کے واسطے بادشاہ حقیقی سے دعا فرمائی جوفوراً قبول ہوگئی۔ چنگیز خاں چند ہی دنوں کے بعد جھبھار خاں حبشی کے ہاتھ سے قتل ہوا، اور مظلوموں نے نجات پائی۔ ۶۹

عبدالقادر بدایونی ''منتخب التواریخ'' میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا میں بڑا اثر دیا تھا، اور شفا رکھی تھی چنانچہ ہرروز بے شمار مریض ان کے پاس دعا کرانے کے لیے آتے تھے، ان کی دعا کا بھی بڑی جلدی اثر ہوتا تھا''۔ ۷۰

مولانا رحمان علی ''تذکرہ علماے ہند'' میں رقم طراز ہیں:

''خدا تعالیٰ نے اسم شافی کا ان کو مظہر بنایا تھا، ہر جمعہ کو ان کے آستانے پر مریضوں کی ایک بہت بڑی جماعت پہنچتی تھی، اوران سے دعا کی درخواست کرتی تھی، اوراس کا اثر جلد ہوتا تھا''۔ ۷۱

احتیاط پسندی:

۹۴۷ھ میں جب کہ افغانان سور کا غلبہ ہوگیا تھا، شاہ محمد غوث گوالیار سے ہجرت فرما کر گجرات تشریف لے آئے تھے، اس وقت گجرات کے بہت بڑے عالم شیخ علی متقی نے جناب سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق کفر کا فتویٰ شائع کیا تھا، کیوں کہ شیخ غوث گوالیاری نے ''معراج نامہ'' میں بعض شطحیات یعنی بلند حقائق کو نہایت واضح الفاظ میں بیان کردیا تھا۔

لیکن شاہ صاحب نے اس پر دستخط نہیں کیے، بلکہ اس قسم کی تکفیر کی سخت مخالفت کی، اوراس مسئلہ پر مفصل ایک رسالہ تحریر فرمایا، جس میں ابتداءً فقہی کتابوں سے مسئلہ تکفیر پر روشنی ڈالی ہے، پھر احادیث

سے سند اُسب کو مشرح بیان کیا ہے، آخر میں صوفیاے کرام کے احوال سے بحث کی ہے کہ حالت سکر میں جو کہہ جاتے ہیں وہ قابل مواخذہ نہیں ہوتا، اور اس کی متعدد مثالیں دی ہیں، پھر سید محمد غوث گوالیاری کی کتاب ''اورادغوثیہ'' پر لوگوں نے جو اعتراضات کیے تھے، ان کا جواب دیا ہے۔ آپ کا ارشاد یہ تھا کہ کسی شخص میں سو باتوں میں سے ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اس کو مسلم سمجھو، اور کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہ کہو۔۲؎

واقعہ مذکورہ کو عبدالقادر بدایونی نے ''منتخب التواریخ'' میں ذکر کیا ہے، جس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

''سلطان محمود گجراتی کے عہد میں جب شیخ محمد غوث ہندوستان سے گجرات گئے تو شیخ علی متقی نے جو نہ صرف اس عہد کے بہت بڑے عالم تھے بلکہ دربار سرکار میں بھی ان کا بڑا اثر واقتدار تھا، ان کے قتل کا فتویٰ صادر کردیا، سلطان نے اس فتوے کو میاں وجیہ الدین کے دستخط وتصدیق پر منحصر کردیا، کیوں کہ میاں وجیہ الدین شیخ محمد غوث کے گھر جاچکے تھے اور پہلی ہی بار ان کے شیدا وفریفتہ ہوگئے تھے، اس لیے انھوں نے اس فتوے کو پھاڑ کر پھینک دیا، جب شیخ علی متقی کو معلوم ہوا تو وہ دوڑے ہوئے میاں کے گھر آئے اور اپنے کپڑے پھاڑ دیے، کہا آپ آخر کس لیے بدعت اور دین میں رخنہ اندازی کے حامی بن گئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، ہم اہل قال میں سے ہیں اور شیخ محمد غوث ارباب حال میں سے، ہم ان کے اعلیٰ کمالات کو نہیں سمجھ سکتے اور ظاہر شریعت کے اعتبار سے بھی ان پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا''۔

شیخ محمد غوث گوالیاری سے سلاطین گجرات کو جو عقیدت رہی ہے اس کا سبب یہی واقعہ تھا، میاں صاحب کے اس رویے کی وجہ سے شیخ موصوف پھانسی پانے سے بچ گئے، اس واقعے کے بعد میاں صاحب اکثر اپنی مجلسوں میں کہا کرتے تھے، ظاہر شریعت پر ایسی ہی نظر ہونی چاہیے جیسے شیخ علی متقی کی ہے، اور حقائق پر ایسی جیسے ہمارے پیر (یعنی شیخ محمد غوث) کی نظر ہے''۔۳؎

حق گوئی:

آپ میں حق گوئی کا مادّہ بھی بہت تھا، اور کبھی کبھی اس کے سبب سے بڑے بڑے خطرہ میں مبتلا ہوجانا پڑتا تھا، مولانا ابوظفر ندوی اور سید حسینی پیر علوی نے "ظفر الوالہ بمظفر وآلہ" کے حوالے

سے آپ کا مندرجہ ذیل واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔

''اکثر اوقات لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھ جاتے، اور بوقت ضرورت لے جاتے، اس طرح آپ کے مکان میں قیمتی امانتوں کا خزانہ جمع ہوگیا تھا، ۹۸۱ھ میں ایک عجیب واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ اس محلے میں ایک مفلس مغل رہتا تھا، جس کی ملاقات اسی خانوادہ کی کسی خادمہ سے تھی، ایک دن اس خادمہ نے اس راز سے آگاہ کردیا، اس مغل نے کوتوال شہر کو اس شرط پر بتانے کا وعدہ کیا کہ اس میں سے کوئی حصہ اس کا بھی مقرر کیا جائے۔

کوتوال شہر نے اپنے وزیر (نائب) میر علاء الدین کو تحقیقات کے لیے بھیجا، جس نے مکان سے قیمتی موتی، بہترین جواہرات، مرصع زیورات اور بے شمار سونے کے سکّے برآمد کیے، واپسی کے وقت جناب شاہ صاحب کو اپنے گھوڑے کے آگے پیدل دیوان تک لایا، اور گھوڑے کے تیز چلنے سے آپ کو بھی بہ تکلف تیزی سے قدم بڑھانے پڑتے، عوام اور خواص نے آپ کی اس تکلیف کو محسوس کیا، دیوان میں بڑے بڑے امرا موجود تھے، جن کو مطلق اس واقعہ کی اطلاع نہ تھی، چنانچہ جب مجلس کے کنارے جناب شاہ صاحب پہنچے، تو سید میران بخاری، مرزا مقیم، سید جیو عبدالرحمٰن، اور شاہ ابوتراب شیرازی وغیرہ تعظیماً سب کھڑے ہوگئے۔ اوران کو دیکھ کر تمام امرائے مغل نے بھی تقلید کی، سید میران بخاری نے جو شاہ صاحب کو اس حال میں دیکھا، تو غیرت سے عرق عرق ہوگئے، پھر جو اصل حقیقت معلوم ہوئی تو غصے سے شیر کی طرح بپھر پڑے، غصّے سے چہرے کا رنگ اس قدر متغیر تھا کہ لوگوں نے محسوس کیا، جب جناب شاہ صاحب سے حاکم نے سوالات کرنے کا ارادہ کیا، تو سید مذکور آپ کے بغل میں آکر بیٹھ رہے، تاکہ بوقت ضرورت ہر طرح کی مدد کرسکیں، ان حالات کو دیکھ کر حاکم نے بھی صرف ایک سوال پر اکتفا کیا کہ ''منادی نے شہر بھر میں جو ڈھنڈورا پیٹا، کیا اس کی خبر آپ کو نہیں ملی''، مطلب یہ تھا کہ سرکار کی طرف سے عام طور پر مشتہر کردیا گیا تھا کہ کوئی باغی کو پناہ نہ دے، اور نہ اس کی مدد کرے، اور نہ اس کا مال واسباب اپنے پاس رکھے، بلکہ اس قسم کا تمام مال سرکاری خزانے میں داخل کرے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''اول تو مجھ کو اس کا علم نہیں ہے'' اس کے علاوہ شریعت میں یہ جائز نہیں ہے کہ امانت کو ظاہر کرکے ضائع کیا جائے، حاکم نے اس جواب کے بعد آپ کو رخصت کردیا، سید حامد بخاری اپنی

خاص سواری پر آپ کے ساتھ مسجد تک تشریف لائے، اور کچھ دیر بیٹھ کر آپ کو تسلی و تشفی دیتے رہے، اور پھر رخصت ہو کر واپس گئے، جناب شاہ صاحب کا قلب اس ناگوار واقعہ سے کئی دن تک مضطرب رہا۔

مصنف ''ظفر الوالہ بمظفر وآلہ'' اس واقعے کے بعد لکھتا ہے کہ ایک نیک بخت آدمی سے کسی نے کہا کہ تمہارا لڑکا گر گیا، یہ سن کر اس نے بڑا واویلا مچایا، لوگوں نے اس کی تسلی کے لیے کہا کہ وہ بہت اونچے سے نہیں گرا ہے، تب اس نے کہا کہ اگر وہ بہت اونچے سے بھی گرتا تو مجھے اتنی پرواہ نہیں ہے، میں تو سمجھا کہ کسی اہل اللہ کی نظر سے گر گیا، یہی حال اس واقعے میں ہوا کہ وزیر میر علاء الدین کچھ ہی دنوں کے بعد اس حاکم کے ہاتھ سے رسّی سے بندھوا کر مارا گیا، اور وارثوں کی فریاد پر خود حاکم قصاص میں قتل ہوا، اور مرزا عزیز کوکلتاش ملقب بہ خان اعظم جو اس صوبہ کا حاکم اعلیٰ تھا، معتوب سلطانی ہو کر ایک باغ میں گوشہ نشین ہوا''۔۴؎

شریعت کی پاسداری:

مولانا ابوظفر ندوی نے اپنے مضمون میں ظفر الوالہ بمظفر وآلہ جلد نمبر۲ صفحہ نمبر۵۱۲ مطبوعہ لندن کے حوالے سے شاہ صاحب کا مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

''جب ۹۷۵ھ میں چنگیز خاں (جو عماد الملک کا لڑکا تھا، اور عماد الملک امرائے محمودی میں سے تھا) نے محرم کی رسم بخلاف سلاطین ماضیہ کے سرکاری طور پر منائی، اور ہر قسم کی بدعتیں جاری کیں، اور سیاہ ماتمی لباس زیب تن کر کے سروپا برہنہ تعزیہ کے ساتھ بازاروں میں گشت لگایا، تو باوجود اس کے کہ تمام سادات، علما اور امرا نے اس کو سخت ناپسند کیا، اور عوام نے اس کو بہت ہی برا سمجھا، مگر کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس کے خلاف زبان کھولے، جناب شاہ صاحب ہی وہ شخص تھے جنھوں نے عوام وخواص کی ترجمانی کر کے صدائے احتجاج بلند کی، اور چونکہ اس وقت احمد آباد میں سوائے الغ خاں کے کوئی امیر بااثر نہ تھا، اس لیے الغ خاں کے پاس آدمی بھیج کر اس کی شکایت کی، چنانچہ دوسرے ہی مہینے چنگیز خاں کا کام تمام کر دیا گیا''۔۵؎

محبوبیت اور مرجعیت:

عوام الناس کے علاوہ سلاطین اور امرا کو بھی آپ سے عقیدت رہی ہے، نیز بعض سلاطین و امرا

آپ کے درس میں بھی شامل ہوتے تھے، اور علمی استفادہ کرتے تھے، اس کے علاوہ اہم امور میں آپ سے رجوع ہوتے تھے، اور شرعی امور میں آپ کے دستخط کے بغیر کوئی حکم صادر نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں دس بارہ بادشاہوں کا عروج وزوال دیکھا، لیکن اپنے علم وفضل اور کثیر مقلدین ومریدین کے باوجود کبھی کسی سیاسی کام میں دخل نہیں دیا، اور نہ حکام اور عمال سے ملنے کی کوشش کی۔

سلاطین کی عقیدت:

آپ سے اور آپ کے خانوادے سے سلاطین اور امرا کو ہمیشہ عقیدت رہی، سلطان محمود بیگڑہ نے آپ کے والد ماجد کو چاپانیر کا قاضی بنایا، اور اس کے لڑکے سلطان مظفر حلیم نے محض فرط عقیدت کے باعث چاپانیر سے ساتھ لاکر اپنے محل شاہی کے پاس ہی قیام کرنے کو جگہ عنایت کی، اس کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۲ سال کی تھی، اور طلب علم میں مصروف تھے، بہادر شاہ گجراتی نے بھی بارہا دعائے خیر کی التجا کی۔ سلطان محمود ثالث متعدد مرتبہ حاضر خدمت ہوکر مشرف قدمبوسی حاصل کر چکا تھا، اس کے حسن عقیدت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ جناب شاہ صاحب نے چند مظلومہ کی فریادرسی کے بابت ایک خط سلطان محمود ثالث کو لکھا، اس نے تعمیل ارشاد کے بعد حکم دیا کہ اس خط کو محفوظ رکھو، اور بوقت تدفین میرے سینے پر رکھا جائے، شاید یہی نجات کا باعث ہو۔

سلطان مظفر سوم جو گجرات کا آخری بادشاہ ہے، متعدد بار حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ تخت نشینی کے وقت اس کی کمر میں تلوار آپ ہی نے باندھی تھی۔ ۶ے

شہنشاہ اکبر شیخ وجیہ الدین کی خدمت میں:

اکبر بادشاہ جب گجرات آیا ہے، تو باوجود اس کے کہ حاسدوں نے آپ کی طرف سے بادشاہ کو بدظن کرنے کی پوری کوشش کی تھی، کیوں کہ امرائے گجرات کا مال آپ کے مکان سے برآمد ہوا تھا، مگر پھر بھی آپ سے ملنے کے بعد آپ کا بے حد احترام کیا۔

سید حسینی پیر علوی ابوتراب شیرازی کی تاریخ گجرات کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ اس موقع پر مرزا عزیز نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں سے اس قدر مال برآمد ہوا تھا، اس پر شہنشاہ نے فرمایا، آپ کو اس سے کیا غرض تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ شرم حضوری اور آشنائی کی وجہ سے ایک جگہ ان کو دی

گئی تھی، مجھ کو معلوم نہیں کہ اس میں کیا اسباب رکھا ہوا تھا، چوں کہ سچائی آپ کے چہرے سے عیاں تھی، اور شاہ صاحب کی مہربانی جو تمام خلق پر عام تھی، اس پر شہنشاہ کو یہ جواب پسند آیا۔ بادشاہ نے کہا کہ آپ نے دوستی کا حق ادا کیا، اس پر مرزا نے کہا مولانا کچھ اور ہو تو وہ بھی دے دیں، آپ نے فرمایا، تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو، اسی طرح باتوں باتوں میں بادشاہ نے سوال کیا، چہارگانہ مذاہب میں افضل کون ہے؟ آپ نے جواب دیا، محل کے چار دروازے ہیں، جس دروازہ سے داخل ہوگا، حقیقت سے مشرف ہو کر سلطان کا دیدار حاصل کرے گا۔ بادشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ بادشاہ آپ کی حقائق بینی اور علم معقول و منقول کی شہرت پہلے سن چکا تھا، اس کے بعد آپ کی تکریم و تعظیم میں تمام عمر کوئی کمی نہیں کی۔ ۷۷

شہنشاہ جہانگیر کی آپ کی قبر پر فاتحہ خوانی:

اکبر کے بعد جب شہنشاہ جہانگیر تخت نشین ہوا، اور بغرض تفریح احمد آباد آیا، تو خصوصیت سے تین جگہ بغرض فاتحہ خوانی گیا، شاہ عالم صاحب کے مقبرے پر، سرکھیج شیخ احمد کھٹو کے مزار پر، اور جناب سید شاہ وجیہ الدین صاحب کی درگاہ پر۔

امرائے گجرات کی عقیدت:

امرائے دولت بھی ہمیشہ آپ کے عقیدت مند رہے، الغ خاں جو آخری تاجدار گجرات سلطان مظفر سوم کے امرا میں سے تھا، آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، چنگیز خاں کی ماں بھی آپ کی ارادت مند تھیں، اکثر اوقات بیش قیمت چیزیں آپ کے یہاں امانت رکھوا دیتی تھیں، اور وہ برسوں آپ کے پاس رہتی تھیں، اسی طرح شیر خاں بن اعتماد خاں گجراتی وزیر سلطان مظفر سوم کا بھی آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ اور بارہا اس نے بھی بیش قیمت امانت آپ کے پاس رکھوائی۔

خان اعظم کی عقیدت:

عہد اکبری کے امرا میں سے خان اعظم اور خانخاناں مرزا عبدالرحیم بڑی عقیدت سے آپ سے ملتے تھے، اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ خانخاناں نے آپ سے کچھ درسی کتابیں بھی پڑھی تھیں، اس طرح استادی و شاگردی کے حقوق بھی تھے۔ آپ سے ترقی مدارج کے لیے استدعا کی۔ چنانچہ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی، اور اعلیٰ مرتبے پر پہنچنے کی خوشخبری سنائی، چند ہی روز میں خانخاناں کے معزز خطاب سے سرفراز ہوا۔ اور آپ کی خدمت میں زمانہ صوبہ گری میں بڑے حسن اعتقاد و خلوص سے

حاضر ہوتا تھا۔ اکثر آپ کی تعریف وتوصیف کرتا رہتا تھا، باوجود اس قدر حشمت وحکومت کے آپ سے مریدوں اور شاگردوں کی طرح ادب سے پیش آتا تھا، اکثر معتقدین جو آپ کے ذریعے سے آتے، ان سے سلوک کرتا تھا، اور آپ بھی بزرگانہ محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔

مولانا ابوظفر ندوی کی اطلاع کے مطابق آپ کی رحلت کے بعد امراے اکبری میں سے صادق خاں نے جس کو آپ سے بڑی عقیدت تھی، آپ کے مقبرے کی عمارت بنوائی، عہد جہانگیری کا مشہور امیر شیخ فرید خاں المخاطب بہ مرتضیٰ خاں نے قبر کے اوپر کی چھتری تیار کرائی ہے۔ [۷۸]

اولاد واحفاد:

آپ کی اولاد واحفاد کے متعلق ''تذکرۃ الوجیہ'' از سید حسینی پیر علوی ''تاریخ صوفیاے گجرات'' از ڈاکٹر شاہ ظہور الحسن شارب اور مولانا ابوظفر ندوی کے مقالے کے حوالے سے مندرجہ ذیل تفصیلات پیش کی جاتی ہیں:

شیخ وجیہ الدین علوی کی دو بیویاں تھیں، ایک کا نام ''امت العزیز'' تھا[۷۹] اور دوسری حرم کا نام ان ماٰخذ میں کہیں مذکور نہیں۔ آپ کے نو صاحبزادے تھے۔ [۸۰]

(۱) شاہ محمد

(۲) شاہ عبداللہ

(۳) شاہ حبیب اللہ

(۴) شاہ عبدالشکور

(۵) شاہ عبدالحق

(۶) شاہ عبدالواحد

(۷) شاہ غالب

(۸) شاہ حامد

(۹) شاہ غضنفر

آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں:

(۱) راجی پارسا

(۲) ''امۃ الحبیب'' آپ کا انتقال مکۃ المکرمہ میں ہوا، اور جنت المعلیٰ میں دفن کی گئیں۔ ۸۱
شیخ وجیہ الدین علوی کے وصال کے وقت آپ کے پانچ صاحبزادے بقید حیات تھے۔ ۸۲
غالبًا اسی وجہ سے مولانا ابوظفر ندوی نے اپنے مقالے میں آپ کے پانچ صاحبزادوں کے نام ذکر کیے ہیں۔ ۸۳

(۱) شاہ محمد:

شاہ محمد کی پیدائش ۹۲۸ھ میں ہوئی، آپ حافظ قرآن اور متبحر عالم تھے، عالم شباب میں شاہان گجرات کی طرف سے منصب داری گجرات کے جلیل القدر عہدے پر فائز ہوئے۔ یہ عہدہ خاص امرا کے لیے تھا، جس کو خود بادشاہ مقرر کرتا تھا، یہ عہدہ میر عدل چیف جسٹس سے بالاتر تھا۔ آپ کو ایک نیک بخت بی بی سعیدہ سے عقیدت تھی، وہ بھی آپ سے محبت سے پیش آتی تھیں، آپ فرماتے تھے مجھ کو ظاہر وباطن کا جو فیض ہے بی بی سعیدہ سے ہے۔

خرقۂ خلافت اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔ آپ نے احمد آباد سے برہان پور ہجرت کر کے سکونت اختیار کر لی تھی، برہان پور خاندیس کے سلاطین آپ سے بڑی عزت وتوقیر سے پیش آتے تھے۔

آپ کی وفات اپنے والد کی زندگی میں ہی ۲۳؍ذی قعدہ ۹۹۱ھ کو برہان پور میں ہوئی، اور وہیں تدفین ہوئی۔ آپ نے عمر کی ۶۳ بہاریں دیکھیں۔

(۲) شاہ عبداللہ:

آپ گجرات کے مشاہیر علمائے کرام میں سے تھے۔ علوم ظاہری اور علوم باطنی اپنے والد ماجد شیخ وجیہ الدین علوی سے حاصل کیے تھے، نیز ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ آپ کی علمی صلاحیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے تمام علوم کی کتابوں کا ابتدا سے انتہا تک پندرہ مرتبہ مطالعہ کیا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جنھوں نے سفر حجاز کے وقت شیخ وجیہ الدین علوی سے ملاقات کی تھی، اور واپسی پر حضرت شاہ صاحب انتقال فرما چکے تھے، آپ کے بیٹے شیخ عبداللہ سے ملاقات کی تھی، شیخ موصوف اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں رقم طراز ہیں:

''......اکنون جانشین او خلف صدق اوست شیخ عبداللہ موصوف است بعلم وحلم وریاضت وغربت

وہمت وعفت وسائرِ اخلاق درویشان''۔ ۸۴؎

(اس وقت آپ کے حقیقی بیٹے شیخ عبداللہ آپ کے جانشین ہیں، جو بڑے باعلم بردبار اور ریاضت وہمت اور پاکدامنی میں یکتائے زماں اور درویشوں کے تمام اخلاق واوصاف کے حامل ہیں)

آپ کی پیدائش ۹۳۰ھ میں احمد آباد میں ہوئی۔ علوم عقلی ونقلی کے زبردست ماہر تھے، روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے، نیز تہجد گزار تھے، اور ہمیشہ روزے سے رہتے تھے، اکثر افطار پانی سے فرماتے تھے اور عادات وشمائل میں والد بزرگوار کے قدم بہ قدم تھے، غربا ویتیم اور بیواؤں کے حق میں بڑے رحم دل تھے، سب کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آتے تھے، اور ہر ایک سے کچھ نہ کچھ سلوک فرماتے تھے۔ صاحب کشف وکرامات تھے۔

صاحب تذکرۃ الوجیہ کی اطلاع کے مطابق مصنف گلزار ابرار رقم طراز ہیں کہ آپ کی ذات میں تمام عقلی ونقلی علوم جمع تھے، کسی وکشفی دقیقے آپ سے حل ہوجایا کرتے تھے۔ عالم غیب وعالم شہادت کے حقائق کا جلوہ آپ پر ظاہر ہوتا تھا۔ آپ کو صوری ومعنوی معرفت حاصل تھی، اپنے والد ماجد کے ظاہری کمالات اور باطنی خزانوں کے آپ وارث تھے۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے والد بزرگوار کے درس کا زمانہ کم وبیش ۶۴ سال ہے اس مدت میں ایک گھڑی بھی خدمت اور حضوری سے جدا نہیں ہوئے، نیز ہمیشہ والد ماجد کی علیمت وروحانیت سے فائدہ اٹھایا، اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے نیز اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ شہنشاہ جہانگیر آپ کا عقیدت مند تھا، خود تو زک جہانگیری میں لکھتا ہے:

''فرمانے بمرتضٰی خاں حاکم گجرات درقلم آمد کہ چوں از صلاح وفضیلت وپرہیزگاری پسر میاں وجیہ الدین بمن رسیدہ است۔ مبلغے از جانب ماباوگذرانیدہ از اسمائے الٰہی اسمے چند کہ مجرب بودہ باشند، نویسانیدہ بفرستند اگر توفیق ایزدی رریق شود بداں مداومت نمایم''۔ ۸۵؎

(مرتضٰی خاں شیخ فرید بخاری حاکم گجرات کو فرمان لکھا گیا، کہ میاں وجیہ الدین کے فرزند کی بزرگی وپرہیزگاری کی تعریف سنی ہے، تم میری طرف سے آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرکے اسماے الٰہی سے چند اسما جو مجرب ہوں، لکھوا کر میرے پاس روانہ کردو، اگر توفیق ایزدی شامل حال ہوگی تو میں اس پر ہمیشہ عمل کرتا رہوں گا۔)

آپ کی وفات ۷؍محرم الحرام ۱۰۱۷ھ کو ہوئی، اور والد ماجد کے روضہ کے اندر دفن کیے گئے۔۸۶

(۳) شاہ حبیب اللہ:

شاہ حبیب اللہ بڑے سخی اور شجاعت میں رستم زماں تھے، نیز برہانپور میں سکونت گزیں ہوگئے تھے۔ آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

(۴) شاہ عبدالشکور:

آپ کا انتقال شیخ وجیہ الدین علوی کی زندگی میں ہوا، آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

(۵) شاہ عبدالحق:

آپ حافظ قرآن اور عالم باعمل تھے، ابتدا میں شجاعت ودلاوری میں مشہور تھے، اور اکثر موقعوں پر اسی بہادری سے معرکے سر کیے کہ سب بہادر لوگ آپ کی تعریف کرتے تھے، اچانک سب کو ترک کر کے سلوک وطریقت کا راستہ اختیار کیا۔ والد ماجد سے نعمت باطنی اور خلافت واجازت حاصل کی، اور بہت جلد سلوک کی منزلیں طے کر کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

ہمیشہ اشغال واذکار میں مشغول رہے اور والد کے ہمراہ درس وتدریس کی خدمت میں مصروف ہوکر تشنگان علوم کو سیراب کیا۔ شاہجہاں بادشاہ نے مراد بخش کے ذریعے سے آپ کی اولاد کو معاش کی خاطر جاگیر عنایت کی۔

آپ کی وفات ۲؍ربیع الاول ۱۰۴۰ھ کو ہوئی اور مزار سابرمتی کے اس پار تھا۔

(۶) شاہ عبدالواحد:

شاہ عبدالواحد عالم زماں، حافظ قرآں، صاحب فضل وکمال تھے، توکل وتسلیم ورضا آپ کا شعار تھا، تواضع وانکسار حد سے زیادہ تھا، تمام عمر یادِ الٰہی اور روحانی اذکار میں بسر کی۔ آپ کی تاریخ وصال ''فخر اولادِ علیؑ'' ہے۔

(۷) شاہ غالب:

حضرت شاہ غالب پر بچپن سے مجذوبیت کا غلبہ تھا، سید شاہ کبیر الدین مجذوب کی آپ پر خاص نظر تھی۔ آپ انھیں کے رنگ میں مدہوش تھے۔

آپ کی وفات ۱۶ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ کو ہوئی، آپ کی تاریخ وفات کا مادّہ آپ کے نام ''غالب'' سے نکلتا ہے۔آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

(۸) شاہ حامد:

آپ بڑے خوش نویس اور حافظ قرآن تھے۔آپ کے حالات دست یاب نہیں۔

(۹) شاہ غضنفر:

آپ کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔

شیخ وجیہ الدین کے دو پوتوں کے نام ملتے ہیں:

(۱) شاہ اسداللہ بن شاہ عبداللہ

(۲) شاہ حیدر بن شاہ عبداللہ

شاہ اسداللہ:

آپ کے بارے میں ''تو زک جہانگیری'' کے حوالے سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے والد ماجد شاہ عبداللہ کے وصال کے بعد ان کی جگہ پر جانشین ہوئے اور بہت جلد عالم بقا کو رحلت فرما گئے۔ آپ کے بعد آپ کے بھائی شاہ حیدر جانشین ہوئے۔آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

شاہ حیدر:

آپ گجرات کے مشاہیر علمائے کبار میں سے تھے، درس و تدریس آپ کا مشغلہ تھا، خرقۂ خلافت اپنے والد ماجد شاہ عبداللہ سے حاصل کیا، اور اپنے بھائی شاہ اسداللہ کے وصال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ مدرسہ و خانقاہ میں طلبا و فقرا کی تعلیم و تلقین میں مشغول رہتے تھے۔آپ بڑے مقبول القول اور محسن خلائق اور صاحب ظاہر و باطن معدن جود و کرم تھے، آشنا و غیر آشنا سب کی حاجت روائی میں کمر بستہ رہتے تھے، حیدر ثانی کے لقب سے مشہور تھے۔

۱۰۲۷ھ میں جب شہنشاہ جہانگیر بغرض تفریح احمد آباد آیا، تو حضرت شاہ وجیہ الدین علوی کی خانقاہ میں حاضر ہوا، اور شاہ حیدر سے مل کر آپ کی بزرگی اور اخلاق دیکھ کر خلوص و محبت سے پیش آیا۔ توزک جہانگیری بارہویں، جلوس میں خود لکھتا ہے:

'یکشنبہ بست و ہفتم بخانقاہ شیخ وجیہ الدین کہ نزدیک بدولت خانہ بود رفتہ بر سر مزار ایشاں کہ در صحن -

خانقاہ واقع است فاتحہ خواندہ شد این خانقاہ را صادق خاں کہ از امرائے عمدہ پدرم بود ساختہ است شیخ از خلفائے شیخ محمد غوث است اما خلیفہ کہ مرشد بخلافت او مباہات کند ارادت ایشاں بر ہانیست روشن بر بزرگی شیخ محمد غوث وشیخ وجیہ الدین بفضائل صوری وکمالات معنوی اراستگی داشت پیش ازیں بہی سال دریں شہر ودیعت حیات سپردہ بعد ازاں شیخ عبداللہ بوصیت پدر بر مسند ارشاد نشستہ بغایت درویشی مرتاض بود چوں مشار الیہ بجوار رحمت ایزدی پیوست فرزندش شیخ اسداللہ جانشین گشت وہمدراں زودی بعالم بقا شتافت وبعد ازو برادرش شیخ حیدر صاحب سجادہ شد والحال درقید حیات است وبرسر مزار حد واباے خود بخدمت درویشاں وتیمار حالا ایشاں مشغول واثر صَلاح از ناصیہ روزگارش ظاہر چوں عرس شیخ وجیہ الدین درمیان بود یکہزار وپانصد روپیہ بجہت خرچ عرس بشیخ حیدر عنایت شد ویکہزار پانصد روپیہ دیگر بجمعی از فقرا کہ درخانقاہ ایشاں حاضر بودند بدست خود خیر کردم وپانصد روپیہ بہ برادر شیخ وجیہ الدین لطف نمودم ہمچنیں بہر کدام از خویشاں ومنسوباں ایشاں درخور استحقاق خرچی وزمین مرحمت شد وبشیخ حیدر فرمودم کہ جمعی از درویشاں دستحقان را کہ معرفتی بحال انہا داشتہ باشند بحضور اوردہ خرچی وزمین التماس نمایند''۔ ۸۷

(یکشنبہ ۲۷ محرم کو شاہ وجیہ الدین کی خانقاہ میں جو شاہی محل کے قریب ہے گیا، اور آپ کے مزار پر حاضر ہوکر فاتحہ ادا کی، اس خانقاہ کو صادق خاں نے جو میرے والد کا ایک اچھا امیر تھا بنوایا ہے۔ حضرت شیخ محمد غوث کے خلفا سے ہیں، جن کی خلافت پر مرشد کو ناز ہے۔ آپ کی ارادت مرشد کے کمال اور بزرگی کی بڑی نشانی ہے۔ حضرت شیخ وجیہ الدین ظاہری اور باطنی کمالات سے آراستہ تھے، آج سے تیس سال پیش تر اس شہر میں عالم فانی سے عالم بقا کو رحلت کی، آپ کے بعد شاہ عبداللہ والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق مسند ارشاد پر بیٹھے۔ بڑے درویش اور پرہیز گار تھے۔ جب آپ وصال فرما گئے تو آپ کے فرزند اسداللہ جانشین ہوئے اور بہت جلد عالم بقا کو رحلت فرما گئے، آپ کے بعد آپ کے بھائی شاہ حیدر صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ فی الحال بقید حیات ہیں اور اپنے آبا واجداد کے مزار پر فقرا کی خدمت اور خبر گیری میں مشغول ہیں، آپ کی فضیلت وبزرگی آپ کے چہرے سے نمایاں ہے۔ چوں کہ حضرت کے عرس کا موقع ہے، ایک ہزار پانچ سو روپے ان فقرا کو جو خانقاہ میں حاضر تھے، اپنے ہاتھ سے خیرات کیے اور پانچسو روپے

شیخ وجیہ الدین کے بھائی کو عنایت کیے، اسی طرح آپ کے عزیز واقربا تھے، ان کی شان کے مطابق نقد روپے اور جاگیریں مرحمت فرمائیں اور حضرت شاہ حیدر سے یہ بھی فرمایا کہ درویش اور مستحق لوگوں کو جن کے حال سے آپ واقف ہوں ان کو میرے حضور میں لے کر حاضر ہوں اور نقد زمین کے لیے التماس کریں۔)

آپ کی وفات ۱۵؍رمضان المبارک ۱۰۴۳ھ کو ہوئی، اور والد ماجد کے روضہ کے اندر دفن کیے گئے۔ آپ کی تاریخ وفات کا مادہ صاحب تذکرۃ الوجیہ نے ''حیدر عالم رفت'' تحریر کیا ہے۔ ۸۸ھ

صاحب ''تذکرۃ الوجیہ'' نے شیخ وجیہ الدین علوی کے چچازاد بھائی سید شاہ عطا محمد حسینی اور شاہ صاحب کے بھتیجے سید احمد اور سید شاہ ہاشم کا تذکرہ قلم بند کیا ہے، نیز شیخ علوی کے اہل خاندان میں سے شاہ ولی اللہ ولی گجراتی، شاہ نصیر الدین ابن شاہ عبدالماجد، شاہ محمد باقر بن شاہ غنی محمد، شاہ حامد بن سید علاء الدین، شاہ کاظم ابن شاہ افضل، سید محمد شجاع الدین ابن شاہ فیض اللہ کا ذکر کیا ہے، اسی کے حوالے سے چند مشہور حضرات کا ذیل میں مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سید شاہ عطا محمد حسینی:

آپ شیخ وجیہ الدین علوی کے چچا کے فرزند تھے، آپ بڑے عالم تھے، نیز صاحب کشف وکرامات تھے۔ آپ چند مریدوں کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں مشائخ کرام سے دینی ودنیوی دولت ونعمت حاصل کی، نیز مدینہ منورہ میں روضۂ نبوی کی زیارت سے مشرف ہوئے، آپ کے چہرے سے جلال نمایاں تھا۔

آپ کے ہمراہ شیخ وجیہ الدین علوی کی صاحبزادی امت الحبیب بھی حج کے لیے گئیں، اور وہیں وفات پائی۔

آپ کی وفات ۲۵؍ربیع الثانی کو ہوئی، سال وفات کا علم نہیں، آپ کا مزار محلّہ سرکی واڑہ، شاہ پور، احمد آباد میں مشہور ومعروف ہے۔ انوار ولایت مزار سے ظاہر ہیں۔

سید احمد بن سید بہاء الدین:

آپ شیخ وجیہ الدین علوی کے بھائی سید بہاء الدین کے صاحبزادے تھے اور گجرات کے مشاہیر علمائے عظام میں سے تھے۔

آپ کی ولادت ۹۴۰ھ میں ہوئی، جب آپ کی عمر چھ سال کی تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا، آپ کی پرورش آپ کے جدامجد حضرت شاہ نصر اللہ نے کی۔

شیخ وجیہ الدین علوی کو اپنے بھائی کے فرزند سے اس قدر محبت تھی، اگر تھوڑی دیر بھی نہ دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے، اور خود ان کے مکان پر جا کر ان کا حال دریافت فرماتے تھے۔

آپ نے عربی علوم وفنون کی تحصیل مدرسہ علویہ میں کی، اور اسی طرح علوم باطنی کی تحصیل اپنے چچا شیخ وجیہ الدین علوی سے لی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

سلطان محمود ثانی نے آپ کے جدامجد شاہ نصر اللہ کی جگہ پر آپ کو چاپانیر کا قاضی مقرر کیا تھا۔ آپ کی حضرت شاہ صاحب سے خط وکتابت رہتی تھی، آپ ان خطوط میں باریک روحانی نکتے اور دقیق مسائل دریافت فرماتے تھے اور شیخ وجیہ الدین علوی اس کا مفصل جواب تحریر کر کے مشکلات کو حل فرما دیتے تھے۔

آپ عام وخاص میں مقبول تھے، عمر کے آخری ایام اشغال واذکار میں گزارے، آپ کا شمار اپنے خاندان کے مایۂ ناز علما میں ہوتا تھا۔

آپ کی وفات ۲۰ محرم الحرام ۱۰۰۸ھ کو ہوئی، تاریخ وفات کا مادّہ ''فیاض دین احمد'' سے نکلتا ہے۔

سید شاہ ہاشم بن سید برہان الدین:

آپ شیخ وجیہ الدین علوی کے بھائی سید برہان الدین کے صاحبزادے تھے اور جامع شریعت وطریقت تھے۔

آپ کی ولادت ۹۸۴ھ میں ہوئی، اپنے والد سید برہان الدین کی خدمت میں رہ کر سلوک و طریقت کی تحصیل کی، اور ان سے بیعت ارادت حاصل کی، شیخ وجیہ الدین علوی کے وصال کے وقت آپ کی عمر چودہ سال کی تھی۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ والد ماجد سید برہان الدین کے وصال کے بعد دل میں مجاہدات کا شوق پیدا ہوا، بالآخر استخارہ کرنے کے بعد برہان پور سے احمد آباد حضرت شاہ عبداللہ بن شاہ وجیہ الدین کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت طلبا کے درس وتدریس میں مشغول تھے، فرمایا بیٹھو، میں نے عرض کیا کہ خدمت کی نیت سے حاضر ہوا ہوں، آپ نے فرمایا میں کسی سے بھی خدمت نہیں لیتا اور تم تو میرے بھائی

ہو، میں نے کہا ہزاروں امیدیں لے کر صدق دل سے حاضر ہوا ہوں، یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے، میں نے تمام حال بیان کیا، کچھ دنوں آپ کی خدمت میں روزانہ حاضر ہوتا رہا۔

الغرض حضرت شاہ عبداللہ نے خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور واپس آ کر برہانپور میں سکونت پذیر ہو گئے۔

۹ رمضان ۱۰۵۶ھ کو وصال ہوا، آپ کا مزار محلّہ بادشاہ پور بیجاپور میں مرجع عالم اور زیارت گاہ خلائق ہے۔ تاریخ وصال کا مادّہ ''بادشاہ اہل بہشت'' سے نکلتا ہے۔

شاہ ولی اللہ ولی گجراتی:

ولی گجراتی حضرت شاہ وجیہ الدین علوی کے خاندان سے ہیں۔ آپ فن تغزل اردو کے ماہر اور موجد مانے گئے ہیں، اردو دنیا میں آپ کی شہرت محتاج بیان نہیں، نظم اردو کی تدوین کے لحاظ سے سب نے آپ کو رہنما تسلیم کیا ہے۔ آپ قدیم ادبیات وتغزل کے خاتم الشعرا اور جدید اردو شاعری کے استاد مانے گئے ہیں، اسی سبب سے آپ کو بابائے ریختہ کہا جاتا ہے۔

آپ کے نام اور وطن کے بارے میں تذکرہ نویسوں کی مختلف آرا ہیں۔ آپ کا نام بعض تذکرہ نویسوں نے ولی اللہ کسی نے محمد ولی، یا ولی محمد اور شمس ولی اللہ لکھے ہیں، مگر خاندانی انساب میں ولی اللہ نام پایا جاتا ہے، ولی کی مہر پر مندرجہ ذیل الفاظ کندہ ہے۔

"من الشاهد بن محمدولی الله بن شریف محمدالعلوی"

آپ کی سال ولادت کا سن صحیح طور پر معلوم نہیں، آپ کی پیدائش ۱۰۷۹ھ یا ۱۰۸۰ھ اور دوسرے قول کے مطابق ۱۰۵۰ھ کے آس پاس ہوئی۔ ولی کے خاندانی انساب میں سلسلہ نسب اس طرح مرقوم ہے:

شاہ ولی اللہ بن شریف محمد بن سید عبدالرحمٰن بن سید احمد بن سید بہاء الدین بن شاہ نصر اللہ حسینی۔

ولی کے وطن کے بارے میں بھی مختلف آرا ہیں، بعض تذکرہ نگاروں نے اورنگ آبادی دکنی قرار دیا ہے اور بعض تذکرہ نویسوں نے احمد آبادی قرار دیا ہے، مگر آپ کے احمد آبادی (گجراتی) ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خود خواجہ خان حمید اورنگ آبادی نے اپنے تذکرے گلشن گفتار صفحہ نمبر ۸ پر ولی کو احمد آبادی لکھا ہے، اور یہ تذکرہ ولی کی وفات کے قریب زمانے میں لکھا گیا ہے۔

اسی طرح قائم چاند پوری نے اپنے تذکرے ''مخزن نکات'' میں اور قاضی نور الدین نے ''مخزن شعرائے گجرات'' میں آپ کی جائے پیدائش گجرات کو قرار دیا ہے۔

آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم شاہ وجیہ الدین کی خانقاہ نیز مدرسہ عالیہ میں ہوئی، ولی کی طالب علمی کے زمانے میں اس مدرسے میں مولانا سید اسماعیل ''شیخ الحدیث'' تھے، نیز مولانا مرتضیٰ، مولانا محمد عثمان، مولانا شاہ یحییٰ علوی، مولانا شاہ عبد الماجد علوی، مولانا شاہ حسین اور مولانا شاہ غنی محمد علوی درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے۔

ولی گجراتی سلسلہ شطاریہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔ آپ کی مہر پر لفظ ''غوثی'' کندہ تھا۔ آپ نے مولانا شاہ حسین کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جو حضرت شاہ وجیہ الدین علوی کی خانقاہ میں سجادہ نشین تھے۔

نام کی مناسبت سے آپ نے ولی تخلص اختیار کیا، اور ریختہ (اردو) میں شعر کہنا شروع کیا۔ برہانپور، بیجاپور میں آمد و رفت اور دکن کی خوشگوار فضا نے ولی کے دل پر اثر کیا، آپ نے ریختہ میں طبع آزمائی کرتے ہوئے اپنا زور قلم دکھایا، مخمس میں لکھتے ہیں:

گلزار ہے بہار سے بیشک دکن   جو تھے تماشے ہیں دکن کے چمن میں

تجھ گل اوپر وہ بلبل شیدا ہوئے اِتال   دکنی زبان میں شعر سب کہتے ہیں لوگاں اے ولی

لیکن نہیں بولا کوئی اب تک شعر خوش شیریں سخن

آپ کی وفات گجرات میں ۱۲/شعبان ۱۱۱۹ھ کو ہوئی، اور اپنے جد امجد شاہ وجیہ الدین علوی کے مقبرے میں تدفین ہوئی۔

خلفا و تلامذہ:

آپ کے خلفا و تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع ہے، اسّی (۸۰) کی تعداد صرف ان لوگوں کی ہے، جنھوں نے اطراف ملک میں منتشر ہو کر مدرسے قائم کیے اور خود صاحب درس ہوئے۔ شیخ وجیہ الدین علوی کی کمال خوش نصیبی یہ ہے کہ اپنی زندگی ہی میں شاگردوں کے شاگرد کو مسند علم پر رونق افروز ہو کر درس و وعظ کے ذریعے خلق کو ہدایت کرتے دیکھا، گویا ان کی زندگی کا اصل منشا آپ کے سامنے ہی پورا ہو گیا۔

سید حسینی پیر علوی ''تذکرۃ الوجیہ'' میں رقم طراز ہیں:

''آپ کے خلفا وتلامذہ سے اکثر علامہ، محدث، مفتی اور مُلّا کے القاب سے یاد کیے گئے، بعض مفتی کے منصب پر فائز ہوئے، بعض نے مسند قضاۃ کو زینت بخشی، بعض نے علمی گوشہ میں درس و تدریس کی خاموش خدمت پسند کی، جس جگہ ان بزرگ ہستیوں کا قیام ہوا وہاں علمی وروحانی بزم آراستہ ہوگئی، غرض کہ آپ کے حلقہ درس وفیض تربیت سے ایسے باکمال مشائخ نکلے، جن کے انفاس قدسی کا فیض ہند وعرب تک پہنچا، جن میں شاہ صبغۃ اللہ مدنی اس پایہ کے بزرگ تھے کہ جب آپ عرب گئے تو علمائے حرمین نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ کے فضل وکمال سے پورا فائدہ اٹھایا، قاضی جلال الدین، ملّا حسن فراغی، ملّا عبدالرحمٰن گجراتی اپنے علم وفضل سے اکبری اور جہانگیری عہد کے علما میں شمار کیے گئے۔ ملّا حسن فراغی کے تین لڑکوں نے اس مدرسے میں مدتوں درس کی خدمت پر مامور رہے، اسی طرح مولانا حسین شیبانی، مولانا محمد عثمانی، مفتی یونس، مفتی کمال محمد عباسی احمد آبادی وغیرہ ہیں جنھوں نے دکن، لاہور، آگرہ، مالوہ وغیرہ سے اپنے استاد کی زندگی میں جابجا مدرسے قائم کیے، یہ وہ حضرات ہیں جن کے انفاس قدسی سے ہزارہا لوگوں نے فیض پایا، اور بے شمار تشنگان علوم سیراب ہوئے''۔[۸۹]

ان کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے ایسے خلفا وتلامذہ ہیں، جنھوں نے مختلف مقامات پر بود وباش اختیار کرتے ہوئے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعے مخلوق خدا کو فیض پہنچایا، جن میں سے چند نام مندرجہ ذیل ہیں۔

سید احمد مکی، مولانا عبدالہادی، بایزید ثانی سرہندی، سید اشرف بلگرامی، شیخ احمد بن رحمت اللہ، مولانا برہان الدین گجراتی، مفتی عبدالرحمٰن عباسی، شیخ جمال بن عثمانی، اور ان کے لڑکے محمد عثمان، مولانا محمد شفیع نورانی، محمد طاہر بن یوسف برہان پوری، سید علم الدین بخاری، شیخ مولانا محمد دکنی، مولانا یعقوب پٹنی، مولانا عبداللطیف دھولتی، مولانا عبدالقیوم، مولانا بہاء الدین، ملّا عبدالنبی احمد نگری، شاہ ابوالفتاح، مولانا نظام الدین، مولانا ابراہیم دکنی، شیخ ابوسعید شطاری سارنگ پوری (مالوہ)، صوفی شریف جنبھانی، شاہ راجی درویش، شاہ کنجن درویش، شاہ شیخ جی درویش، شیخ عبدالعزیز بن عبدالکریم، شیخ حبیب صوفی، شیخ متقن، شاہ اویس اور شاہ اسماعیل فرزندان غوث گوالیاری۔

مندرجہ بالا لوگوں میں سے چند خلفا وتلامذہ کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

شیخ صبغۃ اللہ حسینی بھڑوچی:

شیخ صبغۃ اللہ بن روح اللہ بلند پایہ عالم اور کامل شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے مصنف بھی تھے اور شیخ وجیہ الدین علوی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔

آپ کے جدامجد اصفہان سے ہجرت کر کے گجرات کے شہر بھڑوچ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، جہاں پر ۹۵۲ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔[۹۰] آپ نے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت میں رہ کر کی، اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا عبدالحی حسنی اپنی عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

"الشيخ العالم الكبير العارف صبغة الله بن روح الله بن جمال الله الحسيني الكاظمي البروچي المهاجر إلى المدينة المنورة وشيخ مشايخ الطريقة العشقية الشطارية.... وله اليد الطولى فى أنواع الفنون، أصله من أصفهان،انتقل جده منها إلى الهند وسكن بمدينة بروچ من بلاد گجرات، وولد بها الشيخ صبغة الله ونشأ فى مهد العلم، وقرأ على العلامة وجيه الدين بن نصر الله العلوى الگجراتى،وأخذ عنه وتأدب عليه، وأكمل عنده الطريق وأجازه للارشاد"۔[۹۱]

اسی طرح میر غلام علی آزاد بلگرامی ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بروج۔ بلدة من صوبة كجرات، أخذ العلوم عن الشيخ وجيه الدين الكجراتى ولبس منه الخرقة واشتغل برهة حسب إشارة الشيخ بالتدريس والإرشاد فى بلدته"۔[۹۲]

نواب صدیق حسن خاں ''ابجد العلوم'' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"السيد صبغة الله البروجى بلدة من گجرات اخذ العلوم عن الشيخ وجيه الدين الگجراتى واشتغل بالتدريس والارشاد برهة ثم رحل الى مكة والمدينة وغيرهما"۔[۹۳]

مولانا عبدالحی حسنی اپنی اردو تصنیف ''یادایام'' (مختصر تاریخ گجرات) میں رقم طراز ہیں:

'مولانا صبغۃ اللہ بن روح اللہ حسینی بھڑوچ کے رہنے والے اور علامہ وجیہ الدین کے شاگرد رشید تھے، مدتوں بھڑوچ میں اور کچھ عرصے تک احمد نگر و بیجاپور میں علوم وفنون کی اشاعت کی، اس کے بعد حجاز پہنچے، حج وزیارت سے فارغ ہوکر جبل احد پر قیام فرمایا، اور ساری زندگی اسی پہاڑ پر بسر کردی''۔[۹۴]

علوم وفنون کی تکمیل کے بعد شیخ وجیہ الدین علوی کے حکم کے مطابق اپنے وطن بھڑوچ میں درس وارشاد میں مشغول رہے، پھر حج وزیارت کی سعادت سے مشرف ہوکر اپنے وطن واپس آئے، پھر ۹۹۹ھ میں مالوہ پہنچے، اور وہاں سے احمد نگر آئے اور ایک سال برہان الملک کے اشارے سے مالوہ میں مقیم رہے، پھر حرمین شریفین کے ارادے سے بیجاپور گئے۔ سلطان ابراہیم بیجاپوری نے پورا اعزاز واکرام کیا، اور آپ کے لیے سامان سفر مہیا کیا، خاص جہاز پر سوار کر کے حرمین روانہ کیا، سید موصوف مع متبعین وخدام کے حرمین پہنچے اور زیارت سے مشرف ہونے کے بعد احد کے پہاڑ کے قریب مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرلی۔

علماے حرمین محترمین نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ کے فضل وکمال سے پورا فائدہ اٹھایا، شیخ احمد بن عبدالقدوس الشناوی، ابوبکر بن قعود نسفی، محمد بن عمر بن محمد حضرمی اور شیخ عبدالعظیم مکی جیسے ناموران کے شاگرد ہوئے، نیز سید امجد مرزا، سید اسعد بلخی، شیخ عبداللہ ہندی، شیخ محی الدین مصری، شیخ بن الیاس کردی، نظام الدین سندھی، شیخ حبیب اللہ ہندی بیجاپوری آپ کے مشہور ومعروف تلامذہ میں سے ہیں۔

فضل اللہ محبی نے "خلاصة الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر" میں شیخ نجم الدین الغزی نے "لطف السمر وقطف الثمر" میں آپ کا مبسوط تذکرہ قلم بند کیا ہے اور آپ کی مدح وثنا کی ہے۔

آپ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) حاشیه علی تفسیر البیضاوی

(۲) کتاب الوحدة

(۳) رساله إراة الدقائق فی شرح مرآة الحقائق

(٤) رساله فی الصنعة الجابرية

(٥) رساله في الجعفر

(٦) تعريب جواهر خمسه للشيخ محمد غوث گواليارى

آپ کی وفات صاحب سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان اور صاحب نزہۃ الخواطر کی تحقیق کے مطابق مدینہ منورہ میں ۲۶ر جمادی الاولی ۱۰۱۵ھ کو ہوئی اور بقیع غرقد میں تدفین ہوئی، اور صاحب ''تذکرۃ الوجیہ'' کی اطلاع کے مطابق ۲۸ر جمادی الاولی ۱۰۱۵ھ کو ہوئی۔ آپ کے خلیفہ شیخ عبدالعظیم مکّی و شیخ علی کشایش نیز اکابر مدینہ نے آپ کو فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کے قبہ شریف کے قریب ''جنت البقیع'' میں دفن کیا، آپ کی تاریخ وفات کا مادہ "خير الناس باطنا" ہے۔

قاضی جلال الدین ملتانی:

قاضی جلال الدین ملتانی کی ولادت اور نشو و نما مقام ''بھکر'' ملتان میں ہوئی، آپ نے علوم متداولہ کی تحصیل کے لیے آگرہ کا سفر کیا، اور شیخ جلال الدین بن عبداللہ اکبرآبادی سے علوم وفنون کی تحصیل کی، پھر تکمیل علوم کے لیے گجرات روانہ ہوئے اور شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تکمیل کی۔ ۹۵

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے متعلق رقم طراز ہیں:

'الشيخ الفاضل الكبير القاضي جلال الدين الحنفي الملتاني، أحد كبار العلماء، ولد بمدينة بهكرونشأ بالملتان وسافر للعلم إلى آگره، فقرأ الكتب الدرسية على الشيخ جلال بن عبدالله الأكبرآبادي... إنه رحل إلى گجرات وقرأ على الشيخ العلامة وجيه الدين بن نصر الله العلوي الگجراتي ،ثم سافر إلى آگره" ۔۹۶

پھر آپ نے گجرات سے آگرہ کا سفر کیا، اور کچھ عرصے تجارت کا پیشہ اختیار کیا، پھر اس کو ترک کر کے اکبرآباد میں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ شروع کیا اور عرصۂ دراز تک درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔

شہنشاہ اکبر نے قاضی کمال الدین یعقوب کردی کی جگہ آپ کو قاضی مقرر کیا، مگر علما کے بحث و مناظرہ کی وجہ سے آپ استعفیٰ دے کر بیجاپور دکن کی طرف چلے گئے، وہاں کے حاکم نے نہایت عزت

وتعظیم کی، پھر آپ نے حج کے لیے سفر کیا، اور حج وزیارت کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔[97]

آپ کی وفات ۹۹۹ھ میں بیجاپور میں ہوئی۔

مولانا عثمان سندی:

شیخ عثمان بن عیسیٰ ہندوستان کے ممتاز ترین علمائے عظام میں سے تھے، نیز فن منطق، حکمت اور طب میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا، آپ نہایت متقی پرہیزگار تھے، سکون قلب کے ساتھ عزت و وقار سے نماز ادا فرماتے تھے، اور مشتبہ امور سے پرہیز کرتے تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة عثمان بن عيسىٰ بن إبراهيم الصديقي البوبكاني السندي الحكيم البرهانپوري، أحد العلماء المبرزين فى المنطق والحكمة والطب، وأخذ الفقه والأصول والعربية عن القاضي محمود المودلي والعلامة وجيه الدين العلوي الگجراتي...... وكان فاضلاً كبيراً بارعاً فى المنطق والحكمة، حاذقاً فى الطبِ، جيد المشاركة فى العلوم الشرعية، تقياً نقياً زاهداً متورعاً كبيراً فى أعين الناس يعتقدون فيه الخير والصلاح، كان يصلي بوقار وسكينة، ويحترز عن المشتبهات". [98]

آپ کی ولادت علاقہ ''بوبکان'' سندھ میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم علامہ سید حسین بغدادی سے لی، اور علوم متداولہ کی تحصیل کے لیے گجرات کا سفر کیا، اور علوم عربیہ کی تحصیل قاضی محمود موری اور شیخ وجیہ الدین علوی سے حاصل کی۔

آپ ۹۸۳ھ میں احمد آباد سے برہانپور گئے، امیر برہانپور محمد شاہ بن المبارک الفاروقی نے آپ کی عزت کی اور درس کے ساتھ ساتھ فتاویٰ نویسی کے اعلیٰ منصب پر سرفراز کیا، جہاں پر آپ نے ستائیس[27] سال درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔

آپ کے مشہور ومعروف تلامذہ میں قاضی نصیر الدین بن سراج محمد البنانی، قاضی عبدالسلام سندی، شیخ صالح سندی، شیخ سکہ جی ختن، شیخ یوسف ہیں۔ آپ کی مشہور تصنیف ''شرح علی صحیح البخاری'' اور حاشیہ علی تفسیر البیضاوی ہے۔

صاحب تذکرۃ الوجیہ اور صاحب نزہۃ الخواطر کی اطلاع کے مطابق آپ اپنی عمر کے آخری ایام میں برہانپور سے اپنے گاؤں چلے گئے۔ (جو آپ کو بطور وظیفہ ملا تھا اور خاندیس کی سرحد پر واقع تھا) اچانک شہنشاہ اکبر کے لشکر کے آنے کی خبر ملی، واپس ہونا مناسب نہ سمجھا، اور چند روز جنگل کے قیام کو ترجیح دی، ایک شب چوروں کے ایک گروہ نے (جو کولی قوم سے تھے) آپ پر حملہ کیا، اور معہ سترہ[۱۷] ہمراہیوں اسی جگہ شعبان ۱۰۰۸ھ میں شہید ہوئے، تھانیسر ضلع خاندیس میں مزار ہے۔[۹۹]

شیخ کمال محمد عباسی:

شیخ کمال محمد عباسی گجرات کے مشاہیر علمائے کبار میں سے تھے، فقہ، اصول فقہ اور عربی زبان وادب میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، آپ شیخ وجیہ الدین علوی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔

آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے لیے الشیخ، العالم، الکبیر المفتی جیسے القاب استعمال کیے ہیں، موصوف رقم طراز ہیں:

"الشيخ العالم الكبير المفتي كمال محمد العباسي الگجراتي، أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية، ولد ونشأ بأحمدآباد من أرض گجرات، واشتغل بالعلم من صباه على العلامة وجيه الدين بن نصر الله العلوي الگجراتي، ولازمه ملازمه طويله حتى برع وفاق أقرانه، ثم أخذ عنه الطريقة". [۱۰۰]

آپ کی ولادت ۹۵۸ھ میں احمد آباد میں ہوئی[۱۰۱] آپ نے جملہ علوم وفنون شیخ وجیہ الدین علوی کے درس سے حاصل کیے، پھر سلوک وطریقت کی تعلیم لی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کو حدیث کی سند شیخ عبدالملک بنانی سے بھی حاصل تھی۔

۹۸۰ھ میں احمد آباد سے اجین مالوہ گئے[۱۰۲] اور مستقل سکونت اختیار کی، تیس[۳۰] سال تک درس وتدریس کی خدمت انجام دی، اور مفتی کے منصب پر بھی فائز رہے۔

مولانا عبدالحی حسنی نے ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے شب وروز کے معمولات تفصیل سے بیان کیے ہیں، جس سے آپ کی علمی مشغولیات نیز آپ کے زہد وتقویٰ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پندرہ[۱۵]

سال کی عمر سے چون[۵۴] سال تک اسی طرح عمر گزری۔

آپ کی وفات ۱۰ رشعبان ۱۰۱۳ھ کو ہوئی، اجین میں آپ کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے۔

سید یٰسین سامانوی:

شیخ یٰسین بن اَبی یٰسین حنفی، شطاری، سید شاہ میر سامانوی کے خاندان سے تھے، آپ نے تحصیل علم کے لیے سفر کیا، اور شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور اکثر عربی کتب آپ سے پڑھیں، اسی کے ساتھ سلوک وطریقت کے راز سیکھے، اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

الشیخ العالم الصالح یسین بن أبی یسین الحنفی الشطاری السامانوی، کان من بنی آعمام السید شاہ میر السامانوی، سافر للعلم ولازم الشیخ وجیہ الدین العلوی الگجراتی وقرأ علیه الکتب وأخذ عنه الطریقة". [۱۰۳]

گجرات سے حرمین شریفین کا سفر کیا، اور حج وزیارت کی سعادت سے سرفراز ہوئے، نیز علماے حرمین سے حدیث کی سند لی۔ اور ہندوستان واپس تشریف لائے، کچھ عرصے لاہور میں قیام کیا۔ مولانا شہباز بھاگلپوری آپ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کی وفات بھاگلپور میں ۱۵ رمحرم الحرام میں ہوئی، سال وفات کہیں مذکور نہیں۔

مولانا یوسف گجراتی:

آپ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے شاگرد رشید وخلیفہ تھے، آپ کی ولادت بنگال میں ہوئی۔ آغاز جوانی میں اپنے وطن بنگال سے نکل کر سیاحی اختیار کی، اور حصول علم کے لیے مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے احمد آباد پہنچے، شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری وعلوم باطنی کی تحصیل کی۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

"الشیخ الفاضل یوسف بن أبی یوسف الگجراتی ثم البرهانپوری أحد الأذکیاء، ولد بأرض بنگاله وسافر للعلم، فساح البلاد واحداً بعد واحد حتی وصل إلی گجرات، ولازم العلامة وجیه الدین العلوی الگجراتی، وأخذ عنه العلم وتلقی منه الذکر". [۱۰۴]

اسی طرح سید حسنی پیر علوی ''تذکرۃ الوجیہ'' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت کے تمام شاگردوں میں ذہن کی تیزی وزودفہمی میں پیشتر مقدم تھے، حافظہ کا یہ عالم تھا کہ تمام کتابیں ازبر تھیں، سینہ علوم کا گنجینہ تھا''۔ ۱۰۵

علوم وفنون کی تکمیل کے بعد آپ نے برہانپور کا سفر کیا، اور وہاں پر مستقل سکونت اختیار کرلی، نیز عرصۂ دراز تک درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

آپ کے تلامذہ میں شاہ عیسیٰ جنداللہ اور شیخ پیر محمد حلیم کا نام قابل ذکر ہے، شاہ عیسیٰ جنداللہ علماے کبار میں شمار کیے جاتے تھے، نیز علم حدیث شریف میں فرد فرید تھے، اسی طرح شیخ پیر محمد جو اکثر علوم میں آپ کے شاگرد تھے، اپنے دور کے متبحر علما میں شمار کیے جاتے تھے۔

آپ کی خوابگاہ برہانپور میں ہے۔ سال وفات کہیں مذکور نہیں۔

شیخ ابوتراب لاہوری:

شیخ ابوتراب بن نجیب الدین شیراز سے گجرات تشریف لائے، اور شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت میں رہ کر سلوک وطریقت کی تحصیل کی، بالآخر آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں لکھتے ہیں:

"الشیخ الفاضل أبوتراب بن نجیب الدین الحسینی الشیرازی ثم اللاهوری، أحد العلماء المبرزین فی العلوم الحکمیة، قدم الهند وأخذ الطریقة عن الشیخ وجیه الدین بن نصر الله العلوی الگجراتی"۔ ۱۰۶

شیخ وجیہ الدین علوی کی وفات کے بعد آپ لاہور چلے گئے، اور رشد وہدایت میں مشغول رہے۔ آپ کی وفات ۱۴ رشوال ۱۰۷۱ھ کو لاہور میں ہوئی، آپ کا مزار محلہ گڑھی شاہو لاہور میں ہے۔ ۱۰۷

قاضی عبداللہ بیجاپوری:

شیخ عبداللہ گجرات کے مشاہیر فقہاے عظام میں سے تھے، نیز علم حدیث شریف میں فرد فرید تھے۔

آپ کی ولادت اور نشوونما گجرات میں ہوئی، آپ نے علوم وفنون کی تحصیل شیخ وجیہ الدین علوی سے حاصل کی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں بیجاپور دکن تشریف لے گئے اور وہاں پر شاہ صبغۃ اللہ حسینی سے فیض حاصل کیا، آپ بیجاپور میں عہدۂ قضا پر بھی مامور تھے، اسی کے ساتھ ساتھ درس وتدریس

کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"الشیخ العالم الفقیه القاضی عبدالله الحنفی الگجراتی ثم البیجاپوری، أحد العلماء المتمکنین فی الفقه والحدیث، أخذ عن العلامة وجیه الدین بن نصر الله العلوی الگجراتی ولازمه زماناً"۔۱۰۸

آپ کی وفات بیجاپور میں ہوئی۔ سال وفات کہیں مذکور نہیں، آپ کا مزار بیجاپور میں فتح پور دروازہ کے باہر ہے۔۱۰۹

مولانا یونس سندی:

شیخ یونس بن اُبی یونس حنفی مشاہیر علمائے عظام میں سے تھے، آپ نے شیخ وجیہ الدین علوی سے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل کی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ درس وتدریس آپ کا مشغلہ تھا اور مفتی کے منصب پر بھی مامور تھے، نیز تصوف کے اعلیٰ درجے پر پہنچے ہوئے تھے۔

آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ عبدالغنی، ملا طیب سندھی، علامہ شاہ عیسی جنداللہ، قاضی اسحاق اسیری، نظام الدین ابن کبیر جیسے علمائے وقت آپ کے شاگرد رشید تھے۔۱۱۰

آپ کے تفصیلی حالات دست یاب نہیں۔

مولانا عبدالقادر بغدادی:

شیخ عبدالقادر بن اُبی محمد بغدادی عربی زبان وادب کے ماہر ادیب تھے، نیز علوم عربیہ کے جملہ فنون پر آپ کی نظر تھی، آپ کا عربی زبان میں متنبّی کے طرز پر ایک دیوان ہے، آپ شیخ وجیہ الدین علوی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔

آپ کی ولادت ''باب الکرخ'' بغداد میں ہوئی، بچپن میں ہی والد کا انتقال ہوگیا، آپ کی پرورش آپ کے چچا نے کی، وہ آپ کو ہندوستان ''بندر گووا'' لے کر آئے، جہاں پر آپ کے عم بزرگوار کا انتقال ہوگیا۔

سلطام مظفر بن محمود کے عہد سلطنت ۹۶۶ھ میں آپ احمد آباد تشریف لائے، اس وقت آپ کی

عمر سولہ[۱] سال تھی۔ آپ نے سرخیز کے مدرسے میں فقیہ حسن عرب کی خدمت میں رہ کر علم ادب کی تحصیل کی، اور علم منطق شیخ حسین بغدادی سے، علم کلام قاضی علاء الدین عیسیٰ احمد آبادی سے، شرح تجرید، تحریر اقلیدس، شرح تذکرہ مولانا نظام اعرج سے، اور بعض دوسری کتب علامہ فتح اللہ شیرازی سے پڑھیں۔ پھر جملہ علوم کی تکمیل شیخ وجیہ الدین علوی سے کی۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة عبدالقادر بن أبي محمد البغدادي ثم الهندي الأجيني، أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة،... وقرأ المنطق والحكمة على الشيخ حسين البغدادي وقرأ الكلام على القاضي علاء الدين عيسىٰ الأحمد آبادي، ثم لازم دروس العلامة وجيه الدين العلوي الگجراتي، وقرأ عليه سائر الكتب الدرسية"۔[۱]

جب اکبر بادشاہ بن ہمایوں تیموری نے ۹۸۲ھ میں گجرات کو فتح کیا، اور آگرہ واپس لوٹا، اس وقت آپ کو اپنے ہمراہ آگرہ لے گیا۔ پھر ۱۰۰۰ھ میں علامہ فیضی کی خواہش پر ان کے ساتھ دکن گئے، واپسی میں آپ اجین میں مقیم ہو گئے، اور اس شہر کے طالبان علم کو تقریباً بیس سال تک علمی فیض سے سیراب کیا۔

آپ کی مشہور تصانیف میں عربی اشعار میں ایک دیوان ہے، شیخ ابوالفیض کے مناقب میں عربی زبان میں ایک رسالہ ہے، ایک رسالہ علم کی تعریف میں متکلم وکلیم کے طرز پر ہے جو ابوالفضل کے نام پر معنون ہے اور اکثر درسی کتب پر آپ نے حاشیے لکھے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۰۲۱ھ میں بمقام اجین ہوئی، اور اجین میں ہی تدفین ہوئی۔

شیخ عبداللہ سندیلوی:

شیخ عبداللہ بن بہلول مشاہیر علمائے ہند میں سے تھے، اور اکثر علوم وفنون پر آپ کو دسترس حاصل تھی، نیز شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ آپ سلسلۂ شطاریہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔

آپ کی ولادت بروز پیر ۱۲/ربیع الاول ۹۲۴ھ کو ''سندیلہ'' اطراف اودھ میں ہوئی، جب آپ

کی عمر نو۹ سال کی تھی اس وقت آپ نے تحصیل علم کے لیے ''گوپامئو'' کا سفر کیا، اور صرف ونحو کی کتابیں شیخ الہ داد بن سعد اللہ عثمانی سے پڑھیں۔

علوم متداولہ کی تحصیل کے لیے بدایوں، دہلی، اور گجرات کا سفر کیا۔ دہلی میں شیخ معز الدین بخاری سے ''الارشاد''، ''الکافیہ'' اور ''اللب'' پڑھی، مولانا برہان الدین ملتانی سے بھی علمی استفادہ کیا، اور ان کے ہمراہ گجرات کا سفر کیا، شیخ وجیہ الدین علوی سے علم ریاضی کی بعض کتب پڑھیں۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

"الشيخ العالم الصالح عبدالله بن بهلول العثماني الهروی السنديلوی، أحد المشايخ العشقية الشطارية، ولد يوم الاثنين الثاني عشر من ربيع الثاني سنة أربع وعشرين و تسعمائة ببلدة "سنديله" من أرض أوده، ... وقرأ بعض الكتب الدرسية على مولانا برهان الدين الملتاني، وسافر معه إلى گجرات وقرأ بعض الرسائل في الفنون الرياضية على العلامة وجيه الدين العلوی الگجراتی". [۲۱]

فقہ اور اصول فقہ کی بعض کتب شیخ مبارک گوالیاری سے، حدیث اور اصول حدیث کی بعض کتابیں شیخ عبدالاول حسینی دولت آبادی سے پڑھیں۔

چوبیس۲۴ سال کی عمر میں ہر علم میں کمال حاصل کیا، پھر شیخ محمد غوث گوالیاری سے سلوک وطریقت کی تعلیم لی، شیخ موصوف نے یوم عرفہ ۹۵۰ھ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، اور خانقاہ میں مبتدی مریدین کی تعلیم وتربیت آپ کے سپرد کی، آپ نے چند سال یہ خدمت کی۔

پھر آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا، اور مدینہ منورہ میں پانچ سال قیام فرمایا، اور ہر سال حج کی سعادت سے سرفراز ہوتے رہے، اس کے بعد آپ گجرات واپس تشریف لائے اور احمد آباد میں نکاح کیا۔ احمد آباد میں پندرہ۱۵ سال تک درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر گوالیار تشریف لے گئے اور شیخ محمد غوث کے آستانے پر دو سال قیام فرمایا، پھر آگرہ میں بود وباش اختیار کر لی۔ توکل اور قناعت آپ کا شعار تھا۔ گوشہ نشینی کو پسند کرتے تھے۔ امرا اور اغنیا کے در پر جانے سے پرہیز کرتے تھے۔

آپ کے صاحبزادے عبدالنبی نے اپنی کتاب ''جامع الکلم'' میں آپ کے ملفوظات کو جمع کیا

ہے۔آپ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سراج السالكين۔

(۲) كنز الأسرار فى أشغال الشطار

(۳) شرح الرساله الغوثيه

(٤) الأوراد الصوفيه

(٥) انيس المسافرين

(٦) اسرار الدعوة

(۷) رساله الصوفيه

آپ کی وفات ۲۳ / جمادی الاولی ۱۰۱۰ھ کو آگرہ میں ہوئی، مزار منیا محل آگرہ میں ہے۔

شیخ ضیاء اللہ اکبرآبادی:

شیخ ضیاء اللہ بن محمد غوث گوالیاری کا شمار اپنے عہد کے اکابر صوفیا اور اجلۂ علما میں ہوتا تھا، نیز آپ شیخ وجیہ الدین علوی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔

آپ کی ولادت ۹۳۶ھ میں ہوئی، اپنے والد ماجد کے ہمراہ احمد آباد تشریف لے گئے، اس وقت آپ کی عمر تیرہ[۱۳] سال تھی، قرآن مجید کے حافظ تھے، نیز جملہ علوم وفنون سے واقف تھے۔

آپ کی تعلیم وتربیت کے لیے والد ماجد شیخ محمد غوث گوالیاری نے علامہ وجیہ الدین گجراتی کے سپرد کیا، اور تقریباً نو[۹] سال شاہ صاحب کے مدرسہ عالیہ میں فقہ، حدیث، تفسیر، اصول، منطق وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، خصوصاً فن تفسیر میں آپ کو بڑی مہارت تھی۔

شیخ محمد طاہر پٹنی کے پاس نہروالہ میں دس[۱۰] سال رہ کر حدیث کی سند حاصل کی، اور تمام علوم میں استاد وقت مانے گئے۔ جس زمانے میں آپ نہروالہ میں احادیث کی تصحیح فرما رہے تھے، شیخ محمد غوث گوالیاری نے شیخ نور محمد کو آپ کے لیے خرقۂ خلافت اور اجازت نامہ دے کر نہروالہ بھیجا تھا۔

۹۷۰ھ میں والد ماجد کی وفات کے بعد گوالیار تشریف لے گئے، اور کچھ عرصے وہاں پر قیام فرمایا، پھر شہنشاہ اکبر نے آپ کو آگرہ میں طلب کیا، اور اپنے محل میں قیام کے لیے جگہ دی، آپ نے تقریباً پینتیس[۳۵] سال آگرہ میں قیام فرمایا اور علم ومعرفت کی نشر واشاعت میں مشغول رہے۔

مشہور اسلامی مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب ''منتخب التواریخ'' میں آپ کا تفصیلی تذکرہ قلم بند کیا ہے، اور چند مرتبہ اپنی ملاقات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

آپ کی باوقار شخصیت تھی۔ شیریں کلام تھے۔ مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ عوام وخواص آپ کے درس میں شامل ہوتے تھے اور آپ کی علمی گفتگو اور صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وکان شیخاً وقوراً عظیم الهیئة، عارفاً بدقائق التصوف والتفسیر والحدیث وأقوال المشایخ، حلو الکلام، یدرس فی علوم عدیدة، حصل له القبول التام عند عوام أهل البلد والوجاهة عند الأمراء، استقدمه أکبر شاه بن همایون السلطان غیر مرة وتمتع بصحبة". [۱۱۳]

آپ کی وفات ۲۷ رمضان المبارک ۱۰۰۵ھ کو ہوئی[۱۱۴] صاحب ''تذکرۃ الوجیہ'' و پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے اپنے مقالے میں ۳ رمضان المبارک ۱۰۰۶ھ تحریر کی ہے۔[۱۱۵]

شیخ عبداللہ گوالیاری:

شیخ عبداللہ ہندوستان کے مشاہیر صوفیائے کرام میں سے تھے، شیخ محمد غوث گوالیاری کے فرزند رشید اور جانشین تھے۔

آپ کی ولادت ۹۴۱ھ میں بمقام گوالیار ہوئی،[۱۱۶] آپ نے علوم وفنون کی تحصیل شیخ مبارک گوالیاری اور شیخ وجیہ الدین علوی کے زیر سایہ رہ کر کی، اور کچھ عرصے تک درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔

۹۷۰ھ میں جب شیخ محمد غوث گوالیاری کا وصال ہوا تو آپ ہی مسند خلافت پر متمکن ہوئے، جب اکبر بادشاہ نے چاہا کہ مقبرہ شاہ محمد غوث کو تعمیر کیا جائے، تو شیخ عبداللہ ہی کو یہ ذمہ داری تفویض کی گئی۔

اکبر بادشاہ کی خواہش تھی کہ آپ گوشہ نشینی کے بجائے اولیائے دولت میں شامل رہیں، چنانچہ اسی کے پیش نظر شیخ عبداللہ چالیس[۴۰] سال تک صورتاً سپاہی اور معناً درویش رہے، اکبر نے جب آپ کو مرزا شاہ رخ کے پاس سفارت پر بدخشاں بھیجا تو شاہ رخ بنفس نفیس ایک منزل کی مسافت تک آپ کے استقبال کے لیے آیا، اور دولت خانے پر کمال عزت واحترام سے رکھا اور شاہانہ مہمان داری کی۔

۱۰۱۴ھ میں جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو آپ نے ضعف پیری کے سبب سے معذرت کر کے

دربار سے علیحدگی اختیار کرلی، اور۱۰۱۴ھ سے ۱۰۲۱ھ تک آپ گوالیار ہی میں خلق اللہ کی رشد وہدایت میں مصروف رہے۔

آپ کی وفات ۱۸/محرم الحرام ۱۰۲۱ھ کو گوالیار میں ہوئی، اور وہیں تدفین ہوئی۔ [۱۱۷]

محمد بن حسن مندوی المعروف مولانا محمد غوثی شطاری:

آپ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے شاگرد رشید تھے، آپ کی ولادت ۱۱/رجب ۹۶۲ھ کو مانڈو (مالوہ) میں ہوئی، آپ نے قرآن کریم اور فارسی کی ابتدائی کتب شیخ کمال الدین قرشی سے، صرف ونحو کی کتابیں شیخ برہان الدین کالپوی سے، اور اصول فقہ میں الکشف، المنار، التلویح، سید شاہ محمد سے پڑھیں۔

پھر آپ نے آگرہ کا سفر کیا، اور پانچ (۵) سال تک آگرہ میں ٹھہرے، پھر آپ نے ۹۹۰ھ میں گجرات کا سفر کیا، اور اکثر عربی علوم وفنون کی کتابیں مدرسہ عالیہ میں شیخ وجیہ الدین علوی سے پڑھیں۔ آپ نے علم ریاضی کی بعض کتب برہانپور میں حکیم عثمان بن عیسیٰ سے پڑھیں، پھر ۹۹۴ھ میں آپ واپس ''مندو'' آئے۔

مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

"الشيخ الفاضل محمد بن الحسن بن موسىٰ الگجراتی ثم المندوی، أحد الرجال المعروفين بالفضل والكمال، ... وقرأ أكثر الكتب الدرسية فی مدرسة الشيخ وجيه الدين بن نصر الله العلوی الگجراتی... وكان صوفياً مستقيم الحالة، أخذ الطريقة الشطارية عن الشيخ صدر الدين محمد البرودوی". [۱۱۸]

آپ سلسلۂ شطاریہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے، آپ سیّاحی کے زمانے میں جہاں جہاں موقع ہوا فقرا وعلما واولیا سے ملے تھے، چنانچہ شیخ غوث کے بزرگ خلیفہ شمس الدین زندہ دل شیرازی اور محمود العواقب محمود جلال شطاری، علامہ شاہ عیسیٰ جند اللہ، مولانا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ علما وصلحا کے ہم رفیق رہے۔

آپ کی مشہور ومعروف تصنیف گلزار ابرار ہے، جس میں مشائخ کرام کے حالات ساتویں

صدی ہجری سے ایک ہزار بائیس تک ۱۰۲۲ھ تک چار سو بائیس (۴۲۲) برس کے حالات ہیں، یہ کتاب جہانگیری عہد میں تالیف کی گئی اور شہنشاہ جہانگیر کے نام نامی پر معنون کی گئی ہے۔ صوفیاے کرام کے حالات میں یہ عجیب وغریب کتاب ہے، جس میں موقع موقع سے تصوف کے نکات بلکہ وحدۃ الوجود کے نکات بھی بیان کیے ہیں، طرز اداز مانے سے نرالا اور انوکھا ہے، خواب گاہ مانڈو (مالوہ) میں ہے۔۹۱۱

شیخ وجیہ الدین علوی کی تصانیف ایک نظر میں:

آپ کی مصنفہ کتب میں سے تلاش وجستجو کے بعد ۲۳ تصنیفات دست یاب ہوئی ہیں، جن میں سے ۱۹ عربی زبان میں ہیں اوز چار فارسی زبان میں ہیں، جن میں سے صرف ایک مطبوعہ ہے، باقی غیر مطبوعہ قلمی نسخوں کی صورت میں ہند اور بیرون ہند کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ آپ کی ۱۹ عربی دست یاب تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) حاشیه علی تفسیر بیضاوی

(۲) رساله فی التفسیر (الرساله العلویه)

(۳) شرح نزهة النظر فی شرح نخبة الفکر

(٤) حاشیه شرح وقایه

(٥) رساله فی الفقه (ترتیب فی الصلوٰة)

(٦) شرح البسیط فی الفرائض

(٧) حاشیه علی شرح جامی

(٨) شرح الارشاد

(٩) حاشیه علی حاشیه القوشجی علی المطول

(١٠) حاشیه علی التلویح

(١١) حاشیه علی وافیه شرح کافیه

(١٢) شرح شواهد المنهل الصافی فی شرح الوافی للبلخی

(١٣) حاشیه علی ضریری

(١٤) حاشیه علی المختصر المعانی

(۱۵) حاشیه شرح الموقف

(۱٦) حواشی علی المحصل للعلوی

(۱۷) رساله حقیقت محمدیه

(۱۸) حاشیه عضدیه

(۱۹) رساله مختصر مولوی جزری

آپ کی چار فارسی دست یاب تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) شرح جام جهاں نما

(۲) شرح علی رساله ملاعلی القوشجی

(۳) ملفوظات شیخ وجیه الدین علوی

(٤) اوراد شیخ وجیه الدین علوی گجراتی

مندرجہ بالا تصانیف کے علاوہ شیخ علوی کی ۴۴ ایسی تصنیفات بھی ہیں، جن کے مخطوطات کا اب تک علم نہیں ہوسکا، صرف ان کا ذکر مختلف مآخذ میں ملتا ہے، لیکن راقم السطور کو دست یاب نہیں ہوسکیں۔ ان تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) رساله جنت عدن علی تفسیر البیضاوی

(۲) رساله والذین آمنو وتبعهم ذریتهم بایمان

(۳) حاشیه علی تفسیر الرحمانی

(٤) حاشیه هدایه

(٥) حاشیه عضدی

(٦) شرح وجیز

(۷) حاشیه اصول بزدوی

(۸) حاشیه علی شرح تجرید

(۹) حاشیه علی شرح عقائد

(۱۰) حاشیه برحاشیه قدیمه ۔

(۱۱) رسالہ الکلام

(۱۲) حاشیہ علی حاشیہ الخیالی

(۱۳) شرح حکمۃ العین

(۱٤) شرح ابیات منہل الدمامینی

(۱۵) شرح ابیات تسہیل

(۱٦) حاشیہ شرح مختصر فی الاصول لابن حاجب

(۱۷) حاشیہ کافیہ فی النحو

(۱۸) حاشیہ علی شرحین للمفتاح فی علم المعانی والبیان

(۱۹) شرح رسالہ شمسیہ فی المنطق

(۲۰) حاشیہ تہذیب المنطق

(۲۱) حاشیہ قطبی

(۲۲) حاشیہ شرح مطالع الانوار

(۲۳) حاشیہ الجلالیہ

(۲٤) حاشیہ شرح چغمینی

(۲۵) رسالہ ایمان

(۲٦) رسالہ طریقۂ بیعت

(۲۷) شرح کلید مخازن

(۲۸) شرح لوائح جامی

(۲۹) مکتوبات

(۳۰) حاشیہ کشف الاصول

(۳۱) حاشیہ شفا قاضی عیاض

(۳۲) حاشیہ اصفہانی

(۳۳) حاشیہ علی منہل العلامہ الجامی

(٣٤) شرح تحفه شاهيه

(٣٥) حاشيه زبده

(٣٦) حاشيه عين المفتاح

(٣٧) حاشيه على الزرح تذكره نيشاپورى

(٣٨) رساله القلب

(٣٩) رساله وقف اعداد

(٤٠) رساله فى تحقيق ابليس

(٤١) حاشيه على كتاب سيدشريف جرجانى

(٤٢) رساله فى الاجوبة الاعتراضات الفقيه الحيرتى على فاضل الهندى

(٤٣) حاشيه شرح مقاصد

(٤٣) مختصر تلخيص

حواشی

۱ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، (مقالہ مولانا ابوظفر ندوی)، ص:۱۱۲

۲ تذکرۃ الوجیہ، سید حسینی پیر علوی، ص:۳۲

۳ تذکرۃ الوجیہ، ص:۳۰ و(ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، (مولانا ابوظفر ندوی)، ص:۱۱۳

۴ تذکرۃ الوجیہ، ص:۳۰

۵ ایضاً، حوالۂ بالا

۶ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، سید غلام علی آزاد بلگرامی، (تحقیق الدکتور محمد فضل الرحمٰن الندوی)، ج:۱، ص:۱۱۵

۷ تذکرۃ الوجیہ، ص:۳۱، و(ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، ص:۱۱۳

۸ تذکرۃ الوجیہ، ص:۳۱

۹ ایضاً ، ص:۳۲

۱۰ ایضاً، ص:۳۶

۱۱ نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحی حسنی، جلد:۴، صفحہ:۲۷۹، و یادِایام، مولانا عبدالحی حسنی، ص:۴۷

۱۲ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۱۳، و یادِایام، ص:۷۷، ۸۰، ۸۱، وکشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، ج:۱، ص:۱۸۹

۱۳ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ج:۱، ص:۱۱۵، ونزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۳۴۳، وابجد العلوم، نواب صدیق حسن خاں، ص:۸۹۶ وحدائق الحنفیہ، مولوی فقیر محمد جہلمی، ص:۳۸۸، و یادِایام، ص:۱۰۰

۱۴ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۳۴۳

۱۵ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، ص:۱۱۴

۱۶ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (حاشیہ)، ج:۱، ص:۱۱۶، (تحقیق الدکتور محمد فضل الرحمٰن الندوی السیوانی) ونزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۲۳۶، وحدائق الحنفیۃ، ص:۳۸۸، وابجد العلوم، ص:۸۹۶، وتذکرہ علماے ہند، مولوی رحمان علی، ص:۵۳۹

۱۷ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۲۳۶، وسبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان' (حاشیہ)، ج:۱، ص:۱۱۶

۱۸۔ آپ کے تفصیلی حالات کسی تذکرہ میں دست یاب نہیں ہو سکے۔

۱۹۔ آپ کے حالات کسی تذکرہ میں دست یاب نہیں ہو سکے۔

۲۰۔ حضرت سید کبیر الدین مجذوب کے بھی حالات کسی تذکرہ میں دست یاب نہیں ہو سکے۔

۲۱۔ نزہۃ الخواطر، ج:۴،ص:۳۴۳، واخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (اردو ترجمہ از مولانا سبحان محمود و مولانا محمد فاضل)، ص:۳۵۲، ومنتخب التواریخ، ملا عبدالقادر بدایونی (اردو)، ص:۵۸۴، وسبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ج:۱،ص:۱۱۶ وتزک جہانگیری، نور الدین جہانگیر بادشاہ، (اردو ترجمہ، مولوی احمد علی صاحب)، ص:۲۵۰، ویادِ ایام ،ص:۹۱، والاعلام، الزرکلی، ج:۶،ص:۱۱۴، وابجد العلوم ،ص:۸۹۶، وررود کوثر، شیخ محمد اکرام، ص:۳۵۰

۲۲۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ج:۱، ص:۱۱۵۔۱۱۶

۲۳۔ 'منتخب التواریخ، (اردو) ص:۵۸۴

۲۴۔ اخبار الاخیار، (اردو)، ص:۳۵۲

۲۵۔ تزک جہانگیری (اردو ترجمہ: مولوی احمد علی صاحب)، ص:۲۵۰

۲۶۔ تذکرۃ الوجیہ، ص:۶۷

۲۷۔ (ماہنامہ) معارف' اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۶۲ء، مقالہ (پروفیسر محمد مسعود احمد)، ص:۴۱۲

۲۸۔ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، (مقالہ مولانا ابوظفر ندوی)، ص:۱۱۴

۲۹۔ 'یاد ایام'، ص:۷۲۔۷۳

۳۰۔ 'یادِ ایام'، ص: ۷۳، وگجرات کی تمدنی تاریخ، مولانا ابوظفر ندوی، ص:۱۹۹۔۲۰۰، والحرکۃ العلمیۃ والمعاہد الاسلامیہ والعربیہ فی گجرات، عبداللہ سورتی، ص:۸۷،۸۸، (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، ص:۱۱۴

۳۱۔ تذکرۃ الوجیہ، ص:۴۱

۳۲۔ 'یادِ ایام'، ص:۷۳

۳۳۔ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، ص:۱۱۴۔۱۱۵

۳۴۔ ''الحرکۃ العلمیۃ والمعاہد الاسلامیۃ والعربیۃ فی گجرات، (عبداللہ سورتی)، ص:۸۷۔۸۸،

۳۵ گجرات کی تمدنی تاریخ،ص:۹۹۔۲۰۰

۳۶ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ،فروری ۱۹۳۳ء،ص:۱۲۰۔۱۲۱

۳۷ تذکرۃ الوجیہ،ص:۴۲۔۴۳

۳۸ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ،فروری ۱۹۳۳ء،ص:۱۲۴

۳۹ تذکرۃ الوجیہ،ص:۴۴

۴۰ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ،فروری ۱۹۳۳ء،ص:۱۲۴

۴۱ تذکرۃ الوجیہ،ص:۵۹

۴۲ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۳۳ء،ص:۲۱۳

۴۳ گجرات کی تمدنی تاریخ،مولانا ابوظفر ندوی،ص:۲۲۴

۴۴ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ،فروری ۱۹۳۳ء،ص:۱۱۶

۴۵ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان،ج:۱،ص:۱۱۶

۴۶ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۶۲ء،ص:۴۰۸

۴۷ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ،فروری ۱۹۳۳ء،ص:۱۱۷

۴۸ ایضاً، ص:۱۱۷۔۱۱۸

۴۹ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ،فروری ۱۹۳۳ء،ص:۱۱۶۔۱۱۷، وتذکرۃ الوجیہ،ص:۹۴

۵۰ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ،فروری ۱۹۳۳ء،ص:۱۱۷

۵۱ تذکرۃ الوجیہ،ص:۹۴

۵۲ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان،ج:۱،ص:۱۱۵

۵۳ نزہۃ الخواطر،ج:۴،ص:۳۴۳

۵۴ منتخب التواریخ،(اردو)،ص:۵۸۴

۵۵ حدائق الحنفیہ،ص:۳۸۸

۵۶ تذکرۃ الوجیہ(حاشیہ)ص:۶۸

۵۷ نزہۃ الخواطر،ج:۴،ص:۳۴۳

۵۸ اخبارالاخیار، (اردو)، ص:۳۵۲

۵۹ منتخب التواریخ، (اردو)، ص:۵۸۴

۶۰ تذکرہ علماے ہند، (مولوی رحمان علی) (اردو)، ص:۵۳۹

۶۱ رودکوثر، ص:۳۹۴

۶۲ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۳۴۳۔۳۴۴

۶۳ منتخب التواریخ (فارسی)، عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی، بتصحیح مولوی احمد علی صاحب باہتمام کبیرالدین احمد درکالج پریس طبع شدہ کلکتہ سن ۱۸۶۹ء، جلد:۳، ص:۴۳

۶۴ تذکرہ علماے ہند (اردو)، ص:۵۳۹

۶۵ رودکوثر، ص:۳۹۴

۶۶ تذکرۃ الوجیہ، ص:۷۴، (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، ص:۱۲۲

۶۷ تذکرۃ الوجیہ، ص:۷۴

۶۸ مولانا ابوظفر ندوی کی تحقیق کے مطابق چنگیز خاں عمادالملک کا لڑکا تھا، اور عمادالملک امراے محمودی میں سے تھا۔

۶۹ تذکرۃ الوجیہ، ص:۷۵

۷۰ منتخب التواریخ، (اردو)، ص:۵۸۴

۷۱ تذکرہ علماے ہند (ایوب قادری)، ص:۵۳۹

۷۲ تذکرۃ الوجیہ، ص:۶۲۔۶۳، منتخب التواریخ، (اردو)، ص:۵۸۴۔۵۸۵، تذکرہ علماے ہند (ایوب قادری)، ص:۵۳۹، حدائق الحنفیہ، ص:۳۸۸، رودکوثر، ص:۳۹۳

۷۳ منتخب التواریخ (اردو)، ص:۵۸۴، ۵۸۵

۷۴ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، ص:۱۲۰۔۱۲۱

۷۵ ایضاً، ص:۱۲۱۔۱۲۲

۷۶ مولانا ابوظفر ندوی نے اپنے مضمون میں وضاحت کی ہے کہ کسی تاریخ میں یہ واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا، بلکہ یہ کام سید مبارک ظاہری نے کیا ہوگا۔

۷۷ تذکرۃ الوجیہ، ص:۷۵، ۷۶

۷۸ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، ص:۱۲۴

۷۹ تاریخ صوفیاے گجرات، ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، ص:۲۲۷

۸۰ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۳۱، تاریخ صوفیاے گجرات، ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، ص:۲۲۷

۸۱ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۳۲

۸۲ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۳۱

۸۳ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۳ء، ص:۲۱۰

۸۴ اخبار الاخیار، ص:۱۶۳

۸۵ توزک جہانگیری بہ تصحیح سرسید احمد خاں، (فارسی)، ص:۲۱۲

۸۶ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۳۳

۸۷ توزک جہانگیری بہ تصحیح سرسید احمد خاں، ص:۲۱۱، (فارسی)

۸۸ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۳۷

۸۹ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۱۳

۹۰ ایضاً، ص:۱۱۶

۹۱۔ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۱۹۱

۹۲ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ج:۱، ص:۱۲۰

۹۳ ابجد العلوم، ص:۸۹۸

۹۴ یاد ایام، ص:۱۰۱

۹۵ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۶۸

۹۶ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۶۷۔۶۸

۹۷ نزہۃ الخواطر، ج۴، ص:۶۷۔۶۸ و تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۱۷، ۱۱۸

۹۸ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۲۹۳، ۲۹۴

۹۹ نزہۃ الخواطر، ج:۵ و ص:۲۹۴ و تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۱۸

۱۰۰ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۳۴۲، ۳۴۳

۱۰۱ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۱۸

۱۰۲ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۳۴۳

۱۰۳ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۳۵۰

۱۰۴ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۳۵۳

۱۰۵ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۱۹

۱۰۶ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۱۷

۱۰۷ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۲۰

۱۰۸ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۲۷۹

۱۰۹ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۲۱

۱۱۰ نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۳۵۵، تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۲۱۔۱۲۲

۱۱۱ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۲۵۲

۱۱۲ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۲۷۰۔۲۷۱

۱۱۳ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۲۰۰

۱۱۴ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۲۰۱

۱۱۵ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۲۸، (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۶۲ء، ص:۳۵۲

۱۱۶ تذکرۃ الوجیہ، ص:۱۲۸

۱۱۷ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص: ۲۷۷۔۲۷۸، وتذکرۃ الوجیہ، ص: ۱۲۸۔۱۲۹، (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۶۲ء، ص:۳۵۰۔۳۵۱

۱۱۸ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۳۶۸

۱۱۹ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۳۶۸، وتذکرۃ الوجیہ، ص:۱۲۹۔۱۳۰

باب سوم

شیخ وجیہ الدین علوی کی علمی وادبی خدمات

☆ تفسیر

☆ اصول حدیث

☆ علم فقہ

☆ علم فرائض

☆ علم نحو

☆ علم بلاغت ومعانی

شیخ وجیہ الدین علوی کی علمی وادبی خدمات

آپ کی تصانیف کی تعداد تذکرہ نگاروں نے مختلف بیان کی ہیں، سید حسینی پیر علوی نے تذکرۃ الوجیہ (ص: ۴۵) میں خلاصۃ الوجیہ کے حوالے سے اور انھوں نے مآثر الکرام کے حوالے سے آپ کی مصنفہ کتب کی تعداد ایک سو ستانوے (۱۹۷) بیان کی ہے، میں نے مآثر الکرام سے مراجعت کی مگر مجھے مذکورہ تعداد نہیں ملی۔

مولانا ابوظفر ندوی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

''عام طور پر مشہور ہے کہ شاہ صاحب کی تصانیف کی تعداد تقریباً تین سو ہے، ان میں سے ایک بڑی تعداد تو ضائع ہو چکی ہے، اور دست برد زمانہ سے جو رہ گئی ہیں شاید ہی ان میں سے کوئی طبع ہوئی ہو[۱] تلاش اور تفحص سے کچھ کتابیں دست یاب ہوئی ہیں، جو اس وقت کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد میں موجود ہیں''[۲]

ڈاکٹر محمد زبیر قریشی تذکرۃ الوجیہ کے مقدمے میں رقم طراز ہیں:

''عام طور پر آپ کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ مرحوم حسینی پیر صاحب نے زیر نظر کتاب میں حضرت علوی گجراتی کے شاگرد جلیل القدر عبدالعزیز کے چند عربی اشعار نقل کیے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے:

له في كل علم اقتدار　　　وتصنيف تجاوز اربعينا

یعنی حضرت علوی کو ہر ایک علم وفن میں مہارت اور دست رس حاصل تھی، اور ان کی تصانیف چالیس (۴۰) سے متجاوز ہیں''[۳]

آپ کی مصنفہ کتب میں سے تلاش وجستجو کے بعد ۲۳ تصنیفات دست یاب ہوئی ہیں، جن میں سے ۱۹ عربی زبان میں ہیں اور چار فارسی زبان میں ہیں۔ جن میں سے صرف ایک مطبوعہ ہے، باقی غیر مطبوعہ قلمی نسخوں کی صورت میں ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ آئندہ صفحات میں آپ کی ان عربی تصنیفات کا بالترتیب ذکر کرتے ہیں، جو راقم الحروف کو دست یاب ہوئی ہیں۔

تفسیر

(۱) حاشیہ علی تفسیر بیضاوی

امام بیضاوی کی کتاب کا نام انوار التنزیل واسرار التأویل ہے، جو تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے۔

قاضی بیضاوی کا نام عبداللہ لقب ناصر الدین کنیت ابوالخیر اور ابوسعید ہے، آپ کی پیدائش فارس کے شہر بیضا میں ہوئی[۴] آپ کا تعلق شافعی مذہب سے تھا، اور ملک شیراز کے اندر قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے[۵] آپ بہت بڑے عالم زاہد اور صوفی تھے، نیز علوم دینیہ وفنون یقینیہ، حکمت ومیزان، معانی وبیان غرض جملہ علوم میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، آپ کی تصانیف میں انوار التنزیل واسرار التأویل، مختصر الوسیط یعنی الغایۃ القصوی، منہاج الوصول الی علم الاصول، شرح منہاج، شرح مرصاد الافہام الی مبادی الاحکام لابن حاجب، شرح منتخب، طوالع الانوار، مصباح الارواح، شرح مصابیح، شرح کافیہ، شرح مطالع، لب الالباب فی علم الاعراب، نظام التواریخ ہیں[۶]

آپ کی وفات ۶۴۱ھ[۷] دوسرے قول کے مطابق ۶۸۵ھ[۸] اور تیسرے قول کے مطابق ۶۸۲ھ[۹] میں ہوئی۔

صاحب ظفر المحصلین آپ کی تفسیر بیضاوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ تفسیر حقائق کلام وحکمت، دقائق حدیث وسنت، اسرار معانی وبیان، رموز فلسفہ ومیزان، وجوہ قرأت وتفسیر آیات، منقول ومعقول و تاویلات، غوامض صرف ونحو، مباحث لغات، محاسن نظم قرآن، تبیین مقاصد تنزیل، کشف معانی مصحف جلیل غرض صدہا علوم ومعارف کا خزینہ ہے[۱۰]

مولانا فخر الحسن صاحب نے "التقریر الحاوی" میں تحریر کیا ہے، کہ قاضی صاحب نے اپنی تفسیر میں حکمت وعلم کلام امام رازی کی تفسیر کبیر سے ملخص کر کے لیا ہے، اور معانی وبیان ولغت زمخشری کی تفسیر کشاف سے اور اشتقاق وحقائق ولطائف یہ تفسیر راغب سے ماخوذ ہیں اور بعض حکم خود ان کی ذہنی کاشت ہیں[۱۱]

تفسیر بیضاوی کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عالم اسلام کی تمام درس گاہوں کے نصاب میں داخل ہے، نیز درس وتدریس میں اس کی بڑی اہمیت ہے اور چوں کہ یہ کتاب زمخشری کی تفسیر کشاف اور امام رازی کی تفسیر کبیر جیسی ضخیم تفسیر کا خلاصہ اور انتخاب ہے، جس مضمون کو امام رازی نے صفحات میں بیان فرمایا ہے، قاضی صاحب نے اس کو چند سطروں میں کمال کے ساتھ غایت اختصار سے بیان فرمایا ہے، اسی وجہ سے اس میں ایک اجمالی شان پیدا ہوگئی ہے۔

چوں کہ یہ ضخیم تفاسیر کا خلاصہ ہے، اسی وجہ سے عالم اسلام کے علما نے اس کے شروح وحواشی بکثرت لکھے ہیں، فہرست مخطوطات عربی وفارسی مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری جلد اول صفحہ نمبر ۱۵ میں بروکلمان کے حوالے سے لکھا ہے کہ تفسیر بیضاوی کے تقریباً تراسی (۸۳) شرحیں اور حاشیے لکھے گئے ہیں۔

بیرون ہند کے جن مفسرین عظام نے بیضاوی پر حاشیے لکھے ہیں، ان میں سے شیخ محی الدین محمد بن الشیخ مصلح الدین مصطفیٰ القوجری (م۹۵۱ھ)، شیخ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم، قاضی زکریا بن محمد انصاری المصری (م۹۱۰ھ)، شیخ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی (م۹۱۱ھ)، شیخ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی (م۷۸۶ھ)، شیخ محمد بن جمال الدین، شیخ محمود بن الحسین الافضلی (م۹۷۰ھ)، شیخ ابی بکر بن احمد بن الصائغ الحنبلی (م۷۱۴ھ)، شیخ احمد شہاب بن محمد خفاجی (م۱۰۶۹ھ) کے نام قابل ذکر ہیں[۱۲]

ہندوستان کے مفسرین میں سے ابوالفضل گاذرونی (م۹۴۰ھ)، امان اللہ بن نور اللہ بنارسی (م۱۱۳۳ھ)، جلال بن ناصر (م۱۱۰۰ھ)، ملاّ حامد بن عبدالرحیم جونپوری (م۱۱۷۳ھ)، عبدالحکیم سیالکوٹی (م۱۰۶۷ھ)، محمد عابد لاہوری (م۱۱۶۰ھ)، مولانا عبدالسلام لاہوری (م۱۰۳۷ھ)، سید جار اللہ الہ آبادی (م۱۱۱۰ھ) وغیرہ نے بیضاوی پر حاشیے تحریر کیے ہیں[۱۳] شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (م۹۹۸ھ) بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، آپ نے بھی بیضاوی پر حاشیہ لکھا ہے، جس کا تعارف آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔

آپ کی تصانیف میں سے ایک حاشیہ بیضاوی ہے، جس کا ذکر صاحب سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (ج:۱،ص:۱۱۶) اور صاحب نزہۃ الخواطر (ج:۴،ص:۳۴۴) اور صاحب معجم المؤلفین ج:۱۳،ص: ۱۶۰) اور صاحب ابجد العلوم (ص: ۸۹۷) اور صاحب ''الاعلام'' (ج:۸،ص: ۱۱۰)

اور صاحب حدائق الحنفیہ (ص:۳۸۸) نے کیا ہے۔

مذکورہ حاشیہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اس کے مندرجہ ذیل تین قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے۔

(۱) نسخۂ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد:

کتب خانہ آصفیہ کا نام اب گورنمنٹ اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (Govt. Oriental Manuscript Library Research Institute) ہوگیا ہے۔

اس مخطوطے کا تذکرہ ڈاکٹر زبید احمد صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے ''عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ'' (ص: ۲۲۴) میں، سید سلیمان ندوی نے رسالہ معارف اپریل ۱۹۳۳ء میں، سید تصدق حسین موسوی نے فہرست کتب عربی وفارسی واردو (ج:۴،ص: ۲۱۰) میں اور ڈاکٹر محمد سالم قدوائی نے ہندوستانی مفسرین...(ص:۱۷۶) میں کیا ہے۔

اس مخطوطے کی ضخامت فہرست کتب ''عربی وفارسی واردو'' میں ۵۸۱ صفحات درج ہے۔ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی نے نسخے کی ضخامت ۵۸۶ صفحات لکھی ہے، ممکن ہے موصوف نے شروع اور آخر کے سادہ صفحات کو بھی شمار کرلیا ہو، سید تصدق حسین موسوی کی اطلاع کے مطابق اس نسخے کا سال کتابت ۱۰۴۷ھ ہے، اور یہ نسخۂ مصنف سے منقول ہے۔

مذکورہ بالا لوگوں میں سے کسی نے مخطوطے کے آغاز کی عبارت نہیں تحریر کی ہے، البتہ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کی اطلاع کے مطابق نسخۂ آصفیہ کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

"هذه الحاشية المباركة لسيد العلماء والفضلاء وأفضل الشرفاء والفقهاء المستقيم على الصراط النبوی الشيخ وجيه الدين المعروف بالعلوی أسكنه الله تعالىٰ ...الجنان وأفاض الله عليه شآبيب الغفران على التفسير البيضاوی وقت الفتحوة من الاثنين السلوك فی شهر الشوال المنظوم"۔ [۱۴]

(۲) نسخۂ سالار جنگ لائبریری حیدرآباد:

یہ دوسرا نسخہ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کی تحقیق کے مطابق سالار جنگ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے، جو ۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کا سال کتابت ۱۰۴۸ھ تحریر ہے۔[۱۵]

موصوف کی اطلاع کے مطابق سالار جنگ کے مخطوطے میں ترقیمہ کی عبارت حسب ذیل ہے،

جس سے کاتب کا نام اور سال کتابت کا پتہ چلتا ہے۔

"تمت تمام شد کاتب حروف عبدالرحمن بن میاں صدیق شهر ذوالقعد تاریخ ثمانیة وعشرون (۲۸/ذیقعده ۱۰۴۸ھ) سنة ثمانیة وأربعین وألف"۔[۱۶]

(۳) نسخۂ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ:

راقم کے پیش نظر یہی نسخہ ہے، جو ذخیرۂ حبیب گنج میں شامل ہے، مخطوطے کی ضخامت ۱۸۷ اوراق ہے، بعض اوراق میں ۲۲ اور بعض میں ۲۴ سطریں ہیں، مخطوطے کا سائز ۱۰×۵، ۸×۳ ہے۔ زیرنظر مخطوطہ سورۂ حجر تک مکمل ہے۔ سن کتابت ۲۲/ذی الحجہ بروز پیر ۱۰۷۸ھ مرقوم ہے، کاتب کا نام درج نہیں ہے۔

مخطوطے کے ابتدا کے دس[۱۰] اوراق خط نستعلیق نسخ آمیز ہیں اور ان کا کاغذ ہینڈ میڈ (Hand Made) ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ مخطوطہ ابتدا سے ناقص تھا، جس کو کسی دوسرے مخطوطے سے مکمل کرایا گیا ہے۔ مخطوطے کا کاغذ ورق نمبر ۱۱ سے عمدہ ہے، نیز خط نستعلیق خوش خط ہے۔ شرح تفسیر قولہ کر کے شروع کرتے ہیں جو سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ہے، جس کی وجہ سے مخطوطہ دیدہ زیب نظر آتا ہے، مخطوطہ عام طور پر اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔

نسخے کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے:

"الحمدلله رب العالمين والصلوٰة على سيدالعالمين محمدو آله وصحبه اجمعين قوله نزله روى ان الله تعالىٰ انزل القرآن دفعة من اللوح المحفوظ الى السماء الدنيا"۔

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کی تحقیق کے مطابق حیدرآباد والے نسخوں میں ابتدا کی عبارت میں ایک آدھ لفظ بدلا ہوا ہے، تینوں نسخے ابتدا سے لے کر سورۂ حجر تک ہیں۔[۱۷]

مخطوطے کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

تمام شد حاشیه میاں شیخ وجیه الدین برتفسیر بیضاوی بتاریخ ۲۲/شهر ذی الحجة روز دوشنبه سنة ۱۰۷۸ هجری در احمدآباد کجرات

اب ہم اس کے مشتملات کا جائزہ لیتے ہیں، اور اس کتاب کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں۔

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی نے سورۂ فاتحہ کی پانچویں آیت اھدنا الصراط المستقیم کی کس طرح توضیح وتشریح کی ہے، ذیل میں اس کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں، جس سے موصوف کے حاشیے کی نوعیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، سب سے پہلے ہم قاضی بیضاوی کی عبارت ذیل میں پیش کرتے ہیں:

[اھدنا الصراط المستقيم] بيان للمعونة المطلوبة فكانه قال كيف اعينكم فقالوا اهدنا او افرادا لما هو المقصود الاعظم

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شیخ موصوف نے کہاں کہاں حاشیے لکھے ہیں، سب سے پہلے ہم شیخ علوی کے حاشیے کی عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں:

قوله بيان للمعونة المطلوبة يعنى يحتمل ان يكون بيانا بان يكون المراد من طلب المعونة سواء اريد بهاالعموم والخصوص طلب الصراط المستقيم فى اداء العبادات او فى جميع المهمات بان يكون على نهج الصواب اويحتمل ان يكون افراداً بالذكر لما هو المقصود الاعظم وهوطلب الصراط المستقيم مع قطع النظر عن ان يكون فى اداء العبادات او فى جميع المهمات فان قيل تقدير السوال ينافى البيان قلنا قد تقرر فى علم البيان ان الجواب بيان لما اجمل فى منشاء السوال فان قيل كيف يكون الصراط المستقيم مقصودا اعظم مع انه طريق قلنا كونه مقصوداً اعظم بالنسبة الى الطرف لا بالنسبة الى المقاصد۔

مذکورہ آیت کے متعلق قاضی صاحب نے تین بحثیں کی ہیں۔

(۱) اول یہ کہ اھدنا الصراط المستقیم کا پچھلی آیت ایاك نعبد وایاك نستعین سے ربط کیا ہے۔

(۲) دوسرے لفظ ھدایت کی تحقیق کی ہے۔

(۳) تیسرے صراط مستقیم کی تحقیق بیان کی ہے۔

یہاں پہلی بحث سے متعلق قاضی بیضاوی نے وضاحت کی ہے کہ اس آیت کا ماقبل سے ربط یہ

ہے کہ یہ معونتِ مطلوبہ کا بیان ہے۔

شیخ علوی اس کی مزید توضیح وتشریح کرتے ہیں کہ بیان کی شکل میں ایک احتمال یہ ہے کہ طلبِ معونت سے عموم وخصوص کے ساتھ طلبِ صراط مستقیم مراد ہو، یعنی ہم صراط مستقیم طلب کرتے ہیں ادائے عبادات میں بھی اور تمام مہمات میں بھی۔ اس طرح سے کہ ان سب کی ادائیگی درست طریقے سے ہوجائے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مقصود اعظم کا تنہا بیان ہے، اور وہ صراط مستقیم ہے، اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اس کا تعلق ادائے عبادات سے ہے یا تمام اہم امور سے۔

پھر فان قیل سے ایک اشکال قائم کرتے ہیں کہ تقدیر سوال منافی ہے بیان کے، پھر قلنا سے اس کا جواب دیتے ہیں کہ علم بیان کے اعتبار سے یہ بیان جواب ہے، اس سوال کا جو منشائے سوال میں مجمل ہے۔

پھر ایک دوسرا اشکال قائم کیا ہے کہ صراط مستقیم مقصود اعظم کس طرح ہوسکتا ہے، کیوں کہ وہ طریق (راستہ) ہے؟ حالاں کہ راستہ مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ منزل مقصود ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ صراطِ مستقیم کو مقصود اعظم طُرُق (راستوں) کے لحاظ سے کہا گیا ہے، نہ کہ مقاصد کے لحاظ سے۔

اس کے بعد قاضی بیضاوی نے دوسری بحث لفظ ''ہدایت'' سے متعلق کی ہے۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

والهداية دلالة بلطف ولذلك تستعمل فی الخیر، وقوله تعالیٰ فاهدوهم الی صراط الجحیم علی التهکم، ومنه الهدية، وهوادی الوحش لمقدماتها

اب ہم مذکورہ بحث سے متعلق شیخ وجیہ الدین علوی کے حاشیے کی عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

وهوادی الوحش لمقدماتها ای التی تجری مقدم الوحش والرحش خلفها لهدایتها الاواخر.

قاضی بیضاوی لفظ ہدایت سے متعلق بحث کررہے ہیں، کیوں کہ ہدایت کے معنی متعین کرنے میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں، موصوف نے اس کے ایسے معنی بیان کیے ہیں، جس میں نہ اشتراک ماننا پڑتا ہے نہ مجاز ماننا پڑتا ہے اور ہدایت اسباب طاعت کو پیدا کرکے رہنمائی کرنے کا نام ہے اور اسی وجہ سے ہدایت کا استعمال صرف خیر میں ہوتا ہے اور رہا اللہ کا فرمان "فاهدوهم الی صراط الجحیم" جس میں شر کے معنی موجود ہیں، سو وہ استہزاء پر محمول ہے، اور اسی ہدایت سے ھـــدیـــہ بمعنی تحفہ

اور ھوادی الوحش بمعنی وحشی گلوں کے پیش رو جانور ماخوذ ہیں۔

شیخ علوی نے مذکورہ بحث کے تیسرے جزء کی توضیح وتشریح کی ہے کہ ھوادی الوحش جنگلی جانوروں کے پیش رو جانور ہیں، پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقدم الوحش کو ہوادی کیوں کہتے ہیں؟ شیخ علوی اس کا جواب دے رہے ہیں، کیوں کہ وہ اپنے پیچھے آنے والے جانوروں کی رہنمائی کرتے ہیں، اسی وجہ سے ان کو ھوادی الوحش کہتے ہیں۔

قاضی بیضاوی دوسری بحث لفظ ہدایت پر ہی اب صرفی اعتبار سے بحث کر رہے ہیں، موصوف کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"والفعل منه هَدَا واصله ان يعدّى باللام او الى فعومل معه مُعاملة اَختار فى قوله تعالى واختار موسى قومه"

مذکورہ بحث سے متعلق شیخ وجیہ الدین علوی نے مندرجہ ذیل تفصیل بیان کی ہے، موصوف کی عبارت پیش کی جاتی ہے:

واصله ان يعدّى باللام او الى فعومل معه مُعاملة اختار فى قوله تعالى واختار موسىٰ قومه قال الجوهرى هداه الله للدين هدًى وهدية الطريق والبيت هدايةً اى عرفته هذه لغة اهل الحجاز وغيرهم يقول هدية الى الطريق وماذكره العلامه التفتازانى انه لا كلام فى ... هدية الطريق وهدية للطريق والى الطرق وقد يفرق بينهما بان معنى الاول الاذهاب الى المقاصد والامحيال اليه ومعنى الثانى الدلالة واداء ة الطريق فلعله مذهب البعض والمصنف جرى على وفق اللغة وصاحب الكشاف بنى كلامه على مذهب البعض ولاحجر فى شئ من ذلك فلا يتوجه ماقيل ان معاملة اختار انمايتم لوكان معنى المتعدى بالنفس والمتعدى بالحرف واحدا ونقل فى حواشى الكشاف ان للاول الدلالة مع الاذهاب الى المطلب ولهذا خص بالله تعالىٰ والثانى مجرد دلالة على الطريق فيسند الى النبى صلى الله عليه وعلى و آله وسلم۔

قاضی بیضاوی نے وضاحت کی ہے کہ ہدایت کا فعل ماضی ھدیٰ ہے اور اس کا اصل استعمال یہ ہے کہ (اپنے مفعول ثانی کی طرف) بواسطہ لام یا بواسطہ الی متعدی ہو، مگر آیت میں اس کے صلہ کو حذف کر کے بلاواسطہ متعدی کر دیا گیا ہے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان واختار موسیٰ قومه میں اختار کے صلہ مِنْ کو حذف کر کے قومه کی طرف بلاواسطہ متعدی کر دیا گیا ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی اس کی مزید توضیح وتشریح کرتے ہیں کہ جوہری نے کہا ہے "هداه الله للدين هدًى وهدية الطريق والبيت هدايةً" ان سب کے ایک معنی ہیں، اور یہ اہل حجاز کا لغت ہے، اور غیر اہل حجاز هدية الى الطريق کہتے ہیں۔

علامہ تفتازانی نے هدية الطريق وهديته للطريق والى الطريق کے درمیان فرق بیان کیا ہے کہ هدية للطريق کے معنی الاذهاب الى المقاصد یعنی مقاصد تک پہنچا دینا ہے، اور الى الطريق کے معنی اراءة الطريق یعنی راستہ دکھا دینا ہے، اور یہ غیر اہل حجاز کا مذہب ہے، شیخ علوی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ مصنف نے اہل حجاز کے لغت کو اختیار کیا ہے اور صاحب کشاف نے غیر اہل حجاز کے قول کو اختیار کیا ہے۔

اس کے بعد شیخ علوی نے قاضی بیضاوی پر بعض لوگوں کے ایک اعتراض کا ذکر کر کے اس کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ بیضاوی نے اهدنا الصراط المستقيم کو واختار موسى قومه کے مشابہ کیوں قرار دیا؟ حالاں کہ متعدی بالنفس ہو یا متعدی بالحرف ہو، دونوں صورتوں میں واختار موسى قومه میں معنی ایک ہی رہتے ہیں، اس کے برخلاف هدية الطريق اور هدية الى الطريق کے معنی میں فرق ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ مصنف نے اہل حجاز کے لغت کو اختیار کیا ہے، اور اس کے مطابق دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس کے بعد شیخ علوی نے لکھا ہے کہ کشاف کے بعض حواشی میں نقل کیا گیا ہے کہ ہدایت کا لفظ جب إذهاب الى المطلوب کے معنی میں ہو تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور جب یہ لفظ دلالت على الطريق کے معنی ہو تو اس کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے۔

اس کے بعد قاضی بیضاوی نے ہدایت باری کی مختلف انواع بیان کی ہیں، موصوف اس ضمن میں

لکھتے ہیں:

وهداية الله تتنوع انواعاً لايحصيها عَدٌّ. لكنها تنحصر فى اجناس مترتبه الاول افاضة القوىٰ التى بها يتمكن المرء من الاهتداء الى مصالحه كالقوة العقلية والحواس الباطنة والمشاعر الظاهرة والثانى نصب الدلائل الفارقة بين الحق والباطل والصلاح والفساد واليه اشار حيث قال وهدينه النجدين وقال فهدينٰهم فاستحبوا العمى على الهدى والثالث الهداية بارسال الرُسل وانزال الكتبَ واياها عنى بقوله وجعلناهم أئمة يهدون بامرنا وقوله اِنّ هذا القرآن يهدى للّتى هى اقوم والرابع ان يكشف على قلوبهم السرائر ويُريهم الاشياء كما هى بالوحى اوبالالهام والمنامات الصادقة وهذا قسم يختص بنيله الانبياء والاولياء واياه عنى بقوله أُولٓئك الذين هدى الله فبهدهُمُ اقتده وقوله والذين جاهدوا فينا لنهدينّهُمْ سبلنا.

مولانا سید فخر الحسن نے بیضاوی کی توضیح اس طرح کی ہے:

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ ہدایت باری کی مختلف انواع ہیں، جو شمار میں نہیں آسکتیں، البتہ اس کی جنسیں محدود ہیں، جن میں وہ منحصر ہے، اور ان جنسوں میں ترتیب ہے، یعنی بعد والی جنس پہلی والی جنس پر مرتب ہو رہی ہے۔

ہدایت کی پہلی جنس ان قویٰ کا فیضان فرمانا ہے کہ جن کی وجہ سے انسان اپنے مصالح تک راہ یاب ہونے پر قادر ہو جائے، جیسے قوت عقلیہ اور حواس باطنہ وظاہرہ کا فیضان، اور دوسری جنس ان دلائل کا قائم کرنا ہے، جو حق و باطل اور درستگی و بگاڑ کے درمیان امتیاز پیدا کریں، اور باری تعالیٰ نے اسی قسم کی طرف اپنے فرمان وهديناه النجدين اور واما ثمود فهديناهم فاستحبوا العمى میں اشارہ کیا ہے اور تیسری جنس رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر رہنمائی کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول وجعلناهم أئمة يهدون بامرنا اور اِنّ هذا القرآن يهدى للتى هى اقوم میں یہی ہدایت مراد ہے، اور ہدایت کی چوتھی جنس یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے دلوں پر راز کی باتیں منکشف کر دے، اور حقائق اشیاء پر ان کو مطلع کر دے، اب یہ کشف حقائق اور اراءتِ اشیاء خواہ وحی کے ذریعہ سے ہو یا الہام اور

سچے خوابوں کے ذریعہ ہو، اس جنس رابع کی تحصیل حضرات انبیاء واولیاء کے ساتھ مخصوص ہے، اور فرمان باری "اولٓئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده" اور ارشاد باری "والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا" میں یہی قسم رابع مراد ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی نے قاضی بیضاوی کی عبارت کو اپنی توضیحات کے ساتھ اپنے حاشیے میں اس طرح پیش کیا ہے:

"قوله الاول افاضة القوى التى بها يتمكن المرء من الاهتداء الى مصالحه اى الدينيّة والدنيوية فيكون طريقا والة ألمعرفة كالقوة العقلية التى بها يمتاز الانسان عن ساير الحيوانات وهو المراد من النطق والحواس الباطنة الخمس الحس المشترك والخيال والوهم والمصورة والمفكرة والمشاعر اى الحواس الظاهرة التى هى السمع والبصر والذوق والشم واللمس والثانى نصب الدلائل النظرية الفارقة بين الحق والباطل وبين العمل الصالح والفساد واليه اشار بقوله وهدينٰه النجدين اى طريق الخير والشر والنجد فى الاصل المكان المرتفع والثالث الهداية بارسال الرُسل وهوالمراد بقوله تعالىٰ وجعلناهم أئمة يهدون بامرنا وانزال الكتب وهوالمراد بقوله تعالىٰ اِنّ هذا القرآن يهدى للّتى هى اقوم اى الطريقة التى هى اقوم الطرق والرابع ان يكشف على قلوبهم السرائر ويُريهم الاشياء كما هى يعنى يعلم فى كل شيئ ماهو الظاهر فيه من اسمائه وصفاته وهو المراد بقوله تعالىٰ فبِهُدهم اقتده اقتد طريقهم وهو ظهور مافى الاشياء من اسمائه وصفاته واذا كان الهداية منحصرة فى الاجناس المترتبة ولاشك ان بعضها حاصل لكل احد۔

شیخ وجیہ الدین علوی نے عبارت مذکورہ میں بیضاوی کی مجمل عبارتوں کی بعض مقامات پر توضیح وتشریح کی ہے، مثلاً قاضی بیضاوی نے ہدایت کی پہلی جنس کی مثال قوت عقلیہ سے دی ہے، شیخ نے اس کی مزید وضاحت کی کہ قوت عقلیہ وہ ہے جو انسان کو باقی حیوانات سے ممتاز کرتی ہے، اور اسی کو نطق کہتے ہیں۔ "والحواس الباطنة" شیخ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ حواس باطنہ پانچ ہیں۔ (۱) حس

مشترک۔(۲)خیال۔(۳)وہم۔(۴)مصورہ۔(۵)مفکرہ۔"والمشاعر الظاهرہ" شیخ مزید تشریح کرتے ہیں کہ مشاعر ظاہرہ سے مراد حواس ظاہرہ ہیں اور وہ پانچ ہیں۔ (۱)سمع۔(۲)بصر۔ (۳)ذوق۔(۴)شم۔(۵)لمس۔

ہدایت کی دوسری جنس میں "وهدیناه النجدین" کی وضاحت کی ہے کہ ہم نے انسان کو طریق خیر وشر دونوں کی ہدایت کردی، پھر "نجد" کے متعلق بتایا ہے کہ نجد اصل میں مکان مرتفع کو کہتے ہیں۔

ہدایت کی تیسری جنس میں اِنَّ هٰذَا الْقُرآن یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ کی تشریح کی ہے کہ قرآن ایسے راستے کی ہدایت کرتا ہے، جو اقوم ہو، یعنی راستوں میں سب سے سیدھا راستہ ہو۔

ہدایت کی چوتھی جنس جو انبیاء واولیاء کے ساتھ خاص ہے، اس کی تشریح کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں پر راز کی باتیں منکشف کردے، یعنی جتنی ظاہری چیزیں ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کی حقیقت اور اس کی صفات کو پہنچان لے اور یہی مراد ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول "فبهداهم اقتده" میں، پھر شیخ یہ وضاحت کررہے ہیں کہ یہ جنس انبیاء اور اولیاء پر کیوں منحصر ہے؟ اس کا جواب یہ دیا ہے، کیوں کہ ابتدا کی تین جنسیں کسی پر منحصر نہیں ہیں بلکہ انبیاء واولیاء کے علاوہ میں بھی پائی جاتی ہیں، اور جب یہ تینوں معنی مراد نہیں ہوسکتے، تو چوتھے معنی آیت میں ثابت ہوگئے، یعنی یہی حضرات ہدایت یافتہ ہیں۔

ان مثالوں سے جو گزشتہ صفحات میں پیش کی گئیں، اس سے شیخ علوی کے حاشیہ بیضاوی کی مندرجہ ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

(الف) شیخ کے حواشی کا مقصد حل طلب مقامات کی توضیح وتشریح ہے۔

(ب) آپ کی کتاب میں جابجا بعض مآخذ کے نام ملتے ہیں، شیخ علوی اپنی بات کو مدلل کرنے کے لیے ان کے اقوال کو پیش کرتے ہیں۔

(ج) محض توضیح وتشریح پر اکتفا نہیں کرتے ہیں، بلکہ سوال قائم کرتے ہیں، پھر اس کا جواب دیتے ہیں۔

(د) بعض مقامات پر صرفی ونحوی بحث بھی کرتے ہیں۔

(۲)رسالہ فی التفسیر (الرسالہ العلویہ)

شیخ وجیہ الدین علوی کا یہ رسالہ جو دو[۲] اوراق پر مشتمل ہے، اس میں شیخ نے قرآن مقدس کی

تیسویں پارے سورۂ قارعۃ کی ایک آیت فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ. فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ. وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ. فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ کو سامنے رکھتے ہوئے جلیل القدر مفسر صاحب کشاف کے نظریے کو، اور اس پر کیے جانے والے اعتراض کو، جو اعتراض علامہ سید معینی کی جانب سے واقع ہوا، اور اس سلسلے میں اپنے نقطۂ نظر کو حتی الامکان واضح کرنے کی سعی کی ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں موازین لفظ ہے، جو موزون یا میزان کی جمع ہے، اور ''وزن'' عربی لفظ ہے، جس کے معنی کسی چیز کو تولنا، اور میزان اس آلہ کو کہتے ہیں، جس سے چیزیں وزن کی جاتی ہیں۔ یہاں میزان سے کیا مراد ہے؟ اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ قرآن کریم کی اس آیت کو سامنے رکھ کر اس لفظ کی تفسیر اور اعمال کو تولنے سے متعلق بحث کی گئی ہے، چنانچہ جمہور کہتے ہیں کہ میزان سے مراد وہ چیز ہے، جس سے قیامت میں انسانی اعمال کو جانا جائے گا۔ قرآن کریم سے وزن ثابت ہے، لیکن معتزلہ انکار کرتے ہیں اور اس طرح کا نظریہ پیش کرتے ہیں کہ اعمال اعراض ہیں، ان کا اعادہ مشکل ہے، اور اگر اعادہ ہو بھی جائے تو وزن کرنا محال ہے۔

مذکورہ رسالہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اس کا واحد قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔ راقم نے رامپور جا کر اس کا مطالعہ کیا ہے۔ جس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

نسخۂ رضا لائبریری رامپور:

یہ مخطوطہ رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے، راقم نے اس کا مطالعہ کیا ہے، اس کا نمبر ۴۲۸ ہے، یہ فہرست مخطوطات رضا لائبریری، رامپور میں "الرسالة العلويه" کے نام سے درج ہے۔ یہ مجلد ہے، اس کے اندر تین مخطوطات ہیں، جس میں سے دو شیخ علوی کے ہیں۔

رسالہ فی التفسیر (فاما من ثقلت موازينه) کی ضخامت تین اوراق ہے، اس کی ابتدا ورق ۳ (ب) سے ہوتی ہے اور اختتام ورق ۵ (الف) پر ہوتا ہے۔ سطریں مختلف ہیں، اس کا سائز ۱۴×۷، ۱۳×۲۱.۵ ہے۔ یہ مخطوطہ خط نسخ میں ہے، عبارت صاف ہے، یہ اچھی حالت میں ہے، ہر نئی عبارت پر سرخ روشنائی سے علامت بنائی گئی ہے، اس پر دو جگہ شیخ علوی نے حاشیہ بھی لکھا ہے۔ مخطوطہ مکمل ہے، ترقیمے کی عبارت سے کاتب کا نام ملک احمد اور تاریخ کتابت بروز اتوار ۲۱ محرم الحرام ۱۰۷۶ھ کا پتہ چلتا ہے۔

ورق ۳ (ب) پر اوپر سب سے پہلے یہ عبارت لکھی ہے:

هـذه الرسالة فی حل قول صاحب الکشاف فی قوله تعالیٰ فمن ثقلت موازینه و دفع اعتراض السید المعینی عنه من تالیفات الحضرت الشیخ وجیه الدین العلوی

شیخ وجیہ الدین علوی نے چار صفحات پر مشتمل اس رسالے میں صاحب کشاف کے اس قول کی وضاحت کی ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے قول فمن ثقلت موازینہ کے تحت کیا ہے اور سید معینی کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے، جو انھوں نے اپنی تفسیر "تفسیر معینی" میں صاحب کشاف کے قول پر کیا ہے۔

شیخ علوی نے آغاز کتاب میں بہت مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے:

بسم اللـه الرحمن الرحیم، وبه نستعین الحمدلله علی احسانه، والصلوة علی محمد افضل خلقه

اس کے بعد شیخ علوی لکھتے ہیں:

قال فی شرح المقاصد ومنها المیزان قال الله تعالی ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمة وقال فاما من ثقلت موازینه فهو فی عیشة الراضیة واما من خفّت موازینه فامه هاویة

ذهب کثیر من المفسرین الی انه میزان له کِفتانِ ولسان وشاهین عملا بالحقیقة لامکانها وقد ورد فی الحدیث تفسیره بذلك وانکره بعض المعتزلة ذهابا الی انها اعراض لایمکن وزنها فکیف اذا زالت وتلاشت بل المواد العدل الثابت فی کل شیئ ولذا ذکر بلفظ الجمع والا فالمیزان المشهور واحد

شیخ موصوف نے شرح مقاصد کے حوالے سے یہ بات ذکر کی کہ ایک مسئلہ میزان سے متعلق ہے۔ ارشاد ربانی ہے "ونضع الموازین القسط لیوم القیامة" دوسری جگہ فرمان الٰہی ہے "فاما من ثقلت موازینه فهوفی عیشة الراضیة واما من خفت موازینه فامه هاویة"۔

مذکورہ ارشاد باری کے تحت بہت سے مفسرین اس جانب گئے ہیں کہ میزان کے لیے دو پلڑے ہوں گے، ایک زبان اور ایک کانٹا، حقیقی ترازو کو مدنظر رکھتے ہوئے حدیث میں آیت کی تفسیر اسی مضمون کے ساتھ ہے۔

لیکن بعض معتزلہ نے مذکورہ قول کا انکار کیا ہے، یہ کہتے ہیں کہ اعراض کا وزن ممکن نہیں ہے، اور کیسے ہوسکتا ہے، جب کہ وہ اعراض زائل ہوجائیں اور گھل جائیں، بلکہ مراد ایسا عدل ہے، جو ہر چیز میں ثابت ہو اسی وجہ سے لفظ موازین کو لفظ جمع کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ورنہ تو بس میزان ایک ہی مشہور ہے، جمع کے صیغے کو کیوں ذکر کیا جاتا ہے۔

وقيل هو الادراك فميزان الالوان البصر والصوات السمع والطعوم الذوق وكذا سائر الحواس وميزان المعقولات العلم والعقل، واجيب بانه يوزن صحائف الاعمال وقيل بل يجعل الحسنات اجساما نورانية والسيأت اجساما ظلمانية واما لفظ الأجسام فللاستعظام وقيل لكل مكلف ميزان وانما الميزان الكبير واحد اظهار الجلالة الامر وعظم المقام.

ایک ضعیف قول نقل کیا گیا ہے، ادراک رنگوں کا میزان (جس کا تعلق بصر سے ہے) اصوات کا میزان (جس کا تعلق سمع سے ہے) مطعومات کا میزان (جس کا تعلق چکھنے سے ہے) اور ایسے ہی تمام محسوس چیزوں کا میزان، اور معقولات کا میزان (علم وعقل سے متعلق) ہے۔

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اعمال کے صحیفوں کا وزن ہوگا، بلکہ کہا گیا ہے کہ نیکیوں کا وزن اجسام نورانیہ کی شکل میں ہوگا اور سیأت کا وزن تاریک جسموں کی شکل میں ہوگا۔ بہرحال اجسام کا لفظ بڑائی کی وجہ سے ذکر کردیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ ہر مکلّف کے لیے ایک ترازو ہوگا، اور ایک بڑا ترازو ہوگا جو معاملے کے اظہار جلالت اور عظمت مقام کے لیے ہوگا۔

- وقال فی التفسير المعينی المطول مذهب الجمهور ان فی القيمة ميزانا له كفتا ولسان ومثل ذلك ليس بثابت بالنص ولا بالسنة والثقل والخفة من صفات الاجسام.

وقال فی القرطبی قال علماء نا رحمه الله عليهم الناس فی الآخرة ثلث طبقات متقون لاكبائرهم ومختلطون وهم الذين يوانون بالفواحش والكبائر والثالث الكفار، فاما المتقون فان حسناتهم توضع فی الكفة النيّرة وصغيرهم ان كانت لهم فی الكفة فلا يجعل الله لتلك الصغائر وزنا وتثقل

الكفة المنيرة حتى لا تبرح وترفع المظلمة ارتفاع الفارغ الخالي واما المخلطون فحسناتهم توضع في الكفة النيرة وسيئاتهم في الكفة الخطيئة فيكون لكبائرهم ثقل فان كانت الحسنات اثقل ولوبصوابة دخل الجنة، وان كانت السيئات اثقل ولوبصوانة دخل النار الا ان يعفو الله وان تساويا كان من اصحاب الاعراف

اورتفسیر معینی مطول میں کہا گیا جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قیامت میں ایک ترازو ہوگا، جس کے دو پلڑے اور ایک زبان ہوگی، حالاں کہ اس جیسی بات نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے اور ہلکا بھاری ہونا اجسام کی صفات سے ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا کہ ہمارے علما کا یہ مسلک ہے کہ آخرت میں لوگ تین طبقات پر منقسم ہوں گے۔ (۱) متقی۔ کہ ان سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ (۲) مخلط۔ یعنی ایسے لوگ جو فواحش اور کبائر میں گھرے ہوئے ہوں۔ (۳) کفار۔

بہرحال متقیوں کی نیکیاں ایک پلڑے میں رکھی جائیں گی اور ان کے صغیرہ گناہ اگر چہ ان کے لیے ایک پلڑا ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ ان صغائر کا وزن نہیں کرے گا اور نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور نمبر دو کے لوگوں کی نیکیاں ایک پلڑے میں رکھی جائیں گی اور سیئات دوسرے پلڑے میں رکھی جائیں گی، دونوں کا ایک وزن ہوگا، اگر نیکیوں کا پلڑا جھک گیا اور وہ زیادہ ہوئیں تو جنت میں دخول ہوگا اور اگر سیئات زیادہ ہوئیں تو جہنم میں داخل ہوگا مگر یہ کہ اللہ معاف کردے اور اگر نیکی اور بدی دونوں برابر ہوئیں تو یہ اصحاب اعراف میں ہوں گے۔

فان قيل اما وزن اعمال المؤمنين فظاهر وجهه فيقابل الحسنات بالسيئات فيوجد حقيقة الوزن والكافر لايكون له حسنات فما الذي يقابل بكفره وسيئاته والى يتحقق في اعماله الوزن۔

فالجواب ان ذلك على وجهين أحدهما ان الكافر يحضر له ميزان فيوضع كفره او كفره وسيئاته في احدى كفتيه ثم قال يقال هل لك طاعة نضعها في الكفة الاخرى فلا يجدها فيشار الميزان فترفع الكفة الفارغة وتقع الكفة

المشغولة فذلك خفت موازينه والوجهٓ الآخر ان الكافر يكون منه صلة الارحام ومواساة الناس وعتق المملوك ونحوها مما لوكانت من المسلم لكانت قربا وطاعة...

مذکورہ عبارت میں ایک اعتراض کیا گیا ہے، پھر اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ مؤمنین کے اعمال کا وزن ہوگا اس کی وجہ ظاہر ہے، حسنات کا مقابلہ سیئات کے ساتھ ہوگا تو وزن کی حقیقت پائی جائے گی، لیکن کافر کی حسنات ہی نہیں ہوں گی تو اس کے کفر اور سیئات کا مقابلہ کس چیز سے ہوگا؟ اس کا جواب دو طریقے سے دیا گیا ہے۔

(۱) پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ کافر کو حاضر کیا جائے گا اور اس کے لیے بھی ایک ترازو ہوگا، اس کا کفر اور سیئات ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں گی، پھر اس سے کہا جائے گا کہ دوسرے پلڑے میں رکھنے کے لیے تیرے پاس کوئی نیکی ہے، وہ کوئی نیکی نہیں پائے گا تو کفر کا پلڑا جھک جائے گا اور دوسری طرف کا پلڑا ہلکا رہ جائے گا۔

(۲) دوسرے جواب کا مفہوم یہ ہے کہ کافر کے پاس کچھ نیکیاں صلہ رحمی لوگوں سے محبت تعلق اور غلاموں کو آزاد کرنے وغیرہ سے متعلق ہوں گی، یہ دوسرے پلڑے میں رکھ دی جائیں گی اور اس کا مقابلہ کفر سے ہوگا، لیکن کفر کے مقابلے یہ نیکیاں کچھ کام نہ آئیں گی۔

اذا عرفت هذا فنقول قال صاحب الكشاف فمن ثقلت موازينه جمع ميزان اوموزون اى فمن رجحت أعماله الموزونة التى لها وزن وقدر وهى الحسنات او مايوزن به حسناته

مذکورہ بالا وضاحت کے بعد شیخ علوی تحریر کرتے ہیں کہ جب تم نے یہ باتیں جان اور پہچان لیں، تو اب ہم کہتے ہیں کہ صاحب کشاف نے فرمایا کہ فمن ثقلت موازينه میں موازین یا تو میزان کی جمع ہے یا موزون کی، یعنی جس شخص کے اعمال موزونہ راجح ہوں گے اس کے لیے وزن ہوگا اور وہ نیکیاں ہیں یا وہ چیز جس کے ساتھ اس کے حسنات بھاری ہو جائیں گے۔

"واعترض عليه صاحب التفسير المعينى فى تفسيره المختصر بان من خصها لزمه فى مقابله تخصيصها بالسيئات وهو لعل وجهه ان الحسنات اذا

ثقلت فلا جرم ان يكون السيئات خفت لان مذهبه مبنى على ان الاعمال توزن وتجعل الحسنات فى كفة والسيئات فى كفة فاذا أريد بالموازين الحسنات فى جانب اثقل فلابد ان يرادبها فى جانب الخفة السيئات ليتحق رجحانها على السيئات ووجه البطلان انه يا... ويمكن ان يجاب عنه بانه انما يلزم ذلك ... اريد الموازين بالنسبة الى شخص واحد بان يكون المراد بمن ثقلت ومن خفت شخصا واحداً، واما اذا كانت بالنسبة الى اشخاص فلا يلزم ذلك اذيجوز ان يكون الاعمال الحسنة مختلفة بالنسبة الى الاشخاص ثقلت بالنسبة الى بعض وخفت بالنسبة الى آخر يعنى ان الناس بالنسبة الى اعمالهم الحسنة مفترقون فرقتين.

عبارت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ صاحب کشاف کی مندرجہ بالا عبارت پر سید معینی نے اپنی تفسیر میں اعتراض کیا ہے اور شاید اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ جب نیکیاں بھاری ہو جائیں تو اس کا کوئی جسم نہیں ہوگا کہ سیئات کو ہلکا قرار دیا جائے، اس لیے کہ ان کا مذہب مبنی ہے اس بات پر کہ اعمال تولے جائیں گے ہم حسنات کو ایک پلڑے میں اور سیئات کو دوسرے پلڑے میں رکھیں، پس جب موازین کے ساتھ ارادہ کیا جائے نیکیوں کا بوجھل ہونے میں، تو ضروری ہے کہ موازنہ کیا جائے اس کا سیئات کے اعتبار سے ہلکا ہونے میں تا کہ حسنات کا راجح ہونا سیئات پر متحقق ہو سکے۔

اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حسنات اور سیئات کا تعلق شخص واحد سے نہیں ہے، بلکہ اشخاص سے ہے، اس لیے کہ یہ بات ممکن ہے کہ اعمال حسنہ مختلف ہوں اشخاص کی جانب نسبت کرتے ہوئے تو بعض کی جانب نسبت کرتے ہوئے بھاری ہو، اور بعض کی جانب نسبت کرتے ہوئے ہلکے، اس لیے کہ لوگوں کے اعمال حسنہ مختلف ہوں گے کیوں کہ قیامت میں لوگ مختلف فرقوں کے ہوں گے۔

ان مثالوں سے جو گزشتہ صفحات میں ذکر کی گئیں، اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کو علم تفسیر سے کامل مناسبت تھی، آپ نے جمہور کے مسلک کو مدلل کرنے کے لیے مختلف کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔ اور مسئلہ مذکورہ پر مدلّل، مفصل اور عالمانہ گفتگو کی ہے، جس سے آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔

رسالہ فی التفسیر (الرسالہ العلویہ) مخطوطے کے اول اور آخری اوراق کے عکس پیش کیے جاتے ہیں۔

وقال ستثقل الموازين جمع موزون اى اعماله مطلقا وقال فيما نقل عنه
المراد من ان يكون حسنة او سيئة حتى لا يرد ما اورده اذ لا مقابلة لمطلق
الاعمال حتى يراد فى مقابلة فيراد به مطلق الاعمال فى الحالين ويشكل عليه
انه لا يكون ما يوزن به وانه على تقدير ان يكون المراد يجوز ان يكون
بازاء السيئة وهو باطل لانه يلزم ان يكون من ثقلت سيئاته مفلحا
ويمكن ان يجاب عنه بان ماذكره على ما اختاره من مذهب البعض
حيث قال فى تفسيره المطول والكلام الحق له وذلك انه لا حاجة فى
ما يوزن به ما يوقع فى الكفة كما فى ميزان الشعر وميزان العرض والطول
وان المراد من حسنة وسيئة على ان او بمعنى الواو فيكون المراد
بجميع الحسنات والسيئات ۔

تمت الرسالة العلوية [illegible] عن يد الفقير
[illegible] منقولة بخط المؤلف قدس سره ۔

رسالہ فی التفسیر (الرسالۃ العلویہ) مخطوطہ کے ورق آخر کا عکس

اصول حدیث

شرح نزهة النظر فی شرح نخبة الفکر:[18]

شرح نزهۃالنظر فی شرح نخبة الفکر اصول حدیث کی ایک مشہور کتاب ہے،جس کے مصنف کا نام احمد،کنیت ابوالفضل،لقب شہاب الدین اورعرفیت ابن حجر ہے۔

آپ کا نسب نامہ آپ کے شاگردرشید شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی نے "الضوء اللامع لاھل القرن التاسع' میں اس طرح بیان کیا ہے:

"أحمد بن علی بن محمد بن محمدبن علی بن أحمد شیخی الاستاذ إمام الائمة الشهاب أبوالفضل الکنانی العسقلانی المصری ثم القاهری الشافعی ویعرف بابن حجر وهو لقب بعض آبائه".[19]

آپ کی ولادت ۲۳ / شعبان ۷۷۳ھ کو مصر کے عتیقہ نامی گاؤں میں ہوئی،آپ نے علوم وفنون کی تحصیل شیخ صدرالسفطی ، شیخ سراج الدین بلقینی ، حافظ سراج الدین ابن الملقن ، حافظ زین الدین، شیخ صدرالدین الشیطی ، شیخ احمد بن محمد خلیلی، شیخ احمد بن محمد الا یکی، شیخ صالح بن خلیل بن سالم، شیخ شمس الدین القلقشندی، شیخ بدر الدین بن مکی، شیخ محمد بن عمر بن موسیٰ، شیخ بدر الدین بن قوام بالسی، فاطمہ بنت المنجا تنوفیہ، فاطمہ بنت عبدالہادی، عائشہ بنت عبدالہادی، شیخ زین الدین ابوبکر بن الحسین، شیخ شہاب الدین احمد بن عبداللہ بوصیری، شیخ جمال الدین ماردانی، شیخ مجدالدین فیروزآبادی، وغیرہ اکابرعلما سے کی اور درجۂ کمال کو پہنچے، نیز حافظ کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

علامہ محمد بن علی الشوکانی "البدر الطالع" میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ثم تصدی نشر الحدیث وقصر نفسه علیه مطالعة واقراء وتصنیفا وافتاء وتفرد بذلك وشهد له بالحفظ والاتقان القریب والبعید والعدو والصدیق، حتی صار اطلاق لفظ الحافظ علیه کلمة اجماع ورحل الطلبة الیه من الأقطار".[20]

خیرالدین الزرکلی "الاعلام" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وكان فصيح اللسان، راوية للشعر، عارفاً بأيام المتقدمين وأخبار المتأخرين، صبيح الوجه وولى قضاء مصر مرات ثم اعتزل"۔[۲۱]

آپ کی وفات اواخر ذی الحجہ ۸۵۲ھ میں ہوئی۔[۲۲]

حافظ ابن حجر کثیر التصانیف تھے، آپ نے مختلف علوم وفنون کی ۱۵۰ سے زائد کتابیں لکھی ہیں، جن میں بیشتر کتابیں فن حدیث سے متعلق ہیں، اور آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ نے اپنی تصانیف کی شہرت وقبول عام کا مشاہدہ اپنی زندگی میں ہی کرلیا تھا۔ چنانچہ علامہ شوکانی "البدر الطالع" میں رقم طراز ہیں:

"وصارت مؤلفاته فی حیاته وانتشرت فی البلاد وتكاتبت الملوك من قطر إلى قطر فی شأنها وهی كثيرة جدا"۔[۲۳]

آپ کی چند تصانیف کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) فتح البارى فى شرح صحيح البخارى

(۲) الدرر الكامنه فى أعيان المئة الثامنة

(۳) لسان الميزان

(٤) الاحكام لبيان مافى القرآن من الأحكام

(٥) ديوان شعر

(٦) الكافى الشاف فى تخريج أحاديث الكشاف

(۷) تقريب التهذيب فى أسماء رجال الحديث

(۸) الإصابة فى تمييز أسماء الصحابة

(۹) تهذيب التهذيب فى رجال الحديث

(۱۰) تعجيل المنفعة بزوائد رجال الائمة الاربعة

(۱۱) بلوغ المرام من أدلة الأحكام

(۱۲) القول المسدّد

(۱۳) ديوان خطب

(١٤) تبصير المنتبة فی تحرير المشتبة

(١٥) رفع الإصر عن قضاة مصر

(١٦) تعجيل المنفعة

(١٧) التلخيص الصبير فی تخريج أحاديث الرافعی الكبير

(١٨) نخبة الفكر فی مصطلح اهل الاثر

(١٩) نزهة النظر فی توضيح نخبة الفكر۔[۲۴]

"نخبة الفكر فی مصطلح اهل الاثر" حافظ ابن حجر کی اصول حدیث میں مشہور کتاب ہے، اور ایک مدت سے داخل درس ہے، اس کتاب کے متعلق مولانا محمد حنیف گنگوہی ظفر المحصلین میں رقم طراز ہیں:

> ''جن کتابوں پر خود حافظ ابن حجر کو ناز تھا، ان میں سے ایک نخبۃ الفکر بھی ہے، جو اصول حدیث میں نہایت جامع اور بہت عمدہ و معتمد متن صغیر الحجم ہونے کے باوجود کثیر النفع ہے''۔[۲۵]

چنانچہ اس کی افادیت اور جامعیت کے پیش نظر بہت سے ارباب علم حضرات نے اس کی شروح لکھی ہیں اور اس پر حواشی تحریر کیے ہیں۔ سب سے پہلے خود حافظ ابن حجر نے اس کی شرح لکھی، جس کا نام نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر رکھا، اس کے علاوہ جن لوگوں نے اس پر حواشی و شروح تحریر کیے ہیں، ان میں سے چند لوگوں کے نام ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

(١) نتيجة النظر فی شرح نخبة الفكر۔ كمال الدين محمدبن أحمد (یہ حافظ ابن حجر کے صاحبزادے ہیں، جنھوں نے شرح نخبۃ الفکر کی شرح لکھی۔)

(٢) حاشيه نخبة الفكر۔ شيخ ابراهيم اللقانی (م۱۰۴۱ھ)۔[۲۶]

(٣) تعليق نخبة الفكر ۔ زين الدين قاسم بن قطلوبغا الحنفی

ہندوستانی علما نے بھی اس کی شروح لکھی ہیں، چنانچہ مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی تصنیف ''اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' ہندوستانی علما کی اصول حدیث کی تصانیف کے ذیل میں سب سے پہلا نام شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کی کتاب "شرح نزهة النظر فی شرح نخبة الفكر" کا تحریر کیا ہے، اس کے علاوہ جن ہندوستانی علما نے اس پر حواشی و شروح تحریر کیے ہیں، ان میں سے چند حضرات کے نام

ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) امعان النظر فی توضیح نخبۃ الفکر — شیخ محمد اکرام بن عبدالرحمٰن سندھی

(۲) شرح نخبۃ الفکر — شیخ عبدالنبی بن عبداللہ شطاری گجراتی

(۳) شرح نخبۃ الفکر — مفتی عبداللہ بن صابر علی ٹونکی

اس کتاب کے نصاب درس میں شامل ہونے کی بنا پر متعدد ارباب ذوق نے اس کو نظم بھی کیا ہے، جن میں سے چند لوگوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ کمال الدین محمد بن الحسن شمّنی مالکی (م۸۲۱ھ)

(۲) شیخ شہاب الدین بن محمد (م۸۹۳ھ)

(۳) قاضی برہان الدین محمد بن ابی اسحاق المقدسی (م۹۰۰ھ)

(۴) ابن الصیرفی أحمد بن صدقہ (م۹۰۵ھ)

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کی "شرح نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر" کا ذکر مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے "سبحة المرجان فی آثار هندوستان" (ج:۱،ص:۱۱۶) عمر رضا کحالہ نے "معجم المؤلفین" (ج:۱۳،ص:۱۶۰) میں، خیر الدین الزرکلی نے "الاعلام" (ج:۸،ص:۱۱۰) میں، مولانا عبدالحی حسنی نے "نزهة الخواطر" (ج:۴،ص:۳۴۴) میں، نواب صدیق حسن خاں نے "ابجد العلوم" (ص:۸۹۷) میں آپ کی تصانیف کے ذیل میں "شرح النخبة فی اصول الحدیث" کے نام سے کیا ہے۔

شیخ علوی کی یہ شرح نخبۃ ہندوستانی علما کی شروح میں سب سے قدیم ہے، اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ملا علی قاری نے اپنی شرح نخبۃ میں اس کے جابجا حوالے دیے ہیں، اور اس سے اپنی کتاب میں استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی شرح علوی کے متعلق لکھتے ہیں:

"وهذا شرح قديم استفادبه بعض المصنفين فی كتبهم كالعلامة علی بن سلطان القاری الهروی فی شرحه علی شرح النخبة"۔[۲۷]

اس کتاب کے چار قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) نسخۂ رضالائبریری رامپور:

اس مخطوطے کا تذکرہ ڈاکٹر زبیداحمد صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے ''عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ'' (ص: ۱۲۷) میں کیا ہے، اس مخطوطے کی تفصیلات فہرست عربی مخطوطات رضا لائبریری (Catalogue of Arabic Manuscript in Raza Library Rampur Volume 1. P.360) جلداول صفحہ ۳۶۰ میں فہرست نمبر ۶۴۸ اور مخطوطہ نمبر ۸۷۰۵ کے تحت درج ہے۔

اس مخطوطے کی ضخامت ۱۰۸ اوراق ہے، ایک ورق میں ۱۹ سطریں ہیں اور مخطوطے کا سائز ۱۴.۴×۲۳.۳ ہے۔ مخطوطہ خط نسخ میں ہے، مخطوطہ ۱۰۷۳ھ میں لکھا گیا ہے، مخطوطہ اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔

فہرست عربی مخطوطات رضالائبریری میں نسخے کی ابتدا اس طرح درج ہے:

"الحمدلله حمداً يوافي نعمه آه"

مذکورہ فہرست میں مخطوطے کا ترقیمہ درج نہیں ہے۔

فہرست عربی مخطوطات رضالائبریری میں مخطوطے کے متعلق مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

A super-Commentary on Nuzhatun-Nazar. Copied by Ar. B. Abdi'l Mumin b. Abdi'l-Wahhab, With Marginal notes throughout.

(۲) نسخۂ حضرت پیر محمد شاہ درگاہ شریف لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر احمد آباد:

یہ دوسرا مخطوطہ حضرت پیر محمد شاہ درگاہ شریف اینڈ ریسرچ سینٹر احمد آباد میں موجود ہے، جس کی مختصر تفصیلات فہرست عربی، فارسی، اردو مخطوطات میں درج ہیں۔

فہرست نمبر ۱۹۵۱، مخطوطہ نمبر ۲۱۶ درج ہے۔ کتاب کا نام شرح نزهة النظر فی توضیح نخبة الفكر، مصنف کا نام شیخ وجیہ الدین علوی درج ہے۔

اس مخطوطے کا تذکرہ سید حسینی پیر علوی نے بھی تذکرۃ الوجیہ (ص:۵۱) میں کیا ہے، موصوف رقم طراز ہیں:

''حاشیہ العلوی علی شرح النخبۃ کا ایک نسخہ ناقص از آخر کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد

میں موجود ہے''۔[۲۸]

اس مخطوطے کا تذکرہ مولانا عبداللہ خطیب ندوی نے بھی شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر کے دیباچے میں کیا ہے، یہ مخطوطہ اچھی حالت میں بہت عمدہ ہے، خط نستعلیق میں ہے، کتابت اچھی ہے، اور واضح کلمات ہیں، لیکن مخطوطہ ناقص ہے، ابتدا کتاب سے مبحث روایۃ مبتدعہ تک ہے۔

مولانا عبداللہ خطیب ندوی اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"مخطوطه مكتبة بير محمد بأحمد آباد، وهى واضحة الكلمات ومبينة الألفاظ مكتوبة بخط النسخ كتابة جيدة، ولكنها ناقصة بحيث يوجد منها النصف الأول تقريبا استفدنا به من بداية الكتاب إلى مبحث رواية المبتدعة"۔[۲۹]

(۳) نسخۂ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ:

یہ تیسرا مخطوطہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں موجود ہے، اس مخطوطے کی تفصیلات فہرست ''خدابخش لائبریری میں ہماری خطی میراث'' جلد ۳۵ (حدیث) کے تحت درج ہیں۔ مخطوطہ نمبر ۴۵۴ ہے۔

اس مخطوطے کی ضخامت ۹۹ اوراق ہے، ایک ورق میں ۱۹ سطریں ہیں، اور مخطوطے کا سائز ۳.۵×۷، ۶×۱۰ ہے۔ مخطوطہ خط نسخ میں ہے، اور کتابت بہت عمدہ ہے۔

فہرست خدابخش لائبریری میں ہماری خطی میراث جلد ۳۵ میں نسخے کی ابتدا اس طرح درج ہے:

"الحمدلله الذى حمدا يوافى نعمه ويكافى مزيده اللهم صل على محمد كلما ذكره الذاكرون وغفل عن ذكره الغافلون"

مذکورہ فہرست میں مخطوطے کا ترقیمہ درج نہیں ہے۔

(۴) نسخۂ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ:

یہ چوتھا مخطوطہ کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ میں موجود ہے، اس کی مختصر تفصیلات مولانا عبداللہ خطیب ندوی نے "شرح نزهة النظر فى شرح نخبة الفكر" کے دیباچے میں تحریر کی ہیں۔

یہ مخطوطہ اول سے آخر تک مکمل ہے، واضح خط میں لکھا ہوا ہے اور اس مخطوطے میں بہت کم غلطیاں

ہیں۔موصوف رقم طراز ہیں:

"مخطوطة مكتبة ندوة العلماء بلكناؤ: هذه النسخة كاملة مكملة من أول الكتاب إلى آخرها، مكتوبة بخط واضح في الغالب، وهي أصح النسخ التي وجدناها، وأقلها خطأ وسقطا"۔[۳۰]

شیخ کی یہ شرح دو مرتبہ شائع بھی ہو چکی ہے۔سب سے پہلے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل یہ لیتھو پر چھپی تھی، اس کے بعد مفقود ہو گئی، جس کا ذکر مولانا بلال حسنی ندوی نے کیا ہے، موصوف رقم طراز ہیں:

"وكان هذا الكتاب قد طبع مرة واحدة بطبع حجري قديم ثم صارا مغموراً مطموراً لم يهتم به"۔[۳۱]

اس مطبوعہ شرح کا واحد نسخہ شیخ نور الحسن کاندھلوی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

☆ **نسخہ مطبوعہ کتب خانہ شیخ نور الحسن کاندھلوی:**

مولانا عبداللہ خطیب ندوی کی اطلاع کے مطابق اس کا خط نستعلیق ہے، اس میں غلطیاں بھی ہیں، بعض جگہ الفاظ چھوٹ گئے ہیں، کہیں کہیں تحریفات بھی ہیں، یہ ناقص الاول ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں:

"وهي مكتوبة بخط نستعليق، وفيها غلطات وسقطات، وتحريفات، حصلنا على مصورته من عند الشيخ نور الحسن راشد الكاندهلوي، وكانت ناقصة من أولها".[۳۲]

غالباً ناقص الاول ہونے کی بنا پر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا مطبع اور سال اشاعت کیا ہے؟

☆ **نسخہ مطبوعہ کتب خانہ لإحياء المعارف الاسلامیہ رائے بریلی:**

شیخ علوی کی اس شرح کا تازہ ترین ایڈیشن مولانا عبداللہ خطیب ندوی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ مجمع الإمام احمد بن عرفان الشهيد لإحياء المعارف الاسلامية، دارة الشيخ علم الله رائے بريلی سے ۱۴۲۷ھ میں شائع ہوا ہے۔محقق کتاب نے تعلیقات کے علاوہ احادیث کی تخریج بھی کردی ہے۔اس کی مجموعی ضخامت ۳۴۴ صفحات ہے، راقم کے پیش نظر اسی اشاعت کا ایک نسخہ ہے۔

کتاب کا آغاز مولانا محمد رابع حسنی ندوی کے مقدمے سے ہوتا ہے۔اس کے بعد "بين يدي الكتاب" کے عنوان سے مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی نے اس کا تعارف کرایا ہے۔اس کے بعد "كلمة

المحقق" کے عنوان سے مولانا عبداللہ خطیب ندوی کا دیباچہ ہے۔
اصل کتاب صفحہ ۱۶ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۳۱ پر ختم ہو جاتی ہے۔ صفحہ ۳۳۲ سے ۳۴۱ تک محقق کے مراجع و مصادر کی فہرست ہے اور صفحہ ۳۴۲ سے ۳۴۴ تک اصل کتاب کی فہرست ہے۔

اب ہم مطبوعہ شرح نزهة النظر فی شرح نخبة الفكر للعلامة وجيه الدين العلوی کے مشتملات کا جائزہ لیتے ہیں، اور شیخ علوی کی شرح کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں، جس سے موصوف کی شرح کی نوعیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے حافظ ابن حجر کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

(والثانی) وهو ما سقط عن آخره من بعد التابعی هو (المرسل)۔[۳۳]

حافظ ابن حجر نے مذکورہ عبارت میں حدیث مرسل کی تعرف بیان کی ہے۔ اس عبارت کی وضاحت سے پہلے چند باتوں کا عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

راویوں کے حالات کے اعتبار سے آحاد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مقبول۔ (۲) مردود۔

(۱) مقبول: وہ خبر واحد ہے، جس کے سب راوی معتبر (ثقہ) ہوں۔

(۲) مردود: وہ خبر واحد ہے، جس کا کوئی راوی غیر معتبر (ضعیف) ہو۔

پھر حدیث مردود کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) طعن۔ (۲) سَقْط

(۱) طعن: راوی میں کوئی ایسی خرابی اور عیب ہونا جو قبول حدیث کے لیے مانع ہو۔

(۲) سَقْط: اسناد میں کسی راوی کے چھوٹ جانے کا نام سَقْط ہے۔

پھر سَقْط کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) واضح۔ (۲) خفی

(۱) واضح: سَقْط واضح کے اعتبار سے حدیث مردود (غیر مقبول) کی چار قسمیں ہیں:

(۱) معلق۔ (۲) مرسل۔ (۳) معضل۔ (۴) منقطع

حافظ ابن حجر نے مذکورہ بالا عبارت میں سقط واضح کے اعتبار سے حدیث مردود کی دوسری قسم حدیث مرسل بیان کی ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں:

(والثانی) وهو ما سقط عن آخره من بعد التابعی هو (المرسل)

حافظ ابن حجر نے حدیث مرسل کی تعریف بیان کی ہے کہ مرسل وہ حدیث ہے، جس کی سند

کا آخری حصہ نہ بیان کیا گیا ہو، یعنی تابعی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حدیث بیان کرتا ہو۔

شیخ وجیہ الدین علوی نے یہاں سب سے پہلے اصطلاح ''مرسل'' کی لغوی تحقیق کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"وهو مأخوذ من قولهم "ناقة مِرسال" أى سريعة السير، أومن الإرسال بمعنى الإطلاق وعدم المنع، كقوله تعالىٰ إنّا أرسلنا الشياطين على الكافرين فكان الراوى أسرع وأطلق".[۳۴]

یعنی مرسل کی اصطلاح اہل عرب کے قول (ناقۃ مرسال) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں آزاد چھوڑ دینا اور نہ روکنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّــا اَرسَـلـنَـا الشَيـاطِيـنَ على الكافرين میں ارسال اسی معنی میں آیا ہے۔ ان دونوں صورتوں کے لحاظ سے گویا کہ راوی نے جلدی کی اور اپنے کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر نے حدیث مرسل کی مزید تشریح کی ہے، موصوف رقم طراز ہیں:

"(المرسل) وصورته أن يقول التابعي سواء كان كبيراً أو صغيرا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا، أو: فعل كذا، أو فُعِلَ بحضرته كذا، ونحو ذالك".[۳۵]

مذکورہ عبارت میں حافظ ابن حجر نے حدیث مرسل کی صورت بیان کی ہے کہ جب تابعی قـــال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا یا فُعِل بحضرتهٖ كذا یا اس کے مثل کلمات کہے خواہ یہ الفاظ کبیر بڑا تابعی کہے، یا صغیر چھوٹا تابعی کہے، تو وہ حدیث مرسل ہے۔

حافظ ابن حجر کی مذکورہ بالا عبارت پر شیخ علوی کی شرح ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

(وصورته أن يقول التابعي سواء كان كبيراً أو صغيرا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا، أو: فعل كذا، أو فُعِلَ بحضرته كذا ونحو ذالك) مما يضيفه إليه صلى الله عليه وسلم كالحلية هذا هو المشهور، وهو المعتمد".[۳۶]

شیخ علوی نے اس کی مزید وضاحت کی ہے، کہ جب تابعی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی

میں اس طرح کیا گیا، تو یہ حدیث مرسل ہے، جیسے کہ آپ کی عادت واخلاق یا آپ کی صورت وسیرت کے بارے میں بیان کرے۔ یہی قول مشہور اور صحیح ہے۔

"وقيّده بعضهم بالكبير، وقالوا: لايكون حديث صغار التابعين مرسلاً بل منقطعاً، لأنهم لم يلقوا من الصحابة إلا الواحد والاثنين، فأكثر رواياتهم عن التابعين".[۳۷]

پھر شیخ علوی نے دوسرا (غیر مشہور) قول بیان کیا ہے، کہ بعض لوگوں نے تابعی کبیر کی قید لگائی ہے، کہ تابعی کبیر مذکورہ الفاظ کے ساتھ اگر حدیث بیان کرے تو وہ مرسل ہوگی اور اگر تابعی صغیر مذکورہ الفاظ کے ساتھ حدیث بیان کرے تو وہ مرسل نہیں ہوگی بلکہ منقطع ہوگی، اس لیے کہ اس نے ایک یا دو صحابہ کے علاوہ کسی سے ملاقات (روایت) نہیں کی ہے، اور اس کی اکثر روایتیں تابعی سے مروی ہیں۔

"وإلى هذا الاختلاف أشار ابن الصلاح بقوله "وصورته التي لاخلاف فيها حديث التابعي الكبير".[۳۸]

اس کے بعد شیخ علوی نے وضاحت کی ہے کہ اسی اختلاف کی طرف ابن صلاح نے[۳۹] اپنے قول (وصورته التي لاخلاف فيها حديث التابعي الكبير) سے اشارہ کیا ہے کہ تابعی کبیر کی حدیث کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

"وقال المصنف: لم أر التقيد بالكبير عن أحد".[۴۰]

شیخ علوی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "النکت" میں تحریر کیا ہے کہ میں نے کسی جگہ کبیر کی قید لگی ہوئی نہیں دیکھی۔

"نعم! قيد الشافعي المرسل الذي يقبل إذا اعتضد بأن يكون من رواية التابعي الكبير"

شیخ علوی حافظ ابن حجر کے قول کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ کسی نے مقید نہ کیا ہو، بلکہ امام شافعی نے مقید کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کو اس وقت قبول کیا جائے گا جب اعتماد ہو جائے گا کہ یہ تابعی کبیر سے مروی ہے۔

"ولايلزم من ذلك أن لا يسمى مارواه التابعي الصغير مرسلا"

پھر شیخ علوی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے اس قول سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ تابعی صغیر جس کو روایت کرے اس کا نام مرسل نہیں ہوگا۔

"وأطلقه الفقهاء والأصوليون على قول من دون التابعي منقطعا كان أو معضلا :قال النبي صلى الله عليه وسلم "

شیخ علوی نے وضاحت کی ہے کہ فقہا اور اصولیین نے بیان کیا ہے کہ تابعی کے علاوہ کوئی شخص (تبع تابعی) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر روایت بیان کرے تو وہ منقطع یا معضل ہوگی۔

"ولذلك قال ابن الحاجب في المختصر:"المرسل قول غير الصحابي قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "

اسی وجہ سے ابن الحاجب نے "مختصر المنتهى الأصولي" میں بیان کیا ہے کہ "المرسل قول غير الصحابي قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" غیر صحابی کا قول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرسل ہے۔

"والتابعي الكبير هو الذى لقى جماعة من الصحابة وجالسهم، وجُلّ روايته عنهم كقيس بن أبي حازم وسعيد بن المسيب، والصغير هوالذى لم يلق من الصحابة إلا العدد اليسير، أو لقى جماعة إلا أن جُل روايته عن التابعي، كيحيى بن سعيد الانصارى".

پھر شیخ علوی نے تابعی کبیر اور تابعی صغیر کی تشریح کی ہے کہ تابعی کبیر وہ ہے، جس نے صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے ملاقات کی ہو اور ان کی مجلس میں بیٹھا ہو اور اس کی روایتیں صحابہ سے بہت ہوں، جیسے قیس بن أبی حازم اور سعید بن مسیّب۔

اور تابعی صغیر وہ ہے، جس نے صحابہ سے ملاقات نہ کی ہو، یا چند صحابہ سے اس کی ملاقات ہو، یا اس کی ملاقات صحابہ کی ایک جماعت سے ہوئی ہو، مگر اس کی روایتیں تابعی سے زیادہ مروی ہوں، جیسے یحییٰ بن سعید الانصاری۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر نے مرسل کو حدیث کی دوسری قسم مردود میں شمار کرانے کی وجہ بیان کی ہے، موصوف رقم طراز ہیں:

"وإنما ذكر في قسم المردودللجهل بحال المحذوف، لأنه يحتمل أن يكون صحابيا، و يحتمل أن يكون تابعيا، وعلى الثاني يحتمل أن يكون ضعيفا، ويحتمل أن يكون ثقة، وعلى الثاني يحتمل أن يكون حمل عن صحابي، ويحتمل أن يكون حمل عن تابعي آخر وعلى الثاني فيعود الاحتمال السابق ويتعدد، أما بالتجويز العقلي فإلى مالا نهاية له، و أما بالاستقرار فإلى ستة أوسبعة، وهوأكثر ماوجد من رواية بعض التابعين عن بعض".

مذکورہ عبارت میں حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ راوی کے محذوف الحال ہونے کی وجہ سے مرسل کو حدیث مردود (غیر مقبول) کے تحت بیان کیا ہے، اس لیے کہ احتمال ہے کہ محذوف راوی صحابی ہو یا تابعی، اور تابعی ہونے کی صورت میں احتمال ہے کہ ثقہ ہو یا ضعیف، اور تابعی کے ثقہ ہونے کی صورت میں احتمال ہے کہ اس نے حدیث کو صحابی سے لیا ہو یا تابعی سے۔ پھر اس تابعی میں بھی احتمال ہے کہ ثقہ ہو یا ضعیف۔ علی ہذا القیاس یہ سلسلہ بڑھتا جائے گا، یہاں تک کہ بلحاظ تجویز عقل تو غیر متناہی ہوسکتا ہے مگر بلحاظ تتبع چھ یا سات سے زائد نہیں ہوتا۔ بعض تابعی کا بعض سے روایت کرنے کا سلسلہ غالباً چھ سات تک ہی پایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر کی مذکورہ بالا عبارت پر شیخ علوی کی شرح ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

(وإنما ذكر) أي المرسل (في قسم المردود للجهل بحال) الراوي (المحذوف' لأنه يحتمل أن يكون صحابيا، ويحتمل أن يكون تابعيا) لعدم تقيدهم بالرواية عن الصحابة (وعلى الثاني يحتمل أن يكون ضعيفا، ويحتمل أن يكون ثقة لعدم تقيدهم بالرواية عن الثقات، وعلى الثاني) أي على تقدير كونه ثقة (يحتمل أن يكون حمل عن صحابي ويحتمل أن يكون عن تابعي آخر،وعلى الثاني فيعود الاحتمال السابق، ويتعدد) أي يرتقي الاحتمال.

شیخ علوی نے مزید وضاحت کی ہے کہ مرسل کو راوی کے محذوف الحال ہونے کی وجہ سے حدیث مردود کے تحت بیان کیا گیا ہے، کیوں کہ محذوف راوی صحابی بھی ہوسکتا ہے اور تابعی بھی ہوسکتا ہے، اس

لیے کہ راویوں نے صحابہ سے روایت کرنے کی پابندی نہیں کی ہے۔

اور تابعی ہونے کی صورت میں محذوف راوی ضعیف بھی ہوسکتا ہے اور ثقہ بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ راویوں نے ثقات سے روایت کرنے کی پابندی نہیں کی ہے اور محذوف راوی کے ثقہ ہونے کی صورت میں دوبارہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس راوی نے صحابی سے روایت نقل کی ہے یا تابعی سے روایت نقل کی ہے۔ دوسری صورت مان لینے میں یعنی محذوف راوی کے ثقہ ہونے کی صورت میں پھر اس کا احتمال ہے کہ اس روایت کو کسی صحابی سے لیا یا تابعی سے لیا ہو اور تابعی ہونے کی صورت میں پھر اس کا احتمال ہے کہ وہ تابعی ثقہ ہو یا ضعیف اور ثقہ ہونے کی صورت میں احتمال سابق پھر عود کر آئے گا اور پھر پلٹ پلٹ کر آتا رہے گا۔ عقلاً تو اس کی کوئی انتہا نہیں ہے، اور استقراءً زیادہ سے زیادہ چھ تا سات راویوں تک یہ احتمال موجود ہے۔

اس کے بعد شیخ علوی نے حدیث مرسل کے حکم کے سلسلے میں تفصیلات بیان کی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> هذا ـ أي كون المرسل حديثا ضعيفا مردوداً لا يحتج به. عندجماهير المحدثين،وكذا عند الشافعي وكثير من الفقهاء وأصحاب الأصول. وقال مالك ـ في المشهور عنه ـ وأبو حنيفة وطائفة من أصحابهما وغيرهم من أئمة العلماء كأحمد في المشهور عنه أنه صحيح محتج به، بل حكى ابن جرير إجماع التابعين بأسرهم على قبوله، وأنه لم يأت عنهم إنكاره، ولا عن أحد من الأئمة بعدهم إلى رأس المئتين الذين هم من القرون الفاضلة المشهود لها من الشارع صلى الله عليه وسلم بالخيرية، وبالغ بعض القائلين بقبوله،فقوّاه على المسند معلّلا بأن من أسند فقد أحالك، ومن أرسل فقد تكفّل لك، هذا إذا لم يعتفد.[۴۱]

یعنی حدیث مرسل کا ضعیف، مردود اور ناقل استدلال نہ ہونا جمہور محدثین کا مذہب ہے، اور یہی رائے امام شافعی اور اکثر فقہا اور اصحاب اصول کی ہے۔

اس کے برخلاف امام مالک کا قول مشہور اور امام ابوحنیفہ اور ان دونوں کے شاگردوں کی ایک

جماعت کا قول اور دیگر ائمہ علما مثلاً امام احمد کا قول مشہور یہ ہے کہ حدیث مرسل صحیح اور قابل استدلال ہے، بلکہ ابن جریر نے حدیث مرسل کی قبولیت پر تمام تابعین کا اجتماع نقل کیا ہے،اور یہ بھی کہا ہے کہ تابعین میں سے کسی کا حدیث مرسل سے انکار منقول نہیں اور نہ دوسری صدی ہجری تک تابعین کے بعد ائمہ میں سے کسی سے اُس کا انکار منقول ہے،یعنی ان ائمہ سے جن کا تعلق ان نیک صدیوں سے ہے جن کے بارے میں شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر ہونے کی گواہی دی ہے۔

حدیث مرسل کو قبول کرنے والوں میں سے بعض لوگوں نے مبالغہ کرتے ہوئے حدیث مسند سے زیادہ اسے قوی قرار دیا ہے اوراس کی علت یہ بیان کی ہے کہ جس نے پوری سند بیان کردی اس نے ذمہ داری تمہارے اوپر ڈال دی، اور جس نے حدیث کو مرسلاً نقل کیا اس نے تمہاری ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔ حدیث مرسل سے متعلق ان تمام تفصیلات کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ اس حدیث مرسل کی کسی دوسرے ذریعے سے تصدیق وتائید نہ ہوتی ہو۔

گزشتہ صفحات میں اس کتاب کے حوالے سے جو مباحث پیش کیے گئے، ان کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شیخ علوی کو فن اصول حدیث پر بھی دست گاہ حاصل تھی، اور انھوں نے حافظ ابن حجر کی شرح نخبۃ پر مدلّل، مفصل اور عالمانہ گفتگو کی ہے اوران کی یہ شرح اہمیت اور قدر وقیمت کی حامل ہے۔

علم فقہ

(۱) حاشیہ شرح وقایہ

"وقاية الرواية فى مسائل الهداية" فقہ حنفی کا ایک مشہور متن ہے، جس کے مصنف کا نام ونسب مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے عمدۃ الرعایۃ میں اس طرح بیان کیا ہے:

أحمد بن جمال الدين ابوالمكارم عبيدالله بن ابراهيم بن عبدالملك بن عمير بن عبدالعزيز بن محمد بن جعفر بن خلف بن هارون بن محمد بن محمد بن محبوب بن وليد بن عبادة بن صامت رضى الله عنه.[۴۲]

یہ متن بہت مشہور ہے، اس وجہ سے اس کی بہت سی شروحات لکھی گئیں، چنانچہ صاحب "معجم المطبوعات العربية" لکھتے ہیں:

"وقاية الرواية فى مسائل الهداية، ويعرف بالوقاية (فقه حنفى) وهو متن مشهور اعتنى بشأنه العلماء بالقراء ة والتدريس والحفظ".[۴۳]

اسی طرح مولانا عبدالحی فرنگی محلی "عمدة الرعاية" میں رقم طراز ہیں:

"الدراسة السابعة فى تراجم طائفة من شراح الوقاية قد مرّ أن الوقاية من المتون المعتبرة وان مؤلفه من الفقهاء الكملة فلذلك عكف عليه العلما تعليقا وتدريسا وكتبوا عليه حواشي وشروحا".[۴۴]

آپ کی وفات ۶۳۰ھ میں ہوئی۔[۴۵]

اس متن کے مقبول ہونے کی وجہ سے اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں، ان سب میں سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مقبول ومعروف شرح آپ کے پڑپوتے عبیداللہ بن مسعود نے لکھی، جن کا نسب اس طرح ہے:

"عبيدالله بن مسعود ابن تاج الشريعة محمود بن صدر الشريعة الاكبر أحمد بن عبيدالله بن ابراهيم بن عبدالملك بن عمير بن عبدالعزيز بن محمد بن جعفر بن خلف بن هارون بن محمد بن محمد بن محبوب بن وليد

بن عبادة بن صامت رضی الله عنه".[۴۶]

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ شارح وقایہ اور ماتن وقایہ دونوں ہی سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، اسی لیے انھیں عبادی کہا جاتا ہے۔ محبوبی کا لفظ تاج الشریعۃ اور ان کے آباء پر بولا جاتا ہے، چوں کہ آپ کے اجداد میں محبوب نام کے ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، جو کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، اس لیے ان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی "عمدة الرعاية" میں اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

"قلت استفيدت من هذه العبارات امور الاول ان الشارح والمصنف من اولاد سيدنا عبادة بن صامت رضى الله عنه ولذا يقال له العبادى وهو على ماذكره ابن الاثير الجزرى فى جامع الاصول".[۴۷]

شارح وقایہ عبیداللہ بن مسعود نے علوم وفنون کی تحصیل اپنے دادا تاج الشریعۃ وغیرہ اکابر علما سے کی، اور درجۂ کمال کو پہنچے، صاحب ظفر المحصلین آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ شارح وقایہ اپنے وقت کے امام، جامع معقول ومنقول، محدث جلیل، بے مثل فقیہ، علم تفسیر، علم خلاف وجدل، نحو ولغت، ادب وکلام اور منطق وغیرہ کے متبحر عالم تھے۔[۴۸]

آپ کی وفات ۷۴۷ھ میں ہوئی۔[۴۹] دوسرے قول کے مطابق ۶۸۰ھ میں ہوئی۔[۵۰] تیسرے قول کے مطابق ۷۴۵ھ میں ہوئی۔[۵۱] صاحب ظفر المحصلین نے پہلے قول (۷۴۷ھ) کو اصح قرار دیا ہے۔[۵۲]

عبیداللہ بن مسعود کے علاوہ جن علما وفقہا نے متن وقایہ کی شرحیں لکھیں ہیں، ان میں سے مندرجہ ذیل نام قابل ذکر ہیں:

(۱) شیخ علاء الدین علی بن عمر رومی مشہور بقرہ خواجہ (۸۰۰ھ)

(۲) شیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز بن فرشتہ مشہور بابن ملک

(۳) سید علی تو قانی رومی (۸۰۰ھ)

(۴) شیخ علی بن مجد الدین محمد بن محمد بن مسعود بن محمود بن محمد بن فخر الدین رازی (۸۷۵ھ)

(۵) سید شریف علی بن محمد جرجانی (۸۱۶ھ)

(۶) شیخ محمد بن حسن بن احمد بن ابی یحییٰ کواکبی حلبی (۱۰۹۶ھ)

(۷) شیخ یوسف بن حسین (۹۰۰ھ)

(۸) شیخ محمد بن مصلح الدین قوجوی معروف بشیخ زادہ رومی (۹۵۰ھ)

(۹) شیخ شمس الدین محمد بن عبداللہ تمرتاشی (۱۰۰۴ھ)

(۱۰) علامہ فصیح الدین ہروی

(۱۱) شیخ زین الدین جنید بن صندل

(۱۲) شیخ علاء الدین علی طرابلسی

(۱۳) شیخ قاسم بن سلیمان بیکندی (۹۷۰ھ)

(۱۴) شیخ حسام الدین الکوسج

مذکورہ شروح میں سب سے زیادہ مقبول صاحب وقایہ کے پڑپوتے عبیداللہ بن مسعود کی شرح ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مدارس اسلامیہ میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، اسی وجہ سے عالم اسلام کے علما نے اس کی شروح وحواشی بکثرت لکھے ہیں۔ صاحب السقایہ علی شرح الوقایہ (ص:۲۷۳) کی تحقیق کے مطابق شرح وقایہ کے حاشیہ نگاروں کی تعداد پچاس[۵۰] کے قریب ہے۔ جن میں سے مشاہیر حاشیہ نگاروں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) علی بن مجد الدین محمد بن محمد بن مسعود بن محمود بن محمد (۸۷۵ھ)

(۲) یوسف بن جنید توقانی مشہور باخی چلپی (۹۰۵ھ)

(۳) حسن چلپی بن شمس الدین محمد شاہ بن شمس الدین محمد بن حمزہ (۸۸۶ھ)

(۴) محی الدین محمد بن تاج الدین مشہور بخطیب زادہ رومی (۹۰۱ھ)

(۵) شیخ یوسف بن حسین کرماسنی (۹۰۰ھ)

(۶) محی الدین محمد بن ابراہیم بن حسین نکساری رومی (۹۰۱ھ)

(۷) محی الدین احمد بن محمد عجمی

(۸) مصلح الدین مصطفیٰ بن حسام الدین

(۹) محی الدین محمد شاہ بن علی بن یوسف بالی بن شمس الدین محمد بن حمزہ (۹۲۹ھ)

(۱۰) اسعدی بن الناجی بیگ مشہور بناجی زادہ (۹۰۲ھ)

(۱۱) محی الدین چلپی محمد بن علی بن یوسف بالی فناری (۹۵۴ھ)

(۱۲) کمال الدین اسماعیل قرامانی مشہور بقرہ کمال

(۱۳) یعقوب باشا بن خضر بیگ بن جلال الدین رومی

(۱۴) شیخ سنان الدین یوسف رومی

(۱۵) شمس الدین احمد بن قاضی موسیٰ مشہور بالخیالی (۸۶۲ھ)

(۱۶) محمد بن فراموز مشہور بملا خسرو (۸۸۵ھ)

(۱۷) محمد بن محمد مشہور بعرب زادہ رومی (۹۶۹ھ)

(۱۸) تاج الدین ابراہیم بن عبید اللہ حمیدی (۹۷۳ھ)

(۱۹) شیخ صالح بن حلال (۹۷۳ھ)

(۲۰) محمد بن مصلح الدین قوجوی معروف بشیخ زادہ رومی (۹۵۰ھ)

(۲۱) حسام الدین حسین بن عبد اللہ (۹۲۶ھ)

(۲۲) شیخ مصطفیٰ بن خلیل (۹۳۵ھ)

(۲۳) شمس الدین احمد بن بدر الدین مشہور بقاضی زادہ رومی (۹۸۸ھ)

(۲۴) شیخ الاسلام احمد بن یحییٰ بن محمد بن سعد الدین تفتازانی (۹۱۶ھ)

(۲۵) عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائنی (۹۴۴ھ)

(۲۶) محی الدین محمد قرہ باغی (۹۴۳ھ)

(۲۷) قاضی شمس الدین احمد بن حمزہ معروف بعرب چلپی (۹۵۰ھ)

(۲۸) مفتی زکریا بن بہرام (۱۰۱۰ھ)

(۲۹) عبد اللہ بن صدیق بن عمر ہروی

(۳۰) شاہ لطف اللہ بن اورنگ زیب معروف بملا نان

(۳۱) ابوالمعارف محمد عنایت اللہ قادری لاہوری

(۳۲) شیخ نورالدین بن شیخ محمد صالح احمد آبادی (۱۱۵۵ھ)

(۳۳) محمد یوسف بن محمد اصغر بن ابی الرحم بن یعقوب (۱۲۸۶ھ)

(۳۴) عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن ابی الرحم (۱۲۸۵ھ)

(۳۵) خادم احمد بن محمد حیدر بن محمد مبین بن محب اللہ بن احمد عبدالحق (۱۲۷۱ھ)

(۳۶) عبدالرزاق بن جمال الدین احمد (۱۲۷۸ھ)

(۳۷) محمد حسن بن ظہور حسن بن شمس علی سنبھلی

(۳۸) عبدالحکیم بن عبدالرب بن بحر العلوم عبدالعلی (۱۲۸۷ھ)

(۳۹) ابوالخیر محمد معین الدین بن شاہ خیرات علی بن سید احمد

(۴۰) مولانا عبدالحی بن عبدالحلیم بن امین اللہ انصاری (۱۳۰۷ھ)

(۴۱) مولانا وحید الزماں بن مسیح الزماں لکھنوی فاروقی حنفی

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، آپ نے بھی شرح وقایہ پر حاشیہ لکھا ہے، جس کا ذکر تذکرہ نگاروں میں سے مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (ص:۱۱۶) میں، مولانا عبدالحی حسنی رائے بریلوی نے نزہۃ الخواطر (ج:۴،ص:۳۴۴) میں، نواب صدیق حسن خاں نے ابجد العلوم (ص:۸۹۷) میں، مولوی فقیر محمد نے حدائق الحنفیہ میں آپ کی تصانیف کے ذیل میں حاشیہ شرح وقایہ کے نام سے کیا ہے، جس کا تعارف آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔

مذکورہ حاشیہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اب تک اس کے چھے[۶] قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) **نسخۂ رضا لائبریری رامپور:**

اس مخطوطے کا تذکرہ ڈاکٹر زبید احمد صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے ''عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ'' (ص:۳۰۱) میں کیا ہے۔

اس مخطوطے کی تفصیلات فہرست عربی مخطوطات رضا لائبریری جلد سوم صفحہ نمبر ۱۶۶ میں فہرست نمبر ۲۲۹۲ اور مخطوطہ نمبر ۲۸۱۶ کے تحت درج ہے۔

(Catalogue of Arabic Manuscript in Raza Library, Rampur, Volume-III, P.166)

اس مخطوطے کی ضخامت ۴۰۹ اوراق ہے، ایک ورق میں ۲۱ سطریں ہیں، اور مخطوطے کا سائز ۱۷×۷ درج ہے۔ مخطوطہ خط نسخ میں ہے، مخطوطہ عام طور پر اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔

فہرست عربی مخطوطات رضا لائبریری میں نسخے کی ابتدا اس طرح درج ہے:

الحمدلله رب العالمين ۔ قوله سعد جده وانجح جدة الجد بالفتح البخت ۔

مذکورہ فہرست میں مخطوطے کا ترقیمہ درج نہیں ہے۔

فہرست عربی مخطوطات رضا لائبریری میں مخطوطے کے متعلق مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

Good slightly worm- eaten. 12 Ah/18th Century

(۲) نسخۂ بوہار لائبریری، کلکتہ **Catalogue Raisonne of the Buhar Library**

یہ دوسرا نسخہ بوہار لائبریری کلکتہ میں موجود ہے، جس کی تفصیلات فہرست بوہار لائبریری (ج:۲،ص:۵۹۷) میں درج ہیں۔ مخطوطہ نمبر ۱۶۴ ہے۔

مخطوطے کی ضخامت ۳۱۳ اوراق ہیں، ایک ورق میں ۱۹ سطریں ہیں، مخطوطے کا سائز ۶.۵×۱۲.۱.۴، ۸.۳.۴×۴.۵ درج ہے۔ قولہ سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ہے، مخطوطہ خط نستعلیق میں ہے، اور مخطوطے پر ''حمید اللہ'' کی مہر لگی ہوئی ہے۔ مخطوطہ اچھی حالت میں دیدہ زیب ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔ کاتب کا نام درج نہیں ہے۔ مخطوطے کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على افضل رسله محمدوآله"

فہرست نگار بوہار لائبریری کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

....Which gives the date of his demise as A.H. 1000 AD 1591

Beginning الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على افضل رسله محمدوآله

Quotations from the commentary are introduced with the word قوله in red ink. Fol 303 is left blank with the remark البياض صحيح. Foll 283-286 and 289 to the end are coloured paper. Many foll, at the end have be come brittle and defective. The title page and the last fol. bear the seals of Hamidullah. The upper part of the borders are some

what stained with damp. Slightly

(۳) نسخۂ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد:

Govt. Oriental Manuscript Library & Reserch Institute

اس مخطوطے کا تذکرہ فہرست کتب ''عربی فارسی واردو'' مخزونۂ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے۔ نام کتاب ''حاشیہ شرح وقایہ'' نام مصنف ''علوی''، قلمی نسخہ نمبر کتاب ۵۵ درج ہے۔

(۴) نسخۂ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد:

سید حسینی پیر علوی نے تذکرۃ الوجیہ (ص:۵۳) میں حاشیہ علی شرح وقایہ للعلوی کا تذکرہ کیا ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں:

حاشیہ علی شرح وقایہ للعلوی ضخیم کتاب ہے، متوسط تقطیع۔ خط نستعلیق خوش خط ہے۔ تقریباً چھ سو صفحات ہوں گے۔ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانے میں ہے۔ اول اور آخر سے ناقص ہے۔

(۵) نسخۂ یوسف کھٹکھٹے بمبئی:

سید حسینی کی اطلاع کے مطابق مذکورہ نسخہ ممبئی کے مشہور کوکنی فاضل جناب یوسف کھٹکھٹے صاحب بی، اے کے ذاتی کتب خانے میں ہے۔[۵۳]

(۶) نسخۂ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی:

اس کتاب کا چھٹا نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ یہ سلیمان کلکشن کا حصہ ہے، اس کا نمبر ۳۲/۶۰ ہے اس کی ضخامت ۲۷۶ اوراق ہے، ہر ورق میں ۲۱ سطریں ہیں، مخطوطے کا سائز ۱۸×۸، ۱۳×۲۳ ہے۔ یہ عام طور پر اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔ اوراق پر بٹر پیپر چڑھا دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ نسخہ محفوظ ہوگیا ہے۔ یہ مخطوطہ خط نستعلیق میں خوش خط لکھا ہوا ہے۔

اس کی ابتدا میں فہرست ہے، جس میں لفظ 'کتاب، باب، فصل کے الفاظ سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں، اسی طرح مخطوطے کے اندر کتاب اور باب کے تحت عنوانات بھی سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں سب سے پہلے پیش نظر کتاب کی فہرست نقل کرتے ہیں:

فہرست ابواب حاشیہ علی شرح وقایہ تصنیف حضرت میاں وجیہ الدین علوی نور اللہ مرقدہٗ

مطبوعہ شرح وقایہ چار جلدوں میں ہے۔ اس کا آغاز کتاب الطہارۃ سے ہوتا ہے اور اس کا اختتام کتاب الخنثیٰ پر ہوتا ہے۔ پیش نظر قلمی نسخے کی فہرست سے مقابلے کے بعد پتہ چلا کہ شیخ علوی کا یہ حاشیہ مکمل شرح وقایہ پر لکھا گیا ہے۔ کیوں کہ اس کا آغاز بھی کتاب الطہارۃ سے ہوا ہے اور اختتام کتاب الخنثیٰ پر ہے۔

فہرست کے خاتمے کے بعد ورق ۴ب پر یہ عبارت درج ہے:

حاشيه شاه وجيه الدين علوى قدس سره بر شرح وقايه اواخر شهورسنة ثمان وتسعين ومائة والف دربلده اورنكاباد دكن خريد نموده شد۔

فالحمدلله سبحانه

اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس مخطوطے کی کتابت ۱۱۹۸ھ سے پہلے کی ہے، کیوں کہ یہ کتاب ۱۱۹۸ھ کے آخری مہینے میں اورنگ آباد دکن میں خریدی گئی ہے۔ مخطوطے کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے، جس سے سال کتابت یا کاتب کا نام معلوم ہو سکے۔ مصنف نے آغاز کتاب میں بہت مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة على أفضل رسوله محمد وآله وصحبه اجميعن

اس کے بعد شرح وقایہ کے مقدمے سے متعلق تین مختصر حواشی تحریر کیے ہیں، جو اس طرح ہیں:

(۱) (قوله سعد جَدّه وانجح جَدّه) الجد بالفتح البخت وبالكسر الاجتهاد

(۲) (قوله طلقا) اطلق بفتح الطاء

(۳) (قوله بالعبارة التى تقرر عليها المتن) اى بعد التغيّر والمحو والاثبات لتغير النسخ المكتوبة قبل التغير الى هذا النمط التى تقرر عليها المتن

ان حواشی کی توضیح سے پہلے شارح وقایہ کے خطبۂ کتاب کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة على رسوله محمد وآله اجمعين الطيبين الطاهرين وبعد فيقول العبد المتوسل الى الله تعالى باقوى الذريعة عبيدالله ابن مسعود بن تاج الشريعة سعَد جَدُهٗ وانجح جِدّه. هذا حل المواضع المغلقة من وقاية الرواية فى مسائل الهداية التى الّفها جدّى واستاذى مولانا الاعظم استاذ علماء العالَم برهان الشريعة والحق والدّين محمود بن صدر الشريعة جزاه الله عنى وعن جميع المسلمين خير الجزاء لاجل حفظى والمولى المؤلف لما الفها سبقا سبقا وكنت اجرى فى ميدان حفظه طلقاً طلقاً حتى اتفق اتمام تاليفه مع اتمام حفظى انتشر بعض النسخ فى الاطراف ثم بعد ذلك وقع فيها شئ من التغيرات ونبذ من المحو والاثبات فكتبت فى هذا الشرح العبارة التى تقرر عليها المتن لتغير انسخ المكتوبة الى هذا النمط.

(۱) شیخ وجیہ الدین علوی نے مصنف کی عبارت سعده جَدُّه وانجح جِدّه سے متعلق توضیح وتشریح کی ہے۔قوله سعد جَدّه وانجح جده الجد بالفتح البخت وبالكسر

الاجتھاد" جدہ فتح کے ساتھ نیک بختی کے معنی میں ہے،اور دوسرے لفظ جِدّہ میں کسرہ کے ساتھ اجتہاد (کوشش) کرنے کے معنی میں ہے۔ مذکورہ عبارت کا ترجمہ ہوگا، نیک بخت ہوں دادا اس کے،اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوں۔

(۲) اس کے بعد "طلقا" کے اعراب کے بارے میں وضاحت کی ہے۔قولہ طلقا الطلق بفتح الطا، طلقا، طا کے فتح کے ساتھ ہے۔

(۳) اس کے بعد شیخ علوی نے العبارۃ کی تشریح کی ہے،عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"قوله بالعبارة التى تقرر عليها المتن اى بعد التغير والمحو والاثبات لتغير النسخ المكتوبة قيل التغير الى هذا النمط التى تقرر عليها المتن"

شیخ علوی فرماتے ہیں کہ شرح وقایہ نے اس شرح میں اصل متن کی وہ عبارت لکھ دی ہے، جو پہلے لکھی ہوئی کتاب میں سے تغیر کے بعد برقرار رہی ہے۔

اب ہم اس کتاب کے مشتملات کا جائزہ لیتے ہیں،اور شیخ علوی کے حواشی کے مزید نمونے پیش کرتے ہیں، جس سے موصوف کے حواشی کی نوعیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے صاحب شرح وقایہ کی عبارت نقل کرتے ہیں:

كتاب الطهارة: اكتفى بلفظ الواحد مع كثرة الطهارات لأن الاصل أن المصدر لايثنى ولايجمع لكونها اسم جنس يشمل جميع أنواعها وأفرادها فلاحاجة الى لفظ الجمع

صاحب شرح وقایہ نے طہارت سے متعلق وضاحت کی ہے، کہ مصنف وقایہ نے طہارت کو لفظ واحد لکھنے پر اکتفا کیا ہے، حالاں کہ طہارت کی بہت سی اقسام ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ طہارت مصدر ہے اور مصدر کی اصل یہ ہے کہ وہ تثنیہ یا جمع مستعمل نہیں ہوتے ہیں، اس لیے کہ مصدر اسم جنس ہے جو کہ اسم کی تمام انواع واقسام کو شامل ہے۔لہذا جمع کا صیغہ استعمال کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

اب شرح وقایہ کی مذکورہ بالا عبارت پر شیخ علوی کے حواشی ملاحظہ ہوں۔لکھتے ہیں:

قوله كتاب الطهارة: وهى فى اللغة النظافة وفى الشرع عبارة عن نظافة مخصوصه وانما بداء بالطهارة لان العبادات اهم من المعاملات لان بها فلاح

الآخرة بخلاف المعاملات فان بها فلاح الدنيا ومن جملة العبادات الصلوة وهى اهم منها لانها مناجات الرب وهى تتوقف على الطهارة

قوله لان الاصل إلا أن الأولىٰ بلفظ الجمع كما هو المذكور فى الهداية، تنبعها على اختلاف انواعها من الحقيقة والحكمية والطهارة بالماء والتراب حكما وحقيقة

شیخ وجیہ الدین علوی نے اپنے حاشیے میں سب سے پہلے لفظ طہارت کی لغوی وشرعی تحقیق کی ہے، کہ طہارت لغت میں نظافت یعنی پاکیزگی کو کہتے ہیں، اور شریعت میں ایک خاص طرح کی پاکیزگی کو طہارت کہتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ علوی نے کتاب الطہارۃ سے کتاب کے آغاز کی حکمت کو بیان کیا ہے، کہ عبادات، معاملات سے اہم ہیں، اس لیے کہ آخرت کی کامیابی عبادات سے حاصل ہوتی ہے۔ بخلاف معاملات کے، کہ معاملات کے ذریعے دنیاوی کامیابی حاصل ہوتی ہے اور تمام عبادات میں سب سے اہم نماز ہے، اس لیے کہ نماز اللہ تعالیٰ سے مناجات کا نام ہے، اور نماز طہارت پر موقوف ہے، اس وجہ سے مصنف نے کتاب کا آغاز کتاب الطهارة سے کیا ہے۔

(قوله لان الاصل) شیخ علوی نے اس حاشیے میں صاحب شرح وقایہ کی اس توجیہ سے بحث کی ہے کہ مصنف وقایہ نے "كتاب الطهارات" کے بجائے "كتاب الطهارة" کیوں لکھا ہے؟ اس سلسلے میں وہ صاحب شرح وقایہ سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بات تو صحیح ہے کہ الطہارۃ مصدر ہے اور مصدر کو تثنیہ یا جمع بنانے کی ضرورت نہیں، مگر عنوان میں کتاب الطہارات لکھنا ہی بہتر تھا، جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے، یعنی اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ طہارت کبھی حکمی ہوتی ہے، کبھی حقیقی ہوتی ہے، یعنی طہارت کبھی پانی سے حاصل ہوتی ہے، جو حقیقی ہے، اور کبھی مٹی سے حاصل ہوتی ہے، جو حکمی ہے۔

مصنف وقایہ نے کتاب الطہارۃ عنوان کے ذیل میں سب سے پہلے قرآن کریم کی آیت لکھی ہے، جو سورہ مائدہ کی چھٹی آیت ہے۔ یہ آیت چوتھی یا پانچویں ہجری میں غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر نازل ہوئی تھی، فرائض وضو اور مشروعیت غسل وتیمم اسی آیت سے ثابت ہے۔ قرآن کریم کی آیت حسب ذیل ہے:

يـا أيهـا الـذيـن آمـنـوا إذا قمتم إلى الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم الى المرافق وامسحوا برء وسكم وارجلكم إلى الكعبين

قرآن کریم کی مذکورہ آیت پر شیخ علوی کے حواشی ملاحظ ہوں۔ لکھتے ہیں:

قوله(يا أيها الذين آمنوا إذا قمتم الى الصلوٰة) اى اردتم القيام الى الصلوٰة لانـه مسبب الارادة فـاقيم مـقـام السبـب فـمـعـنى قمتم اردتم القيام وانتم محدثون واشتراط الحدث ههنا بين بدلالة نص التيمم ايضا

شیخ علوی نے اپنی کتاب میں آیت مذکورہ کی توضیح وتشریح کی ہے، کہ اے ایمان والوں جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو، اور تم محدث ہو، اس وقت اپنے چہرے کو، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو، اور اپنے سر کا مسح کرو، اور اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔

موصوف مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نماز کا ارادہ کرنا، اور محدث ہونا یہ شرط ہے، اس لیے کہ ارادہ مسبب ہے، جو سبب کے قائم مقام ہے، اور حدث کی شرط اس جگہ نص تیمم سے سمجھ میں آتی ہے، یعنی جب تم نماز کا ارادہ کرو، اور تم کو حدث لاحق ہو، اس وقت وضو کرو، آیت تیمم ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

وان كنتم جنباً فاطهروا، وإن كنتم مرضىٰ أو على سفر أو جاء أحدمنكم من الـغـائـط أو لـمستـم الـنسـآء فـلم تجدوا مآء فتيمموا صعيداً طيباً فاسحوا بوجوهكم وأيديكم منه.

اس کے بعد شیخ علوی نے آیت کریمہ کے لفظ "فـــاغسـلـوا" کی تشریح کی ہے، موصوف کی عبارت ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

(قـولـه فـاغسلوا) قيل انه امر ندب لان تجديد الوضوء لكل صلوٰة مـنـدوب...... الاصح أن الامـر للوجوب والخطاب للمحدثين خاصة فـقـد قرى اذا قمتم من مضاجعكم وهو كناية عن النوم والنوم دليل الحدث

شیخ نے "قيـل انـه امر ندب" سے ایک اعتراض کیا ہے، پھر اس کا جواب دیا ہے۔ اعتراض

یہ ہے کہ فاغسلوا میں امر برائے استحباب ہے۔ اس لیے کہ ہر نماز کے لیے تجدید وضو مستحب ہے؟ شیخ علوی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ فاغسلوا میں امر وجوب کے لیے ہے، اور خطاب خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کے لیے جنھیں حدث لاحق ہو۔ کیوں کہ ایک قرأت میں "إذا قمتم من مضاجعکم" آیا ہے اور یہ نوم سے کنایہ ہے اور نوم حدث کی دلیل ہے، یعنی جب تم اپنی نیند سے بیدار ہو، اس وقت وضو کرو۔

اس کے بعد شیخ علوی نے شارح وقایہ کی عبارت (افتتح الکتاب بهذه الآیة) اور (والاصل مقدم علی الفرع بالرتبة) کی وضاحت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

(قوله افتتح الکتاب بهذه الآیة) وان کان الحجة توخربه عن الدعویٰ قوله والاصل مقدم بالرتبة مقدم فی الذکر لیوافق الذکر الرتبة

اس کا حاصل یہ ہے کہ آیت دلیل ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ دلیل دعوے کے بعد پیش کی جاتی ہے، یہ معترض کا اعتراض تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دلیل اصل ہوتی ہے اور اس کا حکم اس کی فرع ہوتی ہے اور اصل فرع پر رتبۃً مقدم ہوتی ہے۔ لہذا آیت کو مقدم اس لیے کیا گیا تا کہ اس کا ذکر اس کے رتبہ سے مطابق ہو جائے۔

اس کے بعد وضو کے فرائض اور اس کے حدود سے متعلق گفتگو کی ہے، سب سے پہلے ہم صاحب وقایہ کی عبارت نقل کرتے ہیں:

ففرض الوضوء غسل الوجه من الشعر إلی الاذن واسفل الذقن والیدین والرجلین مع المرفقین والکعبین

صاحب وقایہ نے مذکورہ عبارت میں وضو کے فرائض اور ان کے حدود بیان کیے ہیں، موصوف رقم طراز ہیں:

وضو میں چہرے کا دھونا فرض ہے، بالوں سے کان تک، اور تھوڑی کے نیچے تک، اور دونوں ہاتھوں کا، دونوں کہنیوں سمیت دھونا فرض ہے، اور دونوں پیروں کا، دونوں ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے۔

اس کے بعد شرح وقایہ کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

(قوله ففرض الوضوء غسل الوجه من الشعر) ای من قصاص شعر الرأس

وهو منتهى منبت شعر الرأس (إلى الاذن) فيكون مابين العذار والاذن داخلا فى الوجه كما هو مذهب ابى حنيفةؒ ومحمدؒ فيفرض غسله وعليه اكثر مشائخناؒ وذكر شمس الائمة الحلوائیؒ يكفيه ان يَبلّ مابين العذار والاذن ولايجب اسالة الماء عليه بناء على ماروى عن ابى يوسفؒ ان المصلى اذا بلّ وجهه واعضاء وضوئه بالماء ولم يسل الماء عن العضو جاز لكن قيل تاويله انه سال من العضو قطرة او قطرتان ولم يتدارك (واسفل الذقن) فتم حدود الوجه من الاطراف الاربعة.

پس فرض وضو کا دھونا چہرے کا بال سے، یعنی سر کے سامنے کی طرف، اس جگہ سے جہاں سے بال نہیں اگتے، ادھر کان تک۔ پس مابین العذار والاذن چہرے میں داخل ہوگا، جیسا کہ وہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مذہب ہے۔ لہذا اس کا دھونا فرض ہوگا اور اکثر مشائخ حنفیہ کا یہی مذہب ہے اور شمس الائمہ حلوائیؒ نے فرمایا کہ مابین العذار والاذن کو صرف پانی سے تر کرنا ہی کافی ہے، پانی بہانا واجب نہیں ہے۔ اس بنا پر کہ امام ابویوسفؒ سے مروی ہے کہ نمازی اگر وضو میں چہرہ اور دیگر اعضا کو پانی سے تر کرے، اور پانی نہ بہائے تو جائز ہے۔ لیکن فقہا نے اس کا یہ مطلب بیان کیا، کہ پانی کا ایک یا دو قطرہ بہہ جائے اگر چہ پے در پے نہ ہو، اور تھوڑی کے نیچے تک۔ پس چہرے کی چاروں طرف کی حدود مکمل ہوگئیں۔

شرح وقایہ کی مذکورہ بالا عبارت پر شیخ علوی کے حواشی ملاحظہ ہوں۔ لکھتے ہیں۔

(قوله ففرض الوضوء غسل الوجه) الفرض فى اللغة التقدير وفى عرف الشرع عبارة عن حكم مقدر لايحتمل زيادة ونقصانا ثبت بدليل قطعى لاشبهة فيه ويقال لمايفوت الجواز بفوته والمفروض ههنا بمعنى المفروض الغسل الاسالة والمسح الاصابة والقصاص منتهى منبت شعر الرأس فى مقدمه وحواليه كذا فى المغرب والعذار بالكسر شعر عارضة

(قوله فتم حدود الوجه من الاطراف الاربعة) لان المواجهه يقع بهذه الجملة وهومشتق منها اى الوجه مشتق فى المواجهة فيكون مقدار الوجه هذه الجملة اعلم ان المذكور فى حق الامرد فيجب غسله الا انه بعد نبات

اللحية يسقط غسل ماتحتها وكذا غسل مابين العِذار والاذن عند ابى يوسفؒ لانهما صارا باطنين لايقع عليهما المواجهة ثم هذا تقتضى ادخال الماء فى العينين كما هو مذهب ابن عباسؓ لكن سقط بآخرالآية وهو قوله "مايريدالله ليجعل عليكم فى الدين من حرج" وعند ابى حنيفةؒ لايسقط وعلى الفتوىٰ

شیخ علوی نے یہاں پہلا حاشیہ صاحب وقایہ کی عبارت "ففرض الوضوء غسل الوجه" پر لکھا ہے۔اس میں زیادہ تر متن وشرح میں وارد الفاظ کی نحوی تحقیق کی ہے۔ذیل میں ان کا حاشیہ ملاحظہ ہو:

(قوله ففرض الوضوء غسل الوجه) الفرض فى اللغة التقدير وفى عرف الشرع عبارة عن حكم مقدر لايحتمل زيادة ونقصانا ثبت بدليل قطعى لاشبهة فيه ويقال لما يفوت الجواز بفوته والمفروض ههنا بمعنى المفروض

یعنی فرض از روئے لغت مقرر کرنے اور اندازہ کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت کے عرف میں اس معین حکم کو کہتے ہیں، جس میں کمی اور زیادتی کا احتمال نہ ہو اور جو کسی ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو، جس میں کوئی شبہ نہ ہو اور اس چیز کو بھی فرض کہتے ہیں، جس کے فوت ہو جانے سے جواز فوت ہو جاتا ہو اور فرض یہاں مفروض کے معنی میں ہے،یعنی مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

"الغسل الاسالة والمسح الاصابة والقصاص منتهى منبت شعر الرأس فى مقدمه وحواليه كذا فى المغرب والعذار بالكسر شعر عارضة"

شیخ لفظ "غسل" کی لغوی تحقیق بیان کرتے ہیں کہ غسل لغت میں نہانے کو کہتے ہیں اور "مسح" لگنے اور پہنچنے کو کہتے ہیں۔اور "قُصاص" سر کے سامنے اور اس کے اطراف کے بالوں کے اُگنے کی آخری جگہ کو کہتے ہیں، یہ تمام تحقیقات "مغرب" سے ماخوذ ہیں[۵۴] اور "عِذار" عین کے کسرہ کے ساتھ رخسار کے بال کو کہتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ کا دوسرا حاشیہ فقہی تحقیقات پر مشتمل ہے۔لکھتے ہیں:

(قوله فتم حدود الوجه من الاطراف الاربعة) لان المواجهه يقع بهذه الجملة هو مشتق منها اى الوجه مشق فى المواجهه فيكون مقدار الوجه هذه

الجملة)

اس عبارت میں شیخ نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ "وجہ" میں اس کے اطراف اربعہ کیوں داخل ہیں؟ اور حاصل جواب یہ ہے کہ مواجہہ اطراف اربعہ کے ذریعے سے واقع ہوتا ہے اور وجہ مواجہہ سے مشتق ہے، لہٰذا وجہ کی مقدار میں اس کے اطراف اربعہ میں بھی داخل ہوں گے۔

اعلم ان المذكور فی حق الامرد فيجب غسله الا انه بعد نبات اللحية يسقط غسل ماتحتها وكذا غسل مابين العذار والاذن عند ابی یوسفؒ لانهما صارا باطنين لايقع عليهما المواجهة

مذکورہ بالا عبارت میں شیخ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ "غسل وجہ" کے سلسلے میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا، وہ اس شخص سے متعلق ہیں، جس کے چہرے پر بال نہ اُگے ہوں، لہٰذا اس کے لیے پورے چہرے کا دھونا فرض ہوگا۔ مگر داڑھی اُگنے کے بعد داڑھی کے نیچے کی جگہ کے دھلنے کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مابين العذار والاذن کے دھلنے کا بھی یہی حکم ہے یعنی بال اگنے کے بعد ان جگہوں کے دھلنے کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے کہ رخسار اور کانوں کے درمیان کی جگہ بھی چھپ جاتی ہے، اور اس پر مواجہہ واقع نہیں ہوتا، یعنی روبرو ہونے میں یہ جگہ دکھائی نہیں دیتی۔

ثم هذا تقتضی ادخال الماء فی العينين كما هومذهب ابن عباسؓ لكن سقط بآخر الآية وهوقوله "مايريد الله ليجعل عليكم فی الدين من حرج" وعند ابی حنيفةؒ لايسقط وعليه الفتویٰ

اس عبارت میں شیخ نے یہ بتایا ہے کہ ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ وضو کے وقت دونوں آنکھوں میں بھی پانی داخل کیا جائے، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے لیکن آخر آیت "مايريدالله ليجعل عليكم فی الدين من حرج" کی وجہ سے یہ فرضیت ساقط ہو گئی اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک مابين العذار والاذن کے دھلنے کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی کے حاشیہ شرح وقایہ کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

صاحب وقایہ نے وضو کی سنتوں کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "وسنته للمستيقظ غسل يديه الی رُسغيه ثلثا قبل إدخالها الاناء وتسمية الله تعالی ابتداء" یعنی وضو کی پہلی

سنت ہے نیند سے بیدار ہونے کے بعد دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک برتن میں داخل کرنے سے پہلے تین مرتبہ دھونا اور دوسری سنت ہے وضو کی ابتدا میں تسمیہ پڑھنا۔

شارح وقایہ نے "تسمية الله تعالىٰ ابتداء" کی شرح نہیں کی تھی، شیخ علوی نے اپنے حاشیے میں اس کی تشریح کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

(قوله وتسمية الله تعالىٰ ابتداء) والاصح انها مستحبة وهى بسم الله العظيم والحمدلله على دين الاسلام قال بعضهم يسمى قبل الاستنجاء لان الاستنجاء سنن فى سنن الهدى فيسمى قبله ليقع جميع افعال الوضوء فرضها وسننها بالتسمية وقال بعضهم يسمى بعد الاستنجاء لان قبله حال كشف العورة وزكر الله تعالى حال كشف العورة غير مستحب تعظيما لاسم الله تعالىٰ والاصح انه يسمى مرتين قال الامام قاضى خان الافضل ان يسمى قبل الاستنجاء وبعده ولايسمى مع انكشاف العورة ولافى موضع النجاسة.

اس حاشیے میں انھوں نے سب سے پہلے صاحب وقایہ کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے کہ آغاز وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ شیخ لکھتے ہیں کہ اس باب میں احناف کا اصح قول یہ ہے کہ یہ سنت نہیں مستحب ہے۔ اس کے بعد انھوں نے یہ بتایا ہے کہ تسمیہ ان الفاظ کے ذریعے کرے:

بسم الله العظيم والحمدلله على دين الاسلام

اس کے بعد انھوں نے اس سے بحث کی ہے کہ بسم اللہ کب پڑھے؟ اس سلسلے میں انھوں نے تین قول نقل کیے ہیں:

(الف) استنجاء سے قبل پڑھے۔ اس لیے کہ استنجاء سنن ہدیٰ میں سے ہے۔ لہذا قبل استنجاء پڑھے تاکہ وہ افعال وضو سے پہلے واقع ہو جائے، خواہ وہ فرائض ہوں یا سنن۔

(ب) دوسرا قول یہ ہے کہ استنجاء کے بعد پڑھے۔ اس لیے کہ قبل استنجاء ستر کھلنے کی حالت ہے، اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بر بنائے تعظیم باری تعالیٰ غیر مستحب ہے۔

(ج) تیسرا قول جو اصح ہے وہ یہ ہے کہ دو بار بسم اللہ کرے۔ ایک قبل استنجاء اور دوسرے

بعد استنجاء چنانچہ قاضی خاں فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ استنجاء سے قبل اور بعد دونوں مرتبہ بسم اللہ پڑھے، البتہ اس امر کا لحاظ رکھے کہ ستر کھلنے کی حالت میں اور جائے نجاست میں نہ پڑھے۔

صاحب وقایہ نے وضو کی سنتوں میں مضمضہ اور استنشاق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا "المضمضة بمياه والاستنشاق بمياه" شیخ علوی کا اس پر حاشیہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

(قوله والمضمضة) لانه عليه السلام واظب عليها وهو تحريك الماء في الفم لان النبي عليه السلام بالغ في المضمضة والاستنشاق ولاستنشاق استفعال في انشق هو صب السعوط في الانف والمراد ههنا ادخال الماء في الانف وجذبه حتى يصعد الى مااشتد مبالغه وهو سنة ايضا وقيل المبالغة فيه الاستنشار ثم قيل لايدخل الاصبع في الفم والانف فقال الزند ويسمى الاولىٰ ان يفعل ذلك ثم قيل المضمضة باليد اليمنى والاستنشاق باليد اليسرى

اس حاشیے میں شیخ نے سب سے پہلے یہ بتایا کہ وضو میں مضمضہ یعنی کلی کرنا اس لیے سنت ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر ہمیشہ عمل فرمایا ہے۔ اس کے بعد مضمضہ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ منہ میں پانی کے حرکت دینے کو مضمضہ کہتے ہیں، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں مبالغہ فرمایا ہے۔

اس کے بعد شیخ علوی نے استنشاق کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے بتایا ہے کہ استنشاق باب استفعال سے ہے، اور لغت میں اس کے معنی ناک میں دوا ڈالنے کے ہیں، اور یہاں استنشاق سے مراد ناک میں پانی ڈالنا اور اس کو کھینچنا ہے، یہاں تک کہ زیادہ سے زیادہ اوپر چڑھ جائے اور یہ بھی سنت ہے۔

اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ استنشاق میں مبالغے کو استنشار کہتے ہیں۔ اس کے بعد شیخ نے یہ بتایا ہے کہ بعض فقہا نے یہ کہا ہے کہ منہ اور ناک میں انگلی کو نہ ڈالے۔ اس کے برخلاف بعض دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ نہیں بلکہ انگلی مضمضہ اور استنشاق کے وقت منہ اور ناک میں ڈالنی چاہیے۔ اس کے بعد انھوں نے مزید تفصیل یہ بیان کی ہے کہ بعض فقہا فرماتے ہیں کہ مضمضہ یعنی کلی میں داہنا ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ اور ناک میں پانی ڈالتے ہوئے بائیں ہاتھ کا استعمال کرنا چاہیے۔

یہ تمام مباحث وہ ہیں جن سے متعلق شارح وقایہ نے کوئی گفتگو نہیں کی ہے۔

اس کے بعد شارح وقایہ نے وضو کی مزید سنتیں بیان کی ہیں، ذیل میں موصوف کی عبارت نقل

کی جاتی ہے:

(وتخليل اللحية والاصابع وتثليث الغسل ومسح كل الرأس مرة) خلافا للشافعیؒ فان عنده تثليث المسح سنة وقد اورد الترمذی فی جامعه ان علياً توضأ فغسل اعضائه ثلثا ومسح رأسه مرة وقال هكذا وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم وفی صحيح البخاری مثل هذا

(والاذنين بمائه) ای بماء الرأس خلافاً له فان تجديد الماء لمسح الاذنين سنة عنده

شارح وقایہ نے وضو کی مزید سنتیں بیان کی ہیں اور مسح راُس کے سلسلے میں امام شافعی کے اختلاف کو بھی بیان کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

اور داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا اور (ہر ہر عضو کو) تین تین مرتبہ دھونا، اور پورے سر کا ایک مرتبہ مسح کرنا۔ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک تین مرتبہ مسح کرنا سنت ہے۔ امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے وضو کیا، پس اعضا کو تین تین مرتبہ دھویا، اور سر کا ایک مرتبہ مسح کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو اسی طرح ہے، صحیح بخاری میں بھی ایسے ہی منقول ہے۔

اور دونوں کانوں کا مسح کرے اسی کے پانی سے۔ یعنی سر کے مسح کردہ پانی سے۔ بخلاف امام شافعیؒ کے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک دونوں کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینا سنت ہے۔

شرح وقایہ کی مذکورہ بالا عبارت پر شیخ وجیہ الدین علوی کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

(قوله وتخليل اللحية) ای بعد التثليث وكيفيته ان يدخل أصابعه فيها ويخلل من جانب الاسفل الى فوق.

(قوله والاصابع) ای تخليل أصابع اليد والرجل سنة قال شيخ الاسلام تخليل الاصابع قبل وصول الماء الى مابين الاصابع فرض وبعده سنة وقال شمس الائمة الحلوائیؒ تخليل الاصابع سنة مطلقا وفی الناس تخليل الاصابع القدم فرض.

وضو کی سنتوں میں سے ایک سنت داڑھی میں خلال کرنا بھی ہے، جس کا ذکر کرتے ہوئے صاحب وقایہ نے لکھا ہے "وتخليل اللحية" شیخ علوی نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

(قوله وتخليل اللحية) اى بعد التثليث وكيفيته ان يدخل أصابعه فيها ويخلل من جانب الاسفل الى فوق

یعنی اعضاء وضو کو تین تین بار دھلنے کے بعد داڑھی میں خلال کرے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ اپنی انگلیوں کو داڑھی میں داخل کرے، اور نیچے سے اوپر کی جانب خلال کرے۔

داڑھی کی طرح انگلیوں میں خلال کرنا بھی سنت ہے، اس کی توضیح کرتے ہوئے شیخ علوی لکھتے ہیں:

(قوله والاصابع) اى تخليل أصابع اليد والرجل سنة قال شيخ الاسلام تخليل الاصابع قبل وضو الماء الى مابين الاصابع فرض وبعده سنة وقال شمس الائمة الحلوائیؒ تخليل الاصابع سنة مطلقا وفى الناس تخليل الاصابع القدم فرض

یعنی ہاتھ اور پیر کی انگلیوں میں خلال کرنا بھی سنت ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ انگلیوں کے درمیان پانی پہنچنے سے پہلے انگلیوں کے خلال کرنا فرض ہے، اور پانی پہنچنے کے بعد خلال کرنا سنت ہے اور شمس الائمہ حلوائیؒ نے فرمایا کہ انگلیوں میں خلال کرنا مطلقاً سنت ہے اور بعض لوگوں کی رائے ہے کہ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا فرض ہے۔

صاحب وقایہ نے وضو کی سنتوں کے ذیل میں "والنية وترتيب نصّ عليه" کو شمار کرایا ہے، یعنی وضو کی سنتوں میں سے نیت کرنا اور قرآنی ترتیب سے وضو کرنا بھی سنت ہے۔ صاحب شارح وقایہ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(والنية وترتيب نصّ عليه) اى الترتيب المذكور فى نصّ القرآن وكلاهما فرضان عنده اما النية فلقوله عليه السلام انما الاعمال بالنيات وجوابنا ان الثواب منوط بالنية اتفاقاً فلا بد ان يقدّر الثواب او يقدر شئ يشمل الثواب نحو حكم الاعمال بالنيات فان قدر الثواب فظاهر وانّ قدر الحكم

فهو نوعان دنيوى كالصحة واخروى كالثواب والاخروى مراد بالاجماع فاذا قيل حكم الاعمال بالنيات ويراد به الثواب صدق الكلام فلا دلالة له على الصحة فان قيل مثل هذا الكلام يتأتى فى جميع العبادات فلا دلالة له على اشتراط النية فى العبادات هذا الحديث قلنا نقدر الثواب لكن المقصورة فى العبادات المحضة الثواب فاذا خلت عن المقصود لايكون لها صحة لانها لم تشرع الامع كونها عبادة بخلاف الوضوء اذ ليس هو عبادة مقصودة بل شرع شرطاً لجواز الصلوٰة فاذا خلا عن الثواب انتفى كونه عبادة لكن لايلزم من هذا انتفاء صحته اذ لا يصدق عليه انه لم يشرع الا عبادة فيبقى صحته بمعنى انه مفتاح الصلوٰة كما فى سائر الشرائط كتطهير الثوب والمكان وستر العورة فانه لاتشترط النية فى شئ منها۔

اور نیت کرنا اور قرآنی ترتیب سے وضو کرنا (سنت ہے) یعنی وہ ترتیب جو قرآن میں مذکور ہے اور یہ دونوں یعنی نیت اور قرآن پاک میں مذکور ترتیب امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہیں۔ جہاں تک نیت کا تعلق ہے تو وہ اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "انما الاعمال بالنيات" ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ثواب مرتب ہوتا ہے نیت پر بالاتفاق، لہٰذا ضروری ہے کہ لفظ ثواب یا کوئی اور لفظ حدیث مذکور میں مقدر کیا جائے، جو ثواب کو شامل ہو، جیسے حکم الاعمال بالنیات۔ اگر لفظ ثواب مقدر کیا جائے تو ظاہر ہے (کہ ہمارے نزدیک بھی ثواب اعمال نیت پر موقوف ہے) اور اگر حکم مقدر کیا جائے تو وہ دو قسم پر ہے۔

(۱) دنیوی جیسے صحت۔ (۲) اخروی جیسے ثواب

اور اخروی ہی بالاجماع مراد ہے۔ پس اگر کہا جائے کہ حكم الاعمال بالنيات اور اس سے ثواب مراد لیا جائے تو کلام صحیح اور صادق ہوتا ہے۔ اس لیے اس حدیث سے صحت پر دلالت نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس جیسے کلام کی مثل جو کہ جواب میں کہا گیا ہے کہ جمیع عبادات میں جاری ہو سکتا ہے۔ اس لیے کسی بھی عبادت میں اس حدیث کی دلالت اشتراط نیت پر نہ ہوگی، اور یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ عبادات میں اشتراط نیت پر یہی حدیث دلیل ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہم ثواب ہی کو مقدر مانتے

ہیں، لیکن عبادات محضہ میں مقصود صرف ثواب ہے۔ پس جب وہ عبادت مقصود سے خالی ہوگی تو اس کی صحت بھی باقی نہ رہے گی، کیوں کہ عبادت محضہ صرف عبادت ہونے کی حیثیت سے ہی مشروع ہوئی ہے۔ بخلاف وضو کے، کیوں کہ وہ عبادت مقصود نہیں ہے بلکہ جواز صلوٰۃ کی شرط کے طور پر مشروع ہوا ہے۔ پس جب عدم نیت کی وجہ سے ثواب سے خالی ہوگا تو وہ عبادت نہ رہے گا۔

لیکن اس سے اس کا انتفائے صحت لازم نہیں آتا، کیوں کہ وضو پر یہ صادق نہیں آتا ہے، کہ وہ صرف عبادت ہی کے لیے مشروع ہوا ہے۔ پس باوجود عدم نیت کے اس کی صحت بمعنی از مفتاح الصلوٰۃ باقی رہے گی جیسے دیگر تمام شرائط میں، مثلاً کپڑے ومکان پاک کرنا، اور ستر عورت اس لیے کہ ان میں سے کسی میں بھی نیت شرط نہیں ہے۔

وقایہ اور صاحب وقایہ کی عبارت پر شیخ علوی کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

(قوله والنيه) فينوى رفع الحدث اواقامة الصلوٰة

یعنی وضو کرنے والے کو چاہیے کہ وہ حدث کے دور کرنے یا نماز کے ادا کرنے کی نیت کرے۔

صاحب شرح وقایہ نے امام شافعیؒ کے نزدیک نیت کی فرضیت پر "انما الاعمال بالنيات" سے دلیل پیش کی تھی، پھر احناف کی طرف سے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ حدیث پاک میں ثواب الاعمال یا حکم الاعمال میں سے کوئی ایک لفظ مقدر ماننا ہوگا، اور حکم مقدر ماننے کی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اس سے بالاجماع حکم اخروی مراد ہے۔ اور پھر حکم اخروی کی تفسیر ثواب سے کی جائے گی۔

شیخ علوی نے اس استدلال پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے:

(قوله والاخروى مراد بالاجماع) قيل فيه نظر اما الاول فلانسلم ان الثواب مراد بالاتفاق وعدم الثواب بدون النية اتفاقا لايقتضى ذلك لان موافقه الحكم لدليل تقتضى ارادته منه وثبوته به ليلزم عموم المشترك يعنى ارادة معينه واما ثانيا فلان القول بعدم عموم المجاز مما يثبت عند الشافعیؒ واما ثالثا فلو ردد الاشكال المشهور وهو انالانسلم ان الحكم المشترك بين النوعين اشتراكا لفظيا بان يوضع بازاء كل منهما وضعا علاحدة بل هو موضوع لاثر الشيئ ولازمه فتعم الجواز والفساد والثواب

والاثم وغیرذلك كما یعم الحیوان الانسان والفرس وغیرهما

یعنی بعض فقہا کی طرف سے اس استدلال پر چند اعتراضات وارد کیے گئے ہیں۔

(۱) ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حکم اخروی سے بالاتفاق ثواب مراد ہے۔ اسی طرح نیت کے بغیر متفقہ طور پر ثواب کا حاصل نہ ہونا اس کا متقاضی نہیں ہے کہ حکم اخروی سے مراد ثواب ہے۔ اس لیے کہ کسی دلیل سے حکم کی موافقت اس کے ارادے اور ثبوت کی متقاضی ہوتی ہے، تاکہ عمومیت مشترک یعنی کسی معین چیز کا ارادہ لزوم کے طور پر ثابت ہو جائے۔

(۲) اس استدلال پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ امام شافعیؒ عدم عموم مجاز کے قائل ہیں۔

(۳) اس استدلال کے جواب میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے۔ دونوع کے درمیان حکم مشترک اشتراک لفظی کی طرح ہوتا ہے، بایں طور کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے مقابلے میں اسے الگ الگ رکھا جائے۔ بلکہ یہ حکم مشترک شئ اور لازم شئ کے لیے موزوں ہوتا ہے، ایسی صورت میں یہ حکم جواز وفساد اور ثواب وگناہ وغیرہ سب کے لیے عام ہوگا، جیسا کہ لفظ حیوان انسان گھوڑے اور دونوں کے علاوہ کے لیے عام ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی کے حواشی شرح وقایہ کے جو اقتباسات گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے، ان کی روشنی میں ان حواشی کی جو خصوصیات سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ علوی بسط واطناب کے بجائے ایجاز واختصار کی روش کو زیادہ پسند فرماتے ہیں، یعنی اپنی عبارتوں کو بہت زیادہ طول نہیں دیتے، کم سے کم الفاظ میں اپنا مضمون ادا کر دیتے ہیں۔

شیخ کی حواشی شرح وقایہ کا مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی عمدۃ الرعایۃ سے مقابلہ کیا جائے، تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ شیخ نے صرف ضروری مقامات پر حواشی لکھے ہیں، کیوں کہ ان کے حواشی کی مقدار مولانا فرنگی محلی کے حواشی سے کم ہے، اسی طرح جہاں جہاں مولانا فرنگی محلی نے شرح وبسط سے کام لیا ہے، وہاں شیخ علوی نے اختصار کے پیرائے پر عمل کیا ہے۔

(۲) شیخ علوی کی عبارتوں میں کہیں اغلاق نہیں پایا جاتا، وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، مناسب الفاظ اور مناسب ترتیب میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ کسی پیچیدگی کے بغیر ان کا مضمون پوری طرح سمجھ میں آجاتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں عربی زبان پر پوری قدرت حاصل تھی، اور

وہ ادائے مطلب میں کہیں عجز بیان کا شکار نہیں ہوتے۔

(۳) شیخ علوی نے اپنے حواشی میں جس طرح الفاظ کی لغوی تحقیقات پیش کی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں فن لغت سے دلچسپی تھی، اور اس فن کی بنیادی کتابیں ان کے پیش نظر رہتی تھیں۔

(۴) شیخ علوی کے حواشی شرح وقایہ کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ فن فقہ سے بھی انھیں مناسبت تھی اور خاص طور پر فقہ حنفی میں انھیں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل تھی، اس کے ساتھ ہی یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مسائل اور دلائل دونوں سے واقف تھے۔

(۵) حواشی شرح وقایہ کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ وہ صاحب وقایہ یا شارح وقایہ سے بوقت ضرورت اختلاف بھی کرتے ہیں، اور ان کا یہ اختلاف برائے اختلاف نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شیخ علوی کے حواشی شرح وقایہ گراں قدر، اور اہمیت کے حامل ہیں اور ان سے فن لغت اور فقہ میں شیخ کے تبحر وکمال کا پتہ چلتا ہے۔

(۲) رسالة فی الفقه (ترتیب فی الصلوٰة)

شیخ وجیہ الدین علوی نے اپنے اس رسالے میں وضاحت کی ہے کہ نماز میں سجدۂ صلبیہ اور باقی ارکان کے درمیان ترتیب فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔

مذکورہ رسالہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اب تک اس کے تین[۳] قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے، جس کی تفصیلات حسب ذیل ہے:

(۱) نسخۂ کتب خانہ یوسف کھٹکھٹے بمبئی:

مولانا ابوظفر ندوی کی تحقیق کے مطابق رسالہ ترتیب فی الصلوٰۃ کا ایک نسخہ جناب یوسف کھٹکھٹے کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کی مزید تفصیلات انھوں نے اپنے مقالے میں درج نہیں کی ہیں۔

(۲) نسخۂ کتب خانہ قاضی نورالدین، بھڑوچ:

مولانا ابوظفر ندوی کی اطلاع کے مطابق رسالۃ فی الفقہ کا دوسرا مخطوطہ قاضی نورالدین کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے جو ناقص الآخر ہے۔

(۳) نسخۂ رضا لائبریری، رامپور:

یہ تیسرا نسخہ رضا لائبریری، رامپور میں محفوظ ہے، راقم نے رامپور جا کر اس کا مطالعہ کیا ہے، مخطوطہ نمبر ۴۲۸ ہے، یہ فہرست مخطوطات رضا لائبریری میں "الرسالة العلوية" کے نام سے درج ہے۔ یہ مجلد ہے، جس کی جلد پر "رسالہ فی الفقه العلوی، رامپور "لکھا ہے، اس کے اندر تین مخطوطات مجلد ہیں، جس میں سے دو مخطوطات شیخ علوی کے ہیں۔

رسالہ فی الفقہ کی ضخامت تین اوراق ہے، رسالہ کی ابتدا ورق ایک (ب) سے ہوتی ہے، اور اس کا اختتام ورق ۳ (ب) پر ہوتا ہے۔ ہر ورق میں ۲۱ سطریں ہیں، اس کا سائز ۱۴×۷، ۲۱.۵×۱۳ ہے یہ مخطوطہ خط نسخ میں خوش خط ہے، یہ نسخہ عام طور پر اچھی حالت میں ہے، اس کے ہر ورق پر کاغذ چسپاں کر کے جلد بنائی گئی ہے، جس کی وجہ سے مخطوطہ محفوظ ہو گیا ہے، ہر نئی عبارت پر سرخ روشنائی سے علامت بنائی گئی ہے۔ اس پر ایک جگہ شیخ علوی نے حاشیہ بھی لکھا ہے۔ مخطوطہ مکمل ہے، ترقیمہ موجود ہے، جس سے کاتب کا نام ملک احمد اور تاریخ کتابت بروز جمعہ ۱۹ رمحرم الحرام ۱۰۷۴ھ کا پتہ چلتا ہے۔

ورق ایک (الف) پر ایک مہر ہے، جس میں زجان ابوالحسن بن غلام احمد مرسل ۱۱۰۲ لکھا ہے۔

۱۱۰۲

غلام احمد مرسل

زجان ابوالحسن

ورق ایک (الف) پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے:

رسالة فی ان الترتیب بین السجدة الصلبیة وبین الارکان الباقیة لیس بفرض وانما هو واجب من تالیفات الحضرت العلوی قدس سره

مذکورہ عبارت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ رسالہ اس سلسلے میں تحریر کیا گیا ہے کہ نماز میں سجدۂ صلبیہ اور باقی ارکان کے درمیان ترتیب فرض نہیں ہے، بلکہ واجب ہے۔

اس کتاب کے آغاز میں شیخ علوی نے مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

بسم الله الرحمن الرحیم وبه نستعین

الحمدلله رب العالمین، والصلوٰة علی رسوله محمد وآله اجمعین

اس کے بعد شیخ علوی لکھتے ہیں:

اعلم ان المشروع فی الصلوٰۃ فرضا اربعۃ مایتحد فی کل الصلوٰۃ کالتکبیرۃ الاولی والقعدۃ الاخیرۃ ومایتحد فی کل رکعۃ کالقیام والقراء ۃ والرکوع ومایتعدد فی کل الصلوٰۃ کالرکعات ویتحداتها ومایتعدد فی کل رکعۃ.

فالترتیب فرض بین المتحدین فی کل الصلوٰۃ وکذا بین کل منهما وبین جمیع ارکان الصلوٰۃ حتی لو اخّر التکبیرۃ الاولی من ایّ الارکان او قدم القعدۃ الاخیرۃ علیه تفسد صلوته وکذلک الترتیب فرض بین المتحدین فی کل رکعۃ وبین المتحد فی کل رکعۃ والمتعدد فیها کما بین الرکوع والسجود والترتیب لیس بفرض بین المتعدد فی کل الصلوٰۃ بعضها علی بعض کالرکعات فان الترتیب فیها لیس بشرط کما فی المسبوق وکذا بین المتعدد فی کل رکعۃ بعضها علی بعض وبینه وبین مایودی بعده کسجود الاولیٰ فانه مرتب علی مابعده حتی لواخر عنه یجب سجدۃ السهو وجمیع ماذکرناه یفهم من الکتب الفقهیه

قال فی التاتارخانیه فیما یجب به سجود السهو اوتاخیر الرکن ان یترک سجدۃ صلبیۃ سهوا فتذکرها فی الرکعۃ الثانیۃ فسجدها یفهم منه ان الترتیب بین السجدۃ الصلبیۃ وبین الارکان الباقیۃ واجب اذ لوکان فرضا لما وجب بترکه سجدۃ السهو بل تفسد صلوته وفی شرح الملتقی والسجدۃ الصلبیۃ اذا فاتت یقضیها اذا ذکرها فی الصلوٰۃ لان جمیع الصلوٰۃ عنها...

رسالے کی آخری عبارت مندرجہ ذیل ہے:

واقول بل فی المحیط ایضا علی ما نقل عنه التاتارخانیۃ حیث قال اما التقدیم والتاخیر فلان مراعاۃ الترتیب واجبۃ عند اصحابنا الثلثۃ وان لم یکن فرضا کما قاله زفرؒ فاذا ترک الترتیب فقد ترک واجبا وکذا ذکر صاحب المحیط ایضاً علی مانقل عنه ایضا بل صاحب الکافی نفسه فیما یجب به

سجدة السهو لنظير تقديم الركن الركوع قبل القراء ة والسجود قبل الركوع
واقول ايضاً كما انهم قالوا ان سجود السهو يجب بتقديم الركن الخ واورد
والنظير تقديم الركن الركوع قبل القراء ة كذلك انهم قالوا على ماهو الظاهر
من عبارة الكافي وتبيين الحقائق انه كذلك شرع فاذا غيّره فقد قلب
المشروع فالاولى ان يحمل كل واحد من القولين منهم على اختلاف الرواية
ولاينبغي ان يعترض استدلالا باحدهما

اس رسالے کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ وجیہ الدین علوی نے اس میں تمام فقہی کتابوں کا نچوڑ بیان کیا ہے کہ نماز میں سجدۂ صلبیہ اور باقی ارکان کے درمیان ترتیب فرض نہیں بلکہ واجب ہے، اور اس کے دلائل میں فتاویٰ تاتارخانیہ، شرح ملتقی، الکافی تبیین الحقائق وغیرہ کا حوالہ دیا ہے۔

رسالے کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

تمت الرسالة العلوية ضحوة يوم الجمعة ۱۹/محرم ۱۰۷٤ على يده
الفقير ملك احمد كان الله له منقوله من خط المؤلف قدس سره

''رسالہ فی الفقہ'' مخطوطے کے اوّل اور آخری اوراق کے عکس پیش کیے جاتے ہیں۔

الركن الركوع قبل القراءة وسجدة السهو لا تجب الا بترك الواجب فلعل ان
الترتيب بين الركوع والقراءة واجب انهما غير مكرر في ركعة واحدة
وذلك قال في الذخيرة اما تقديم الركن نحو ان يركع قبل ان يقرأ فان
مراعاة الترتيب واجبة عند اصحابنا الثلثة خلافا لزفر فانه فرض
عنده فلعل ان رعاية الترتيب واجب مطلقا واورد في المحيط ايضا
على ما نقل عنه التاتارخانية حيث قال اما التقديم والتاخير فلان
مراعاة الترتيب واجبة عند اصحابنا الثلثة وان لم يكن فرضا كما قاله
زفر رح فاذا ترك الترتيب فقد ترك واجبا وكذا ذكر صاحب المحيط ايضا
على ما نقل عنه ايضا بل صاحب الكافي نفسه فيما يجب به سجدة السهو
لنظير تقديم الركن الركوع قبل القراءة والسجود قبل الركوع واورد ايضا
كانهم قالوا ان سجود السهو يجب بتقديم ركن [illegible] واورد والنظير تقديم
الركن الركوع قبل القراءة كذلك انهم قالوا على ما هو الظاهر من عبارة
الكافي وتبيين الحقائق الذي لك فخرج فاذا غيره فقد قلب المشروع
فلا ارى الا ان يحمل كل واحد من القولين منهم على اختلاف الرواية ولا ينبغي
ان يعترض [illegible] الا باحدهما

تمت الرسالة الحلوية تحوة يوم الجمعة ١٩ محرم سنة ١٢٧٣ على يد الفقير ملك احمد خان
منقولة من خط المؤلف قدس سره

"رسالہ فی الفقہ" مخطوطہ کے ورق آخر کا عکس

علم الفرائض

شرح البسیط (فی الفرائض)

البسیط علم فرائض میں نجم الشریحی کی کتاب ہے[۵۵] اس کتاب کے متعلق شرح البسیط میں لکھا ہے کہ آپ کے احباب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ علم فرائض میں کوئی ایسی کتاب لکھیں جو صغیر الحجم ہو، تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو، اِن کے اصرار پر آپ نے البسیط تحریر فرمائی۔ اس کتاب کا تعارف پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس علم سے متعلق چند ضروری باتیں عرض کردی جائیں تا کہ اس کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

فرائض فریضہ کی جمع ہے، جو فرض سے مشتق ہے۔ لفظ فرض لغت عرب میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً وجوب، حصہ، مقدار، قطع کرنا، مقرر کرنا، اندازہ کرنا وغیرہ۔ علم فرائض میں یہ سب معانی پائے جاتے ہیں، اس لیے اس کو فرائض کہتے ہیں۔

اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے "هی علم باصول من فقه وحساب یعرف بها حق الورثة من الترکة" فرائض علم فقہ اور حساب کے ان قواعد کے جاننے کا نام ہے، جن کے ذریعے سے ترکۂ میت کو ورثہ میں تقسیم کرنے کی کیفیت اور ان کے حقوق و درجات کی تفصیل معلوم ہو۔

علم فرائض کا موضوع ترکۂ میت اور اس کے وارثین ہیں، کیوں کہ فرضی ترکۂ میت اور اس کے مستحقین ہی سے بحث کرتا ہے بایں حیثیت کہ میت کا ترکہ بقواعد معینہ شرعیہ مستحقین پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

اس علم کی ضرورت یہ ہے کہ ہر وارث کے پاس ترکہ کی وہ مقدار پہنچ جائے جس کا وہ مستحق ہے۔

علم فرائض کی مشاہیر تصانیف کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱)	الفرائض	ابن اللبان محمد بن عبداللہ مصری	(م۴۰۲ھ)
(۲)	الفرائض	ابن عبدالبر یوسف بن عبداللہ قرطبی	(م۶۴۳ھ)
(۳)	الکافی	اسحاق بن یوسف فرضی یمنی	(م۵۰۰ھ)
(۴)	رائض فی الفرائض	محمود بن عمر جاراللہ زمخشری	
(۵)	الفرائض	ابوالقاسم احمد بن محمد بن خلف شبیلی	(م۵۸۰ھ)

(۶) الفرائض ابوالرشید مبشر بن علی بن احمد الحاسب الرازی (م۵۸۹ھ)
(۷) الفرائض ابوالرجاء مختار بن محمود حنفی (م۶۵۸ھ)
(۸) رائض فی الفرائض ابوغانم محمد بن عمر بن احمد بن العدیم حلبی (م۶۹۹ھ)
(۹) الفرائض السراجیہ شیخ سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی

ہندوستانی علما نے بھی علم فرائض میں کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی تصنیف ''اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' (ص ۱۸۷) علم فرائض میں ہندوستانی مصنفین کی تصنیفات کے ذیل میں ہندوستانی علما کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے چند حضرات کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) رسالہ منظوم در علم فرائض سید عبدالاول حسنی بن علی بن العلا الحسنی
(۲) رسالہ منظوم ((بزبان عربی) سید اسحاق راے بریلوی بن عرفان بن نور حسنی
(۳) الوجیز (رسالہ بزبان عربی) سید احمد ہرگامی بن مسعود
(۴) عمدۃ الرائض فی الفرائض مفتی صبغۃ اللہ مدراسی
(۵) زبدۃ الفرائض شیخ عبدالباسط قنوجی بن رستم علی بن علی اصغر
(۶) الفرائض الارتضائیہ قاضی ارتضی علی خاں گوپاموی
(۷) الفرائض الاسلمیہ شیخ معشوق علی جونپوری
(۸) علم الفرائض مفتی عنایت احمد کاکوروی
(۹) تسہیل الفرائض حافظ عبداللہ غازی پوری
(۱۰) ضوء السراج حاشیہ سراجی قاضی انور علی مرادآبادی، لکھنوی
(۱۱) تعلیقات علی الشریفیہ شاہی بیگ سندھی
(۱۲) تعلیقات علی الشریفیہ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھنوی بن مولانا عبدالحلیم
(۱۳) جواہر النظم (بزبان عربی) شیخ محمد سورتی بن ہاشم سامرودی
(۱۴) خلاصۃ الفرائض (بزبان عربی) مولانا نعیم اللہ لکھنوی
(۱۵) فتاویٰ المیراث شرح نظم الفرائض مولوی یوسف علی گوپاموی بن یعقوب علی

(۱۶)	الفوائد الصبغیہ شرح سراجی	شیخ محمد غوث شافعی مدراسی بن ناصر الدین
(۱۷)	کنز الفرائض	مفتی عبدالغفار گوالیاری بن احمد حسن
(۱۸)	علم الوراثہ	قاضی عبدالعلی امیٹھوی
(۱۹)	منہج الفرائض شرح عقد الفرائض	مولوی عبدالقادر جونپوری بن خیر الدین
(۲۰)	بحور الفوائد ونہور الفرائض	شیخ محمد غوث شافعی مدراسی بن ناصر الدین

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، آپ نے بھی علم فرائض میں "شرح البسیط" لکھی ہے، جس کا ذکر تذکرہ نگاروں میں سے خیر الدین الزرکلی نے "الاعلام" (۱۱۰/۸) میں کیا ہے۔

مذکورہ شرح ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اب تک اس کے تین (۳) قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر احمد آباد:

سید حسینی پیر علوی نے تذکرۃ الوجیہ (ص:۵۱) میں شیخ کی تصانیف کا ذکر مولانا ابوظفر ندوی کے حوالے سے مذکورہ بالا کتب خانے میں "شرح البسیط" کے نسخے کا ذکر کیا ہے، جس کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

مخطوطہ خط نستعلیق میں ہے، اس پر بعض جگہ عبدالرحیم کے حواشی ہیں، نسخہ مکمل ہے، ترقیمہ موجود ہے۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العالمین، والصلوٰة علی افضل من بعده محمد وآله وصحبه اجمعین. الحمدلله افتح الکتاب"

ترقیمے کی عبارت حسب ذیل ہے:

"قدوقع الفراغ من تحریر شرح البسیط لمولانا السلطان العارفین برهان الموحدین حجة العاشقین شاه وجیه الحق والملته والدین قدس سره العزیز".

(۲) نسخہ[1] رضالائبریری رامپور، مخطوطہ نمبر ۲۸۷۵

یہ نسخہ رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔ راقم نے رامپور جا کر اس کا بھی مطالعہ کیا ہے، اس کا نمبر ۲۸۷۵ ہے، اس کی ضخامت ۴۶ اوراق ہے، مخطوطہ اچھی حالت میں ہے، متن کی عبارت سرخ روشنائی سے لکھی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے نسخہ دیدہ زیب نظر آتا ہے، یہ باب الحجب تک ہے، اس پر کسی کے مختصر حواشی بھی ہیں۔ ترقیمہ موجود نہیں ہے، اور کوئی مہر بھی نہیں ہے۔

اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

یافتاح القلوب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة على افضل من بعده محمد وآله وصحبه اجمعين **الحمد لله**

افتتح كتابه بالحمد بعد البسملة اقتداء بالكتاب العزيز

مخطوطے کے اندرونی اوراق پر مندرجہ ذیل ایک نقشہ (جَدْوَل) بنا ہوا ہے، جس کے اندر عبارت سرخ روشنائی سے لکھی ہے:

ميت	الفريق الاول	ابن	ابن	ابن			
	الفريق الثاني	ابن	بنت	بنت	بنت		
	الفريق الثالث	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
ميت	الفريق الاول	ابن	ابن بنت	ابن بنت	ابن بنت		
	الفريق الثاني	ابن	ابن بنت	ابن بنت	ابن بنت		
	الفريق الثالث	ابن	ابن	ابن	ابن بنت	ابن بنت	ابن بنت

مخطوطے کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

"ثم اعلم ان الاحوال التى تحصيل لذوى الفروض بلا اختلاط بذوى

الفروض والتی تحصل لهم بلا اختلاط بالعصبات والتی تحصل للعصبات بلا اختلاط بذوی الفروض والتی تحصل للعصبات بالاختلاط بالعصبات ذکرت فی جداول للتوضیح فطالعها فیها"

(۳) نسخہ[۲] رضا لائبریری، رامپور، مخطوطہ نمبر ۲۸۷۴

یہ دوسرا نسخہ بھی رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے، راقم نے اس کا بھی مطالعہ کیا ہے، اس کا نمبر ۲۸۷۴ ہے، ضخامت ۱۱۰ اوراق ہے، ہر ورق میں ۱۹ سطریں ہیں، مخطوطہ خط نستعلیق میں ہے، متن پر سرخ روشنائی سے لکیر کھینچی ہوئی ہے، یہ فصل فی حکم الاسیر تک ہے، ترقیمہ موجود نہیں ہے۔

مخطوطہ مجلد ہے، جلد سرخ ہے، جس پر سنہری روشنائی سے "شرح البسیط وجیہ الدین علوی، رامپور" تحریر ہے اور اسٹیٹ لائبریری، رامپور کی سنہری مہر ہے۔ اس پر کسی کے تفصیلی حواشی بھی ہیں، مخطوطہ کرم خوردہ ہے، جس کی تصحیح کاغذ چسپاں کر کے کی گئی ہے، جس کی وجہ سے عبارت صاف پڑھنے میں نہیں آتی ہے۔

ورق ایک (الف) پر ایک سلپ چسپاں ہے جو اسی خط میں تحریر ہے، جس پر یہ عبارت تحریر ہے:

"شرح البسیط قلمی

للمولوی وجیه الدین الگجراتی"

ورق ایک (الف) پر مختلف خط میں تفصیلی حاشیہ ہے، ایک جگہ پر تحریر ہے:

مصنفات العالم البحر المدقق مولانا الشیخ وجیه الدین الگجراتی

ورق ایک (الف) پر ہی چھ مہریں ہیں، جن میں سے چار مہریں صاف ہیں۔

(۱) عبدالله الصدیق ۱۰۵٦

(۲) حافظ عبدالکریم صدیقی

(۳) عبدالکریم ...... امور دینی

(٤) احمد محمدی عبدالغفور

غالباً یہ نسخہ مصنف کے ہاتھ کا ہے، اور اس نسخے سے دوسرا نسخہ (۲۸۷۵) نقل کیا گیا ہے، کیوں کہ جو عبارت اصلی نسخے میں صاف پڑھنے میں نہیں آتی ہے، اس کو اس دوسرے نسخے میں چھوڑ دیا گیا ہے۔

کتاب کے اندرونی اوراق میں سرخ روشنائی سے نقشے (جداول) بنے ہیں، جس میں کالی اور سرخ روشنائی سے عبارت لکھی ہے، نمونے کے طور پر ایک نقشہ راقم نے مخطوطے سے دیکھ کر بنایا ہے، جو حسب ذیل ہے:

ورق ۷۹ (ب) پر مندرجہ ذیل نقشہ (جدول) ہے۔

١			٢	٣		
٢		٣	٢	٣		
٣		٣		٣		
۴		٣	عم	٣		
٦		٦	١ عم	٣		
٢		٣	عم	٣		
٦		٩		٦		
٣						
٩						
۴		عم		٦		
٢		٨	٦			
١٣				١٣		

مخطوطے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوة على افضل من بعده محمد وآله وصحبه اجمعين

نسخے کے آخری ورق کی عبارت حسب ذیل ہے:

فصل فی حکم الاسير هو من اسره العدق وفعيل بمعنى مفعولة ...... الامير كحكم سائر المسلمين فی الميراث...... المرتد اذلافرق بين انه مرتد فی دار الاسلام ثم ...... وبين ان يرتد فی دارالحرب ويقيم فيها فانه على التقدير

اب ہم اس کتاب کے مشتملات کا جائزہ لیتے ہیں، اور شیخ علوی کی "شــرح البسیط" کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں، جس سے موصوف کی شرح کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے "البسیط" کی عبارت نقل کرتے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله الباقی الوارث المحيی المميت

شیخ علوی نے آغاز کتاب میں بہت مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوة علی افضل من بعده محمد وآله وصحبه اجمعين

اس کے بعد شیخ علوی نے "البسیط" کی مذکورہ بالا عبارت کی شرح کی ہے، ملاحظہ ہو:

(الحمدلله) افتتح كتابه بالحمد بعد البسملة اقتداء بالكتاب العزيز ولما عليه الاجماع واما نفس الابتداء بهما فعملاً بالحديث واداء لشكر شئ من نعمة المتوافرة المتوالية التی تاليف هذا الكتاب اثر من اثارها

شیخ علوی نے "الحمدلله" کی وضاحت کی ہے کہ صاحب کتاب نے اپنی کتاب کو بسم الله کے بعد الحمد سے شروع کیا تا کہ قرآن کریم کی اتباع ہو، نیز حدیث پر عمل ہو اور نعمت کے شکر کی ادائیگی ہو۔

(الباقی) ای الذی لاآخرله قال فيما نقل عنه اشارة الی قوله تعالی والله خير وابقی وانه تعالی واجب الوجود لذاته ای هو غير قابل للعدم بوجه من الوجوه وكلما كان كذلك كان دائم الوجود فی الازل هو القدم ودوافی الابد هو البقاء وقيل الباقی الذی لاابتداء فی وجودة ولانهاية لوجودة انتهی

شیخ علوی کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کسی کا وجود باقی نہ رہے گا، بلکہ صرف اللہ کا وجود باقی رہے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "والله خير وابقی" اللہ ہی باقی رہنے والا ہے، اللہ کی ذات واجب الوجود ہے۔ عدم اس پر طاری نہیں ہو سکتا، اس کا وجود ازل میں بھی تھا، اس لیے وہ قدیم ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس لیے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ لفظ باقی کا دوسرا مطلب یہ ہے

کہ جس کے وجود کی ابتدا نہ ہو، اور باقی رہنے کی کوئی انتہا نہ ہو۔

(الوارث) الباقی بعد فناء الخلق میرث الارض ومن علیها وفیها براعة الاستهلال وکذا فی قوله المحیی الممیت قال فیما نقل عنه اعلم ان مالك جمیع الممکنات هو الله سبحانه ولکنه بفضله جعل بعض الاشیاء ملکا لبعض عبادة فالعباد اذا ماتوا عاد الملك الی المالك الاول وهو الله سبحانه وتعالیٰ والمراد بکونه وارثا هو هذا والیه الاشارة بقوله تعالیٰ لمن الملك الیوم لله الواحد القهار وقال الشیخ الغزالی رحمه الله تعالیٰ علیه وهذا الجواب والسوال انما اختص بذلك الیوم بحسب ظن الاکثرین فاما ارباب البصائر فانهم مشاهدون المعنی هذا النداء سامعون له من غیر صوتٍ وحرف وذلك لان المنفرد بالتدبیر والتقدیر من الازل الی الابد هو الحق سبحانه وتعالیٰ وکان الملك له ازلا وابداً انتهی

شیخ علوی نے مقدمے کے لفظ "الوارث" کی توضیح وتشریح کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تمام مخلوق فنا ہو جائے گی تو روئے زمین اور اس پر رہنے والوں کا مالک اللہ ہی ہوگا، اس لیے کہ اللہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور اس میں براعت استہلال کے اعتبار سے مقصود کی جانب اشارہ ہے۔ اسی طرح مقدمے میں "المحیی الممیت" کے معنی ہیں کہ اللہ ہی تمام چیزوں کو زندگی بخشنے والا ہے اور ہر چیز کو فنا کرنے والا ہے، اس لیے کہ تمام ممکنات کا مالک اللہ ہے اس نے بعض اشیاء کو اپنے بعض بندوں کی مِلک کر دیا۔ لہٰذا جب بندے وفات پا جائیں گے تو مِلک مالکِ حقیقی یعنی اللہ کی جانب لوٹ جائے گی، اور وارث ہونے سے یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے قول "لمن الملك الیوم لله الواحد القهار" میں اسی جانب اشارہ ہے اس آیت سے متعلق شیخ غزالی کا قول ہے کہ ارباب بصائر (اہل بصیرت) اس ندا کا مشاہدہ کریں گے جو لمن الملك الیوم میں ہے اور اُس کلام کو بغیر آواز اور حرف کے سنیں گے۔ شیخ غزالی نے فرمایا کہ جواب ہوگا للّٰہ الواحد القهار۔ اس لیے کہ اللہ کی مِلک ازلی اور ابدی ہے۔

(الباعث یبعث الموتی ونشیرهم لیوم البعث قال فیما نقل عنه فی قوله

المحيي اشارة الى قوله يحييكم ثم يميتكم وفي قوله الباعث اشارة الى قوله
وان اللّٰه يبعث من في القبور وفي ترتيب هذه الثلثة اشارة الى قوله تعالى
كيف تكون بالله وكنتم امواتا فاحياكم ثم يميتكم ثم يحييكم اعلم ان الله
سبحانه وتعالى يحيي انطفة والعلقة بخلق الحيوان فيها ويحيي الارض
بانزال الغيث قال الله تعالى كيف يحيي الارض بعد موتها وانما مدح نفسه
ليعلم كونه قادراً على التصرف في الاشياء كيف يشاء انتهى

شیخ علوی نے "الباعث" کی وضاحت کی ہے کہ باعث کے معنی مردوں کو اٹھانے والا ہے، اور بعث کے دن زندہ کرنے والا ہے۔ اس جملے کا تعلق اوپر سے ہے کہ تم کو زندگی والا، پھر تم کو مارنے والا، پھر مرنے کے بعد اٹھانے والا اللہ ہی ہے، جیسا کہ آیت کریمہ وان الله يبعث من في القبور سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں (قبر سے مراد صرف گڑھا ہی نہیں ہے، بلکہ جو جس حالت میں ہوگا اللہ اٹھائے گا)

شیخ نے تینوں کی ترتیب اختیار کرنے میں باری تعالیٰ کے قول "كيف تكون بالله وكنتم امواتا فاحياكم ثم يميتكم ثم يحييكم" کو سامنے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نطفے اور جمے ہوئے خون میں زندگی بخشتا ہے جیسے کہ مردہ زمین کو بارش نازل کر کے حیات دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف کی، تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اشیاء میں تصرف کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ اس کو اختیار ہے جیسے وہ چاہے۔

ان مثالوں سے جو گزشتہ صفحات میں پیش کی گئیں اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کو علم فرائض سے کامل مناسبت تھی۔ آپ نے اس شرح میں مسئلہ میراث کو وضاحت سے پیش کیا ہے اور نفس مسئلہ کو جداول (نقشوں) کے ذریعے سمجھایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم فرائض کے ساتھ ساتھ علم ریاضی پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ کی مذکورہ شرح علم فرائض میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، افسوس کہ جو ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔

"شرح البسيط" مخطوطے کے اول اور آخری اوراق کے عکس پیش کیے جاتے ہیں۔

علم نحو

حاشیہ علی شرح جامی

شرح جامی کا اصل نام "الفوائد الضیائیہ" ہے، جو علم نحو کی مشہور و معروف کتاب ہے، جس کو ملا جامی نے اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کے لیے لکھا تھا۔ شرح جامی کافیہ کی شرح ہے۔

کافیہ کے مصنف کا نام عثمان، کنیت ابوعمرو، لقب جمال الدین اور والد کا نام عمر ہے۔ آپ کے والد امیر عز الدین موسک صلاحی کے یہاں دربان تھے، اس لیے آپ ابن الحاجب کے لقب سے مشہور تھے۔

حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

"الشیخ جمال الدین ابی عمرو عثمان ابن عمر المعروف بابن الحاجب المالکی النحوی"۔[۵۶]

آپ کی پیدائش ملک مصر میں صعید اعلیٰ کے اعمال قوصیہ میں اسنا نامی ایک گاؤں میں اواخر ۵۷۰ھ میں ہوئی۔[۵۷] آپ نے قاہرہ میں علوم وفنون کی تحصیل کی۔

مولانا محمد حنیف گنگوہی "ظفر المحصلین" میں رقم طراز ہیں:

''علامہ ابن حاجب بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ مناظر بڑے دیندار، متقی و پرہیزگار، معتمد وثقہ، نہایت متواضع اور تکلفات سے قطعاً نا آشنا تھے، تبحر علمی میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے''۔[۵۸]

آپ کی وفات بروز جمعرات ۱۶ر شوال ۶۴۶ھ کو اسکندریہ میں ہوئی۔[۵۹]

آپ کی مشہور تصانیف میں کافیہ ہے، جس میں آپ نے علم نحو کے تمام قواعد نہایت عمدہ اسلوب کے ساتھ جمع کیے ہیں، اور اس کو آپ نے نظم بھی کیا ہے، جس کا نام "الوافیہ" ہے۔

صاحب "کشف الظنون" کافیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"الکافیة فی النحو: هی مختصرة معتبرة شهرتها مغنیة عن التعریف وله علیها شرح ونظمها فی ارجوزة وسماه الوافیه"۔[۶۰]

صاحب "ظفر المحصلین" کافیہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

''نحوی ولایتوں میں کافیہ کی شہرت کا جو سکّہ جما ہوا ہے، وہ محتاج بیان نہیں، علم نحو کا یہ جامع اور مستند ذخیرہ سات سو سال سے مدارس میں داخل درس ہے''۔[۶۱]

چنانچہ اس کی افادیت اور جامعیت کے پیش نظر بہت سے ارباب علم حضرات نے اس کی شروح لکھیں، اور اس پر حواشی تحریر کیے ہیں، نیز متعدد ارباب ذوق نے اس کو نظم بھی کیا ہے، صاحب ظفر المحصلین کی تحقیق کے مطابق کافیہ کے شرح نگاروں کی تعداد ساٹھ[۶۰] کے قریب ہے، جن میں سے مشاہیر شرح نگاروں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) شرح کافیہ — شیخ جمال الدین ابوعمر و عثمان ابن الحاجب صاحب کافیہ (۶۴۶ھ)

(۲) شرح کافیہ — شیخ رضی الدین محمد بن حسن استر آبادی (۶۸۳ھ)

(۳) شرح کافیہ — قاضی ناصر الدین عبداللہ بیضاوی (۶۸۵ھ)

(۴) البسیط (کبیر) — سید رکن الدین حسن محمد استر آبادی (۷۱۷ھ)

(۵) الوافیہ (متوسط) — سید رکن الدین حسن محمد استر آبادی (۷۱۷ھ)

(۶) شرح کافیہ (صغیر) — سید رکن الدین حسن محمد استر آبادی (۷۱۷ھ)

(۷) شرح کافیہ — امام تاج الدین ابومحمد علی بن عبداللہ بن ابی الحسن اردبیلی (۷۴۶ھ)

(۸) شرح کافیہ — شیخ تاج الدین ابومحمد احمد بن عبدالقادر بن مکتوم قیسی حنفی (۷۴۹ھ)

(۹) شرح کافیہ — شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن اصبہانی (۷۴۹ھ)

(۱۰) المناہل الصافیہ فی حل الکافیہ — شیخ محمد بن محمد اسنوی قدسی (۸۰۸ھ)

(۱۱) غایۃ التحقیق — شیخ صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین جونپوری (۸۱۹ھ)

(۱۲) شرح کافیہ — شیخ یعقوب بن احمد بن حاج عوض (۸۴۵ھ)

(۱۳) حاشیہ کافیہ — شیخ شہاب الدین احمد بن عمر ہندی دولت آبادی (۸۴۹ھ)

(۱۴) شرح کافیہ — شریف نور الدین علی بن ابراہیم شیرازی (۸۶۳ھ)

(۱۵) شرح کافیہ — شیخ احمد بن محمد زبیدی اسکندری مالکی (۹۰۶ھ)

(۱۶) مرض المرضی — مولوی میر حسن میبدی (۹۱۰ھ)

(۱۷) شرح کافیہ — شیخ عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائینی (۹۴۳ھ) [۶۲]

شیخ رضی استر آبادی اور شیخ شہاب الدین دولت آبادی کی شرح ہندی کے بعد سب سے زیادہ مقبول و معروف شرح شیخ نور الدین عبدالرحمٰن بن احمد الجامی کی ہے، جن کی کتاب کا نام "الفوائد الضیائیہ" ہے، جو شرح جامی کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کا نام عبدالرحمٰن، لقب اصلی عماد الدین، لقب مشہور نور الدین، کنیت ابوالبرکات، والد کا نام احمد، لقب شمس الدین اور دادا کا نام محمد ہے۔

شیخ صفی علاء الدین واعظ کاشفی نے "رشحات عين الحياة" میں ذکر کیا ہے کہ آپ امام محمد کی نسل سے ہیں، آپ کا تخلص جامی ہے۔

آپ کی پیدائش ۲۳ رشعبان ۸۱۷ھ کو خراسان کے قصبۂ جام میں ہوئی[۶۳] آپ کے والد کا اصلی وطن اصفہان تھا، لیکن وہ کسی وجہ سے جام منتقل ہو گئے تھے جو خراسان کا ایک قصبہ ہے۔ یہیں پر جامی کی پیدائش ہوئی، بعد میں ہرات کی طرف منتقل ہو گئے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی "الفوائد البهية" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"عبدالرحمن بن أحمدبن حمد المشتهر بنور الدين الجامی ولد بجام سنة سبع عشرة وثمانمائة اشتغل أولا بالمعقول والمنقول وبرع فيهما ثم عرض له داعية الطلب فصحب مشائخ الصوفيه وتلقن من سعد الدين الكاشغری عن المولى نظام الدين خاموش عن خواجه علاء الدين العطار عن خواجه بهاء الدين نقشبند وبلغ رتبة الفضل والكمال".[۶۴]

آپ نے اپنے زمانے کے مشاہیر علما و فضلا سے علم کی تحصیل کی اور درجۂ کمال کو پہنچے۔ آپ کے اساتذہ کے نام صاحب ظفر المحصلین نے ملا عبدالغفور کے "حاشیه نفحات الانس" کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔ لکھتے ہیں:

پہلے صرف و نحو کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، پھر خواجہ علی سمرقندی تلمیذ میر سید شریف جرجانی، مولانا شہاب الدین محمد جاجرمی تلمیذ سعد الدین تفتازانی اور مولانا جند اصولی کے حلقہائے درس میں شریک ہوئے۔ طلبہ مولانا جند سے شرح مفتاح پڑھتے تھے اور یہ ان کو سمجھایا کرتے اور کہتے تھے کہ جب سے سمرقند آباد ہوا ہے اس وقت سے اب تک یہاں عبدالرحمٰن جامی جیسا جید

الطبع نہیں آیا۔ ہرات میں ملا علاء الدین قوشجی شارح تجرید سے مباحثہ ہوا اور آپ ہی غالب رہے، یہاں تک کہ علامہ قوشجی کو اپنے طلبہ سے یہ کہنا پڑا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ نفس قدسی اسی عالم میں موجود ہے''۔ ٦٥

آپ کی وفات بروز جمعہ ۱۸ر محرم الحرام ۸۹۸ھ کو ہرات میں ہوئی اور یہیں مدفون ہوئے، طائفہ طاغیہ اردبیلیہ نے خراسان کا قصد کیا تو آپ کے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف نے آپ کا جسم مبارک دوسری جگہ منتقل کر دیا۔ آپ کی تاریخ وفات آیت "ومن دخله كان آمنا" سے نکلتی ہے۔ ٦٦

آپ کثیر التصانیف تھے آپ نے عربی فارسی دونوں زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جن کی تعداد ۵۴ تک پہنچتی ہے، جو آپ کے تخلص ''جامی'' کے اعداد ہیں۔

شرح جامی کے بارے میں علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ ''شرح جامی خواند باقی چہ ماند'' جب شرح جامی پڑھ لی تو باقی کیا رہا۔ صاحب مصباح المعانی اپنے مقدمے میں رقم طراز ہیں:

''کافیہ چوں کہ نہایت جامع اور مختصر کتاب تھی، اس لیے اس کے بعض مباحث کے سمجھنے میں طالب علموں کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا، خود حضرت شارح علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مولانا ضیاء الدین بھی اس کے شاکی تھے، علاوہ ازیں مولانا جمال الدین ابن حاجب علم نحو پر مجتہدانہ عبور رکھتے تھے۔ اسی مجتہدانہ بصیرت نے علم نحو کے بعض مسائل میں ابن حاجب کو جمہور نحاۃ سے منفرد بھی کر دیا۔ جیسے کہ صاحب مطالعہ پر یہ حقیقت واضح ہے، اس لیے ضروری تھا کہ اس کی ایک ایسی شرح لکھی جائے جو نہ صرف کافیہ کے مشکلات کو حل کرے بلکہ اس بات کی بھی نشاندہی کرے کہ صاحب کافیہ کون کون سے نحوی مسائل میں جمہور نحاۃ سے منفرد ہو گئے۔ فاضل ہندی اور جناب رضی کی شروح اگرچہ پہلے سے موجود تھیں مگر ان سے کافیہ کی شرح کا حق ادا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ہندی اور رضی کے بعض مقامات محتاج تنقید ہو کر رہ گئے تھے، اس لیے حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ نے کافیہ کی شرح ''فوائد ضیائیہ'' کے نام سے لکھ کر نہ صرف کافیہ کی کماحقہٗ توضیح وتشریح اور اس کے مشکلات کا صحیح حل فرمایا بلکہ موقع بہ موقع فاضل ہندی اور شارح رضی کے بعض خیالات پر تنقید فرما کر ان کی اصلاح بھی کرتے چلے ہیں۔ ٦٧

مولانا محمد حنیف گنگوہی "ظفر المحصلين" میں شرح جامی کے متعلق لکھتے ہیں:

شروح کافیہ میں رضی کے بعد نہایت اعلیٰ وارفع اور سب سے زیادہ مشہور و متداول شرح ہے، اس میں علامہ جامی نے اکثر شروح کافیہ کو باحسن وجوہ ملخص کیا ہے، اور زیادہ تر مآخذ قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر زاولی دولت آبادی (م:۸۴۸ھ) کی شرح ہے، اس میں گو نحوی مباحث کو عقلیت کا رنگ دیا گیا ہے تاہم ٹھوس استعداد پیدا کرنے کے لیے بہت عمدہ کتاب ہے۔ شیخ عمر بن عبدالوہاب نے کہا ہے:

للـه در امـام طـال مـا سطعت	انـوار افضـالـه من علمه السامی
الـفـاظـه اسـكـرت اسماعنا طربا	كانما الخمر تسقى من صفا الجام

اسی کے مثل ابن حنبلی کا قول ہے:

لـكـافية الاعـراب شـرح منقح	ذلول المعانی ذو انتساب الى الجامی
مـعـانيه حجلی حين تتلی كأنما	هی الخمر تبدی شمسها من صفا الجام ۶۸

شرح جامی کی افادیت اور جامعیت کے پیش نظر، نیز اس کتاب کے نصاب درس میں شامل ہونے کی بنا پر متعدد ارباب علم نے اس پر حواشی اور تعلیقات تحریر کیے ہیں، ان میں سے چند حضرات کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) حاشیہ شرح جامی — ملا عبدالغفور اللاری (تلمیذ الجامی) — (۹۱۲ھ)

(۲) حاشیہ شرح جامی — شیخ عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائینی — (۹۴۳ھ)

(۳) القول السامی علی کلام ملا جامی — شیخ عبداللہ الازہری

(۴) حاشیہ شرح جامی — شیخ عیسیٰ بن محمد صفوی ایجی شافعی — (۹۵۵ھ)

(۵) حاشیہ شرح جامی — شیخ غرس الدین احمد بن ابراہیم حلبی — (۹۷۱ھ)

(۶) حاشیہ شرح جامی — شیخ مصلح الدین محمد اللاری — (۹۷۹ھ)

(۷) حاشیہ شرح جامی — شیخ شریف الروشتی معروف بفاضل امیر — (۹۸۷ھ)

(۸) حاشیہ شرح جامی (ترکی) — شیخ محمد بن عمر معروف بقودر آفندی — (۹۹۶ھ)

(۹) حاشیہ شرح جامی — مولانا عبداللہ بن طورسون مشہور بفیضی — (۱۰۱۹ھ)

(۱۰) حاشیہ شرح جامی — شیخ قرۃ جہ احمد حمیدی — (۱۰۲۴ھ)

(۱۱)	حاشیہ شرح جامی	شیخ علائک محمد بن موسیٰ بسنوی	(۱۰۲۵ھ)
(۱۲)	حاشیہ شرح جامی	شیخ خالد بن محمد بن عمر بن عبدالوہاب العرضی	(۱۱۱۵ھ)
(۱۳)	تعلیق بر شرح جامی	شیخ حسن بحری	
(۱۴)	تعلیق بر شرح جامی	شیخ علی بن امراللہ	
(۱۵)	حاشیہ شرح جامی	شیخ ابراہیم ماموتی شافعی	
(۱۶)	الحاشیہ السلطانیۃ	بابا سید بن محمد بخاری معروف ببابا شاہ	
(۱۷)	حاشیہ شرح جامی	شیخ محمد عصمۃ اللہ بن محمود بخاری	
(۱۸)	حاشیہ شرح جامی	شاہ محمد بن احمد سمرقندی	
(۱۸۹)	حاشیہ شرح جامی	شیخ وجیہ الدین عمر بن عبدالمحسن ارزنجانی	
(۲۰)	سوال باسولی	مولوی وسیم گل باسولی	
(۲۱)	سوال کابلی	مولوی محمد عمر کابلی	۶۹

ہندوستانی علما نے بھی اس پر حواشی تحریر کیے ہیں، چنانچہ مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی تصنیف ''اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' فن نحو میں ہندوستانی مصنفین کی تصانیف کے ذیل میں ہندوستانی علما کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے، جنھوں نے شرح جامی پر حواشی تحریر کیے ہیں، ان میں سے چند حضرات کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) حاشیہ شرح جامی از مبحث حال تا مبحث مجرورات، مصنفہ شیخ عبدالنبی بن عبداللہ شطاری گجراتی
(۲) حاشیہ شرح جامی مصنفہ: شیخ نورالدین محمد صالح گجراتی
(۳) حاشیہ شرح جامی مصنفہ: شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی برہانپوری
(۴) حاشیہ شرح جامی مصنفہ: شیخ عصمت اللہ بن اعظم سہارنپوری
(۵) حاشیہ شرح جامی مصنفہ: مولوی شوکت علی بن مسند علی سندیلوی
(۶) حاشیہ شرح جامی مصنفہ: مولوی محمد سعید بن واعظ علی عظیم آبادی
(۷) حاشیہ شرح جامی مصنفہ: شیخ جمال الدین بن رکن الدین گجراتی (م: ۱۱۲۴ھ)
(۸) حاشیہ شرح جامی مصنفہ: مفتی جمال الدین بن نصیرالدین دہلوی (م: ۹۸۴ھ) ۷۰

(۹) حاشیہ شرح جامی مصنفہ: مولوی تراب علی بن شجاعت علی بن فقیہ الدین بن محمد دولت لکھنوی اے

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، آپ نے بھی شرح جامی پر حاشیہ تحریر کیا ہے، جس کا ذکر تذکرہ نگاروں میں سے مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (ص:۱۱۶) میں، مولانا عبدالحی حسنی رائے بریلوی نے نزہۃ الخواطر (۴:۳۴۴) میں، نواب صدیق حسن خاں نے ابجد العلوم (ص:۸۹۷) میں، مولوی فقیر محمد نے حدائق الحنفیہ میں کیا ہے۔ جس کا تعارف آئندہ صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔

مذکورہ حاشیہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اب تک اس کے دس(۱۰) قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) نسخہ(۱) رضا لائبریری، رامپور، مخطوطہ نمبر ۴۸۷۰

راقم نے رام پور جا کر اس نسخے کا مطالعہ کیا ہے، اس کی جلد پر ''حاشیہ الفوائد الضیائیہ وجیہ الدین العلوی الگجراتی رامپور'' تحریر ہے۔ اس مخطوطے کا نمبر ڈاکٹر عرفان ندوی صاحب نے فہرست رضا لائبریری کے مسودے سے دیکھ کر بتایا، جس کو وہ تیار کررہے ہیں۔ کافی مشقت کے بعد مخطوطہ دیکھنے کو ملا۔

اس مخطوطے کی ضخامت ۱۸۵ اوراق ہے، ہر ورق میں ۲۱ سطریں ہیں، مخطوطے کا سائز ۷.۵×۱۴، ۱۵×۲۴ ہے۔ مخطوطہ خط نستعلیق خفی میں ہے۔ مخطوطہ نہایت بوسیدہ کرم خوردہ ہے۔ اوراق کے چاروں طرف موٹا کاغذ لگا کر ورق کو محفوظ کیا گیا ہے اور اسی طرح مکمل کتاب کی جلد بنائی گئی ہے۔ اس مخطوطے پر کسی کے حواشی بھی ہیں، مخطوطے کے بعض اوراق پر حواشی کو الگ کاغذ پر چسپاں کیا گیا ہے، جو مخطوطہ بوسیدہ ہونے کی وجہ سے الگ ہو گیا تھا۔ قولہ سرخ روشنائی سے لکھا ہے۔

ورق ایک (الف) پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے:

شرح ملا جامي من مصنف مولانا وجيه الدين

الجزء الاول من حاشيه فصل المياضرك......مولانا وجيه الدين گجراتی تسع...

علی شرح ملا ۱۰۸۲۸ درآمد

نسخے کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة على خير خلقه محمدوآله وصحبه اجمعين

قوله الحمدلوليه والصلوٰة على نبيه اختلفت عباراتهم فى تعريف الحمد

فقال بعضهم هو الثناء بالجميل على جهة التعظيم وقال بعضهم هو الوصف

بالجميل على جهة التعظيم وقال بعضهم هو اظهار الكمال ويعلم من جميع

ذلك ان الحمد مصدر معروف هو فعل الحامد وكذا لفظ الحديث مشعر بذلك

وهو امر كل ذى بال لم يبداء بالحمدلله فهو اقطع

اس نسخے کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

تمت هذه الحاشيه المسماة بحاشيه مولانا وجيه الدين الملة والدين

گجراتى فى شد رجب المرجب ۱۰۶۹ھ فى دار السلطنة اكبرآباد

ترقیمے کے بعد دائیں جانب حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے، جس سے مخطوطے کی اجرت کتابت کا پتہ چلتا ہے:

''کتابت این حاشیہ تخمیناً شش ہزار و پانصد بست''

بائیں جانب مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ مصنف کے مسودے سے نقل کردہ نسخے سے منقول ہے۔

از منقول مسودہ مصنف نقل برداشتہ شد

(۲) نسخۂ (۲) رضالائبریری رامپور، مخطوطہ نمبر ۴۸۷۱:

یہ دوسرا نسخہ بھی رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔ راقم نے اس کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ اس کی ضخامت ۸۵ اوراق ہے۔ کسی ورق میں ۲۶ اور کسی میں ۲۹ سطریں ہیں۔ مخطوطے کا سائز ۲۳×۱۰، ۱۷×۲۹/۱۴ ہے۔ کتابت خط نستعلیق میں ہے۔ مخطوطہ مکمل ہے، ترقیمہ موجود ہے۔

مخطوطہ خستہ حالت میں کرم خوردہ ہے، مخطوطے کو محفوظ کرنے کی غرض سے تقریباً ہر ورق پر سفید موٹا کاغذ چسپاں کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے عبارت صاف پڑھنے میں نہیں آتی ہے۔ اس مخطوطے پر کسی کے حواشی بھی ہیں۔ تاریخ کتابت ٦ جمادی الاولی بروز بدھ ۱۲۵۲ھ مرقوم ہے۔ کاتب کا نام درج نہیں

ہے۔

ورق ایک (الف) پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے:

"حاشیہ علوی برشرح ملا جامی - خرید کردہ ۱۲۹۷ھ

مخطوطے کے اندر ایک پرانی سلپ چسپاں ہے، جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

حاشیہ شرح جامی قلمی

مخطوطے کی ابتدا میں "رب یسر وتمم بالخیر" سرخ روشنائی سے لکھا ہے۔ مصنف شرح حاشیہ قولہ کر کے شروع کرتے ہیں، جس جگہ بھی یہ لفظ آیا ہے، سرخ روشنائی سے لکھا ہے۔

مصنف نے آغاز کتاب میں بہت مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

رب یسر بسم الله الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

الحمدلله رب العالمین والصلوٰۃ علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین

مخطوطے کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

تمام شد حاشیه علوی برشرح بتاریخ ششم جمادی الاول روز چهارشنبه ۱۲۵۲ھ والحمد لله رب العالمین وصلوٰۃ الله وسلامه علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه وازواجه واهل بیته وجمیع الانبیاء والملائکة وعباده الصالحین برحمتك یاارحم الراحمین

(۳) نسخۂ بوہار لائبریری کلکتہ

Catalogue Raisonne of the Buhar Library, Kolkata

یہ تیسرا نسخہ بوہار لائبریری کلکتہ میں موجود ہے، جس کی تفصیلات فہرست بوہار لائبریری (ج:۲،ص:۴۲۷) میں درج ہیں۔ مخطوطہ نمبر ۳۸۷ ہے۔

مخطوطے کی ضخامت ۱۴۶ اوراق ہیں۔ ایک ورق میں ۲۲ سطریں ہیں۔ مخطوطے کا سائز ۳۱.۴×۵،۷×۸.۵×۵،۷ درج ہے۔ مخطوطہ خط نسخ میں ہے۔ قولہ سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ہے۔ سال کتابت ۱۰۰۵ھ درج ہے۔ کاتب کا نام درج نہیں ہے۔ مخطوطے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

الحمدلله رب العالمین والصلوٰۃ علی خیر خلقه محمدوآله وصحبه اجمعین

فہرست نگار بوبار لائبریری کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

...The first 16 fool, are recent. Quotations fromal-Jami's Commentary are introduced with قوله in red ink. but in some cases the space for the word is left blank. Marginal corrections accasion-space for the word is left blank. Marginal corrections occasionally written in Naskh. Dated A.H. 1005

(۴) نسخۂ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد:

Govt. Qriental Manuscript Library and Reserch Institute.

یہ چوتھا نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں موجود ہے، جس کی مختصر تفصیلات فہرست کتب ''عربی فارسی و اردو'' مخزونۂ کتب خانہ آصفیہ (ج:۴،ص:۶۴۶) میں درج ہیں۔ نام کتاب ''حاشیہ شرح جامی'' نام مصنف ''شاہ وجیہ الدین''، قلمی نسخہ، نمبر کتاب ۳۱۴ اور سن کتابت ۱۰۵۶ھ درج ہے۔ آغاز کتاب اور ترقیمہ درج نہیں ہے۔

(۵) نسخۂ علامہ شبلی لائبریری ندوۃ العلماء لکھنؤ:

یہ پانچواں نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں موجود ہے، جس کی مختصر تفصیلات فہرست مخطوطات عربی ندوۃ العلماء (ص: ۶۸۷) میں درج ہیں۔ نام کتاب حاشیہ علی الفوائد الضیائیہ، مصنف شیخ وجیہ الدین علوی درج ہے۔ مخطوطے کی ضخامت ۲۳۲ صفحات، ایک ورق میں ۲۱ سطریں، مخطوطے کا سائز ۱۴×۲، ۲۳ درج ہے۔ مخطوطہ خط نسخ میں، کاتب کا نام عبداللہ بن صالح محمد، سال کتابت ۱۰۷۸ھ درج ہے۔ آغاز کتاب اور ترقیمے کی عبارتیں درج نہیں ہیں۔

(۶) نسخۂ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (۱۹۰۳ء۔۱۹۰۷ء)

یہ چھٹا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں موجود ہے۔ اس مخطوطے کا تذکرہ ڈاکٹر زبید احمد صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے ''عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ'' (ص:۳۹۹) میں کیا ہے۔ جس میں مخطوطہ نمبر ۳۱۰ درج ہے۔

(۷) نسخۂ انڈیا آفس لندن (فہرست عربی مخطوطات دہلی)

یہ ساتواں نسخہ انڈیا آفس، لندن (فہرست عربی مخطوطات دہلی) میں موجود ہے۔ اس مخطوطے کا

تذکرہ بھی ڈاکٹر زبید احمد صدیقی نے ''عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ'' (ص:۳۹۹) میں کیا ہے، جس میں مخطوطہ نمبر ۱۰۱۷ درج ہے۔

(۸) نسخۂ کتب خانہ محمود پاشا، استنبول:

یہ آٹھواں نسخہ کتب خانہ محمود پاشا، استنبول میں موجود ہے۔ اس مخطوطے کا تذکرہ بھی ڈاکٹر زبید احمد صدیقی نے ''عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ'' (ص:۳۹۹) میں کیا ہے۔ جس میں مخطوطہ نمبر ۳۴۳/۲ درج ہے۔

(۹) نسخۂ کتب خانہ عموجہ حسین، استنبول:

یہ نواں نسخہ کتب خانہ عموجہ حسین، استنبول میں موجود ہے، جس کا تذکرہ ڈاکٹر زبید احمد صدیقی نے ''عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ'' (ص:۳۹۹) میں کیا ہے۔ جس میں مخطوطہ نمبر ۴۰۸ درج ہے۔

(۱۰) نسخۂ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی:

اس کتاب کا دسواں نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں محفوظ ہے، ان سطور کی تحریر کے وقت یہی نسخہ پیش نظر ہے۔ یہ سبحان اللہ کلکشن کا حصہ ہے، اس کا نمبر ۲۲/۳۷ ۸۹۲ء نحو عربی ہے۔ اس کی ضخامت ۲۲۶ اوراق ہے، ہر ورق میں ۱۷ سطریں ہیں۔ مخطوطے کا سائز ۵×۱۱، ۹×۱۶.۵ ہے۔ یہ عام طور پر اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔ بعض اوراق پر بٹر پیپر چڑھا دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ نسخہ محفوظ ہو گیا ہے۔ یہ مخطوطہ خط نسخ میں خوش خط لکھا ہے۔ آغاز کتاب میں "وبه نستعين" سرخ روشنائی سے لکھا ہے، اور قوله کا لفظ جہاں آیا ہے سرخ روشنائی سے لکھا ہے، تا کہ نمایاں رہے، لیکن یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔

ورق ایک (الف) پر مندرجہ ذیل عبارت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سال کتابت ۱۲۲۹ھ ہے اور سید محمد کی ملکیت میں تھا۔

"مالك فقير الحقير سيد محمد" رمضان المبارك ۱۲۲۹ شرح نموده كرد

شیخ علوی نے آغاز کتاب میں بہت مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

وبه نستعين

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوة على خير خلقه محمدوآله واصحابه اجمعين

اب ہم اس کتاب کے مشتملات کا جائزہ لیتے ہیں اور شیخ علوی کے حواشی کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں، جس سے موصوف کے حواشی کی نوعیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے شرح جامی کے خطبۂ کتاب کی ابتدائی عبارت کو نقل کرتے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلوليه والصلوٰة على نبيه وعلى آله واصحابه المتأدبين بآدابه

اللہ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان رحم والا ہے، ہر طرح کی حمد مستحق حمد کے لیے ہے، اور صلوٰۃ وسلام ہوں اس کے نبی اور اس کی آل واصحاب پر جو آپ کے اخلاق کو اپنانے والے تھے۔

اب شرح جامی کی مذکورہ بالا عبارت پر شیخ علوی کا حاشیہ ملاحظہ ہو:

"(قوله الحمدلوليه والصلوٰة على نبيه) اختلف عباراتهم فى تعريف الحمد فقال بعضهم هو الثناء بالجميل على جهة التعظيم وقال بعضهم هوالوصف بالجميل على جهة التعظيم وقال بعضهم هواظهار الكمال ويعلم من جميع ذلك ان الحمد مصدر معروف هوفعل الحامد وكذا لفظ الحديث مشعر بذلك وهو كل امر ذى بال لم يبداء بالحمدلله فهو اقطع"

شیخ وجیہ الدین نے اپنے حاشیے میں سب سے پہلے اس بات کی وضاحت کی ہے، کہ حمد کی تعریف کیا ہے؟ اور اس سلسلے میں تین اقوال نقل کیے ہیں۔

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ حمد تعظیم کے طور پر ثنا بالجمیل کو کہتے ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ حمد تعظیم کے طور پر وصف بالجمیل کو کہتے ہیں۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ حمد اظہار کمال کو کہتے ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے یہ بتایا ہے کہ ان تینوں تعریفوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصنف کی عبارت میں حمد مصدر معروف کے معنی میں ہے، جو کسی تعریف کرنے والے کا فعل ہوتا ہے، اور حدیث پاک (وهوكل امر ذى بال لم يبداء بالحمدلله فهو اقطع) کے الفاظ بھی اسی طرف اشارہ

کررہے ہیں۔

صاحب کافیہ نے اپنی کتاب کا آغاز الحمدللہ سے کیوں نہیں کیا؟ اس کی توجیہ کرتے ہوئے مولانا جامی اپنی شرح میں تحریر کرتے ہیں:

"اعلم ان الشيخ رحمة الله تعالى لم يصدر رسالته هذه بحمدالله سبحانه بأن جعله جزء منها هصما لنفسه بتخييل ان كتابه هذا من حيث انه كتابه ليس ككتب السلف رحمهم الله تعالى حتى يصدر به على سننها ولايلزم من ذلك عدم الابتداء به مطلقا حتى يكون بتركه اقطع لجواز اتيانه بالحمد من غير ان يجعله جزءا من كتابه"۔

یعنی شیخ ابن حاجب رحمۃ اللہ نے اپنے اس رسالے کافیہ کو حمدِ خدا سبحانہ تعالیٰ سے اس طرح شروع نہیں کیا کہ حمد کو رسالے کا ایک حصہ بناتے، اس کی وجہ ان کی کسرِ نفسی ہے یہ خیال کرکے کہ بلاشبہ ان کی یہ کتاب اس حیثیت سے کہ یہ ان کی کتاب ہے کتبِ سلف رحمہ اللہ کی طرح نہیں ہے، حتی کہ ان کے طور وطریقے پر اس کتاب کو حمد خدا سبحانہ سے شروع کیا جائے اور حمد کو کتاب کا حصہ نہ بنانے سے یہ ہمہ وجود عدم ابتداء بالحمد لازم نہیں آتا کہ اس کے ترک سے کتاب بے برکت ہوجائے، کیوں کہ ممکن ہے کہ مصنف نے حمد کو کتاب کا جزء بنائے بغیر زبانی فریضۂ حمد ادا کرلیا ہو۔

اب شرح جامی کی مذکورہ بالا عبارت سے متعلق شیخ علوی کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

("قوله لم يصدر رسالته هذه بحمدلله هَضمًا لنفسه) جوال سوال وهو ان يقال كان ينبغى ان يصدر بعد التسمية بالحمدلله اقتداء بالسلف وعملا بقوله عليه السلام كل امر ذى بال لم يبداء فيه بالحمدلله فهو اقطع فاجاب بانه لم يصدر به هصما لنفسه بتخييل ان كتابه من حيث ان كتابه ليس ككتب السلف حتى يصدر به على سننها ولايلزم من ذلك عدم الابتداء مطلقا حتى يلزم ترك العمل بالحديث لجواز ان يبتداء بالحمد من غير ان يجعل جزأ من الكتاب ثم شرع فى المقصود.

شیخ علوی نے اس حاشیے میں پہلے شرح جامی کی عبارت کی مزید توضیح وتشریح کی ہے، چنانچہ

فرماتے ہیں کہ سوال یہ ہوتا ہے مصنف (یعنی صاحب کافیہ) نے اپنی کتاب کو تحمید کے ساتھ شروع کیوں نہیں کیا؟ حالاں کہ سلف کا طریقہ چلا آ رہا ہے کہ جب کسی کتاب کی ابتدا کرتے ہیں تو تسمیہ کے بعد تحمید سے شروع کرتے ہیں، لہذا مصنف کو ان کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کل امر ذی بال لم یبدأ بحمدلله فهو اقطع پر عمل کرنا چاہیے تھا؟

پھر عبدالرحمٰن جامی کا جواب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مصنف نے فروتنی کے بنا پر الحمدللہ سے اپنی کتاب کا آغاز نہیں کیا، یہ خیال کرتے ہوئے کہ میری یہ کتاب سلف کی کتابوں کے برابر نہیں، لہذا ہم کو ان کے طریقے پر نہیں جانا چاہیے، ورنہ برابری کا دعویٰ کرنا لازم آئے گا، اس بنا پر مصنف نے اس طریقے کو چھوڑ دیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ مصنف کے ایسا کرنے سے مخالفت حدیث لازم نہیں آتی، کیوں کہ حدیث شریف میں لم یبداء جو ہے، اس سے مطلق ابتدا مراد ہے چاہے وہ تلفظ کے اعتبار سے ہو، چاہے کتابت اور تحریر کے اعتبار سے ہو۔ تو ہوسکتا ہے کہ مصنف نے مطلقاً ترک حمد لہ نہ کیا ہو کہ مخالفت حدیث کی بنا پر مستحق وعید ہوں، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے زبانی تحمید سے ابتدا فرمادی ہو۔

اس کے بعد انھوں نے مذکورہ بالا اعتراض کا ایک اور جواب اپنی طرف سے تحریر فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

"ویمکن ان یجاب بوجه آخر وهو ان یقال لم یصدر به هصما لنفسه بتخییل ان کتابه من حیث انه کتابه لیس ککتب السلف حتی یصدر به علی سننها وان کان فی نفسه عظیم الشان امرا ذی بال لاشتماله علی مباحث نفیسة لم یشملها کتب السلف کبعض مباحث الحال وبعض مباحث الصفة وغیرهما فراعی الجهتین فابتداء بالبسملة المشتملة علی الحمد ولم یبداء بالحمد استقلا لا کما بداء السلف به"

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ مصنف کی کتاب اگرچہ فی نفسہ عظیم الشان ہے، کیوں کہ وہ نفس مباحث پر مشتمل ہے اور اس میں بعض ایسے عمدہ مباحث بھی موجود ہیں جو سلف کی کتابوں میں نہیں ملتے، جیسے حال اور صفت سے متعلق بعض مباحث۔ اس کے باوجود مصنف نے از راہ تواضع وانکسار کتب سلف کے مقابلے میں اپنی کتاب کو کمتر سمجھتے ہوئے حمد سے ابتدا نہیں کی، لیکن دوسری جانب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سے ابتدا کی جو ضمناً حمد کو بھی مشتمل ہے۔ اس طرح دونوں چیزوں کی رعایت ہوگئی کہ بسم اللہ کی وجہ سے ضمناً حمد ہوگئی اور حدیث کی مخالفت بھی لازم نہ آئی۔ دوسری جانب مستقلاً حمد اس لیے نہیں کی تا کہ تواضع وانکسار کا اظہار ہو جائے۔

شیخ علوی نے اس کے بعد مذکورہ بحث سے متعلق ایک اعتراض کیا ہے، پھر اس کا جواب دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"فان قيل التحميد من العبادات وترك العبادات من شهوات النفس فكيف ينهصم به النفس قيل ان النفس ربما يشتهي ألى العبادات ويكون حفظها في مباشرة العبادة اكثر من تركها لما فيه من الاشتهار فيما بين الخلق وقبول الخلق"۔

اس عبارت میں پیش کردہ اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ تحمید یعنی اللہ کی تعریف کرنا یہ عبادات میں سے ہے اور ترک عبادات کا تعلق خواہشات نفس سے ہے تو ترک حمد کے ذریعے کسر نفس کیسے ہو سکتا ہے؟

اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفس عبادات کی طرف اس لیے راغب ہو جاتا ہے کہ تا کہ عوام کے درمیان شہرت و مقبولیت حاصل ہو جائے، ایسی صورت میں اس عبادت کا انجام دینا شہوت نفس کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور اس کے ترک کر دینے میں کسر نفس کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے اس اشکال کا ایک دوسرا جواب بھی دیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"ويمكن ان يقال ان التحميد وان كان عبادة في نفسه الا انه من حيث يبتداء به امر غير ذي بال لبس بعبادة لان ابتداء به تحقير له كالصلوٰة في ارض الغير فانه من حيث انه صلوٰة عبادة الا انه من حيث انه غصب حرام وكالتسمية على الاكل الحرام فانه كفر"

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ تحمید اگر چہ بذات خود عبادت ہے، مگر چوں کہ اس کے ذریعے سے ایک غیر عظیم الشان چیز کی ابتدا کی جا رہی ہے لہذا یہ عبادت نہیں ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں تحمید کے ذریعے ابتدا کرنا ایک طرح سے اُس کی تحقیر ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ نماز اگر چہ ایک عبادت ہے، لیکن

اگر وہ غصب کی زمین میں پڑھی جائے تو اس صورت میں حرام ہے۔ اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنا اگرچہ بذات خود عبادت ہے، لیکن اگر حرام کھانے پر بسم اللہ پڑھا جائے تو یہ کفر ہے۔

اس کے بعد شیخ نے آخر میں صاحب کافیہ کے حمد سے آغاز نہ کرنے کی ایک اور توجیہ کی ہے، جس کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ یہ ایک نہایت نادر توجیہ ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"وههنا توجيه غريب فى غايته الغرابتة وهو ان الظاهر ان كتابه هذا اول كتب صنفها فاقتدى باول سورة نزلت وهو اقرار حديث لم يبداء بالحمد مطلقا اعم من ان جعله اولا لان النبى صلى الله عليه وسلم قراء كما نزلت ولم يبداء بالحمد الله على ماوراه البخارى فى صحيحه فتامل"

اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ چوں کہ یہ کتاب مصنف کی پہلی کتاب ہے، اس لیے انھوں نے اس میں قرآن کریم کی پہلی صورت یعنی سورۂ اقراء کی پیروی کی ہے، جس کے آغاز میں حمد موجود نہیں ہے۔

صاحب کافیہ نے اپنی کتاب کا آغاز کلمہ اور کلام سے کیا ہے، اس سلسلے میں ملا جامی لکھتے ہیں:

"وبدأ بتعريف الكلمة والكلام لانه يبحث فى هذا الكتاب عن احوالهما فمتى ليم يعرفا كيف يبحث عن احوالهما وقدم الكلمة على الكلام لكون افرادها جزء من افراد الكلام ومفهومها جزء من مفهومه"

اور مصنف نے (اپنی کتاب کافیہ کو) کلمہ اور کلام کی تعریف سے شروع کیا۔ کیوں کہ وہ اس کتاب میں ان دونوں کے احوال سے بحث کریں گے۔ پس جب تک ان دونوں کی تعریف نہ کی جائے اس وقت تک ان کے احوال سے کیسے بحث کی جا سکتی ہے؟ اور (رہا یہ سوال کہ) مصنف نے کلمہ کو کلام سے مقدم کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ کے افراد کلام کے افراد کا جز ہوتے ہیں اور (اسی طرح) کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جز ہوتا ہے۔

اب شرح جامی کی عبارت کے پہلے جزء سے متعلق شیخ علوی کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

"(قوله وبدأ بتعريف الكلمة والكلام) يعنى بداء بتعريفهما لانهما موضوعا هذا العلم يبحث فيه عن احوالهما فلا بد من تعريفهما اولا اما بالحداء وبالرسم لتمييز عندالطالب فيبحث عن احوالهما ويتميز العلم عنده"

یعنی صاحب کافیہ نے کلمہ وکلام کی تعریف سے کتاب کا آغاز کیا، کیوں کہ یہ دونوں اس علم یعنی علم نحو کا موضوع ہیں، جن کے احوال سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے، اس لیے سب سے پہلے ان دونوں کی تعریف ضروری ہے، تا کہ طالب علم ان دونوں کو پہچان لے، پھر ان دونوں کے احوال سے بحث کرے اور اس کے ذہن میں کلمہ وکلام دونوں ممیّز ہو جائیں۔

اس کے بعد انھوں نے شرح جامی کے اگلے جملے پر حاشیہ تحریر کیا ہے:

"(قوله لكون افرادها جزءًمن افراد الكلام) اماكون افراد الكلمة جزء من افراد الكلام فظن لان زيدا مثلاً جزء من زيد قائم واما مفهومها جزء من مفهومه فلان الفرد اذا كان جزء كان حقيقة ايضا جزء اذا الفرد عبارة عن حقيقة مع الشخص والخصوصية والا فمفهوم الكلمة ليس جزء من مفهوم الكلام لان المراد بالكلمتين الوقعتين فى تعريف الكلام اعنى ماتضمن بالاسناد ماصدق عليه لامفهومهما اذ لايصدق على مثل زيد قائم انه يتضمن مفهوم لفظ وضع لمعنى مفرد"۔

یعنی مولانا جامی نے کلام کی تعریف پر کلمہ کی تعریف کو مقدم کرنے کی توجیہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے، لكون افرادها جزءًمن افراد الكلام یعنی چوں کہ کلمہ کے افراد کلام کے افراد کا جزء ہیں، اس لیے صاحب کافیہ نے کلام کی تعریف پر کلمہ کی تعریف کو مقدم کیا ہے) تو افراد کلمہ کے افراد کلام کے جزء ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مثال کے طور پر 'زید' زید قائم کا جزء ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جزء ہے، کیوں کہ فرد جب کسی چیز کا جزء ہوگا تو وہ اس کی حقیقت کا بھی جزء ہوگا۔ اس لیے کہ فرد اپنی شخصیت وخصوصیت کے ساتھ کسی حقیقت سے عبارت ہوتا ہے، ورنہ تو کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جزء نہیں ہے، اس لیے کہ کلام کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے "ما تضمن كلمتين بالاسناد" اور اس تعریف میں دونوں کلموں سے مراد وہ کلمے ہیں جن پر کلام کی تعریف صادق آتی ہو، نہ یہ کہ کلمہ کا مفہوم صادق آتا ہو، کیوں کہ زید قائم جیسے جملے میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ لفظ وضع لمعنی مفرد کے مفہوم کو متضمن ہے۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن جامی نے "الكلمة" کی لغوی تحقیق کی ہے، ذیل میں ان کی شرح ملاحظہ ہو:

"الکلمة قیل هی والکلام مشتقان من الکلم بتسکین اللام وهو الجرح لتاثیر معانیهما فی النفوس کالجرح وقد عبّر بعض الشعراء عن بعض تاثیراتهما بالجرح حیث قال شعر:

جراحات السنان لها التیام ولا یلتام ماجرح اللسان

والکلم بکسر اللام جنس لاجمع کتمر وتمرة بدلیل قوله تعالیٰ الیه یصعد الکلم الطیب وقیل جمع حیث لایقع الاعلی الثلث فصاعداً او الکلم الطیب مُوَوّلٌ ببعض الکلم واللام فیها للجنس والتاء للوحدة ولامنافاة بینهما لجواز اتصاف الجنس بالوحدة والواحد بالجنسیة یقال هذا الجنس واحد وذلك الواحد جنس ویمکن حملها علی العهد الخارجی بارادة الکلمة المذکورة علی السنة النحاة"

کلمہ اور کلام "کَلم" بسکون لام سے ماخوذ ہیں، اور کلم (کا معنی) زخم کرنا ہے، اس لیے کہ کلمہ اور کلام کے معانی زخم کی طرح دلوں میں اثر کرتے ہیں۔ ایک شاعر نے کلمہ اور کلام کی بعض تاثیرات کو زخم سے تعبیر کیا ہے جہاں اس نے کہا

جراحات السنان لها التیام ولا یلتام ماجرح اللسان

(نیزوں کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں اور زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا) اور کَلِمٌ کسرۂ لام سے تمر اور تمرۃ کی طرح جنس ہے، جمع نہیں ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "الیه یصعد الکلم الطیب" بعض الکلم الطیب سے مؤوّل ہے، اور الکلمۃ میں لام جنس اور تا وحدت کے لیے ہے اور جنس و وحدت کے درمیان کوئی منافات نہیں، کیوں کہ جنس کا وحدت سے، اور واحد کا جنسیت سے متصف ہونا جائز ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے "هذا الجنس واحد" اور "ذلك الواحد جنس" اور (الکلمۃ کے) لام کو عہد خارجی پر (بھی) محمول کیا جا سکتا ہے، اور اس سے (خاص کر) وہ کلمہ مراد ہو جس کا نحویوں کی زبانوں پر تذکرہ ہوتا ہے۔

اب شرح جامی کی عبارت کے پہلے جزء پر شیخ علوی کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

(قوله هی والکلام مشتقان من الکلم وهو الجرح) یعنی ان الکلمة بمعنی

المتكلم به وكذا الكلام بذلك المعنى مشتقان من الكلم لتاثير معانيها فى النفس ويتاثر النفس بهما كما ان الجرح يؤثر فى النفس بايلام ويتاثر النفس به الجرح بالفتح خسته كردن وبالضم خستكى كذا فى المهذب فالاول مصدر والثانى اسم فالتشبيه فى مطلق التاثير كما يشعر به قوله وقد عبر بعض الشعراء عن بعض تاثيراتهما بالجرح اذ يعلم منه ان بعض تاثيرهما احداث الالم لاجميع تاثيراتهما

یعنی کلمہ اور کلام جب کہ وہ دونوں بولی ہوئی بات کے معنی میں ہوں تو انھیں کَلْمٌ سے مشتق مانا جائے گا اس لیے کہ ان دونوں کے معانی نفس میں اثر انداز ہوتے ہیں تو نفس ان دونوں سے اثر قبول کرتا ہے، جس طرح زخم تکلیف پہنچا کر نفس میں اثر انداز ہوتا ہے، اور نفس اس سے متاثر ہوتا ہے۔ جَرحٌ فتحہ کے ساتھ زخمی کرنے کے معنی میں آتا ہے، اور جُرحٌ ضمہ کے ساتھ زخم کو کہتے ہیں، جیسا کہ المہذب میں لکھا ہوا ہے، لہذا جرح بالفتح مصدر ہے اور بالضم اسم ہے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ کلمہ وکلام کی زخم کے ساتھ مشابہت مطلق اثر انداز ہونے میں ہے، جیسا کہ اس کی طرف شارح نے اپنے قول "وقد عبر بعض الشعراء عن بعض تاثيراتهما بالجرح " سے اشارہ کیا ہے، کیوں کہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں کی بعض تاثیر تکلیف کا پیدا کرنا ہے، اور یہ ان دونوں کی کل تاثیر نہیں ہے۔

(قوله ماجرح اللسان) اى ما يصدر عن اللسان من الكلام قال الرضى الكلام لم يوضع فى الاصل مصدرا على الصحيح اذ ليس على صيغة مصادر الافعال التى تنصبها على المصدر بل هو موضوع لجنس مايتكلم به سواء كان كلمة على حرف او على اكثر او كان اكثر من كلمة واحدة وسواء كان مهملا اولا لكنه قد استعمل استعمال المصدر فقيل كلمته كلاما كا عطية عطاءً مع انه فى الاصل لمايعطى"

یعنی شاعر کے قول ماجرح اللسان سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام جو انسان کی زبان سے نکلتا ہے۔ شریف رضی میں کہا ہے کہ صحیح قول کے مطابق کلام مصدر کے طور پر اصل لغت میں وضع نہیں کیا گیا ہے،

کیوں کہ وہ اُن افعال کے مصادر کے صیغے پر نہیں ہے، جو مصدریت کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں، بلکہ لفظ کلام کی اصل وضع بولے جانے والے الفاظ کی جنس کے لیے ہے، خواہ وہ ایک حرف کا کلمہ ہو یا زیادہ کا، یا ایک کلمہ سے بھی زیادہ ہو۔ اور خواہ وہ مہمل ہو، لیکن وہ کبھی کبھی مصدر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں "کلمته کلاما" جیسے وہ کہتے ہیں "اعطیته عطاء" حالاں کہ لفظ عطا اصل لغت کے لحاظ سے دی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔

ملا جامی نے اپنی شرح میں لکھا تھا کہ کَلِم کسرۂ لام کے ساتھ اسم جنس ہے نہ کہ جمع، جیسے کہ تمرٌ اسم جنس ہے نہ کہ جمع، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول الیہ یصعد الکلِم الطیب ہے، اس پر حاشیہ تحریر فرماتے ہوئے شیخ علوی لکھتے ہیں:

(قوله والكلِم بكسر اللام جنس لاجمع كتمرٍ) وركب (بدليل قوله تعالىٰ اليه يصعد الكلِم الطيب) وايضاً لو كان جمعاً لوجب رد فى التصغير الى الواحد فيقول كليمة لانه جمع كثرة وجمع الكثرة عند التصغير يرد الى الواحد بخلاف جمع القلة وايضاً لوكان جمعاً لما وقع تميز النحو خمسة عشر وقيل جمع لانه لايقع الا على الثلث فصاعدا والآية محمولة على حذف المضاف اى اليه يصعد بعض الكلم الطيب اذا لصاعد الى الحضرة الآلهية انما هى المقبولة لاكل كلمة والقول بوقوعه تميز النحو خمسة عشر ممنوع عند من ذهب الى انه جمع بل يقال عند التمييز كلمة وفى التصغير كليمة

عبارت مذکورہ میں شیخ نے پہلے یہ بتایا ہے کہ تمر کی طرح "رکب" بھی اسم جنس ہے نہ کہ جمع۔ اس کے بعد انھوں نے مولانا جامی کے دعوے کی آیت کریمہ کے علاوہ ایک اور دلیل پیش کی ہے، اور وہ ہے کہ اگر کَلِمُ جمع ہوتا تو تصغیر کی صورت میں واحد کی طرف لوٹا دیا جاتا اور کُلَیْمہ کہا جاتا، اس لیے کہ کَلِمُ جمع کثرت کے وزن پر واقع ہے اور جمع کثرت کو تصغیر کے وقت واحد کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، بخلاف جمع قلت کے۔

اس کے بعد انھوں نے ایک اور دلیل پیش کی ہے کہ اگر کَلِم جمع ہوتا تو خمسۃ عشرۃ جیسی گنتیوں کی تمیز نہ واقع ہوتا، اس کے بعد انھوں نے یہ بتایا ہے کہ مولانا جامی کے قول کے برخلاف ایک کمزور قول

یہ بھی ہے کہ کَلِم اسم جنس نہیں بلکہ جمع ہے۔ اس لیے کہ اس کا اطلاق صرف تین یا اس سے زائد پر ہوتا ہے اور آیت مذکورہ کا جواب یہ ہے کہ وہ حرف مضاف پر محمول ہے یعنی تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ "الیه یصعد بعض الکلِم الطیب" اور حرف مضاف پر محمول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں چڑھ کر پہنچنے والے کلمات صرف مقبول کلمات ہوتے ہیں نہ کہ تمام کلمات اور وہ لوگ جو کلم کو جمع مانتے ہیں ان کے نزدیک خمسۃ عشرۃ جیسی گنتیوں کی تمیز کے طور پر کلِم کا لانا ناجائز ہے بلکہ ان کے نزدیک تمیز کے موقع پر کلمہ اور تصغیر کے موقع پر کُلَیمه کہا جاتا ہے۔

مولانا جامی نے صاحب کافیہ کے قول "الکلمة" کے بارے میں لکھا تھا کہ اس میں الف لام جنس کا ہے اور تا وحدت کی ہے، اس کے بعد انھوں نے یہ لکھا تھا (ولا منافاة بینهما) یعنی لام جنسیت اور تا وحدت میں کوئی منافات نہیں ہے، شارح علوی مولانا جامی کی اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے حاشیے میں تحریر فرماتے ہیں:

> (قوله ولامنافاة بینهما) جواب سوال تقدیر السوال ان الجنس یشعر بالحقیقة من حیث هی مع قطع النظر عن الفرد والافراد والوحدة یشعر بالفرد وبینهما منافاة وتقریر الجواب ان الجنس ای الحقیقة قد یتصف بالوحدة ای الوحدة النوعی والمراد بالوحدة الوحدة النوعی ولامنافاة بین الحقیقة من حیث هی وبین الواحد النوعی ای کونها واحدا نوعیا لان الحقیقة قد یکون جنسا کالحیوان وقد یکون نوعا کالانسان

یعنی شارح کا قول "ولامنافاة بینهما" یہ ایک سوال کا جواب ہے اور تقدیر سوال یہ ہے کہ جنس میں حقیقت من حیث الحقیقت ملحوظ ہوتی ہے اور فرد سے صرف نظر ہوتا ہے، اس کے برخلاف اِفراد و وحدت میں فرد کی طرف توجہ ہوتی ہے، اس لحاظ سے جنسیت اور وحدت میں منافات پائی جاتی ہے اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ جنس یعنی حقیقت کبھی کبھی وحدت سے بھی متصف ہوتی ہے اور اس وحدت کو وحدت نوعی کہتے ہیں، تو مولانا جامی کا یہ کہنا کہ الکلمة میں تا وحدت کی ہے، اس سے مراد وحدت نوعی ہے، اور حقیقت من حیث الحقیقت اور واحد نوعی کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ اس لیے کہ حقیقت کبھی جنس ہوتی ہے جیسے حیوان، اور کبھی نوع ہوتی ہے جیسے انسان۔

مولانا جامی نے "الکلمۃ" کے الف لام میں ایک دوسرا امکان یہ بتایا ہے کہ اس الف لام کو عہد خارجی پر محمول کیا جائے، چنانچہ کہتے ہیں "ویمکن حملھا علی العھد الخارجی" شیخ علوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(قولہ ویمکن حملھا علی العھد الخارجی) والمعھود ھو نوع الکلمۃ المذکورۃ علی السنۃ النحاۃ اذ لا یشترط فی العھد الخارجی ان یسبق ذکر المعھود بل اعم منہ ومن ان یعلم بحسب المقام الکلمۃ المذکورۃ علی السنۃ النحاۃ معلوم مقام ذکر مسائل النحو وان المتکلم نحوی ولم یتعرض للاستغراق والعھد الذھنی لان کلا منھما لایناسب مقام التعریف مع ان الذھبی یوجب جھالۃ المحدود"

اس حاشیے میں شیخ علوی نے سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ اگر الف لام عہد خارجی کا مانا جائے تو اس سے مراد وہ نوع کلمۃ ہے، جو کہ نحویوں کی زبان پر جاری وساری رہتی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ عہد خارجی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ معہود کا ذکر پہلے آچکا ہو، اور یہاں کلمۃ کا ذکر پہلے آیا نہیں ہے، پھر شیخ علوی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر قرینۂ مقام سے یہ سمجھ میں آجائے کہ یہاں کلمہ سے کونسا کلمہ مراد ہے، تو معہود کا ذکر پہلے آنا ضروری نہیں ہے اور چوں کہ یہ کتاب نحو کی ہے، اور اس میں ذکر مسائل نحو کا ہے، اور متکلم بھی نحوی ہے، لہذا یہ بات خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کلمہ سے مراد یہاں وہ کلمہ ہے، جو اہل نحو کی زبان پر جاری وساری رہتا ہے لہذا اس الف لام کو عہد خارجی پر محمول کرنا غلط نہیں ہے۔

اس کے بعد شیخ نے یہ بتایا کہ مولانا جامی نے اس الف لام کو استغراق یا عہد ذہنی کا نہیں بتایا، اس لیے کہ تعریف کے محل میں الف لام کا استغراق یا عہد ذہنی کا ہونا نامناسب رہتا ہے۔ استغراق کا اس لیے کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے نہ کہ افراد کی، اور استغراق افراد کے احاطے کے لیے ہوتا ہے جو لامتناہی ہوتے ہیں، اور عہد ذہنی کا اس لیے مناسب نہیں ہے کہ معہود ذہنی نکرہ کے قائم مقام ہوتا ہے، جو مجہول ہوتا ہے، اور تعریف کے موقع پر مجہول کا مراد لینا مناسب نہیں ہے۔

ان مثالوں سے جو گزشتہ صفحات میں ذکر کی گئیں اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کو تفسیر اور فقہ کی طرح علم

نحو سے بھی کامل مناسبت تھی اور اس کے بنیادی مسائل ومباحث انھیں مستحضر رہتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر وفقہ کی طرح شیخ نحو کی اس کتاب میں بھی الفاظ کی لغوی تحقیق کرتے ہیں، پھر ان کا اصطلاحی مفہوم متعین کرتے ہیں۔

تیسرے قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کی عبارت سادہ اور واضح ہوتی ہے، وہ طول کلام سے احتراز کرتے ہیں، اور بقدر ضرورت الفاظ استعمال کرتے ہیں، اسی طرح غیر ضروری جزئیات کی بھرمار بھی نہیں کرتے، اصل مسئلہ پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ مفسر اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان حواشی کی روشنی میں علم نحو کے ماہر بھی کہے جاسکتے ہیں۔

حاشیہ الفوائد الضیائیہ (حاشیہ علی شرح جامی) مخطوطے کے اوّل اور آخری اوراق کے عکس پیش کیے جاتے ہیں۔

حاشیہ الفوائد الضیائیہ مخطوطہ کے ورق آخر کا عکس

(۲) شرح الارشاد

الارشاد علم نحو کی کتاب ہے، جس کے مصنف کا نام احمد، لقب شہاب الدین، والد کا نام عمر، لقب شمس الدین ہے۔

آپ کا نسب نامہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' میں اس طرح بیان کیا ہے:

"شهاب الدين شمس الدين بن عمر الزاولي الدولت آبادي" [۲]

صاحب "كشف الظنون" نے دوسری طرح بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل شهاب الدين احمد شمس الدين بن عمر الهندي الدولتابادي" [۳]

آپ کی پیدائش دولت آباد دکن میں ہوئی، سن ولادت کسی کتاب میں درج نہیں ہے، مختلف مآخذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت غالباً آٹھویں صدی کے وسط میں ہوئی۔ آپ نے علوم وفنون کی تحصیل قاضی عبدالمقتدر شریحی، مولانا خواجگی سے کی، اور درجہ کمال کو پہنچے۔ جب امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا، اس وقت شیخ شہاب الدین اور مولانا خواجگی نے ہجرت کی، اور بمقام کالپی پہنچے، جہاں مولانا خواجگی نے سکونت اختیار کرلی، اور شیخ موصوف جونپور چلے گئے۔ ابراہیم شاہ شرقی نے آپ کا اعزاز واکرام کیا، اور جونپور کا قاضی مقرر کیا، نیز آپ کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے "ملك العلماء" کے خطاب سے نوازا۔ [۴]

مولانا عبدالحی حسنی "نزهة الخواطر" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الإمام العالم الكبير العلامه أحمد بن عمر الزاوي قاضي القضاة ملك العلماء شهاب الدين بن شمس الدين الدولة آبادي أحد الأئمة بأرض الهند... وكان غاية في الذكاء وسيلان الذهن وسرعة الادراك وقو ة الحفظ وشدة الانهماك في المطالعة وانظر في الكتب لاتكاد نفسه تشبع من العلم ولاتردى من المطالعة ولاتمل من الاشتغال ولاتكل من البحث". [۵]

اسی طرح صاحب "سبحة المرجان" آپ کے متعلق رقم طراز ہیں:

"ولد القاضی بدولت آباد دهلی وتلمذ علی القاضی عبدالمقتدر الدهلوی ومولانا خواجکی الدهلوی وهو من تلامذه مولانا معین الدین العمرانی رحمهم الله تعالی ففاق أقرانه وسبق إخوانه ... وكان القاضی عبدالمقتدر یقول فی حقه: یاتینی من الطلبة من جلده علم، ولحمه علم، وعظمه علم". ۶ے

قاضی عبدالمقتدر شریحی اپنے اس شاگرد کے علمی ذوق وشوق، طلب وجستجو اور قابلیت واستعداد کو فخریہ انداز میں بیان فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک ایسا طالب علم آرہا ہے، جس کا چمڑا، ہڈی، اور مغز سب علم ہی علم ہے۔

آپ کی وفات ۲۵/رجب المرجب ۸۴۹ھ کو جونپور میں ہوئی، اور وہیں تدفین ہوئی۔ ۷ے دوسرے قول کے مطابق ۸۴۸ھ کو ہوئی۔ ۸ے

آپ کی مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) حواشی کافیه (۲) بدیع البیان
(۳) جامع الصنائع (٤) بحر المواج
(٥) شرح اصول بزدوی، تابحث امر (٦) رساله در تقسیم علوم
(۷) مناقب السادات (۸) المصباح
(۹) فتاویٰ ابراهیم شاهی (۱۰) عقیدۂ شهابیه
(۱۱) شرح قصیده بانت سعاد (۱۲) شرح قصیده برده
(۱۳) رساله معارضه (۱٤) رساله در طهارت زیاد
(۱۵) رساله در افضیلت عالم برسید (۱٦) تفسیر قرآن کریم
(۱۷) الارشاد فی النحو ۹ے

الارشـــــاد

علم نحو میں اس نام کی متعدد کتابیں لکھی گئیں ہیں، مگر قاضی صاحب کی کتاب کو جو مقبولیت حاصل

ہوئی، وہ کسی اور الارشاد کے حصے میں نہیں آئی، ملک اور بیرون ملک میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، ڈاکٹر زبید احمد ''عربی ادبیات'' میں اس کتاب کے متعلق رقم طراز ہیں:

بعض ہندی علما کی رائے میں یہ کتاب ابن حاجب کی مشہور تصنیف کافیہ پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ ان تمام خوبیوں کے علاوہ جن کی وجہ سے یہ ایک عمدہ نصابی کتاب تسلیم کی جاتی ہے اس میں ایک اور خصوصیت بھی پائی جاتی ہے، جو نحو کی دوسری کتابوں میں نہیں ہے، جس کی تشریح خود مصنف نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"وتیسرلی بتیسر الله ایراد النظیر لاحکامه فی ضمن التعبیر ممثلاً لکل حکم تمثیلا ینطبق بعبارته او بعبارة ماسبق اوسبق"

اللہ کے فضل وکرم سے مجھے اس کے احکام کی تعبیر میں نظیریں لانے کی توفیق ہوئی، جس میں ہر حکم کے لیے ایک مثال دی ہے، جو اس عبارت یا گزشتہ عبارت پر بالکل منطبق ہو جاتی ہے۔

یہ کتاب لکھتے ہوئے اس عجیب خصوصیت کو شروع سے آخر تک برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن مصنف ان دشوار قیود پر بہت کامیابی سے غالب آ گئے، جو انھوں نے اپنی علمیت کے اظہار کے لیے از خود عائد کر لیے تھے۔[۸۰]

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی ''سبحۃ المرجان'' میں ''الارشاد'' کے متعلق لکھتے ہیں:

"الارشاد" وهو متن فی النحو التزم فیه تمثیل المسئلة فی ضمن تعریفها"[۸۱]

اسی طرح صاحب 'نزہۃ الخواطر' رقم طراز ہیں:

"الارشاد متن متین له فی النحو تعمق فی تهذیبه کل العمق وتأنق فی ترتیبه حق التأنق".[۸۲]

(۱) نسخۂ کتب خانہ پروفیسر ظفر احمد صدیقی، علی گڑھ:

الارشاد کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ پروفیسر ظفر احمد صدیقی کے پاس موجود ہے، جو راقم کے زیر نظر ہے۔ نسخے کے ابتدائی چار صفحات غائب ہیں، نسخہ عام طور پر اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔ نسخہ کی تصحیح کی گئی ہے، نسخہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مطبع فیروز پتھر گئی، حیدرآباد دکن سے ۹ رربیع الثانی ۱۳۰۹ھ کو شائع ہوا ہے۔

اس کتاب کے تین (۳) قلمی نسخے مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں محفوظ ہیں، جن کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(۲) نسخہ (۱) مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مخطوطہ نمبر ۲۲ ۷ ۸۹۲ء/ ۴۶

یہ سبحان اللہ کلکشن کا حصہ ہے، اس کا نمبر ۲۲ ۷ ۸۹۲ء/ ۴۶ ہے۔ ضخامت ۱۰۷ اوراق ہے، ہر ورق پر ۷ سطریں ہیں، مخطوطے کا سائز ۱۳× ۲۲.۵ ہے، یہ عام طور پر اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے، اوراق پر بٹر پیپر چڑھا دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ نسخہ محفوظ ہوگیا ہے۔ یہ خط نستعلیق میں خوش خط ہے، اس مخطوطے پر کسی کے حواشی بھی ہیں، مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔

نسخے کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله كما يحب ويرضىٰ والصلوٰة علی رسوله محمد كما يحرى وبعد

فيقول اضعف عبادالله الولی الهادی شهاب بن شمس بن عمر الزاولی

(۳) نسخہ (۲) مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مخطوطہ نمبر ۲۲ ۷ ۹۲ء/ ۸/ ۲۲

یہ دوسرا نسخہ بھی سبحان اللہ کلکشن کا حصہ ہے، اس کا نمبر ۲۲ ۷ ۹۲ء/ ۸/ ۲۲ ہے۔ ایک جلد میں ۹ مخطوطات مجلد ہیں۔ ورق ۱۲۱ سے ۱۴۰ تک ''الارشاد'' ہے، یعنی یہ نسخہ ۲۰ اوراق پر مشتمل ہے، ہر ورق میں دس (۱۰) سطریں ہیں، نسخہ حروف مشبہ بالفعل تک ہے، اس کا سائز ۷×۱۸، ۱۶×۲۵ ہے، یہ مخطوطہ خط نسخ میں خوش خط لکھا ہے، مخطوطہ اچھی حالت میں ہے، کاغذ عمدہ ہے۔ ترقیمہ موجود نہیں ہے۔

نسخے کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

رب يسر وتمم بالخير

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله الذی جعل بكلمته علم الاعراب مرفوع البناء...... اما بعد فهذه مختصر فی علم النحو وسميته بالارشاد وسالت الله تعالی ان ينفع به الولد الاعزّ وكُلّ من يحاول الرشاد وماتوفيقی اِلّا بالله

(۴) نسخۂ (۳) مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مخطوطہ نمبر ۲۲ے ۸۹۲ء/۲۳

یہ تیسرا نسخہ بھی سبحان اللہ کلکشن کا حصہ ہے، اس کا نمبر ۲۲ے ۸۹۲ء/۲۳ ہے۔ مخطوطے کی ضخامت ۲۰۰ اوراق ہے، ہر ورق میں ۵ سطریں ہیں، ابتدا میں دو(۲) ورق لگا کر مخطوطے کو مکمل کیا ہے، مخطوطے کا سائز ۶.۵×۱۵، ۱۶×۲۴ ہے، ورق نمبر ۳ (الف) سے ورق کے چاروں طرف سرخ لائن سے باؤڈر ہے، جس کی وجہ سے مخطوطہ دیدہ زیب نظر آتا ہے، یہ خط نسخ میں ہے، نسخہ مکمل ہے، ترقیمہ موجود ہے، تاریخ کتابت ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۹ھ ہے۔

نسخے کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله كما يحب ويرضى والصلوة على رسوله محمد وآله كما يحرى وبعد فيقول اضعف عبادالله الولى الهادى شهاب بن شمس بن عمر الزاولى الدولتابادى افاض الله سحائب الطافه عليه وعلى اسلافه هذه مختصر فى النحو تعمقت فى تهذيبه كل التعمق وتانقت فى ترتيبه حق التأنق

ترقیمہ حسب ذیل ہے:

"قد كملت النسخة المسماة بالارشاد للعالم النحرير والحبر الخبير قدوة المحققين وزبدة المدققين القاضى شهاب الدين ملك العلماء رحمه الله تعالىٰ السبعة عشرة خلون من شهر جمادى الاولى المنسلكة فى شهور عام الف ومأتين وتسعة وعشرين من هجرة نبيينا وحبيبنا صلى الله عليه وآله وسلم

الارشاد کی افادیت اور جامعیت کے پیش نظر بہت سے علما نے اس کی شروح لکھیں، جن میں سے چند لوگوں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) مولانا ابوالفضل خطيب گازرونى

(۲) شيخ عبدالنبى شطارى

(۳) ابوالخير بن مبارك ناگورى

(٤) شيخ منور بن عبدالمجيد لاهورى

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، آپ نے بھی "الارشاد" کی شرح لکھی ہے، جس کا ذکر تذکرہ نگاروں میں سے مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (ص:۱۱۶) میں، مولانا عبدالحی حسنی نے نزہۃ الخواطر (ج:۴،ص:۳۴۴) میں، خیر الدین الزرکلی نے الاعلام (ج:۸،ص:۱۱۰)، میں، نواب صدیق حسن خاں نے ابجد العلوم (ص:۸۹۷) میں کیا ہے۔

مذکورہ حاشیہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اب تک اس کے چار[۴] قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) نسخۂ کتب خانہ انڈیا آفس، لندن، مرتبہ، لوتھ:

A. Catalogue of the Arabic Manuscript in the Library of the India Office. By Otto Loth, London. 1877

یہ نسخہ کتب خانہ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے، جس کی تفصیلات فہرست عربی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس لندن صفحہ نمبر ۲۷۱، ۲۷۰ میں درج ہیں۔ مخطوطہ نمبر ۹۷۶ ہے، فہرست نمبر ۱۵۲۵ ہے، مخطوطے کی ضخامت ۲۴۴ اوراق درج ہے، ہر ورق میں ۷ سطریں ہیں، مخطوطے کا سائز ۷×۱۲ درج ہے۔ نسخے کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله افتتح كتابه ببسم الله ثم بالحمد لله تيمنا بالكتاب العزيز

ترقیمہ حسب ذیل ہے:

تم تاليف الشرح بعون الله الملك الولى للفقير وجيه بن نصر الله بن عماد العلوى وقت الظهر فى الثانى عشر من شهر الربيع الاول شهر مولد النبى صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وامته اجمعين فى عهد مولانا السلطان محمود شاه بن لطيف بن مظفرشاه الراحم على الخلق سيما العلماء والفقير آمين

فہرست نگار کتب خانہ انڈیا آفس کی عبارت ملاحظہ ہو:

A commentary (ممزوج) on the preceding work, by WAJIH B. NASR ALLAH Allah B. IMAD ALAWI, who wrote it during the

reign of Mahmud (III) b. Latif b. Muzaffar Shah, of Gujarat (A.H. 944-961) A commentary by wajih al-din, of gujarat, is mentioned in the Leyden MS of the original work.

(۲) نسخۂ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد

یہ دوسرا نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں محفوظ ہے، جس کی تفصیلات فہرست میکروفلم نسخہ ہای خطی فارسی وعربی جلد چہارم، ص: ۱۸۶ میں درج ہیں۔ (Catalogue of Micro Film of the Persian and Arabic Manuscript Libraries of Gujrat, Noor Micro Film Centre, Iran-India, Vol. IV) مخطوطہ نمبر ۳۸۹ ہے، شمارۂ میکروفلم ج:۱،ص: ۱۰۷ درج ہے، شمارۂ کتب خانہ ۸۳۸، تاریخ کتابت ۱۰۵۹ھ درج ہے۔ مخطوطہ خط نسخ میں ہے، اس کی ضخامت ۱۹۰اوراق ہے، ہر ورق میں ۱۷سطریں ہیں۔

مخطوطے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

الحمدلله الذی ایّدنا علی ظلمة المشکلات ...الارشاد ورفع عنا حجب

(۳) نسخۂ (۱) رضا لائبریری رامپور، مخطوطہ نمبر ۴۹۷۴

یہ تیسرا نسخہ رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے، راقم نے رام پور جا کر اس نسخے کا مطالعہ کیا ہے، اس مخطوطے کی ضخامت ۱۸۳اوراق ہے، ہر ورق میں ۲۴ سطریں ہیں، مخطوطے کا سائز ۸×۱۶، ۱۴×۲۲ ہے، مخطوطہ خط نسخ میں ہے، مخطوطہ اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے، اس پر کسی کے تفصیلی حواشی بھی ہیں، مخطوطہ مکمل ہے، متن پر ابتدائی اوراق میں سرخ روشنائی سے اور آخری اوراق میں کالی روشنائی سے لکیر کھینچی ہوئی ہے۔

مخطوطے کے ورق ایک (الف) پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے:

الجزء الاول فی شرح الارشاد العلامه البحر الفهّامة سلطان وجیه الدین بن نصر الله العلوی الکجراتیؒ

نسخے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمدللہ افتتح کتابہ ببسم اللہ ثم بالحمدللہ تیمناً بالکتاب العزیز

اس نسخے کی تاریخ کتابت بروز جمعرات ۲۷/ربیع الاول ۱۰۵۵ھ ہے۔ نسخے کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

"تم تالیف الشرح بعون اللہ الملکی الولی للفقیر وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد العلوی یوم الخمیس وقت العصر شہر ربیع الاوّل فی التاریخ عشرین وسبع سنہ الف وخمس الخمیس"

''شرح الارشاد'' کے اس مخطوطے کے اوّل اور آخری اوراق کے عکس پیش کیے جاتے ہیں۔

(۴) نسخہ (۲) رضا لائبریری رامپور، مخطوطہ نمبر ۴۹۷۳

یہ چوتھا نسخہ بھی رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے، راقم نے اس کا بھی مطالعہ کیا ہے، اس کی ضخامت ۲۴۸ اوراق ہے، ہر ورق میں ۲۱ سطریں ہیں، مخطوطے کا سائز ۸.۵×۱۷، ۱۵×۲۴ ہے، کتابت خط نسخ میں ہے، مخطوطہ مکمل ہے۔ یہ عام طور پر اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے، نسخے پر بٹر پیپر چڑھایا گیا ہے، جس کی وجہ سے مخطوطہ محفوظ ہو گیا ہے۔ اوراق کے چاروں طرف سرخ اور کالی روشنائی سے لکیریں کھینچی ہیں، اور اس کے اندر عبارت ہے، اسی طرح متن پر بھی سرخ روشنائی سے لکیریں کھینچی ہیں، جس کی وجہ سے مخطوطہ دیدہ زیب نظر آتا ہے۔ ابتدا کے بعض اوراق پر کسی کے حواشی بھی ہیں۔

ورق ایک (الف) پر مندرجہ ذیل عبارت ہے، جس سے مالک مخطوطہ، اور تاریخ کتابت کا پتہ چلتا ہے:

"مالكه هو الله الجنان والمجازی ابوبكر بن عبدالرحمن كان لهما فی كل حين واول بالشراء الشرعی فی بلده احمد آباد حين عن الفساد الی يوم الثناء وذلك فی اواخر جمادی الاولیٰ ۱۱۳۲ اثنين و ثلثين ومائة بعد الالف فی الهجرة السنية"

مخطوطہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

وماتوفيقی الا باللہ عليه توكلت واليه انيب، الحمدلله رب العالمين والصلوٰة علی خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين

بسم الله الرحمن الرحيم الحمدلله، افتتح كتابه ببسم الله ثم بالحمدلله تيمناً بالكتاب العزيز

اب ہم شرح الارشاد للعلامہ وجیہ الدین العلوی کے مشتملات کا جائزہ لیتے ہیں، اور شیخ علوی کی شرح کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں، جس سے شرح کی نوعیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے "الارشاد" کے خطبۂ کتاب کی ابتدائی عبارت کو نقل کرتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله كما يحب ويرضی والصلوٰة علی رسوله محمد وآله كمايجری وبعد

فیقول اضعف عبادالله الولی الهادی شهاب بن شمس بن عمر الزاولی
الدولت آبادی افاض الله سحائب الطافه علیه وعلی اسلافه هذا مختصر
فی النحو تعمقت فی تهذیبه کل التعمق وتانقت فی ترتیبه حق التانق
وتیسر لی بتیسر الله تعالی ایراد النظیر لاحکامه فی ضمن التعبیر مثلت
لکل حکم تمثیلا ینطبق بعبارته او عبارة ماسبق او سبق الاّ لمعدوم وقلیل
ومخالف لما سبقه ومستغنی عن التمثیل

مذکورہ بالا عبارت میں شیخ شہاب الدین نے خطبے کے بعد اس کتاب کے موضوع سے متعلق بتایا ہے کہ یہ علم نحو میں ایک اہم کتاب ہے، اور میں نے اس کو ترتیب دینے میں بہت گہرائی و گیرائی سے کام لیا ہے، اور اللہ کے فضل سے مجھے اس کے احکام کی تعبیر میں نظیریں لانے کی توفیق ہوئی جس میں ہر حکم کے لیے ایک مثال دی ہے، جو اس عبارت یا گزشتہ عبارت پر بالکل منطبق ہوجاتی ہے، مگر معدوم، قلیل اور مخالف ہونے کی صورت میں مثال بیان نہیں کی گئی ہے۔

اب الارشاد کی مذکورہ عبارت پر شیخ علوی کی شرح ملاحظہ ہو:

بسم الله الرحمن الرحیم

وماتوفیقی الا بالله علیه توکلت والیه انیب، الحمدلله رب العالمین
والصلوٰة علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین

(بسم الله الرحمن الرحیم الحمدلله) افتتح کتابه ببسم الله ثم بالحمدلله
تیمناً بالکتاب العزیز ولماعلیه الاجماع کذا قیل ولعل المراد الفعلی
ولحدیث ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه
وسلم قال کل امر ذی بال لم یبداء بالحمدلله قطع وفی روایة بحمدالله وفی
روایة بالحمل فهو اقطع وفی روایة اجزم وفی روایة لایبداء فیه بذکر الله
وفی بسم الله الرحمن الرحیم

قال النووی روینا کل هذه فی کتاب الاربعین للحافظ عبدالقادر الرهاوری
بسماعنا من صاحب الشیخ ابی محمد عبدالرحمن سالم الانباری عنه

ورويناه فيه ايضاً من رواية كعب ابن مالك الصحابي رضي الله عنه والمشهور رواية ابي هريرة وهذه الحديث حسن رواه ابوداؤد وابن ماجة في سننهما ورواه النسائي في كتابه عمل اليوم والليلة

شیخ وجیہ الدین علوی نے آغاز کتاب میں مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے۔اس کے بعد ماتن کے قول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور الحمدللہ کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ بسم اللہ اور الحمدللہ سے کتاب شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مقدس بھی بسم اللہ اور الحمدللہ سے شروع ہوا ہے اور یہ ایک اجماعی امر ہے، نیز یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ فعلاً حدیث پر عمل کرنا مقصود ہو اس لیے بسم اللہ اور الحمدللہ سے شروع کیا اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کام کی ابتدا الحمدللہ سے نہ کی جائے وہ ایک روایت کے مطابق اقطع اور دوسری کے مطابق اجزم ہے بلکہ وہ کلام ہی نہیں جس کی ابتدا الحمدللہ اور بسم اللہ سے نہ ہو۔

نیز شیخ موصوف نے علامہ نووی کا قول نقل کیا ہے کہ حافظ عبدالقادر الرہاوری کی کتاب الاربعین میں یہ تمام روایتیں ہم نے پائی ہیں اور سند بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری سماعت شیخ ابی محمد عبدالرحمٰن سالم الانباری سے ہے، نیز ایک روایت کعب ابن مالک صحابی رضی اللہ عنہ سے ہے، لیکن ایک مشہور روایت جس کو امام ابوداؤد نے ابوداؤد میں، اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جو مشہور و معروف ہے۔اور اس کو امام نسائی نے اپنی کتاب "عمل اليوم والليلة" میں بھی روایت کیا ہے۔

(وسميته بالارشاد وسالت الله الكريم الرشاد والسّدائد لآاله الا هو ربي توكلت عليه وهو حسبي) الرشاد مصدر رَشَد كنصر وفرح اهتدى والسداد الصواب من القول والعمل وقوله "لااله الا هو" وقع في معرض التعليل لقوله سألت

اور میں نے اس کتاب کا نام الارشاد رکھا ہے، میں اللہ کریم رشید سے درستگی کا سوال کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے وہی مجھے کافی ہے۔

شیخ علوی نے سب سے پہلے الارشاد کی لغوی تحقیق کی ہے کہ رَشَاد مصدر ہے رَشَدَ کا جیسے کہ نصر اور فرح ، جس کے معنی اہتدی اور درستگی کے ہیں یعنی قول و عمل کی درستگی۔اور ماتن کا قول "لااله

الا ھو" لفظ سالت کی وجہ سے تعلیل کی جگہ میں واقع ہوا ہے۔

(اعلم ان النحو علم یعرف به کیفیة الترکیب العربی صحةً وسقاماً ومایتعلق بالالفاظ من حیث وقوعها فیه من حیث هو هوا ولاوقوعها) اعلم ان للعلوم المدوّنه مسائل هی انفسها ومقدمات ومبادٍ هما خارجان عنها والمراد بالمقدمة مایتوقف علیه الشروع علی بصیرة اعم من ان یکون نفسها او زیادتها ولهذا اورد المصنف رحمه الله فیها عدة اشیاه تعریف العلم والتصدیق بالموضوع والغرض والمبادی وتصور المسائل او المعنی المصدری والمعرفة یقال لادراک الجزئی والبسیط والعلم للکلی والمرکب ولهذا یقال عرفت الله دون علمته وایضا المعرفة لادراک المسبوق بالعدم اولـلاخیر من الادراکین لشئ واحد اذ تخلل بینهما عدم بان ادارکه اولا ثم ذهل عنه ثم ادراک ثانیا والعلم للادراک المجرد من هذین الاعتبارین ولهذا یقال الله تعالیٰ عالم دون عارف واختار المصنف المعنی الاول یعنی انّ النحو علم یستنبط منه ادراکات جزئیة هی معرفة کل فرد من کیفیة الترکیب العربی بمعنی ان ایّ فرد یوجد منها امکننا ان نعرفه بذلك العلم لانها تحصل جملة بالفعل لان وجود مالانهایة له محال وعلی هذا یندفع ماقیل ان ارید معرفة الجمیع فهو محال لانه غیر متناهیة او البعض الغیر المعیّن فهو تعریف بالمجهول او المعین فلا دلالة علیه وکذا ماقیل ان ارید الکل فلایکون هذاالعلم حاصلاً لاحدٍ او البعض فیکون حاصلا لکل من عرف مسئلة منه

مذکورہ بالا عبارت میں علم نحو کی اصطلاحی تعریف بیان کی ہے کہ علم نحو وہ علم ہے، جس کے ذریعے ترکیب عربی کی کیفیت از روئے صحت وسقم اور اس چیز کی کیفیت معلوم ہو جو ترکیب عربی میں الفاظ کے وقوع یا لاوقوع سے متعلق ہے۔

شیخ علوی نے مذکورہ عبارت کی مزید توضیح وتشریح کی ہے کہ علوم مدوّنہ کے لیے چند مسائل ہیں، ایک ذاتیات اور دوسرے مقدمات اور تیسرے مبادیات۔ دونوں آخر الذکر علوم مدوّنہ سے خالی ہیں۔

اب رہ گئی یہ بات کہ مقدمے سے کیا مراد ہے؟ مقدمے سے مراد وہ چیز ہے جس پر بصیرت کے ساتھ شروع (ابتداء) موقوف ہو، عام ہے اس بات سے کہ اس کا تعلق ذاتیات سے ہو یا کسی اور چیز سے۔ اسی وجہ سے مصنف نے اس میں چند چیزوں کو بیان کیا ہے، جیسے علم کی تعریف اور موضوع کے ساتھ تصدیق، غرض، مبادی اور مسائل کا تصور۔

یا مقدمے سے معنی مصدری مراد ہے، کہا جاتا ہے، معرفت ادراک جزئی کے لیے ہوتی ہے اور بسیط اور علم کلی اور مرکب کے لیے ہوتا ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ میں نے اللہ کو پہچانا، نا کہ اس کو جانا، نیز معرفت ایسے ادراک کے لیے ہوتی ہے جو مسبوق بالعدم ہو یا ادراکین میں سے آخر کے لیے، شئ واحد کے اعتبار سے، جب کہ ان دونوں کے درمیان عدم مخل ہو۔ بایں طور کہ ابتداءً (اولاً) ادراک ہو پھر اس سے ذہول ہو پھر دوبارہ ادراک ہو۔ اور علم ان دو اعتباروں کی وجہ سے صرف ادراک کے لیے ہوتا ہے اسی وجہ سے "اللہ تعالیٰ عالم" کہا جاتا ہے نہ کہ عارف۔ اس لیے کہ عارف جز کے اعتبار سے ہوتا ہے اور عالم کل کے اعتبار سے۔

مصنف نے معنی اول کو اختیار کیا ہے، یعنی علم نحو ایک ایسا علم ہے، جس سے ادراکات جزئیہ کا استنباط کیا جاتا ہے اور وہ ترکیب عربی کی کیفیت میں سے ہر فرد کی معرفت ہے، اس معنی کر کہ فرد اس سے پایا جاتا ہے، ہمارے لیے ممکن ہے کہ ہم اُس کو علم کے ذریعے سے پہچانیں۔ اس لیے کہ یہ فی الجملہ فعل کے ساتھ حاصل ہوتی ہے کیوں کہ اس چیز کا وجود جس کی کوئی انتہا نہیں وہ محال ہے اور اس بنیاد پر وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو کیا جاتا ہے کہ اگر جمیع معرفت کا ادراک کیا جائے تو وہ محال ہے اس لیے کہ وہ غیر متناہی ہے یا بعض غیر معین کا ارادہ کیا جائے تو وہ مجہول کی تعریف ہے یا معین ہی کا ارادہ کیا جائے تو اس پر کوئی دلالت نہیں ہوتی، اور ایسے ہی وہ اعتراض جو کیا جاتا ہے کہ اگر کل مراد ہو تو یہ علم کسی کو حاصل نہ ہوگا یا بعض مراد ہو تو ہر اس شخص کو حاصل ہوگا جس کو اس سے مسئلہ کی معرفت ہو۔

(قوله يعرف به كيفية التركيب العربي) فصل يخرج ما عدا المحدود مما لم يعرف به كيفية التركيب العربي سواء عرف به كيفية الالفاظ او لم يعرف"

مذکورہ بالا عبارت میں اِس حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ چیزیں مذکورہ تعریف سے خارج ہیں جو محدود کے علاوہ ہیں جن کے ساتھ ترکیب عربی کی کیفیت معلوم نہ ہو وجہ یہ ہے کہ مذکورہ علم نحو کی تعریف

میں ترکیب عربی کی کیفیت کی معرفت کو ضروری قرار دیا گیا ہے لہذا جہاں معرفت نہیں ہوگی وہ تعریف سے خارج ہوگی، خواہ اس کے ذریعے الفاظ کی کیفیت پہچانی جائے یا نہ پہچانی جائے۔

(قوله صحةً وسقاماً) فصل آخر يخرج ماعرف به كيفية التركيب العربى لكن لامن حيث الصحة والسقام بل من حيث الفصاحة والبلاغة وغيرهما كالمعانى والبيان والبديع والعروض وغيرها كالعلم الطبيعى فانه يبحث فيه عن احوال الالفاظ من حيث انفسها وانما قال صحةً وسقاماً ولم يقل اعرابا وبِنآء كما قال غيره ليتناولَ تقديم المبتداء وتاخير الخبر والتذكير والتانيث وغيرها.

شیخ علوی نے "صحة وسقاما" کی توضیح وتشریح کی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس شرط سے وہ چیزیں خارج ہوگئیں جس کے ساتھ ترکیب عربی کی کیفیت معلوم ہو فصاحت و بلاغت وغیرہ کے اعتبار سے، جیسے معانی، بیان، بدیع اور عروض وغیرہ (نہ کہ صحت وسقم کے اعتبار سے) جیسے علم طبعی ہے کہ اس میں لفظ کے احوال سے بحث کی جاتی ہے ذاتیات کے اعتبار سے۔

وانما قال سے شیخ علوی اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ ماتن نے "صحة وسقاما" کہا "اعراباً وابناء" نہیں کہا جیسا کہ بعض لوگوں نے اسی طرح کہا ہے وجہ یہ ہے کہ مبتدا کی تقدیم اور خبر کی تاخیر اور تذکیر وتانیث وغیرہ کو بھی شامل ہو جائے۔

گزشتہ صفحات میں اس کتاب کے حوالے سے جو مثالیں پیش کی گئیں ان کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شیخ علوی کو علم نحو پر مکمل عبور حاصل تھا، اور انھوں نے شیخ شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب "الارشـــاد" پر مدلّل، مفصل اور عالمانہ گفتگو کی ہے آپ کی یہ شرح اہمیت اور قدر و قیمت کی حامل ہے۔ افسوس کہ جواب تک شائع نہ ہوسکی۔

مذکورہ "شرح الارشاد" مخطوطے کے اوّل اور آخری اوراق کے عکس پیش کیے جاتے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه
انيب الحمد لله رب العالمين والصلوة
على خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين
بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله افتتح
كتابه ببسم الله ثم بالحمد لله تيمنا بالكتاب
العزيز ولما عليه الاجماع كذا قيل ولعل المراد
الفعلي ولحديث ابي هريرة رضي الله تعالى عنه
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كل امر ذي بال
لم يبدأ فيه ببسم الله فهو اقطع وفي رواية بحمد الله
وفي رواية بالحمد فهو اقطع وفي رواية اجذم
وفي رواية لا يبدأ فيه بذكر الله وفي ببسم الله
الرحمن الرحيم قال المنوفي روينا هذه في كتاب
الاربعين للحافظ عبد القادر الرهاوي بسماعنا
من صاحبه الشيخ ابي محمد عبد الرحمن سالم
الانباري عنه وروينا فيه ايضا من رواية
كعب بن مالك الصحابي رضي الله عنه والمشهور

رواية

مذکورہ "شرح الارشاد" مخطوطہ کے ورق اوّل کا عکس

محل يكون المفرد فيها او في لا واجبا كما اذا وقعت وهي حال ...

وهي لا يلزم كونها جملة اولت به اي بالمصدر او المفرد وهي اي الجملة ان كانت

كذلك اي حالا او صفة مع او خبرا فلها محل من الاعراب او وقوعها موقع

ماله الاعراب مع كونها غير ماولة به والا اي وان لم تكن كذلك فلا محل

لها من الاعراب والتعبير في التسمية بها اي بالجملة صورتها بل تحكي على ما كان

عليه كما عرفت في ذري حيا في باب العلم صونا للصورة التي بها يتعلق

بها الفائدة التامة ويصح عليه السكوت

تمت تمام

مذکورہ "شرح الارشاد" مخطوطہ کے ورق آخر کا عکس

علم بلاغت ومعانی

حاشیه علی حاشیه القوشجی علی المطول فی بحث ما انا قلت
(رساله انسکریه)

المفتاح علم بلاغت میں سکاکی کی تصنیف ہے، جس کی شرح "المطول" علامہ سعد الدین تفتازانی نے لکھی ہے[۸۳] مولانا علی قوشجی نے بحث ما انا قلت پر چند اعتراضات کیے تھے، شیخ وجیہ الدین علوی نے اپنے اس رسالے (رسالہ انسکریہ) میں ان اعتراضات کے جواب دیے ہیں۔[۸۴]

شیخ وجیہ الدین علوی کی اس کتاب "حاشیه علی حاشیه القوشجی علی المطول فی بحث ما انا قلت'' کا ذکر تذکرہ نگاروں میں سے مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان'' (ص: ۱۱۶) میں، نواب صدیق حسن خاں نے ''ابجد العلوم'' (ص: ۸۹۷) میں، مولوی رحمان علی نے ''تذکرہ علماے ہند'' (ص: ۵۴۰) میں، خیر الدین الزرکلی نے ''الاعلام'' (ج: ۸، ص: ۱۱۰) میں کیا ہے۔

مذکورہ حاشیہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اب تک اس کے تین (۳) قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) **نسخۂ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر احمد آباد:**

یہ نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں موجود ہے، جس کی تفصیلات تذکرۃ الوجیہ (ص: ۴۸) میں درج ہیں۔ نام کتاب رسالہ انسکریہ (بحث حاشیہ علی المطول فی بحث ما انا قلت) درج ہے، کاتب کا نام محمد یوسف ہے، اور اس پر میر ہاشم صاحب کے جابجا حاشیے موجود ہیں۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

قال صاحب الايضاح ويقدم المسند ليعيد التقديم تخصيصه بالجز الفصلى

کتاب کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

هذا ماتيسر لى هوالميسر لكل عسير، وماتوفيقى الا بالله عليه توكلت واليه انيب

(۲) **نسخۂ علامہ شبلی لائبریری ندوۃ العلماء لکھنؤ:**

یہ دوسرا نسخہ علامہ شبلی لائبریری میں محفوظ ہے، راقم نے لکھنؤ جا کر اس کا مطالعہ کیا ہے، اس

مخطوطے کی ضخامت ۹ اوراق ہے، ہر ورق میں ۱۵ سطریں ہیں۔ مخطوطے کا سائز ۱۱×۱۸ ہے۔ مخطوطہ خط نستعلیق میں ہے، مخطوطہ کرم خوردہ، خستہ حالت میں ہے، جس کے اوراق پر بٹر پیپر چڑھا کر محفوظ کیا گیا ہے۔ ابتداء میں ۲ اوراق رنگین ہیں، ورق ۳ سے خاکی کاغذ ہے۔ ورق ۷ سے آخر تک پھر رنگین کاغذ ہے۔ قال اور اقول سرخ روشنائی سے تحریر ہے۔ اس پر کسی کے تفصیلی حواشی ہیں۔ ورق ۲ اور ورق ۸ پر قال المدقق القوشجی تحریر ہے۔

ورق ایک (الف) کے دائیں جانب ایک حدیث لکھی ہوئی ہے اور نیچے کی جانب ایک شعر تحریر ہے۔ ورق کے بائیں جانب مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے:

...رسالہ تصنیف (المتاخرين) وقدوة السالكين... واعلم العليين شيخ وجيه الحق والملة والدين اجوبة تسعة اعتراضات المولوى المدقق ملاعلى القوشجى رحمه الله تعالىٰ عليهما المسماة بالانسكرية

ورق ایک (ب) سے کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

قال صاحب الايضاح وقد يقدم المسند اليه يفيد التقديم تخصيصه بالخبر الفعلى اى قصر الخبر الفعلى عليه أن كان المسند اليه بعد حرف النفى بلافصل (نحو) ما انا قلت هذا اى لم اقل مع انه مقول لغيرى فالتقديم يفيد تفى الفعل عن المذكور وثبوته لغيره على الوجه الذى نفى عنه من العموم والخصوص فلايق هذا الافى شئ ثبت انه مقول لغيرك وانت تريد نفى كونك القائل لانفى القول

واعترض عليه المحقق السيد قدس سره بان التقديم فى هذا المثال لمّا افاد نفى ... عن المذكور اعنى المسند اليه

مخطوطے کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

تمت الرسالة المسماة بالانسكرية للعلامة المحقق والخير المدقق امام السالكين شيخ الاسلام والمسلمين وافضل المتاخرين وقدوة السالكين الشيخ وجيه الحق والملة والدين قدس سره واوصل البنافتوحه فى اجوبة

اعتراضات المدقق القوشجی رحمة الله علیه یوم الخمیس الثامن عشر من شهر رجب المرجب سبع وسبعین علی الالف ۱۰٦۷ھ الحمد والمنة وعلی نبیه الصلوٰة والتحیة وعلی آله المتصفین بالاوصاف ... بالاخلاق النبویة وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

(۳) *نسخۂ نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں لائبریری، علی گڑھ*

یہ تیسرا نسخہ نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں لائبریری میں محفوظ ہے، راقم نے اس کا بھی مطالعہ کیا ہے، اس مخطوطے کی ضخامت ۲۹ اوراق ہے، ہر ورق میں ۱۱ سطریں ہیں، مخطوطے کا سائز ۱۲×۱۹، ۶.۵×۱۲ ہے، یہ خط نستعلیق میں ہے، مخطوطہ اچھی حالت میں ہے۔ قال اور اقول سرخ روشنائی سے تحریر ہے، ورق ایک (الف) پر تین مہریں ہیں۔ ورق ایک (الف) پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے:

"رساله مولانا وجیه الدین متعلقه مبحث ما انا قلت وتائید میر سید شریف"

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحیم

"قال صاحب الایضاح وقد یقدم المسند الیه یفید التقدیم تخصیصه بالخبر الفعلی ای قصر الخبر الفعلی علیه ان کان المسند الیه بعد حرف النفی بلا فصل نحو ما انا قلت هذا ای لم اقله مع انه مقول لغیری فالتقدیم یفید نفی الفعل عن الذکور وثبوته لغیره علی الوجه الذی نفی عنه من العموم والخصوص فلایق هذا الا فی شئ ثبت انه مقول لغیرك وانت ترید نفی کونك القائل لانفی القول، واعترض علیه المحقق السید الشریف قد سره"

کتاب کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

"الثالث انه یلزم علی هذا التقدیر ان لا یکون فرق بین قولنا ماانا ضربت الا زیداً وانا ماضربت الا زیداً وهذا هو الذی شنع به مولانا رحمه الله علی علماء هذا الفن۔"

مذکورہ "حاشیه علی حاشیه القوشجی علی المطول فی بحث ما انا قلت" مخطوطے کے اول اور آخری اوراق کے عکس پیش کیے جاتے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحیم

قال صاحب الایضاح وقد یقدم المسند الیه لیفید التقدیم تخصیصه
بالخبر الفعلي ای قصر الخبر الفعلي علیه ان کان المسند الیه بعد حرف النفی بلا فصل
نحو ما انا قلت هذا ای لم اقله مع انه مقول لغیری فالتقدیم یفید نفی الفعل
عن المذکور وثبوته لغیره علی الوجه الذي نفي عنه من العموم والخصوص
فلا یقال هذا الا في شئ ثبت انه مقول لغیرک وانت ترید نفی کونک
القائل لا نفی القول واعترض علیه المحقق السید الشریف قدس سره
بان التقدیم في هذا المثال لما افاد نفي الفعل عن المذکور اعنی المسند الیه

الخ

مذکورہ "حاشیہ علی حاشیہ القوشجی علی المطول فی بحث ما انا قلت"
مخطوطہ کے ورق اول کا عکس

سواه لغيره وذلك يتصور على ستة وجوه الاول ان لا يضرب احدا من

الناس الثانی ان لا يضرب زيدا او يضرب جميع من عداه الثالث

ان لا يضرب زيدا او يضرب بعضا ممن عداه الرابع ان يضرب زيدا

ولا يضرب احدا ممن عداه والخامس ان يضرب زيدا او يضرب بعضا

ممن عداه السادس ان يضرب جميع الناس [illegible] منها [illegible] الثانی

سلمنا

والسادس ممتنعان والباقی مسلم فلا وجه للحكم بامتناعه مطلقا الثانی

ان التقديم يقتضی اثبات المنفی ونفی المثبت لكن لا نسلم ان المنفی ضرب

جميع من عداه بل المنفی ضرب احد ممن عداه والحاصل ان النفی عام المنفی

على ما مر آنفاً الثالث انه يلزم على هذا التقدير ان لا يكون فرق بين

قولنا ما انا ضربت الا زيدا وانا ما ضربت الا زيدا وهذا هو الذی شنع به

مولانا رحمه الله على علماء هذا الفن ط

مذکورہ "حاشيه على حاشيه القوشجی على المطول فی بحث ما انا قلت"
مخطوطہ کے ورق آخر کا عکس

حواشی

۱ آپ کی ایک کتاب ''شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر'' ابھی حال ہی میں رائے بریلی سے شائع ہو چکی ہے۔

۲ (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۳۳ء، ص: ۲۱۳

۳ مقدمہ تذکرۃ الوجیہ، ص: ۱۰

۴ ''ظفر المحصلین باحوال المصنفین'' مع اضافات قدیمہ وجدیدہ از مولانا محمد حنیف گنگوہی، ناشر حنیف بک ڈپو، دیوبند، ص: ۳۴

۵ ''التقریر الحاوی فی حل تفسیر البیضاوی'' افادات مولانا سید فخر الحسن، مکتبہ فخریہ، دیوبند، ص: ۵

۶ ظفر المحصلین، ص: ۳۵

۷ التقریر الحاوی، ص: ۶

۸ ظفر المحصلین، ص: ۳۶، والتقریر الحاوی، ص: ۶

۹ ظفر المحصلین، ص: ۳۶

۱۰ ظفر المحصلین، ص: ۳۵

۱۱ التقریر الحاوی، ص: ۶

۱۲ کشف الظنون، ج: ۱، ص: ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸

۱۳ ''عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ''، ص: ۲۲۷، ظفر المحصلین، ص: ۳۶، ۳۷

۱۴ ''ہندوستانی مفسرین اوران کی عربی تفسیریں''، ص: ۱۷۷

۱۵ ایضاً، ص: ۱۷۷

۱۶ ایضاً، ص: ۱۷۷

۱۷ ''ہندوستانی مفسرین اوران کی عربی تفسیریں''، ص: ۱۷۷

۱۸ فہرست عربی، فارسی، اردو مخطوطات حضرت پیر محمد شاہ درگاہ شریف لائبریری احمد آباد صفحہ ۲۴۳ میں شیخ علوی کی اس کتاب کا نام شرح نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر درج ہے۔

۱۹ ''الضوء اللامع'' ج: ۲، ص: ۳۷، والبدر الطالع، ج: ۱، ص: ۸۷، والاعلام، الزرکلی، ج: ۱، ص: ۱۷۸، والدرر الکامنہ (ترجمہ المؤلف) ص: الف، وشذرات الذہب، ج: ۷، ص: ۲۷۰

۲۰۔ البدر الطالع، ج:۱،ص:۸۸

۲۱۔ الاعلام الزرکلی، ج:۱،ص:۱۷۸

۲۲۔ شذرات الذہب، ج:۷،ص:۲۷۳، الاعلام، الزرکلی، ج:۱،ص:۱۷۸، 'البدر الطالع'، ج:۱،ص:۹۲، 'الضوء اللامع، ج:۲،ص:۴۰

۲۳۔ 'البدر الطالع'، ج:۱،ص:۸۸

۲۴۔ الاعلام الزرکلی، ج:۱،ص: ۱۷۸ والضوء اللامع، ج:۲،ص:۳۷ والدرر الکامنۃ (ترجمہ مولف) ص: الف، وشذرات الذہب، ج:۷،ص:۲۷۰

۲۵۔ ظفر المحصلین، ص:۲۵۰

۲۶۔ الاعلام الزرکلی، ج:۱،ص:۲۸

۲۷۔ شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی، ص:۶

۲۸۔ تذکرۃ الوجیہ، ص:۵۱

۲۹۔ شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی، ص:۱۰

۳۰۔ شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی، ص:۱۰

۳۱۔ شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی، ص:۶

۳۲۔ شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی، ص:۱۰

۳۳۔ شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی،، ص:۱۲۰

۳۴۔ شرح نزہۃ النظر، ص:۱۲۰

۳۵۔ شرح نزہۃ النظر للعلوی، ص:۱۲۰

۳۶۔ ایضاً، ص:۱۲۰

۳۷۔ ایضاً، ص:۱۲۰

۳۸۔ شرح نزہۃ النظر للعلوی، ص:۱۲۰

۳۹۔ علوم الحدیث، ص:۴۷، (بحوالہ شرح نزہۃ النظر للعلوی، ص:۱۲۰) ومعجم المطبوعات العربیۃ، ج:۱،ص:۱۴۳

۴۰۔ شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، شیخ وجیہ الدین علوی، ص:۱۲۰

۴۱ شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، شیخ وجیہ الدین علوی، ص:۱۲۱۔۱۲۲

۴۲ عمدۃ الرعایۃ، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، ص:۱۸، الفوائد البہیۃ، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، ص:۱۰۹۔۱۱۰، مقدمہ السقایہ علی شرح الوقایہ، ص:۲۶،

۴۳ معجم المطبوعات العربیۃ، ج:۱، ص:۱۱۹۹

۴۴ عمدۃ الرعایۃ، ص:۲۰

۴۵ معجم المؤلفین، ج:۱، ص:۳۰۸، معجم المطبوعات، ج:۱، ص:۱۱۹۹

۴۶ ظفر المحصلین، ص:۲۷۰

۴۷ عمدۃ الرعایۃ، ج:۱، ص:۱۸۔۱۹

۴۸ ظفر المحصلین، ص:۲۷۱

۴۹ معجم المطبوعات، ج:۲، ص:۱۲۰۰، الاعلام، الزرکلی، ج:۴، ص:۱۹۷، معجم المؤلفین، ج:۶، ص:۲۴۶،

۵۰ الفوائد البہیہ، ص:۱۱۰

۵۱ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے الوفائد البہیہ (ص:۱۱۰) میں تحریر کیا ہے کہ کشف الظنون نے وشاح، وقایہ، نقایہ اور شرح فصول الخمسین کا تعارف کراتے ہوئے سن وفات ۷۷۵ھ ذکر کی ہے۔

۵۲ ظفر المحصلین، ص:۲۷۱

۵۳ تذکرۃ الوجیہ، ص:۵۳

۵۴ المغرب فی ترتیب المعرب، ناصر بن عبدالسید خوارزمی المطرزی کی لغت میں کتاب ہے، جس میں فقہ حنفی کے غریب (مشکل) الفاظ کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مجلس دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن سے ۱۳۲۸ھ میں چھپی ہے، یہ دو جلد میں ہے، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں موجود ہے۔

مطرزی کی ولادت ماہ رجب ۵۳۸ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات بروز منگل ۱۱/ جمادی الاولی ۶۱۰ھ کو خوارزم میں ہوئی۔ (الفوائد البہیہ، ص:۲۱۸)

خیر الدین الزرکلی ''الاعلام'' میں رقم طراز ہیں:

(۵۳۸۔۶۱۰) ناصر بن عبدالسید أبی المکارم ابن علی، أبوالفتح، برهان الدین الخوارزمی المطرزی: أدیب، عالم باللغة من فقهاء الحنفیة ولد فی جرجانیه خوارزم، ودخل بغداد

حاجاً (٦٠١) وتوفی فی خوارزم (الاعلام، ج:۷،ص:۳۴۸)

۵۵ راقم السطور کو نجم الشریحی کی کتاب البسیط دست یاب نہیں ہوئی، اور نہ اس کے بارے میں کوئی تفصیل ملی، میں نے کشف الظنون، معجم المطبوعات، ہدیۃ العارفین، معجم المؤلفین، الاعلام للزرکلی سے مراجعت کی، مگر کتاب اوراس کے مصنف کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملی، اسی طرح مولانا آزاد لائبریری میں بھی اس کا (مطبوعہ یا غیر مطبوعہ) کوئی نسخہ موجود نہیں ہے، اور فہرست عربی وفارسی مخطوطات خدا بخش لائبریری پٹنہ، فہرست کتب ''عربی فارسی واردو'' مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، فہرست کتب خانہ انڈیا آفس، لندن، فہرست میکروفلم نسخہ ہای خطی فارسی وعربی جلد چہارم (مخطوطات کتب خانۂ گجرات) میں اس نام سے کوئی کتاب درج نہیں ہے)

۵۶ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۳۷۰

۵۷ ظفر المحصلین، ص:۳۸۸

۵۸ ایضاً،ص:۳۸۸

۵۹ ظفر المحصلین، ص:۳۹۰، کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۳۷۰

۶۰ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۳۷۰

۶۱ ظفر المحصلین، ص:۳۹۰

۶۲ ایضاً،ص:۳۹۲۔۳۹۳

۶۳ ایضاً،ص:۴۰۱

۶۴ الفوائد البھیہ، ص:۵٦

۶۵ ظفر المحصلین، ص:۴۰۱

۶۶ شذرات الذہب، ج:۷،ص:۳٦۱، الاعلام للزرکلی، ج:۳،ص:۳۹٦، معجم المطبوعات، ج:۱،ص:٦۷۱، الفوائد البھیہ، ص:۸٦

۶۷ مصباح المعانی شرح ملا جامی، باہتمام مختار علی بن محمد علی، کتب خانہ امدادیہ، دیوبند سہارنپور، ص:۷

۶۸ ظفر المحصلین، ص:۴۰۵،۴۰٦

۶۹ ایضاً، ص:۴۰٦۔۴۰۷

۷۰ اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، ص: ۳۷

۷۱ ظفر المحصلین، : ۴۰۷

۷۲ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ص: ۹۵

۷۳ کشف الظنون، ج:۱، ص: ۶۸

۷۴ آپ کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: نزہۃ الخواطر، ج:۳، ص: ۱۵، سبحۃ المرجان، ص: ۹۵، الاعلام للزرکلی، ج:۱، ص: ۱۸۷، معجم المطبوعات، ج:۱، ص: ۹۰، ہدیۃ العارفین، ج:۱، ص: ۱۲۷، دائرۃ المعارف (عربی) ج:۹، ص: ۳۲۸، (ماہنامہ) معارف، اعظم گڑھ، اپریل، مئی، جون، اکتوبر، ۱۹۷۱ء

۷۵ نزہۃ الخواطر، ج:۳، ص: ۱۵

۷۶ سبحۃ المرجان، ج:۱، ص: ۹۵

۷۷ سبحۃ المرجان، ج:۱، ص: ۹۶، نزہۃ الخواطر، ج:۳، ص: ۱۶، کشف الظنون، ج:۲، ص: ۱۳۷۱، معجم المطبوعات، ج:۱، ص: ۱۹۰، دائرۃ المعارف (عربی) ج:۹، ص: ۳۲۸

۷۸ ہدیۃ العارفین، ج:۱، ص: ۱۲۷

۷۹ (ماہنامہ) معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۷۱ء، ص: ۲۹۸

۸۰ عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ص: ۱۹۸

۸۱ سبحۃ المرجان، ج:۱، ص: ۹۵

۸۲ نزہۃ الخواطر، ج:۳، ص: ۱۵

۸۳ عربی ادبیات، ص: ۲۱۰

۸۴ تذکرۃ الوجیہ، ص: ۴۸

باب چهارم

مختلف موضوعات سے متعلق دیگر تصانیف

☆ شیخ علوی کی عربی دست یاب تصانیف

- اصول فقہ
- علم نحو
- علم معانی و بیان
- علم کلام
- فن تصوف
- فن مناظرہ
- متفرقات

☆ شیخ علوی کی فارسی دست یاب تصانیف

- فن تصوف
- علم الہیئت
- ملفوظات
- ادعیہ واذکار

☆ شیخ علوی کی غیر دست یاب تصانیف

(الف) شیخ علوی کی عربی دست یاب تصانیف

اصول فقہ

شیخ علوی کی مندرجہ ذیل تصانیف ہندو بیرون ہند کے مختلف کتب خانوں میں مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں، احقر نے ان کا تعارف کرایا ہے، اسی وجہ سے ''شیخ علوی کی عربی دست یاب تصانیف'' عنوان قائم کیا ہے، کیوں کہ ان کتابوں کا وجود ہے، مگر راقم کی ان تک رسائی نہیں ہوسکی۔

حاشیہ علی التلویح:

توضیح تلویح اصول فقہ میں مشہور کتاب ہے، اس کی افادیت کے پیش نظر مختلف علما نے اس کتاب کی شروح وحواشی تحریر کیے ہیں۔ شیخ وجیہ الدین علوی نے بھی اس پر حاشیہ لکھا ہے، جس کا ذکر تذکرہ نگاروں میں سے مولانا غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (ص:۱۱۶) میں، مولانا عبدالحی حسنی نے نزہۃ الخواطر (ج:۴،ص:۳۴۴) میں، نواب صدیق حسن خاں نے ابجدالعلوم (ص:۸۹۷) میں، مولوی رحمان علی نے تذکرہ علمائے ہند (ص: ۵۴۰) میں، خیرالدین الزرکلی نے الاعلام (ج:۸،ص:۱۱۰) میں کیا ہے۔

مذکورہ حاشیہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اب تک اس کے تین (۳) قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے۔

(۱) نسخۂ سالار جنگ لائبریری، حیدرآباد:

تذکرۃ الوجیہ کے مقدمے میں ڈاکٹر محمد زبیر قریشی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس کا ایک نسخہ سالار جنگ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ اس نسخے کی تفصیلات درج نہیں ہیں۔

(۲) نسخۂ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر:

یہ دوسرا نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں محفوظ ہے۔ تذکرۃ الوجیہ (ص:۴۶) میں اس کی تفصیلات درج ہیں۔ مخطوطہ خط نسخ میں ہے۔ یہ مکمل ہے۔ ترقیمہ موجود ہے۔ ابتدائی چار صفحے خوشخط اور باریک حرفوں میں ہیں۔ اس کا سائز ۱۰×۱۴ ہے۔ سال کتابت ۱۱۲۰ھ درج ہے۔ قولہ سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ہے۔ یہ نسخہ مصنف کے نسخے سے منقول ہے۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحیم

رب یسّر وتمم بالخیر، الحمدلله رب العالمین، والصلوٰة علی خیر خلقه

محمدوآله واصحابه اجمعین"

کتاب کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

"هذه آخر الکتاب بعون الله الملك الوهاب والحمدلله علی اتمامه انه ولی

التوفیق وبیده ازمة التحقیق"

(۳) نسخۂ کتب خانہ جامع مسجد ممبئی:

یہ تیسرا نسخہ جامع مسجد بمبئی میں محفوظ ہے۔ جس کا ذکر تذکرۃ الوجیہ (ص:۵۱) میں موجود ہے۔ یہ مکمل نسخہ ہے۔ یہ خط نسخ میں ہے۔ مخطوطہ کرم خوردہ، خستہ حالت میں ہے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"رب یسر وتمم بالخیر وبه نستعین کل سقیم، الحمدلله رب العالمین

والصلوٰة علی خیر خلقه محمدوآله وصحبه اجمعین قوله احکم بکتابه

اصوله الشریعة"

نسخے کی آخری عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"هذا آخر الکتاب بعون الله الملك الوهاب، والحمدلله علی اتمامه انه ولی

التوفیق وبیده ازمة التحقیق"

علم نحو

(۱) حاشیه علی وافیه شرح کافیه

کافیہ علم نحو میں عثمان بن عمر (متوفی ۶۴۶ھ) کی بہت مشہور کتاب ہے[۱] اس پر متعدد ارباب علم نے شروح وحواشی تحریر کیے ہیں۔ سید رکن الدین حسن بن محمد استرآبادی (متوفی ۷۱۷ھ) نے کافیہ کی شرح "الوافیه" لکھی[۲] شیخ وجیہ الدین علوی نے اس پر حاشیہ لکھا ہے، جس کا ذکر صاحب تذکرۃ الوجیہ (ص:۵۲) نے کیا ہے اور اس کتاب کے ایک نسخے کی حسب ذیل تفصیل بیان کی ہے:

نسخۂ کتب خانہ قاضی نورالدین بھڑوچ:

یہ مخطوطہ قاضی نورالدین صاحب کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ ابتدا سے ناقص ہے۔ ترقیمہ

موجود ہے۔ نسخہ کرم خوردہ ہے۔

مخطوطہ کا ترقیمہ حسب ذیل مندرج ہے:

"کاتبه ومالكه حامد بن شاه وجيه الدين علوى

(۲) شرح شواهد المنهل الصافی فی شرح الوافی للبلخی

''الوافی'' فن نحو میں محمد بن عثمان بن عمر بلخی کی کتاب ہے[۳] اس کتاب کی شرح محمد بن ابی بکر دمامینی (متوفی ۸۲۷ھ) نے لکھی، اور اس کا نام ''المنہل الصافی'' رکھا۔[۴] شیخ علوی نے اس کتاب کی شرح لکھی اور اس کا نام ''شرح شواہد المنہل الصافی'' رکھا۔ تذکرے کی کتابوں میں اس کتاب کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملی۔

سید حسینی پیر علوی نے مولانا ابوظفر ندوی کے حوالے سے اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ میں موجود ہونا بتایا ہے۔ جو اول سے ناقص ہے اور کوئی تفصیل درج نہیں ہے۔

(۳) حاشيه علی ضريری

ضریری علم نحو میں ہے۔ صاحب تذکرہ الوجیہ کی اطلاع کے مطابق شیخ علوی نے بزمانۂ طالب علمی پندرہ سال کی عمر میں اس پر حواشی تحریر کیے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں محفوظ ہے۔

نسخۂ کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر

پیر علوی کی تحقیق کے مطابق حاشیہ علی ضریری کا ایک نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ ناقص الآخر ہے۔ صفحات ۹۰ ہیں۔ اس کا سائز ۴×۷ ہے۔ پوری کتاب شیخ علوی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

صفحۂ اول پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے:

"من كتاب اضعف عبادالله وجيه بن نصر الله بن عماد العلوى، ملكه بالكتابة نفسه"

اس کے بعد کتاب کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والعاقبة للمتقين، والصلوة على رسوله محمدوآله

اجمعين قال الشيخ الامام الزاهد الاديب على بن محمد بن ابراهيم

الضریری القندھاری رحمۃ اللہ، اعلم ان الکلام ینقسم علی ثلثۃ اقسام

علم معانی و بیان

حاشیہ علی المختصر المعانی

مختصر علم معانی و بیان میں سعد الدین مسعود بن عمر (متوفی ۷۹۲ھ) کی کتاب ہے۔[۵] اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔ ہند اور بیرون ہند کے متعدد علمائے کبار نے اس کتاب پر حواشی تحریر کیے ہیں۔

شیخ وجیہ الدین علوی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، آپ نے بھی مختصر المعانی پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔ جس کا ذکر مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان'' (ص:۱۱۶) میں، مولانا عبدالحی حسنی نے ''نزہۃ الخواطر'' (ج:۴، ص:۳۴۴) اور اپنی کتاب ''اسلامی علوم وفنون'' (ص:۶۱) میں، نواب صدیق حسن خاں نے ''ابجد العلوم'' (ص:۸۹۷) میں، خیر الدین الزرکلی نے ''الاعلام'' (ج:۸، ص:۱۱۰) میں، مولوی رحمان علی نے ''تذکرہ علمائے ہند'' (ص:۵۴۰) میں، مولانا محمد حنیف نے ''ظفر المحصلین'' (ص:۴۱۹) میں کیا ہے۔

مذکورہ حاشیہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ سید حسینی پیر علوی نے اس کتاب کا ایک نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں موجود ہونا بتایا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

نسخۂ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر:

یہ خط نسخ میں ہے۔ مخطوطہ مکمل ہے، ترقیمہ موجود ہے۔ صفحات ۱۳ درج ہیں۔ اس کا سائز ۸×۱۳ ہے، اس کی سال کتابت ۱۰۱۰ھ درج ہے۔ کاتب کا نام کبیر محمد بن شاہ محمد ہے۔ سطریں ۲۰ اور ۲۲ ہیں۔ کاغذ عمدہ ہے۔

کتاب کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"وبہ نستعین۔ الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ علی رسولہ سیدنا والانبیاء والمرسلین قولہ وبھذا الاعتبار......"

مخطوطے کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

فیرجع الظن لاالتصدیق تمت

علم کلام

(۱) حاشیہ شرح المواقف

مواقف علم الکلام میں قاضی عضد الدین عبدالرحمٰن بن احمد الایجی (متوفی ۷۵۶ھ) کی کتاب ہے، جس کی شرح شریف علی بن محمد جرجانی نے (متوفی ۸۱۶ھ) شرح المواقف کے نام سے لکھی ہے[۶] پھر متعدد علمانے اس پر حواشی تحریر کیے ہیں۔

شیخ وجیہ الدین علوی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، آپ نے بھی شرح المواقف پر حاشیہ لکھا ہے، جس کا ذکر تذکرہ نگاروں میں سے مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (ص:۱۱۶) میں، مولانا عبدالحی حسنی نے نزہۃ الخواطر (ج:۴،ص: ۳۴۴) میں، اور اپنی تصنیف ''اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' (ص:۳۲۶) نواب صدیق حسن خاں نے ابجد العلوم (ص:۸۹۷) میں، خیر الدین الزرکلی نے ''الاعلام'' (ج:۸،ص:۱۱۰) میں، مولوی رحمان علی نے تذکرہ علمائے ہند (ص:۵۴۰) میں کیا ہے۔

مذکورہ حاشیہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ سید حسینی پیر علوی نے تذکرۃ الوجیہ (ص:۴۷) میں مولانا ابوظفر ندوی کے حوالے سے اس کتاب کا ایک نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں موجود ہونا بتایا ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

نسخۂ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر احمد آباد:

مخطوطہ خط نسخ میں ہے۔ یہ ناقص الآخر ہے۔ اس کا سائز ۱۴×۱۸ ہے۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

وبه نستعين، رب وفّقت فتمأم۔ الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام

على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين

مخطوطے کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

وذلك لاعتباره يعنى انّ الاحوال يتكلف

(۲) حواشی علی المحصّل للعلوی

اس کتاب کا پورا نام "محصل افکار المتقدمین والمتاخرین من الحکماء و المتکلمین" ہے۔ محصل محمد بن ضیاء الدین عمر بن حسین تیمی بکری المشہور ابن الخطیب (متوفی ۶۰۶ھ) کی کتاب ہے۔ یہ علم کلام میں ہے، اس میں علم کلام کے صرف اصول وقواعد بیان کیے ہیں اور اس کو چار رکن پر مرتب کیا ہے، پہلا رکن مقدمات میں ہے، دوسرا تقسیم معلومات میں، تیسرا الٰہیات میں، اور چوتھا سمعیات میں ہے۔[1]

شیخ وجیہ الدین علوی نے اس پر حواشی تحریر کیے ہیں۔ پیر علوی کی اطلاع کے مطابق اس کتاب کا ایک نسخہ پٹن میں محفوظ ہے، جس کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

نسخۂ کتب خانہ جمال الدین قطب ومحمد سعید قطب، پٹن، گجرات:

یہ نسخہ جمال الدین قطب کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ خط نسخ میں ہے، اس میں ۹ صفحات ہیں۔ ایک صفحے میں ۱۷ سطریں ہیں۔ اس کا سائز ۷×۱۲ درج ہے۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم قوله موردها ومصدرها

مخطوطے کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

وليس هذا يفيد للجمع وانما هو بيان لالحلاق اى الحلاق الجمع

فنِ تصوف

رساله حقیقت محمدیه

یہ رسالہ شیخ وجیہ الدین علوی کا تصوف کے مسائل پر ہے۔ جس کا ذکر تذکرہ نگاروں میں سے مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان" (ص:۱۱۶) میں، مولوی رحمان علی نے "تذکرہ علمائے ہند" (ص:۵۴۰) میں کیا ہے۔

سید حسینی علوی کی اطلاع کے مطابق یہ رسالہ ایک مرتبہ بمبئی کے کسی مطبع سے شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ پیر محمد شاہ میں محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس نسخے کی مزید تفصیل درج نہیں ہے۔

فن مناظرہ

حاشیہ عضدیہ

فن مناظرہ وہ علم ہے، جس میں بحث کرنے والوں کے درمیان گفتگو اور بحث کا طریقہ بتلایا جائے، اس علم کا موضوع وہ دلائل ہیں جن سے مخالف کے سامنے اپنا دعویٰ ثابت کیا جائے۔

اس فن پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں سے عضدالدین ایجی کی ''آداب'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کی افادیت کے پیش نظر علماے عظام نے اس کی شروح وحواشی لکھی ہیں۔ شیخ وجیہ الدین علوی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، آپ نے بھی اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔ جس کا ذکر تذکرہ نگاروں میں سے مولانا غلام علی بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان'' (ص:۱۱۶) میں، مولانا عبدالحی حسنی نے ''نزہۃ الخواطر'' (ج:۴، ص:۳۴۴) میں، نواب صدیق حسن خاں نے ''ابجدالعلوم'' (ص:۸۹۷) میں، خیرالدین الزرکلی نے ''اعلام'' (ج:۸، ص:۱۱۰) میں، مولوی رحمان علی نے ''تذکرہ علماے ہند'' (ص:۵۴۰) میں کیا ہے۔

صاحب تذکرۃ الوجیہ (ص:۴۰) کی اطلاع کے مطابق شیخ وجیہ الدین علوی کی کتاب حاشیہ عضدیہ کا ایک قلمی نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کی مزید تفصیل درج نہیں ہے۔

متفرقات

رسالہ مختصر مولوی جزری:

یہ رسالہ امام محمد بن محمد الجزری کی تصنیف ہے، شیخ وجیہ الدین علوی نے اس کو مختصر کیا ہے۔ شیخ علوی کے رسالہ مختصر مولوی جزری کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے شاگرد ملاّ حسن فراغی نے اس پر ایک شرح لکھی ہے، اس کے مقدمے میں وضاحت کی ہے کہ استاذی حضرت شاہ وجیہ الدین مولود جزری کو پسند فرماتے تھے اور ۱۲ ربیع الاول کے دن اس کو پڑھا کرتے تھے۔

مذکورہ رسالہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ پیر علوی نے تذکرۃ الوجیہ (ص ۵۵) میں مولانا ابوظفر ندوی کے حوالے سے اس رسالے کا ایک نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں موجود ہونا بتایا ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر احمد آباد:

یہ نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں محفوظ ہے، یہ ۳۵ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر ورق میں ۱۳ سطریں ہیں۔ اس کا سائز ۵×۹ درج ہے۔ رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

الحمدلله رب العالمين، والصلوٰة على رسوله محمد وآله اجمعين. اما بعد فهذه مختصر المولود سيد المرسلين وقائد...... حبيب رب العالمين الذى ارسله الله للخلق اجمعين. وفضله على جميع الانبياء والمرسلين رخصه باشفاعة العظمى يوم الدين، لامام الجزرى فهو محمدبن عبدالله بن عبدالمطلب فضل فى ذكر شان من معجزاته

مخطوطے کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

واخبرهٔ ان خزائن كسرى ينفقها على امة فى سبيل الله، وان ملك كسرى والروم يفتح ـ وكان ذلك صلى الله عليه وسلم وعلى آله وصحبه وسلم كلما ذكره الذاكرون وغفل عن ذكره الغافلون.

(ب) شیخ علوی کی فارسی دست یاب تصانیف

مندرجہ ذیل مخطوطات کو راقم نے دیکھا ہے، جن کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

فن تصوف

شرح جام جہاں نما:

جام جہاں نما تصوف میں مشہور متن ہے، اس کے مصنف محمد بن عز الدین بن عادل بن یوسف مغربی مشہور بہ سیرین ہیں۔ یہ کتاب ۷۸۵ھ کی تصنیف ہے۔ عام صوفیوں میں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ متعدد ارباب علم نے اس کی شروح وحواشی لکھیں۔

شیخ وجیہ الدین علوی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں۔ آپ نے بھی فارسی زبان میں اس کی شرح لکھی۔ مذکورہ شرح ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اب تک اس کے مندرجہ ذیل چھ (۶) قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے۔

(ا) نسخۂ (ا) حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر احمد آباد:

اس مخطوطے کا تذکرہ سید حسینی پیر علوی نے مولانا ابوظفر ندوی کے حوالے سے تذکرۃ الوجیہ (ص: ۵۴، ۵۵) میں کیا ہے، یہ نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں محفوظ ہے اور اس کی تفصیلات فہرست میکروفلم نسخہ ہای خطی فارسی وعربی جلد چہارم صفحہ ۱۰۵ میں بھی درج ہیں، مخطوطہ نمبر ۲۳۴ شمارۂ میکروفلم جلد ۴، صفحہ ۲۷ درج ہے۔

صاحب تذکرۃ الوجیہ کی اطلاع کے مطابق یہ نسخہ خط نسخ میں ہے، عبارت واضح اور خوش خط ہے، یہ نسخہ کامل ہے، مگر آخری ورق کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے اس کا سال کتابت اور کاتب کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ متن پر سرخ روشنائی سے خط کشیدہ ہے، اس پر مختلف علما کے حواشی ہیں۔ سب سے زیادہ حاشیہ ملا احمد بن سلیمان کا ہے اور بعض حواشی ملا علی پیرو کے ہیں، نیز شاہ صاحب کے شاگرد رشید مولوی عبدالعزیز کے بھی کہیں کہیں حواشی ہیں۔

یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحیم ، وبہ نستعین رب یسر وتمم بالخیر

اس کے بعد متن کی عبارت حسب ذیل ہے:

''حمد بے حد شکر بے عد سزاے ذاتی کہ وحدتش منشاے احدیت وواحدیت شد''

پھر شیخ نے اس کی شرح اس طرح کی ہے:

''یعنی وحدت کہ اصل قابلیات جمیع اشیا است، احدیت واحدیت از وناشی است''

مخطوطے کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

'کہ ترک قیل وقال واستغراق درحق است وصفات حق۔ ذاتہ ذاتہ صفاتہ صفاتہ افعالہ افعالہ درپیش است' تمام شد'

(۲) نسخہ[۲] حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد:

اس کا دوسرا نسخہ بھی حضرت پیر محمد شاہ لائبریری احمد آباد میں محفوظ ہے، تذکرۃ الوجیہ (ص:۵۳) میں اس کا سائز ۱۵×۸ درج ہے، اور اس نسخے کے متعلق لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بطور مسودہ نقل کیا ہے، یہ بھی مکمل نسخہ ہے، اور جگہ جگہ سے تصحیح شدہ ہے۔

(۳) کتب خانہ انڈیا آفس، لندن، مرتبہ، ایتھے:(A CATALOGUE OF THE PERSIAN MANUSCRIPT IN THE LIBRARY OF THE INDIA OFFICE. By. ETHE (LONDON 1877)

یہ نسخہ کتب خانہ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے، جس کی تفصیلات فہرست فارسی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس، لندن صفحہ، نمبر ۱۰۸۰، ۱۰۷۹ میں درج ہیں، مخطوطہ نمبر ۱۹۲۷ ہے۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

حمد بیحد وشکر بیعد سزاے ذاتی کہ وحدتش منشاے احدیت وواحدیت

فہرست نگار کتب خانہ انڈیا آفس کی عبارت ملاحظہ ہو۔

The Commentator is wajih Aldin Alavi Beginning....Many Marginal glosses

(۴) کتب خانہ درگاہ عالیۂ چشتیہ، احمد آباد

یہ نسخہ کتب خانہ درگاہ عالیہ چشتیہ احمد آباد، گجرات میں محفوظ ہے، جس کی تفصیلات فہرست میکروفلم نسخہ ہای خطی فارسی و عربی جلد چہارم صفحہ ۴۹ میں درج ہیں، مخطوطہ نمبر ۹۷ ہے، شمارہ میکروفلم ۹۷ ہے، اس کی ضخامت ۱۰۴ اوراق ہے، ہر ورق میں ۱۹ سطریں ہیں، یہ خط نستعلیق میں ہے، اس کا نام مرآۃ العارفین (شرح جام جہاں نما) درج ہے، ابتدا کے اوراق غائب ہیں، نسخے کے آغاز کی عبارت یہ ہے:

...بی مثلیت خود کہ مثلش ممتنع است کرد ظہور حسن بی مثلیست واجب کہ در نظر عقل...

(۵) نسخہ[۱] مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (یونیورسٹی ضمیمہ نمبر ۵۹)

یہ نسخہ مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ہے، راقم نے اس کا مطالعہ کیا ہے، اس کی ضخامت ۱۲ اوراق ہے، ہر ورق میں ۱۹ سطریں ہیں، اس کا سائز ۱۵×۲۲، ۲۰×۲۷ ہے، نسخے کے اندر دوسرے مخطوطات بھی مجلد ہیں، یہ مخطوطہ ورق ۲۳۱ (الف) سے شروع ہوکر ۲۴۳ (ب) پر ختم ہے۔ یہ خط نستعلیق میں ہے، نسخہ مکمل ہے، یہ اچھی حالت میں ہے، بعض جگہ بٹر پیپر لگا کر اس کی تصحیح کی گئی ہے، اس پر کسی کے حواشی بھی ہیں، مصنف نے "رب یسر و لاتعسر وتمم بالخیر" سرخ روشنائی سے لکھا ہے، اسی طرح جہاں عبارت کی شرح کی اس جگہ "ش" سرخ روشائی سے لکھا ہے، بعض اوراق پر گول دائرہ بنے ہیں۔ ورق ایک (الف) (۲۳۱) پر اوپر کی جانب مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے۔

شرح رسالہ جام جہاں نما من تصنیف شاہ وجیہ الدین گجراتی کہ مصنفش عبداللہ مغزلی

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

یاصاحب البرکات نجات بخش رب یسر ولاتعسر وتمم بالخیر

بسم الله الرحمن الرحيم

حمد بے حد وشکر بے عد سزای ذاتی که وحدتش منشاے احدیت وواحدیت شد ومرآۃ ازلیة وابدیة کشت ورابطۂ اولیت وآخریت وواسطه باطنیت وظاهریت آمد که حدفاصل اشارت بدوست وبرزخ جامع عبارت ازوست وحقیقت محمدی خوداوست ش یعنی وحدت ازو ناشی است پوشیده نیست کهٔ اصل قابلیات جمیع اشیا است احدیت وواحدیت ازوناشی است

پوشیده نیست که واحدیت ازوناشی است چه واحدیت مرتبۂ تفصیل است ووحدت مرتبه اجمال

مخطوطے کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

م بهیمن اختصار کنم که وقت عزیز است وکاری مهم ترازین ش ترک قیل وقال در حق است وصفات حق ذاته ذات صفاته صفاته افعاله افعاله م در پیش ذاتست تمام شد رساله جام جهان نماوالله اعلم بالصواب

(۲) نسخہ (۲) مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مخطوطہ نمبر ۲۱/ ۲۰۸

یہ دوسرا نسخہ بھی مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ہے، جو راقم کے پیش نظر ہے، اس کی ضخامت ۴۷ اوراق ہے، ہر ورق میں ۱۳ سطریں ہیں، مخطوطے کا سائز ۷×۱۳،۱۲×۱۹.۵ ہے، یہ خط نستعلیق میں ہے، مخطوطہ مکمل ہے، یہ اچھی حالت میں ہے البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے، اس پر بٹر پیپر چڑھا دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ محفوظ ہوگیا ہے۔ اس پر کسی کے حواشی بھی ہیں، یہ حبیب گنج کلکشن کا حصہ ہے، متن پر سرخ روشنائی سے خط کشیدہ ہے، مخطوطے کے ابتدائی ورق پر مختلف حواشی ہیں اور مندرجہ ذیل حدیث لکھی ہوئی ہے:

قال النبی صلی الله علیه وسلم من تکلم بکلام الدنیا فی خمس مکان یبعث الله تعالی کصورت خنزیر اولها فی المسجد والثانی فی مجالسة العلماء والثالث فی الجنازة والرابع فی تلاوة القرآن والخامس فی القبور قال علیه السلام الناس عالم ومتعلم

ورق ایک (الف) پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے:

''شرح جام جہاں نما......از تصنیفات حضرت شاہ وجیہ الدین''

ورق ۸ (ب) پر سرخ روشنائی سے گول دائرہ بنا ہے، اور اس میں عبارت لکھی ہے۔ نیز ورق ۱۷ (ب) اور ۱۸ (الف) پر بھی بڑا گول دائرہ بنا ہے، جس میں مختلف عبارتیں لکھی ہیں۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحیم

حمد بے حد شکر بے عد سزاے ذاتی که وحدتش منشاء احدیت وواحدیت
شد ومرآة ازلیة وابدیة کشت ورابطۂ اولیت وآخریت وواسطۂ باطنیة
وظاهریت آمد که حد فاصل اشارت بدوست

ترقیمے کی عبارت سے تاریخ کتابت اور کاتب کا نام معلوم ہوتا ہے جو حسب ذیل ہے:

شرح جام جهاں نمای لسلطان وجیه الدین العلوی بتاریخ یازدهم ماه
جمادی الاولی ۱۰۷۱ھ کاتب الحروف فقیر صادق قادری

علم الہیئت

علم ہیئت وہ علم ہے، جس میں اجرام بسیطہ علویہ وسفلیہ کے حالات ان کی شکلیں ان کا محل وقوع اور ان کی تعداد اور ان کے حجم وغیرہ بتلائے جائیں [۵] اس فن پر متعدد کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے ایک رسالہ ملا علی قوشجی ہے۔

شرح علی رسالة ملا علی القوشجی فی الهیئة

یہ رسالہ علم ہیئت میں ملا علی قوشجی کا ہے، جس کی شرح شیخ وجیہ الدین علوی نے کی ہے۔ آپ کی اس کتاب کا ذکر متعدد تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔

شیخ علوی کی مذکورہ شرح ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اب تک اس کے تین (۳) قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے۔

(۱) نسخۂ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر:

مولانا ابوظفر ندوی کی تحقیق کے مطابق یہ نسخہ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری میں محفوظ ہے یہ بالکل بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے، بس تبرک ہی تبرک ہے۔

(۲) نسخۂ (۱) مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

یہ نسخہ مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ہے، جو راقم کے پیش نظر ہے۔ یہ حبیب گنج کلکشن کا حصہ ہے، اس کا نمبر ۴۴/۱ ہے اوراق ۵۳ ہیں، ایک ورق میں ۱۵ سطریں ہیں، یہ خط نستعلیق میں ہے، اس کا سائز ۵×۴، ۴×۷ ہے۔ سرخ روشنائی سے ہیئت کے مختلف نقشے بنے ہیں۔ باب کے تحت عبارت سرخ روشنائی سے لکھی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے مخطوطہ دیدہ زیب نظر آتا ہے۔ مخطوطہ مکمل ہے، ترقیمہ

موجود ہے۔ اس رسالے کی تصحیح بروز جمعرات ۲۷ شعبان المعظم ۱۰۱۵ھ میں کی گئی ہے۔ یہ نسخہ عام طور پر اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔

ورق نمبر ایک (الف) پر ''عبدالباسط'' کی مربع مہر ہے اور اس کے نیچے مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے:

"المالك هو الله تعالیٰ لكنه اعطی التصرف العبد الضعيف عبدالباسط ابن مولوی اسماعيل ابن مولوی علی اصغر القنوجی"

کتاب کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين حمدالشاكرين والصلوة علی خير خلقه محمدوآله اجمعين امابعد اين كتاب مشتمل است برمقدمه ودو مقاله

ترقیمے کی عبارت حسب ذیل ہے:

تصحيح هذه الرسالة علی يد خادم الفقرا ابو... يوم الخميس سبعة وعشرين من شهر شعبان المعظم من شهور سنة خمسه عشر والف في بلده احمدآباد

(۳) نسخۂ (۲) مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

یہ نسخہ بھی مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ حبیب گنج کلکشن کا حصہ ہے، اس کا نمبر ۴۴/۱/۲ ہے، اوراق ۱۱۲ ہیں، ایک ورق میں ۱۳ سطریں ہیں، یہ خط نستعلیق میں ہے، اس کا سائز ۵×۴، ۷×۴ ہے۔ متن سرخ روشنائی سے خط کشیدہ ہے۔ مخطوطہ اچھی حالت میں ہے، البتہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔ ورق ایک الف پر ''عبدالباسط'' کی مہر ہے۔

ورق ایک پر سرخ روشنائی سے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے:

الجزء الاول من شرح رساله مولانا علی لمولانا واستاذنا حضرت شاه وجيه الدين العلوی۔ شرح رساله درهيئت ازوجيه الدين علوی گجراتی

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم وبه نستعين

الحمدلله رب العالمين والصلوة علي خير خلقه محمدوآله اجمعين، الحمدلله رب العالمين حمدالشاكرين والصلوة على رسوله محمد وآله اجمعين.

ملفوظات

ملفوظات شیخ وجیه الدین علوی:

شیخ وجیہ الدین علوی کے ملفوظات کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ تذکرہ نگاروں میں سے کسی نے ان ملفوظات کا تذکرہ نہیں کیا ہے، اور یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ اس کا نسخہ کسی دوسرے کتب خانے میں محفوظ ہے یا نہیں؟ اس لحاظ سے یہ آپ کا ایک نادرونایاب نسخہ ہے جو مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ہے۔

نسخۂ مولانا آزادلائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

آپ کے ملفوظات کا یہ قلمی مخطوطہ جوراقم کے پیش نظر ہے، یہ حبیب گنج کلکشن کا حصہ ہے، اس کا نمبر فارسیہ تصوف ۲۱/۲۲۱ ہے۔ اوراق ۱۴ ہیں، ایک ورق میں ۱۵ سطریں ہیں، یہ خط نستعلیق میں ہے اس کا سائز ۸×۱۶، ۱۳×۱۲ ہے، یہ اچھی حالت میں ہے، کاغذ عمدہ ہے، صفحے کے چاروں طرف سرخ روشنائی سے لکیریں کھینچی ہوئی ہیں، جس کی وجہ سے مخطوطہ دیدہ زیب نظر آتا ہے۔ میفر مودند، ذکر کلمات وغیرہ کے الفاظ سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں، مخطوطہ مکمل ہے۔ ترقیمے کی عبارت سے اس کی سال کتابت ۱۰۹۴ھ کا پتہ چلتا ہے۔ کاتب کا نام شیخ بہادر بن دولت خاں راجپوت ہے۔

ملفوظات شیخ وجیہ الدین کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم وبه نستعين

ذكر كلمات شريفه از انفاس متبركه حضرت شاه وجيه الحق والدين علوى گجراتى قدس الله روحه واوصل علينا فتوحه فوايد متفرقه كه به فقير رسيده ذكر كلمات ميفرمودند در زمان نبوت همه مناصب درنبى مى باشند

ترقیمہ حسب ذیل ہے:

قد تمت الملفوظ قطب العالم شاه وجيه الدين قدس الله سره العزيز فى يوم

چهارشنبه تاریخ چهاردهم شعبان المعظم دروقت ظهر ۱۰۹۴ھ کاتب الحروف فقیر حقیر خاکپای درویشان ومقبولان شیخ بهادر ولد دولت خان راجپوت معین

هرکه خواند دعا طمع دارم
ز آنکه من بنده گنه گارم

ادعیہ واذکار

اوراد شیخ وجیه الدین علوی گجراتی:

اوراد شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کا ایک نسخہ نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں لائبریری، علی گڑھ میں محفوظ ہے، راقم الحروف نے اس کا مطالعہ کیا ہے، اس کا دوسرا نسخہ راقم السطور کو کسی لائبریری میں نہیں مل سکا، اس لحاظ سے یہ آپ کا ایک نادرونایاب نسخہ ہے، جو نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

نسخہ نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں لائبریری، علی گڑھ:

اوراد شیخ وجیہ الدین علوی کا یہ قلمی نسخہ جو راقم کے پیش نظر ہے، اس کا نمبر فارسیہ ۱۲۲۰ ہے، ۵۰ صفحات ہیں، ایک ورق میں ۱۴ سطریں ہیں، یہ خط نستعلیق میں ہے، اس کا سائز ۱۱×۲۲، ۷×۱۶ ہے، مخطوطہ اچھی حالت میں ہی، کاغذ عمدہ ہے، حاشیے پر سرخ روشنائی سے نماز اشراق، نماز استخارہ وغیرہ تحریر ہے، مخطوطہ مکمل ہے۔ کاتب کا نام اور سال کتابت درج نہیں ہے۔

اوراد شیخ وجیہ الدین علوی کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

چوں طالب در راه حق قدم نهد اورا مداومت برفرائض خدایے تعالی کند وبرسنن مؤکده وزائده نبی علیه الصلوة والسلام واجتناب از منهیات ومشتبهات کند وزد ماه سه روز ایام بیض وروز فی شنبه و پنج شنبه روزه دارد.

کتاب کی آخری عبارت حسب ذیل ہے:

اللهم صل على محمد عبدك ونبيك ورسولك النبي الامي وعلى آله وبارك وسلم

''اوراد شیخ وجیہ الدین علوی'' مخطوطے کے اوّل اور آخری اوراق کے عکس پیش کیے جاتے ہیں:

(ج) شیخ علوی کی غیر دست یاب تصانیف

مندرجہ بالا تصانیف کے علاوہ شیخ علوی کی کچھ ایسی تصنیفات بھی ہیں، جن کے مخطوطات کا اب تک علم نہیں ہوسکا۔ صرف ان کا ذکر مختلف ماخذ میں ملتا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں کا نام، موضوع، مختصر تعارف اور جن کتابوں میں ان کا ذکر شیخ علوی کی تصانیف کے ضمن میں کیا گیا ہے، اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

(۱) رسالہ جنت عدن علی تفسیر البیضاوی:

سید حسینی پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں شیخ وجیہ الدین علوی کی تصانیف کے ضمن میں اس رسالے کا ذکر کیا ہے۔ اس کی مزید تفصیلات دست یاب نہیں ہوسکیں۔

(۲) رسالہ والذین آمنوا وتبعهم ذريتهم بايمان:

سید حسینی پیر علوی نے اس رسالے کا بھی ذکر اپنی تصنیف ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں شیخ علوی کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے، لیکن ہمیں شاہ صاحب کا تحریر کردہ یہ رسالہ دست یاب نہیں ہوسکا ہے۔

(۳) حاشیہ علی تفسیر الرحمانی:

اس حاشیے کا بھی ذکر پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں شاہ صاحب کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(٤) حاشیہ ہدایہ:

ہدایہ ابوالحسن علی بن ابی بکر (ف ۵۹۶ھ) کی فقہ میں بہت اہم کتاب ہے، اس کی افادیت کے پیش نظر ہند اور بیرون ہند کے متعدد علما نے حواشی تحریر کیے ہیں۔ شیخ وجیہ الدین علوی نے بھی اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔ اس کا ذکر کتب ذیل میں موجود ہے۔

''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' (ص:۱۱۵)، ''نزہۃ الخواطر'' (ج:۴، ص:۳۴۴)، ''الاعلام'' (ج:۸، ص:۱۱۰)، ''تذکرہ علمائے ہند'' (ص:۵۴۰)، ''ابجد العلوم'' (ص:۸۹۷)، ''اذکار

ابرار'' (ص:۴۰۵)، ''ظفر المحصلین '' (ص:۲۵۴)، '' مآثر الکرام'' (ص:۱۹۷)

(٥) حاشيه عضدى:

سید حسینی پیر علوی نے'' تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵)، میں شیخ وجیہ الدین علوی کی تصانیف کے ذیل میں'' حاشیہ علی شرح العضدی علی المختصر لابن حاجب'' کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ نواب صدیق حسن خاں نے'' ابجد العلوم'' (ص:۸۹۷) میں، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے '' مآثر الکرام'' (ص:۱۹۷) میں، غوثی شطاری نے'' اذکار ابرار'' (ص:۴۰۵) میں، اور خلیق احمد نظامی نے'' حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی'' (ص:۱۰۰) میں کیا ہے۔

(٦) شرح وجيز:

سید حسینی پیر علوی نے'' تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں، شیخ وجیہ الدین علوی کی تصانیف کے ضمن میں اس شرح کا ذکر کیا ہے۔ تذکرہ کی دوسری کتاب میں کہیں اس شرح کا ذکر موجود نہیں ہے۔

(٧) حاشيه اصول بزدوى:

اصول بزدوی شیخ فخر الاسلام ابوالحسن وابوالعسر علی بن محمد (ف۴۸۲ھ) کی اصول فقہ میں اہم کتاب ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب عرصۂ دراز تک ہندوستانی مدارس میں شامل نصاب رہی ہے۔ شیخ وجیہ الدین علوی نے اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے، آپ کے تحریر کردہ حاشیے کا ذکر کتب ذیل میں موجود ہے۔

سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (ص۱۱۵)، ''نزہۃ الخواطر'' (ج:۴، ص:۳۴۴)، ''الاعلام'' (ج:۸، ص:۱۱۰)، ''تذکرہ علمائے ہند'' (ص:۵۴۰)، ''ابجد العلوم'' (ص:۸۹۷)، ا''ذکار ابرار'' (ص:۴۰۵) ''مآثر الکرام'' (ص:۱۹۷)، ''اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' (ص:۱۸۱)، ''یاد ایام'' (ص:۱۰۰)

(٨) حاشيه على شرح تجريد:

شرح تجرید علاء الدین علی بن محمد المعروف بقوشجی (ف۸۷۹ھ) کی کتاب ہے۔ شیخ وجیہ الدین علوی نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے، جس کا ذکر کتب ذیل میں موجود ہے۔ ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' (ص:۱۱۵) ''نزہۃ الخواطر'' (ج:۴، ص:۳۴۴)، ''الاعلام'' (ج:۸، ص:۱۱۰)

''ابجد العلوم'' (ص:۸۹۷)، ''تذکرہ علماے ہند'' (ص:۵۴۰)، ''اذکار ابرار'' (ص:۴۰۵)، ''یاد ایام'' (ص:۱۰۰)۔

(۹) حاشیه علی شرح عقائد:

شرح عقائد ابوحفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی (ف ۶۸۷ھ) کی علم عقائد میں مشہور ومعروف کتاب ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہند اور بیرون ہند کے مختلف اصحاب علم وفضل نے اس پر حواشی تحریر کیے ہیں۔ شیخ وجیہ الدین علوی کے معاصرین میں شیخ محمد بن غرس حنفی (ف ۹۳۲ھ)، ملا عصام الدین ابراہیم بن اسفرائینی (ف ۹۴۳ھ)، شیخ احمد بن عبداللہ (ف ۹۴۳ھ)، شیخ سنان الدین یوسف حمیدی (ف ۹۱۲ھ)، حکیم شاہ محمد بن مبارک قزوینی (ف ۹۲۰ھ)، شیخ محمد قاسم غزی، شافعی معروف بابن الغرابیلی (ف ۹۱۸ھ)، شیخ جلال الدین سیوطی (ف ۹۱۱ھ)، قاضی نظام بدخشی (ف ۹۹۲ھ) وغیرہ نے اس پر حواشی لکھے ہیں۔

شیخ وجیہ الدین علوی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں۔ آپ نے بھی شرح عقائد پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔ جس کا ذکر کتب ذیل میں موجود ہے:

''الاعلام'' (ج:۸،ص:۱۱۰)، ''ابجد العلوم'' (ص:۸۹۷)، ''تذکرہ علماے ہند'' (ص:۵۴۰) ''ظفر المحصلین'' (ص:۲۹۷)، ''مآثر الکرام'' (ص:۱۹۷)، ''یاد ایام'' (ص:۱۰۰)

(۱۰) حاشیه برحاشیه قدیمه:

حاشیہ قدیمہ محقق دوانی کی علم کلام پر کتاب ہے۔ شیخ وجیہ الدین علوی نے اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔ جس کا ذکر نواب صدیق حسن خاں نے ''ابجد العلوم'' (ص:۸۹۷) میں، غوثی شطاری نے ''اذکار ابرار'' (ص:۴۰۵) میں، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' (ص:۱۱۵) میں، مولانا عبدالحی حسنی نے ''یادِ ایام'' (ص:۱۰۰) میں شیخ وجیہ الدین علوی کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(۱۱) رساله الکلام:

شیخ وجیہ الدین علوی نے ''رسالہ الکلام'' تصنیف کیا ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ علم کلام میں ہے۔ اس کا ذکر سید حسینی پیر علوی نے تذکرۃ الوجیہ (ص:۴۵) میں شیخ وجیہ الدین علوی کی

تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(۱۲) حاشیه علی حاشیه الخیالی:

حاشیہ خیالی کے مصنف کا نام احمد، لقب شمس الدین اور والد کا نام موسیٰ ہے۔ آپ بڑے محقق، مدقق، جامع معقول ومنقول عالم تھے۔ حافظ ابن عماد حنبلی نے آپ کو امام، علامہ لکھا ہے۔ شرح عقائد پر آپ کے حواشی نہایت مشہور ومقبول اور متداول ہیں، اس میں بعض مضامین ایسے دقیق ودشوار ہیں کہ ان کو حل کرنے سے بڑے بڑے علما عاجز ہو جاتے ہیں۔

اس کی افادیت کے پیش نظر مختلف اصحاب علم وفضل نے اس پر حواشی تحریر کیے ہیں، شیخ وجیہ الدین علوی نے بھی اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے، جس کا ذکر ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص: ۴۵) میں، آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا گیا ہے۔

(۱۳) شرح حکمة العین:

حکمۃ العین ابوالحسن نجم الدین علی بن عمر (ف: ۶۷۵ھ) کی فلسفہ ومنطق میں مشہور تصنیف ہے، اس کے علاوہ جامع الدقائق فی کشف الحقائق، عین القواعد، بحر الفرائد شرح عین القواعد، کشف الاسرار علی غوامض الافکار، وغیرہ جیسی بلند پایہ کتب آپ ہی کی تصانیف ہیں۔

''حکمۃ العین'' کی افادیت کے پیش نظر شیخ وجیہ الدین علوی نے اس کی شرح لکھی ہے، جس کا ذکر کتب ذیل میں موجود ہے۔

''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' (ص: ۱۱۵)، ''نزہۃ الخواطر'' (ج:۴، ص:۳۴۴)، ''الاعلام'' (ج ۸، ص:۱۱۰)، ''مآثر الکرام'' (ص:۱۹۷)، ''ابجد العلوم'' (ص:۸۹۷)، ''یاد ایام'' (ص:۱۰۰)، ''اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' (ص:۳۶۹)۔

(١٤) شرح ابیات منهل الدمامینی:

المنہل الصافی شیخ محمد بن ابی بکر دمامینی (ف ۸۲۷ھ) کی فن نحو میں مشہور ومعروف کتاب ہے۔ آپ کو علم نحو، ادب، شاعری، نثر نگاری، اور علم فقہ پر عبور حاصل تھا۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ آپ کی چند مشہور تصانیف کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) تحفة الغریب شرح مغنی اللبیب لابن هشام

(۲) نزول الغیث فی التنقید علی شرح لامیة العجم للصفدی

(۳) الفتح الربانی فی الرد علی التبیانی المعترض علی مصابیح الجامع

(٤) عین الحیوة فی اختصار حیاة الحیوان للدمیری

(٥) العیون الفاخرة الغامزه علی خبایا الرامذه للخزرجی فی العروض

(٦) شمس المغرب فی المرقص والمطرب

(٧) المصابیح فی شرح الجامع الصحیح للبخاری

(٨) جواهر البحور فی العروض

(٩) تعلیق الفرائد فی شرح تسهیل الفرائد

(١٠) دیوان شعره

(١١) المنهل الصافی فی شرح الوافی للبلخی فی النحو

آپ کی تصانیف میں سے آخرالذکر "المنهل الصافی" ہے، وافی فن نحو میں محمد بن عثمان بن عمر بلخی کی کتاب ہے، اس کتاب کی شرح محمد بن ابی بکر دمامینی نے لکھی، اور اس کا نام المنہل الصافی رکھا، نیز اس کتاب کو شاہ گجرات شہاب الدین احمد کو ہدیہ کیا۔

شیخ وجیہ الدین علوی نے "المنهل الصافی" کی شرح لکھی ہے، آپ کی اس کتاب کا ذکر مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' (ص: ۱۱۵) میں، مولوی رحمان علی نے ''تذکرہ علمائے ہند'' (ص: ۵۴۰) میں، محمد غوثی شطاری نے ''اذکار ابرار'' (ص: ۴۰۵) میں کیا ہے۔

(١٥) شرح ابیات تسهیل:

شیخ وجیہ الدین علوی نے ''ابیات تسہیل'' کی شرح لکھی ہے، جس کا ذکر مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی مایۂ ناز تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' (ج:۴، ص:۳۴۴) میں، اور اپنی اردو تصنیف ''یاد ایام'' (مختصر تاریخ گجرات) (ص:۱۰۰) میں شیخ علوی کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(١٦) حاشیه شرح مختصر فی الاصول لابن حاجب:

''مختصر فی الاصول'' جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس الدوینی (ف ۶۴۶ھ) کی کتاب ہے۔ آپ ابن الحاجب کے لقب سے مشہور ہیں۔ علامہ ابن حاجب بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ مناظر،

بڑے دیندار متقی و پرہیز گار، معتمد وثقہ، نہایت متواضع اور تکلفات سے قطعاً نا آشنا تھے۔ تبحر علمی میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ مؤرخ ابن خلکان کا بیان ہے کہ اداء شہادت کے سلسلے میں آپ بارہا میرے پاس تشریف لائے، میں نے علوم عربیہ کے مختلف مسائل مشکلہ آپ سے دریافت کیے، آپ نے نہایت سکون اور وقار کے ساتھ ہر ایک کا تسلی بخش اور معقول جواب دیا۔

آپ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) المکتفی للمبتدی ۔شیخ ابوعلی فارسی کی "الایضاح" کی شرح ہے۔

(۲) الایضاح۔ شرح مفصل

(۳) المختصر (فی الفقه)

(٤) المختصر فی الاصول

(٥) جمال العرب فی علم الادب

(٦) المقصد الجلیل فی علم الخلیل (فن عروض میں ہے)

آپ کی کتاب "المختصر فی الاصول" کی افادیت کے پیش نظر شیخ وجیہ الدین علوی نے اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے، آپ کے اس حاشیے کا ذکر صاحب ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص: ۴۵) نے آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(۱۷) حاشیه کافیه فی النحو:

کافیہ علم نحو میں علامہ ابن حاجب کی مشہور ومعروف تصنیف ہے، اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب اب تک مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل درس ہے اور متعدد اصحاب وفضل نے اس پر شروح وحواشی لکھے ہیں۔ جن میں سے چند علما کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) شیخ جمال الدین ابوعمر وعثمان ابن الحاجب (صاحب کافیہ) (ف:۶۴۶ھ)

(۲) شیخ رضی الدین محمد بن حسن استر آبادی (ف:۶۸۳ھ)

(۳) سید شریف علی بن محمد جرجانی (ف:۸۱۶ھ)

(۴) سید رکن الدین حسن محمد استر آبادی (ف:۷۱۷ھ)

(۵) شیخ تاج الدین ابو محمد احمد بن عبد القادر بن مکتوم قیسی حنفی (ف:۷۴۹ھ)

(۶) شیخ شہاب الدین احمد بن عمر ہندی دولت آبادی (ف:۸۴۹ھ)

(۷) مولوی میر حسن (ف:۹۱۰ھ)

(۸) شیخ عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائینی (ف:۹۴۳ھ)

(۹) شیخ نور الدین عبد الرحمٰن بن احمد (ف:۸۹۸ھ)

شیخ وجیہ الدین علوی بھی اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، آپ نے بھی کافیہ پر حاشیہ تحریر کیا ہے، جس کا ذکر صاحب تذکرۃ الوجیہ (ص:۴۵) نے آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(۱۸) حاشیہ علی شرحین للمفتاح فی علم المعانی والبیان:

"شرحین للمفتاح" ابو عبد اللہ محمد بن ابی محمد عبد الرحمٰن بن امام الدین ابی حفص (ف۷۳۹ھ) کی تصنیف ہے۔ آپ قزوین کے باشندے اور شافعی المسلک تھے۔ نیز علامہ قزوینی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ قرن سابع کے مشہور عالم وفاضل اور باکمال بزرگ ہیں۔ بہت ہی کم عمر میں فقہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر اطراف روم میں کسی جگہ قاضی ہو گئے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال سے بھی کم تھی۔ کچھ عرصے کے بعد دمشق آئے اور علوم وفنون، عربیت واصول، معانی وبیان وغیرہ سے اتقان اور پختگی پیدا کی اور جامع دمشق کے خطیب مقرر ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ کو سلطان ناصر نے شام کے عہدۂ قضا کے لیے منتخب کیا۔ اس کے بعد علامہ ابن جماعہ کی جگہ مصر میں بھی آپ نے عہدۂ قضا کے فرائض انجام دیے۔ آپ کی تصنیف ''مفتاح العلوم'' کی تفصیل حسب ذیل ہے:

موصوف نے امام جلیلین شیخ عبد القاہر جرجانی، اور علامہ ابو یعقوب یوسف سکاکی کے دلکش انداز نگارش وطریق تحریر وتقریر کے مابین جمع کرتے ہوئے مفتاح العلوم کی قسم ثالث کی تلخیص وتخلیص کر کے ایک مختصر کتاب تالیف کی، جس کا نام ''تلخیص المفتاح'' ہے۔ چوں کہ یہ خلاف توقع عنایت درجہ مختصر ہو گئی تھی، اس لیے موصوف نے کتاب مذکور کی تالیف سے فراغت کے بعد ایک اور کتاب تصنیف کی، جس کا نام 'الایضاح' ہے اور متن مذکور کے لیے مثل شرح ہے۔ مفتاح کتاب میں مصنف نے خود کہا ہے:

"امابعد فهذه كتاب فى علم البلاغة وتوابعها ترجمة بالايضاح وجعلته على

ترتيب مختصرى الذى سميته تلخيص المفتاح وبسطت فيه القول ليكون

کالشرح له"۔ [۹]

اس کتاب پر متعدد اصحاب وفضل نے شروح وحواشی تحریر کیے ہیں، جن میں سے چند ارباب علم کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) شیخ محمد بن مظفر الخطبی الخلخالی (ف:٧٤٥ھ)

(۲) شیخ شمس الدین بن عثمان بن محمد الزوزنی (ف: ٧٩٢ھ)

(۳) علامه اکمل الدین محمدبن محمود البابرتی (ف:٧٨٦ھ)

(٤) شیخ بهاء الدین ابوحامد احمد بن تقی الدین سبکی (ف:٧٧٣ھ)

(٥) محقق عصام الدین ابراهیم بن عربشاه اسفرائینی (ف: ٩٤٥ھ)

شیخ وجیہ الدین علوی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، آپ نے بھی ''تلخیص المفتاح'' پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔ جو آپ کی عربی دانی پر شاہد عدل ہے۔ جس کا ذکر صاحب تذکرۃ الوجیہ (ص:۴۵) نے آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(۱۹) شرح رساله شمسیه فی المنطق:

''رسالہ شمسیہ'' ابوالحسن نجم الدین علی بن عمر (ف:۶۷۵ھ) کی منطق میں کتاب ہے۔ آپ نے یہ مختصر متن ''شمسیہ'' خواجہ شمس الدین محمد کے لیے لکھا تھا، اور انھیں کی طرف نسبت کر کے ''شمسیہ'' کے ساتھ موسوم کیا ہے۔

اس رسالے کی اہمیت کے پیش نظر ہند اور بیرون ہند کے متعدد ارباب علم نے اس کے شروح وحواشی لکھے ہیں۔ جن میں سے چند لوگوں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) محمد(محمود) بن محمدقطب الدین رازی (ف:٧٦٦ھ)

(۲) علامه سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (ف:٧٩١ھ)

(۳) شیخ علاء الدین علی بن محمد (ف:٩٣٠ھ)

(٤) شیخ جلال الدین محمد بن احمد محلی (ف: ٨٦٤ھ)

(٥) احمد بن عثمان ترکمانی جرجانی (ف: ٨٤٤ھ)

(٦) ابومحمد زین الدین عبدالرحمن بن ابی بکر بن العینی (ف:٨٩٤ھ)

(۷) سیدمحمد بن سید علی همدانی (ف:٩٨٤ھ)

شیخ وجیہ الدین علوی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں۔ آپ نے بھی رسالہ شمسیہ کی شرح لکھی ہے، جس کا ذکر مولانا عبدالحی حسنی نے ''نزہۃ الخواطر'' (ج:۴،ص:۳۴۴) میں، نیز اپنی تصنیف ''اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' (ص:۳۵۲) میں کیا ہے۔

(۲۰) حاشیه تهذیب المنطق:

تہذیب المنطق کے مصنف کا نام سعدالدین مسعود بن عمر (ف:۷۹۲ھ) ہے۔ جو علامہ سعدالدین تفتازانی کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ نے مختلف اصحاب فضل وکمال اساتذہ وشیوخ عضد، قطب الدین رازی وغیرہ سے علوم وفنون کا استفادہ کیا اور تحصیل علم کے بعد عنفوان شباب ہی میں آپ کا شمار علمائے کبار میں ہونے لگا۔ علامہ کفوی کا بیان ہے کہ آپ جیسا عالم آنکھوں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔

آپ کی تصانیف کی مختصر فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) شرح تصریف زنجانی

(۲) مطول شرح تلخیص

(۳) مختصر المعانی

(٤) سعدیه شرح شمسیه

(٥) تلویح

(٦) شرح عقائد نسفی

(۷) حاشیه شرح مختصر الاصول

(۸) تهذیب المنطق والکلام

(۹) شرح مفتاح العلوم

(۱۰) شرح حدیث الاربعین

آپ کی تصانیف میں ایک ''تہذیب المنطق'' ہے، جس کی افادیت کے پیش نظر ہند اور بیرون ہند کے متعدد اصحاب وفضل نے شروح وحواشی تحریر کیے ہیں، جن میں سے چند لوگوں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(١)علامه جلال الدين محمدبن اسعد صديقى دوانى (ف:٩٠٧هـ)

(٢)شيخ مصلح الدين محمدبن صلاح اللارى (ف:٩٧٩هـ)

(٣) شيخ الاسلام احمد بن يحيىٰ بن محمدمشهور بحفيدسعدالدين (ف:٩١٦هـ)

(٤)شيخ مرشد بن امام شيرازى

(٥)شيخ مظفر الدين على بن محمد شيرازى (ف ٩٣٣هـ)

(٦)شيخ هبة الله حسينى مشهور بشاه مير

شیخ وجیہ الدین علوی نے بھی اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے، جس کا ذکر سید حسینی پیر علوی نے تذکرۃ الوجیہ (ص:۴۵) میں آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(٢١) حاشيه قطبى:

قطبی محمد ابوعبداللہ قطب الدین رازی (ف:٧٦٦ھ) کی فن منطق میں مشہور ومعروف کتاب ہے۔صاحب ظفر المحصلین کی تحقیق کے مطابق علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں ان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

امام مبرز فى المعقولات اشتهر اسمه وبعد صيته

معقولات میں آپ چوٹی کے امام تھے، آپ کا نام مشہور ہے، اور دور دراز تک آپ کی شہرت ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ جب یہ ۷۶۳ھ میں دمشق پہنچے اور ہم نے ان سے بحث ومباحثہ کیا، تو منطق وحکمت میں امام اور معانی وبیان اور علم تفسیر کا بہترین عالم پایا۔حافظ ابن کثیر نے ان کے متعلق "احد المتكلمين العالمين بالمنطق" کے الفاظ لکھے ہیں۔آپ کثیر التصانیف تھے، آپ کی تصانیف میں سے چند اہم کتب کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(١) لوامع الاسرار شرح مطالع الانوار

(٢) محاكمات شرح اشارات

(٣) رساله قطبيه

(٤) حواشى كشاف تاسورهٔ طٰهٰ

(٥) شرح الحاوى الصغير

(٦) شرح شمسیه

قطبی اور شرح شمسیہ آپ کی مقبول ومتداول کتب ہیں، جو یوم تصنیف سے آج تک داخل درس ہیں۔ بلکہ بقول ملا عبدالقادر بدایونی قبل ازیں بغیر از شرح شمسیہ وشرح صحائف از منطق وکلام در ہند شائع نبود۔ نویں صدی کے آخر تک منطق میں قطبی اور کلام میں شرح صحائف کے علاوہ کوئی اور کتاب شائع ہی نہ تھی، یعنی لازمی طور پر نصاب کے ختم کرنے والوں کو معقولات کی جن کتابوں کا پڑھنا ضروری تھا، وہ صرف یہی تھیں۔ یہ کتاب بھی آپ نے وزیر غیاث الدین کے لیے تصنیف کی تھی، اس کا پورا نام "تحرير القواعد المنطقيه فی شرح رساله الشمسيه" ہے۔

اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر شیخ وجیہ الدین علوی نے اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔ جس کا ذکر محمد غوثی شطاری نے ''اذکار ابرار'' (ص:۴۰۵) میں، مولانا عبدالحی حسنی نے ''یاد ایام'' (ص:۱۰۰) میں، مولانا محمد حنیف نے ''ظفر المحصلین'' (ص:۴۲۶) میں، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ''مآثر الکرام'' (ص:۴۰۵) میں کیا ہے۔

(۲۲) حاشیه شرح مطالع الانوار:

شیخ وجیہ الدین علوی نے ''شرح مطالع الانوار'' پر حاشیہ تحریر کیا ہے، جس کا ذکر صاحب ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) نے آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(۲۳) حاشیه الجلالیه:

شیخ وجیہ الدین علوی کے اس حاشیے کا ذکر سید حسینی پر علوی نے تذکرۃ الوجیہ (ص:۴۵) میں آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔ اس حاشیے سے متعلق مزید تفصیلات دست یاب نہیں۔ غالباً یہ ''جلالین شریف'' یا ''حاشیہ الزاہدیہ'' پر حاشیہ تحریر کیا ہوگا۔

(٢٤) حاشیه شرح چغمینی:

شرح چغمینی مصنفہ موسیٰ پاشا معروف بہ قاضی زادہ رومی (ف:۸۹۹ھ) کی عربی ریاضیات میں اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ہند و بیرون ہند میں اس کے متعدد حواشی لکھے گئے۔ شیخ وجیہ الدین علوی کی تحریر کردہ حاشیے کا ذکر کتب ذیل میں موجود ہے۔

سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (ص:۱۱۵)، نزہۃ الخواطر (ج:۴،ص:۳۴۴)، الاعلام

(ج:۸،ص:۱۱۰)، ابجدالعلوم (ص: ۸۹۷)، تذکرہ علماے ہند (ص:۵۴۰)، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (ص:۴۵۹)، مآثر الکرام (ص:۱۹۷)، یادایام (ص:۱۰۰)

(۲۵) رسالہ ایمان:

شیخ وجیہ الدین علوی کے تحریر کردہ اس رسالے کا ذکر صاحب ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص: ۴۵) نے آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔ علاوہ ازیں راقم السطور کو اس رسالے سے متعلق کوئی تفصیل دست یاب نہیں ہوسکی ہے۔

(۲۶) رسالہ طریقۂ بیعت:

شیخ وجیہ الدین علوی کے اس رسالے کا ذکر پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔ جیسا کہ رسالے کے نام سے ظاہر ہے، یہ سلوک وطریقت سے متعلق ہوگا۔ اس رسالے کے متعلق احقر کو مزید تفصیل دست یاب نہیں ہوسکی ہے۔

(۲۷) شرح کلید مخازن:

کلید مخازن شیخ محمد غوث گوالیاری کی ''فن تصوف'' میں مشہور ومعروف کتاب ہے، جس میں شیخ موصوف نے علوی وسفلی اشیاء کی حقیقتیں، توحید صوفیہ کے مشرب اور کشفی تحقیق کے اصول بتائے گئے ہیں اور ارباب فنا وبقا کے لیے عینی اور علمی موجودات کی شناخت، کشف ومعائنہ کے ذریعہ ظاہر کی گئی ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی نے اپنے شیخ کی مذکورہ کتاب کی شرح تصنیف کی ہے، جس کا ذکر مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' (ص:۱۱۵) نیز اپنی کتاب ''مآثر الکرام'' (ص:۱۹۷) میں، شیخ غوثی شطاری نے ''اذکار ابرار'' (ص:۴۰۵) میں اور مولوی رحمان علی نے ''تذکرہ علماے ہند'' (ص:۵۴۰) میں کیا ہے۔

(۲۸) شرح لوائح جامی:

لوائح مولانا عبدالرحمٰن جامی کی فن تصوف میں مشہور کتاب ہے، اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر متعدد علمانے شروح وحواشی تحریر کیے ہیں۔ شیخ وجیہ الدین علوی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں۔ آپ نے بھی لوائح جامی کی شرح تصنیف کی ہے، جس کا ذکر مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی تین مایۂ ناز تصانیف ''نزہۃ الخواطر'' (ج:۴،ص:۳۴۴)، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (ص:۲۶۴)

اور ''یادایام'' (ص:۱۰۰) میں کیا ہے۔

(۲۹) مکتوبات:

آپ کے مکتوبات کا ذکر سید حسینی پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(۳۰) حاشیہ کشف الاصول:

شیخ وجیہ الدین علوی کے اس حاشیے کا ذکر صاحب ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔اس حاشیے کے متعلق مزید تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۳۱) حاشیہ شفا قاضی عیاض:

قاضی عیاض کی "شفا" پر شیخ وجیہ الدین علوی نے حاشیہ تحریر کیا ہے، جس کا ذکر صاحب ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) نے آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(۳۲) حاشیہ آصفہانی:

آپ کے تحریر کردہ اس حاشیے کا ذکر کتب ذیل میں موجود ہے:

سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (ص: ۱۵) الاعلام (ج:۸،ص:۱۱۰)، ابجد العلوم (ص: ۸۹۷)، اذکار ابرار (ص:۴۰۵)، مآثر الکرام (ص:۱۹۷)

(۳۳) حاشیہ علی منہل العلامہ الجامی:

شیخ وجیہ الدین علوی کے اس حاشیے کا ذکر مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب ''مآثر الکرام'' (ص:۱۹۷) میں، اور سید حسینی پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں کیا ہے۔

(۳٤) شرح تحفہ شاھیہ:

شیخ وجیہ الدین علوی کی کتاب ''شرح تحفہ شاہیہ'' کا ذکر مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ''مآثر الکرام'' (ص:۱۹۷) میں، مولوی رحمان علی نے ''تذکرۃ علمائے ہند'' (ص:۵۴۰) میں اور سید حسینی پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(۳۵) حاشیہ زبدہ:

شیخ وجیہ الدین علوی کے اس حاشیے کا ذکر سید حسینی پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں

آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔ مزید تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(٣٦) حاشيه عين المفتاح:

شیخ علوی کے حاشیہ "عین المفتاح" کا ذکر صاحب تذکرۃ الوجیہ (ص:۴۵) نے آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(٣٧) حاشيه على الزرح تذكره نيشاپوري:

شیخ وجیہ الدین علوی نے زرح تذکرہ نیشاپوری پر حاشیہ تحریر کیا ہے، اس کا ذکر پیر علوی نے "تذکرۃ الوجیہ" (ص:۴۵) میں کیا ہے۔

(٣٨) رساله القلب:

سید حسینی پیر علوی نے "تذکرۃ الوجیہ" (ص:۴۵) میں شیخ علوی کے اس رسالے کا ذکر آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔ مزید تفصیل دست یاب نہیں ہوسکی۔

(٣٩) رساله وقف اعداد:

شیخ وجیہ الدین علوی کے اس رسالے کا ذکر سید حسینی پیر علوی نے "تذکرۃ الوجیہ" (ص:۴۵) میں آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(٤٠) رساله فی تحقيق ابليس:

پیر علوی نے تذکرۃ الوجیہ (ص:۴۵) میں شیخ وجیہ الدین علوی کی تصانیف کے ضمن میں "رسالہ فی تحقیق ابلیس" کا ذکر کیا ہے۔

(٤١) حاشيه على كتاب سيد شريف جرجاني:

شیخ وجیہ الدین علوی کے اس حاشیے کا ذکر صاحب "تذکرۃ الوجیہ" (ص: ۴۵) نے آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(٤٢) رساله فی الاجوبة الاعتراضات الفقيه الحيرتی علی فاضل الهندی:

اس رسالے کا ذکر پیر علوی نے "تذکرۃ الوجیہ" (ص:۴۵) میں آپ کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

(٤٣) حاشیه شرح مقاصد:

شیخ وجیہ الدین علوی کے اس حاشیے کا ذکر کتب ذیل میں موجود ہے:

نزہۃ الخواطر (ج:۴،ص:۳۴۴)، الاعلام (ج:۸،ص:۱۱۰)، ابجد العلوم (ص:۸۹۷)، یاد ایام (ص:۱۰۰)

(٤٤) مختصر تلخیص:

اس کتاب کا ذکر پیر علوی نے ''تذکرۃ الوجیہ'' (ص:۴۵) میں شیخ وجیہ الدین علوی کی تصانیف کے ضمن میں کیا ہے۔

☆☆☆

حواشی

۱ ظفر المحصلین، ص:۳۸۸

۲ ایضاً، ص:۳۹۲

۳ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۹۹۸

۴ ایضاً، ج:۲،ص:۱۹۹۸

۵ ظفر المحصلین، ص:۴۱۰، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، ص:۶۱

۶ کشف الظنون، ج:۲،ص:۱۸۹۱، ظفر المحصلین، ص:۵۲۳

۷ ظفر المحصلین، ص:۵۱۱، ۵۲۰

۸ اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، ص:۳۵۸

۹ ظفر المحصلین، ص:۴۰۸

باب پنجم

معاصرین کے درمیان آپ کی شخصیت

☆ ہم عصر علما

☆ شاہ صاحب کا بلند مقام و مرتبہ مشاہیر علما کی نظر میں

☆ منظوم خراج عقیدت

(الف) ہم عصر علما

اگر شیخ وجیہ الدین علوی کے دور کے ممتاز وجلیل القدر علما کی فہرست تیار کی جائے، تو ایک ضخیم فہرست تیار ہوسکتی ہے، جنھوں نے مختلف علوم وفنون میں قابل قدر کارہائے نمایاں انجام دیے، جن کا اعتراف اہل ہند و پاک کو ہی نہیں، عالم عرب اور مغربی ممالک کو بھی ہے، جن میں یقیناً بعض ایسے بھی ہیں، جن کو شاہ صاحب پر علمی برتری حاصل ہے، اور بعض ایسے بھی ہیں جن کی علمی وقعت واہمیت اپنی جگہ مسلم مگر مقام ومرتبے کے اعتبار سے وہ شاہ صاحب سے کم درجہ رکھتے ہیں، اور شاہ صاحب کو ان پر فوقیت حاصل ہے، لیکن یہاں ہمارا منشاو مقصود اس فہرست کو دہرانا نہیں جسے اکثر معاصرین اہل علم کے تذکروں میں سوانح نگار پیش کرتے آئے ہیں بلکہ مختصراً ان اصحاب کے بارے میں بتانا ہے، جن سے معاصرت کے ساتھ شاہ صاحب کے کسی طرح کے علمی روابط رہے ہوں۔ چنانچہ اس ضمن میں شیخ علی متقی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محمد بن طاہر پٹنی، ملا عبدالقادر بدایونی وغیرہ کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں ان اصحاب کے مختصر احوال ملاحظہ ہوں:

شیخ علی متقی:

شیخ علی متقی گجرات کے ان برگزیدہ علما میں ہیں، جن کے احسان سے اہل ہند کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتے۔ آپ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے قریبی لوگوں میں تھے۔ آپ نے شیخ محمد غوث گوالیاری کے ''رسالہ معراجیہ'' کی وجہ سے ان کی تکفیر اور قتل کا فتویٰ دیا تھا، مگر شیخ علوی نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

شیخ علی متقی کی ولادت ۸۸۸ھ میں بمقام برہان پور ہوئی، دوسرے قول کے مطابق ۸۸۵ھ میں ہوئی۔ علی نام اور علاء الدین لقب تھا۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے:

علی بن حسام الدین بن عبدالملک ابن قاضی خاں

آپ نے ابتدائی تعلیم برہانپور میں حاصل کی، اور علوم متداولہ کی تحصیل کے لیے ملتان، اور مکہ

مکرمہ کا سفر کیا۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ حسام الدین متقی ملتانی، شیخ ابوالحسن بکری شافعی، شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی وغیرہ علمائے کبار کے نام ملتے ہیں۔

(۱) شیخ حسام الدین ملتانی بڑے عابد وزاہد شخص اور ممتاز عالم تھے، یہ شیخ علی متقی کے مرشد بھی تھے، شیخ ان کی خدمت میں دو برس رہے اور ان سے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کی۔ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ شیخ موصوف سے تفسیر بیضاوی اور کتاب عین العلم کا درس بھی لیا۔

(۲) شیخ ابوالحسن بکری شافعی سے شیخ علی متقی نے مکہ معظمہ میں استفادہ کیا اور حدیث کی تحصیل کی، نیز خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

(۳) شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکہ معظمہ کے مفتی، بلند پایہ فقیہ اور مشہور عالم تھے۔ ابتدا میں شیخ علی نے ان سے کسب فیض کیا۔ مگر آخر میں یہ خود شیخ علی کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہو گئے تھے۔

شیخ علی متقی بلند پایہ محدث تھے اور سلوک وتصوف میں بھی ان کا پایہ بلند تھا۔ ان کا بیشتر وقت علم کی اشاعت اور افادہ وفیضان میں بسر ہوتا تھا۔ حدیث سے ان کا اشتغال مدۃ العمر قائم رہا۔ آپ کتب حدیث کی مراجعت، مقابلہ، تصحیح، مطالعہ اور تصنیف وتالیف میں شب وروز منہمک رہتے تھے، اس لیے فن حدیث پر ان کی نظر نہایت وسیع اور گہری تھی اور اس فن کے نکتوں اور باریکیوں سے انھیں مکمل واقفیت تھی۔

شیخ موصوف علما اور دینداروں سے بڑا تعلق رکھتے تھے۔ ان کی ملاقات کے لیے خود بھی تشریف لے جاتے تھے اور انھیں اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دیتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی مشہور صوفی اور صاحب علم تھے، ان کا بیان ہے کہ مکہ معظمہ میں جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو ہم دونوں کی ایک دوسرے کے یہاں آمدورفت رہتی تھی۔

شیخ کا اصلی طغرائے امتیاز تصوف وسلوک میں امتیاز وکمال ہے۔ ان کی زیادہ شہرت اسی حیثیت سے ہے، تصنیف وتالیف وغیرہ میں تو علمائے ظاہر بھی ممتاز اور صاحب کمال ہوتے ہیں، لیکن کشف وکرامات، باطنی کمالات، عبادت وریاضت اور زہد واتقیا میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ تمام تذکرہ نگاروں نے ان کی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے اور تصوف میں ان کے درجۂ کمال کا اعتراف کیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''اخبار الاخیار'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے تمام مشائخ اور اکابر علما ان کے فضل اور ولایت میں کمال کے معترف اور ان کی تعظیم وتکریم کی رعایت اور اعتراف میں

متفق تھے، اور اب بھی مکہ معظمہ وغیرہ کے عوام وخواص انھیں اسی طرح یاد کرتے ہیں، جس طرح بزرگانِ سلف کو یاد کرتے ہیں۔

شیخ اپنے وطن برہانپور سے علوم وفنون کی تحصیل کے لیے پہلے ملتان گئے، پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ میں مستقل بودوباش اختیار کر لی۔ اس کے بعد وہ کئی بار گجرات میں تشریف لائے اور لوگوں کو فیض یاب کیا۔ پہلی دفعہ وہ سلطان بہادر کے زمانے میں گجرات آئے تھے، اس کے بعد بہادر شاہ کا بھتیجا محمود شاہ دوم تخت نشین ہوا، اس کے عہد میں شیخ علی متقی دوبار مکہ معظمہ سے گجرات تشریف لائے۔

شیخ علی متقی نے سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی زیادہ دلچسپی علم حدیث اور تصوف سے تھی، لیکن آپ نے معاصرانہ بے اعتدالیوں پر بھی بڑی توجہ دی، نیز فرقۂ مہدویت کی تردید میں دو مبسوط رسائل لکھے اور ظہور مہدی کے نشانوں کی تفصیلات اور علماے مکہ کے فتاویٰ درج کر کے مہدی جونپوری کے دعاوی کی تردید کی، یہ آپ کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ گجرات میں جو مہدویت کا مرکز بن گیا تھا۔ یہ تحریک بالآخر ناکام ہوئی، اور اسے اپنا مرکز دکن میں منتقل کرنا پڑا۔ شیخ علی متقی کے بعد آپ کے شاگرد رشید شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے فرقۂ مہدویت کے خلاف آواز اٹھائی اور آخری دم تک اس کی سرکوبی کے لیے کوشاں رہے۔

شیخ علی متقی نے شیخ محمد غوث گوالیاری کے رسالہ معراجیہ کی بھی سخت مخالفت کی تھی، نیز اورادِ غوثیہ پر بھی اعتراض تھا، ان کی مخالفت میں وہ اس قدر سرگرم ہو گئے تھے کہ ان کی تکفیر اور قتل کا فتویٰ بھی دے دیا تھا، مگر شیخ وجیہ الدین علوی کے اس فتوے پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے شیخ نے اس بلا سے نجات پائی تھی۔ اس واقعے کی تفصیل ملا عبدالقادر بدایونی نے (جو شیخ وجیہ الدین علوی کے ہم عصر تھے) اپنی کتاب ''منتخب التواریخ'' میں بیان کی ہے، جس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

شیخ محمد غوث گوالیاری شطاری سلسلے کے مشہور صوفی تھے اور ان کی بدولت اس سلسلے کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ وہ شیخ فریدالدین عطار کی نسل سے تھے اور سلوک و باطن کی تکمیل شیخ ظہور حاجی حمید سے کی تھی، ان کی ایما سے کوہ چنار کے جنگلات میں تیرہ برس تک بڑی ریاضتیں کرتے اور درختوں کے پتے کھا کر یادِ الٰہی کرتے رہے۔

ہمایوں بادشاہ ان کا بڑا معتقد تھا لیکن شیر شاہ کا جب بول بالا ہوا، تو وہ ان کے پیچھے پڑ گیا تھا، اس کی وجہ سے شیخ غوث گوالیار سے ہجرت کر کے گجرات تشریف لائے، یہاں شیخ علی متقی نے ان کے کفر وقتل کا فتویٰ دیا۔

سلطان محمود گجراتی نے شیخ وجیہ الدین علوی سے جب اس مسئلے پر استصواب کیا، تو وہ تحقیق حال کے لیے شیخ محمد غوث کے پاس گئے اور پہلی ہی مقالات میں ان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ فتوے کو چاک کر دیا۔ شیخ علی متقی کو معلوم ہوا تو انھوں نے شیخ وجیہ الدین سے کہا، تم کیوں بدعت کے رواج پر راضی ہو گئے، شرع میں رخنہ ڈالتے ہو۔ انھوں نے کہا ہم ارباب قال ہیں اور شیخ اہل حال ہیں، ہمارا ذہن ان کے کمالات کو نہیں سمجھ سکتا اور ظاہر شریعت میں کوئی اعتراض ان پر نہیں آتا۔ غرض ان کے اثر سے تمام گجرات کے حکام شیخ محمد غوث کے معتقد ہو گئے اور شیخ نے اس بلا سے نجات پائی اور پھانسی سے بچ گئے۔ اس واقعے کے بعد شیخ علوی اکثر اپنی مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے: ظاہر شریعت پر ایسی ہی نظر ہونی چاہیے جیسی شیخ علی متقی کی ہے اور حقائق پر ایسی جیسی ہمارے مرشد کی نظر ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی نے مسئلہ مذکورہ میں شیخ علی متقی کی نہ صرف یہ کہ تائید نہیں کی، بلکہ مسئلہ تکفیر پر ایک مستقل رسالہ بھی تحریر کیا، جس میں ابتداءً فقہی کتابوں سے مسئلہ تکفیر پر روشنی ڈالی ہے، پھر احادیث سے سنداً سب کو مشرح بیان کیا ہے۔ آخر میں صوفیاے کرام کے احوال سے بحث کی ہے کہ حالت سکر میں جو کہہ جاتے ہیں وہ قابل مواخذہ نہیں ہوتا ہے۔

شیخ علی متقی کی وفات ۲؍جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ کو بروز منگل طلوع سحر کے وقت مکہ معظمہ میں ہوئی، اس وقت عمر تقریباً ۹۰ برس کی تھی اور جنت المعلیٰ میں ایک پہاڑ کے دامن میں حضرت فضیل بن عیاضؒ کی قبر کے بالمقابل دفن ہوئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بلند پایہ عالم اور کامل شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے مصنف بھی تھے۔ آپ نے سفر حجاز کے وقت گجرات میں قیام کیا تھا اور شیخ وجیہ الدین علوی سے ملاقات کی سعادت حاصل کی تھی اور علوم وفنون کی تحصیل کی تھی۔

شیخ محدث دہلوی کی ولادت محرم الحرام ۹۵۸ھ میں شہر دہلی میں ہوئی۔ عبدالحق نام، ابوالمجد

کنیت، حقی تخلص اور محدث دہلوی عرف ہے۔ آپ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:

''عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ بن فیروز بن ملک موسیٰ بن ملک معز الدین بن آغا محمد ترک بخاری''۔

آپ نے ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، اور علوم متداولہ کی تحصیل کے لیے علماے ماوراء النہر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ کے اساتذہ میں والد ماجد شیخ سیف الدین، شیخ محمد مقیم، شیخ عبدالوہاب متقی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ شیخ محدث دہلوی علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی سے بھی غافل نہ رہے۔ اور اپنے والد ماجد مولانا سیف الدین سے روحانی تعلیم وتربیت بھی حاصل کی تھی، جو ایک صاحب دل بزرگ تھے اور سلسلہ سہروردیہ کے ایک عالم سے بیعت تھے، نیز شیخ امان اللہ پانی پتی سے بھی صحبت یافتہ تھے۔

اس کے بعد محدث دہلوی والد ماجد کے حکم سے سید موسیٰ گیلانی سے بیعت ہوگئے تھے۔ مکہ معظّمہ میں محدث دہلوی نے اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقی سے بھی بیعت کی تھی، جو شیخ علی متقی کے شاگرد، مرید اور خلیفہ تھے۔ محدث دہلوی نے خواجہ محمد باقی نقشبندی سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا، نیز شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی سے سلسلۂ قادریہ کے کچھ اذکار واشغال حاصل کیے تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حج وزیارت کے لیے دہلی سے روانہ ہوئے اور اجین مالوہ میں وہاں کے امیر وحاکم خان اعظم کے یہاں قیام کیا، اس نے شیخ کی خاطر ومدارات میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا، اور سامان سفر مہیا کیا، اس کے بعد آپ احمد آباد کے لیے روانہ ہوگئے۔

احمد آباد میں شیخ محمد غوثی شطاری نے آپ سے ملاقات کر کے استفادہ کیا، اور مرزا نظام الدین احمد، صاحب طبقات اکبری نے آپ کا استقبال کیا، جو ان دنوں یہاں کے بخشی تھے، ان کے اصرار پر شیخ آئندہ موسم حج تک کے لیے احمد آباد میں رکے رہے۔

گجرات کے قیام کے زمانے میں آپ شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور طریقۂ قادریہ کے بعض اشغال واذکار آپ سے سیکھے نیز آپ کے علوم ظاہری وباطنی سے استفادہ کیا، جس کا ذکر شیخ محدث دہلوی نے خود اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں کیا ہے، موصوف رقم طراز ہیں:

''محرر سطور در وقتیکہ بہ قصد زیارت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہ احمد آباد گجرات رسید از متاخرین

مشائخ آں دیار کہ شیخ وجیہ الدین جامع کمالات و برکات وسن و معمر و مرتاض مشغول بتدریس علوم وتصنیف کتب وترتیب وارشاد طالبان بود بملاقات وے مستعد شد، و بہ بعضے اذکار واشغال بسلسلۂ عالیہ قادریہ مشرف گردید'' [1]

محرر سطور جب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادہ سے احمد آباد گجرات پہنچا، تو اس وقت وہاں مشائخ متاخرین میں شیخ وجیہ الدین جو جامع کمالات و برکات سن رسیدہ بزرگ تھے، درس وتدریس میں مشغول تھے کتابوں کی تصنیف وترتیب اور ارشاد طالباں میں ان کا انہماک تھا ان کی ملاقات کی سعادت حاصل کی اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے کچھ اذکار واشغال ان سے حاصل کیے۔

مؤرخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق نے گجرات میں بڑی مشغول زندگی بسر کی، اس کی کسی قدر تفصیل شیخ محمد اکرام نے بھی تحریر کی ہے، لکھتے ہیں:

''پھر (محدث دہلوی) احمد آباد پہنچے اور اپنے قدیمی دوست مرزا نظام الدین صاحب طبقات اکبری کے پاس قیام کیا، جو ان دنوں صوبۂ گجرات کے بخشی تھے، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم گزر چکا ہے، چنانچہ کوئی ایک سال تک رکنا پڑا، اس دوران میں علمی اور روحانی مشاغل برابر جاری رہے، بلکہ شاید آپ کے مشہور تذکرۃ الاولیا اخبار الاخیار کے زیادہ وسیع نقطۂ نظر اور زیادہ صحیح معلومات کا ایک سبب یہ ہے کہ آپ نہ صرف دہلی کے اہل علم یا ان بزرگوں سے جو اپنی ضروریات کے سلسلے میں دارالخلافہ میں آئے تھے واقف تھے بلکہ آپ نے (حجاز کے علاوہ) پنجاب، بندیل کھنڈ، مالوہ اور گجرات کا سفر کیا تھا، وہاں کی زیارتیں دیکھی تھیں، اہل علم سے ملاقاتیں کی تھیں اور اطراف ملک کی روحانی زندگی سے ذاتی واقفیت تھی، احمد آباد میں آپ کو وہاں کے سب سے برگزیدہ عالم شیخ وجیہ الدین علوی سے ملنے اور فیض پانے کا موقع ملا، اور اخبار الاخیار میں آپ نے لکھا ہے کہ آپ نے ان سے قادریہ سلسلہ کے کئی اذکار واشغال بھی حاصل کیے'' [2]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے کارناموں، علمی ودینی مشاغل اور عملی سرگرمیوں کی باقاعدہ ابتدا حجاز کے سفر سے واپسی کے بعد ہوئی ہے، اس زمانے میں انھوں نے گوناگوں دینی، علمی اور تعلیمی خدمات انجام دیں، اس سلسلے میں ان کا ایک نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ وہ حجاز سے آنے کے بعد مدۃ العمر درس و تدریس کی مسند پر فروکش رہے۔ اس کے لیے انھوں نے جو دینی مدرسہ قائم کیا تھا اس میں ایک نیا اور

عام حلقہ ہائے درس سے مختلف نصاب تعلیم داخل کیا تھا۔

حجاز کی روانگی سے پہلے ان کے علمی فیضان کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، مگر حجاز سے واپسی کے بعد دینی علوم کی نشر و اشاعت اور کتب دینیہ خصوصاً احادیث کی تعلیم کے لیے انھوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اور تقریباً ۵۲ برس تک درس و تدریس کے مشغلہ میں پوری یکسوئی، انہماک اور سرگرمی سے لگے رہے، اس کے لیے ساری دلچسپیاں اور لذتیں ترک کر دیں، سیر و سفر اور لوگوں سے ملنا جلنا سب چھوڑ دیا، جس کی شیخ عبدالوہاب متقی اور شاہ ابوالمعالی نے ان کو خاص طور پر ہدایت بھی کی تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے درس و تعلیم کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، آپ کے درس کی شہرت ہندوستان سے باہر عرب ملکوں میں ہوئی۔ آپ سے استفادہ کے لیے ہندوستان کے دور دراز گوشوں سے طلبا ان کی خدمت میں آتے تھے، کشمیر سے بنگال اور دہلی سے جونپور تک ان کے تلامذہ پھیلے ہوئے تھے، جن کی بدولت آج تک شیخ محدث کا سلسلہ چل رہا ہے۔ انھوں نے طویل عمر پائی تھی، اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک وہ مسند درس پر فروکش رہے۔

آپ کے مندرجہ ذیل تلامذہ کے نام ملتے ہیں:

شیخ نورالحق دہلوی، شیخ ہاشم، رضی الدین ابوالمناقب، شیخ علی محمد، شیخ ابوالبرکات ولی الدین عبدالنبی، شیخ ابوالسعادات کمال الدین ابوالرضا بابا رتن بن اسماعیل دہلوی، مولانا عبدالحکیم، مولانا محمد حیدر دہلوی، شیخ محمد حسین خانی نقشبندی، خواجہ خاوند معین الدین بن خواجہ خاوند محمود المعروف بحضرت ایشاں، خواجہ حیدر بن خواجہ فیروز کشمیری، شاہ طیب ظفر آبادی، مخدوم دیوان محمد رشید بن مصطفیٰ جونپوری، مولانا شیخ ابواحمد سلیمان کردی، مولانا شاہ عبدالجلیل الٰہ آبادی، شیخ عبدالقادر، شیخ عنایت اللہ بن الٰہداد صدیقی بلگرامی، شیخ شاکر محمد بن وجیہ الدین حنفی دہلوی۔

آپ کی وفات بروز پیر ۲۳ ربیع الاول ۱۰۵۳ھ کو دارالسلطنت دہلی میں ہوئی اور حوض شمسی کے قریب دفن کیے گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر چورانوے (۹۴) برس تھی۔

شیخ محمد بن طاہر پٹنی:

شیخ محمد بن طاہر پٹنی ہندوستان کے سرآمد روزگار علما و فضلا میں سے ہیں، حدیث فقہ، اصول فقہ کے علاوہ عربی زبان و ادب پر بھی آپ کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ آپ شیخ وجیہ الدین علوی کے

قریبی لوگوں میں تھے اور اہم مسائل میں شیخ علوی سے رجوع کرتے تھے، آپ نے شیخ پٹنی کو آگرہ جانے سے بھی منع کیا تھا۔

آپ کی ولادت ۹۱۳ھ میں پٹن گجرات میں ہوئی اور دوسرے قول کے مطابق ۹۱۴ھ میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا شیخ ناگوری، شیخ برہان الدین، مولانا یداللہ سے کی، اور علوم متداولہ کی تحصیل کے لیے حرمین شریفین گئے اور وہاں کے مندرجہ ذیل بزرگوں سے فن حدیث کی تحصیل کی۔

شیخ ابوالحسن بکری، علامہ احمد بن حجر ہیثمی، شیخ احمد بن حجر مصری مکی صاحب صواعق محرقہ، شیخ علی بن عراق، شیخ جاراللہ بن فہد مکی، شیخ عبداللہ عیدروس مدنی، شیخ علی مدنی، شیخ عبیداللہ حضرمی، شیخ برخوردار سندھی۔

حجاز میں کئی برس قیام کے بعد جب آپ وطن واپس تشریف لائے، تو درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے۔ آپ میں بڑی دینی حمیت اور ایمانی غیرت تھی۔ سنت کا اتباع اور اس کی ترویج اور ردّ بدعت ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ آپ کی قوم بوہرہ سنی اور شیعہ دو گروہوں میں بٹی ہوئی تھی، سنی بوہروں میں زمانہ کے اثر اور شیعہ بوہروں کے اختلاط کی وجہ سے گوناگوں بدعتیں پھیل گئی تھیں اور دینداری مفقود ہوتی جارہی تھی۔ اس زمانہ میں مہدویت کا زور واثر بھی بہت بڑھ گیا تھا، اس کے پیش نظر شیخ بڑی سرگرمی اور نہایت جانفشانی سے بدعت اور مہدویت کے قلع قمع کرنے اور سنت ودینداری کے فروغ اور بول بالا کرنے کے لیے کمربستہ ہوگئے تھے۔

مہدوی فرقے کے موسیٰ خاں اور شیر خاں طالب علم بن کر ان کے مدرسے میں آئے اور موقع پاکر آپ کے شانہ پر حملہ کیا، جس سے شیخ زخمی ہوگئے۔ لیکن جلد ہی ٹھیک ہوگئے اور اسی جوش وخروش کے ساتھ برابر مہدویت اور بدعت کے استیصال میں منہمک رہے۔

مگر جب عبدالرحیم خانخاناں گجرات کا گورنر ہوا، جس کے عہد حکومت میں شیعہ بوہرے پھر دلیر ہوگئے، اور ان کی سرگرمیاں بھی تیز ہوگئیں۔ شیخ نے یہ صورت حال دیکھی، تو اپنا عمامہ سر سے اتارا، اور آگرہ کا رخ کیا، تاکہ بادشاہ کے حضور عرض حال کریں۔

علامہ محمد بن طاہر نے جب آگرہ جانے کا ارادہ کیا، اس وقت شیخ وجیہ الدین علوی نے انھیں اشارتاً وکنایتاً مختلف طریقوں سے اس ارادہ سے روکنا چاہا، لیکن محمد بن طاہر اپنے ارادہ سے باز نہ آئے۔

مذکورہ واقعہ کی تفصیل شیخ علوی کے شاگرد رشید شیخ محمد غوثی شطاری نے گلزار ابرار میں شیخ محمد بن طاہر پٹنی کے تذکرہ میں بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے استادی شیخ وجیہ الدین احمد آبادی کی ملازمت میں پہنچ کر، وداعی مراسم ادا کیے، استادی شیخ وجیہ الدین اس عزم سے مانع تھے اور فسخ عزم کے واسطے تحریک فرماتے تھے، مگر جو شخص سفر کے واسطے بالکل مہیا ہو۔ چوں کہ اس کو صریح طور پر باز رکھنا عوام کے نزدیک مبارک نہیں ہوتا ہے، لہذا اس قاعدے کے موافق انھوں نے اس طرح یہ بات کان میں ڈالی۔

گرامی برادر کے حقیقت شناس ضمیر کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس نظم ونسق کے ساتھ جو کارخانہ عالم کی آفرینش ہوئی ہے، اس کا باعث یہ ہے کہ اسمائی کمالات کا اظہار ہو، اور یہ اظہار جمالی اور جلالی مظاہر کے ساتھ وابستہ ہے اور اپنے مربی کے آثار واحکام کے طرز پر ہر ایک اسم کے مظہر کی جو کچھ رفتار ہے، یہی رفتار اس کے واسطے صراط مستقیم ہے۔ گو اس کے تقابل پر نظر کر کے وہ رفتار مخالف اور منحرف معلوم ہوتی ہو، اور اس مقام پر ہر موسی کو اپنے فرعون کے ساتھ آشتی رکھنی چاہیے۔

واضح ہو کہ صراط مستقیم حقیقت شناس مفسروں کے نزدیک دو طرح پر ہے (ایک) ایجابی (دوسرے) ایجادی۔ قرآن مجید میں صراط مستقیم کا ذکر جہاں کہیں بہ لفظ نکرہ نازل ہوا ہے، وہاں پر اکثر مراد ایجادی ہے اور جس آیت میں یہ لفظ معرفہ وارد ہوا ہے، وہاں پر زیادہ تر مقصود ایجابی ہے۔ فافہم۔

دوسری یہ بات ہے کہ انسان جو عالم کبیر کا نمونہ ہے، اس کی عنصری پیکر سے، دقیقہ شناس شخص یہ عبرت کیوں حاصل نہیں کرتا ہے، کہ اس کی ہستی، اس بندوبست اور متعارف اعتدال کے ساتھ چند لطیف اور کثیف اعضا پر موقوف ہے۔ چنانچہ اگر امعا جیسے کثیف عضو کو بھی کوئی تکلیف پہنچ جاوے تو باغیچہ بدن کی شگفتگی میں سراسر آشفتگی اور پژمردگی نمایاں ہو جاوے۔

اب برادر من، سیاست فراست کی بات نہیں ہے اور مشغولی حق کے ساتھ ہی ہونا زیبا ہے نہ خلق کے ساتھ۔ ھذہ آوان السکوت والتزام البیوت (یہ زمانہ سکوت اور مکانوں میں بیٹھنے کا ہے)

استادی شیخ وجیہ الدین نے گو آپ کی فہمائش کی، لیکن بنیاد تعصب بہت استحکام کے ساتھ قائم تھا۔

اس واسطے اس نصیحت کو آپ کے گوش قبول میں جگہ نہیں ملی، اور جو سفر دل میں قرار دے رکھا تھا، اس کے راستے پر چل نکلے، پھر راستے میں پیش آیا جو کچھ پیش آیا''۔[۳]

۶ رشوال ۹۸۶ھ کو سوجی اجین کے قریب جب شیخ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، تو مہدویوں نے نہایت بے رحمی سے انھیں شہید کر دیا۔ آپ کی تفصیلی حالات باب اول میں ملاحظہ فرمائیں۔

ملا عبدالقادر بدایونی:

ملاّ عبدالقادر بن ملوک شاہ شیخ وجیہ الدین کے ہم عصر تھے، اور عہد اکبری کے مؤرخ تھے، نیز عربی، فارسی اور سنسکرت کے فاضل تھے۔

آپ کی ولادت ۹۴۷ھ ''بساور'' میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم سید محمد مکی، مخدوم اشرف بساوری، شیخ حاتم سنبھلی سے حاصل کی، اور علوم متداولہ کی تحصیل کے لیے آگرہ کا سفر کیا۔ آپ کے اساتذہ میں مفتی ابوالفتح بن عبدالغفور تھانیسری، شیخ مبارک بن خضر ناگوری، قاضی اُبوالمعالی حنفی، میر تقی ابن فارغی شیرازی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

اکبر بادشاہ نے آپ کو تصنیف وتالیف اور ترجمے کے کام پر مامور کیا تھا، لہٰذا آپ نے مندرجہ ذیل کتابوں کا ترجمہ کیا۔

(۱) مہابھارت (۲) رامائن (۳) الجامع الرشیدی، یہ عربی زبان میں تذکرہ کی بڑی اہم کتاب ہے، آپ نے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ (۴) بحر الاسماء (۵) تاریخ کشمیر (۶) معجم البلدان (۷) تاریخ الالفی۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں ''الاربعون فی فضل الجہا'' نجاۃ الرشید اور منتخب التواریخ کے نام ملتے ہیں۔

آپ کی مایۂ ناز تصنیف ''منتخب التواریخ'' تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد میں ہندوستانی بادشاہوں کا تذکرہ ہے اور دوسری جلد اکبر شاہ کے حالات میں ہے اور تیسری جلد میں علما، مشائخ، اطبا اور شعرا کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں۔

مولانا عبدالحی حسنی 'منتخب التواریخ' کے متعلق لکھتے ہیں:

"وكتابه هذا مما لا نظير له فی صحة الرواية، نقد فيها أخلاق الناس بعين البصيرة فنقد الغش من الخالص، وذكر المناقب والمعايب، وما قصر فی

انتقاد الرجال حتى أنه لم يبال بصاحبه أكبر شاه، وكشف القناع عن حسنه وقبحه وخيره وشره وصوابه وخطائه وعدله وظلمه كأنه متحنط لايبالي بموته "۔[۴]

عبدالقادر بدایونی کو اکبر کے مذہبی افکار سے شدید اختلاف تھا، اپنی کتاب میں اس کی دینی گمراہیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور ان درباری امرا اور شعرا کی شدید مذمت کی ہے، جنھوں نے اکبر کے خیالات کی تائید کی تھی۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں شیخ وجیہ الدین علوی کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ شیخ علوی سے مجھے ملاقات کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔

آپ کی وفات ۱۰۰۴ھ میں ہوئی اور ستاون (۵۷) سال کی عمر عزیز پائی۔[۵]

(ب) شاہ صاحب کا بلند مقام ومرتبہ مشاہیر علما کی نظر میں

کہتے ہیں معاصرت ایک برا مرض ہے اور ایک معاصر اپنے معاصر کی تعریف وتوصیف کرنے میں نہ صرف بخیل ہوتا ہے، بلکہ کبھی کبھی بدخواہی کا بھی اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے اصحاب علم وفضل کے بارے میں ان کے بعض معاصرین کی رائے اور ان کے خیالات جادۂ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں، جس کی بہت سی مثالیں تذکروں میں موجود ہیں۔

لیکن شیخ وجیہ الدین علوی ان خوش نصیب لوگوں میں ہیں، جن کے بارے میں نہ صرف ان کے معاصر اصحاب علم وفضل بلکہ ان کے بعد کے مورخین، ناقدین، تذکرہ نگار حضرات نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ شاہ صاحب کے علم وفضل ان کے مرتبۂ کمال، ان کی عبقریت اور بے پناہ ادبی صلاحیت کا اعتراف کیا ہے اور نہایت بلند الفاظ میں ان کی مدح سرائی کی ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں چند بلند پایہ مشاہیر اہل قلم اور مستند مورخین وتذکرہ نگاروں کے خیالات انھیں کے الفاظ میں زیب قرطاس کیے جارہے ہیں:

(ا) شیخ عبدالحق محدث دہلوی جب سفر حجاز کے لیے جارہے تھے، اس وقت آپ نے شیخ وجیہ الدین علوی کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ آپ نے اپنی مایۂ ناز تصنیف ''اخبار الاخیار'' میں شیخ وجیہ الدین علوی کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے، اپنی اس تاریخی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''محرر سطور در وقتی کہ بقصد زیارت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بداں دیار رسید بہ ملاقات وی مستسعد شد وبعضی اذکار واشغال سلسلۂ عالیہ قادریہ مشرف گردید اکنون جانشین اوخلف صدق اوست شیخ عبداللہ موصوف است بعلم وحلم وریاضت وغربت وہمت وعفت وسائر اخلاق درویشاں''۔[۶]

شیخ وجیہ الدین علوی کے شاگرد رشید مولوی محمد غوثی شطاری اپنی کتاب ''گلزار ابرار'' میں لکھتے ہیں:

''آپ شیخ نصر اللہ علوی کے بیٹے تھے، مولد اور مرقد دونوں احمد آباد گجرات میں ہیں۔ آپ دونوں

جہاں کے قطب، دونوں جہاں کے حقائق کے مرکز، حصولی اور حضوری علوم کے مالک، اکتسابی اور وہبی فنون کے خداوند کتابی منقوش اشیا کے رموز دان اور اسرار لوح محفوظ کے رازدار تھے... یہاں تک کہ ساٹھ (۶۰) علم سے زیادہ ہی زیادہ آپ کو حاصل ہو گئے ... باسٹھ (۶۲) سال کی مدت میں آپ کی فیض رسانی کی بدولت بہت سے ذی استعداد لوگوں نے آپ کی شاگردی سے خلعت استادی پایا اور بہت سے بلند ہمت صوفیوں نے آپ کی دل نشیں تلقین سے خرقۂ خلافت حاصل کیا''۔ ۷

موصوف نے آپ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جس سے آپ کی علمی شخصیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ درس و تدریس میں کس قدر منہمک رہتے تھے کہ کوئی تقریب مانع درس نہیں ہوتی تھی۔ لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالقادر بغدادی کہتے ہیں، کہ آپ عقد کی شب میں اپنی عروس کے گھر ایک مجمع کے ساتھ گئے تھے۔ جیسی کہ رسم ہے، صبح کے وقت اہل ہند کا دستور ہے کہ داماد اور عروس کو سنوار کر ایک آراستہ کیے ہوئے تخت پر بٹھاتے ہیں اور کچھ تکلفات اور تجلیات کام میں لاتے ہیں، آپ اس معینہ وقت پر مدرسہ میں چلے گئے، لوگ اس غرض سے کہ مقررہ رسم پوری کی جائے، آپ کی تلاش کے درپے ہوئے، آپ کے پدر بزرگوار نے فرمایا کہ وجیہ الدین کو تحصیل علم کا شوق، اس سے زیادہ ہے کہ بیان میں آسکے، مدرسے میں ہوں گے، وہاں سے بلا لیا جاوے''۔ ۸

ملا عبدالقادر بدایونی بھی شیخ وجیہ الدین علوی کے زمانے میں موجود تھے، مگر شیخ علوی سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا، جس کا ان کو قلق تھا، موصوف اپنی کتاب ''منتخب التواریخ'' میں لکھتے ہیں:

''... یہ علوی نسب سے تعلق رکھتے تھے، لیکن اپنے نسب کو انھوں نے مسافر ہونے کی وجہ سے شہرت نہ دی۔ اپنے زمانے کے بڑے عابد و متقی عالم تھے، شریعت کی نہایت پابندی کرتے تھے، گوشہ نشینی ان کا شعار تھا۔ ہمیشہ دینی علوم کے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ تمام عقلی اور نقلی علوم پر قدرت و عبور حاصل تھا، چنانچہ ''صرف ہوائی'' سے لے کر ''قانون''، ''شفا''، ''شرح مفتاح'' اور ''عضدی'' جیسی کتابوں سے شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جس پر انھوں نے شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو۔ ایک مخلوق ان کے علمی افادہ سے فیض اٹھاتی رہی''۔ ۹

ملاعبدالباقی نہاوندی بھی شیخ وجیہ الدین سے فیض یاب تھے، مآثر رحیمی شیخ علوی کی حیات میں تالیف کی تھی، اس میں لکھتے ہیں:

''میاں وجیہ الدین فاضلے دانش مند وعالمی خردمند است وشاگرد بے واسطہ عماد طارمی بود کہ از جملہ شاگرداں وتلامذہ علامۂ زماں ووحید دوراں مولانا جلال الدین دوّانی است کہ از غایت شہرت احتیاج بتعریف وتوصیف ندارد، واکثری از ملایان متبحر ہندوستاں شاگردیان مولی الیہ اند، وبجامعیت اودرمیان فضلائے ایں عصر کسے بہم نمی رسد، ودر مجاہدہ نفس وترک لذات دنیاوی نیز سعی بکمال کردہ، تزکیہ نفسے فی الجملہ اورا بہم رسیدہ بود، واحوال خیر قال میاں مذکور از غایت شہرت ونہایت عالمگیری از تفصیلی آں بازم میدارد''۔ ۱۰

آپ کے معاصر خواجہ نظام الدین احمد بخشی لکھتے ہیں:

''میاں وجیہ الدین گجراتی: مدت پنجاہ سال، بر جادۂ ارشاد، وہدایت متمکن بود، بفقر وفاقہ وتوکل گزرانیدی، وہمہ وقت درس گفتی، وعلوم نقلی وعقلی خوب دانستی، صاحب تصانیف شریفہ است بر اکثر کتب علمی شروح وحاشیہ نوشتہ''۔ ۱۱

شیخ علوی کے ہم عصر مرزا محمد عرف معتمد خاں بخشی ''اقبال نامۂ جہانگیری'' میں شیخ وجیہ الدین علوی کی شان میں لکھتے ہیں:

''شیخ وجیہ الدین شیخ محمد غوث کے خلفا میں ہیں، لیکن ایسے خلیفہ کہ مرشد بھی ان کی خلافت پر ناز کرے، سوائے ان کے کوئی نہیں ملے گا۔ شیخ وجیہ الدین کی ارادت حضرت شیخ محمد غوث کی عظمت کی بڑی واضح اور قطعی دلیل ہے۔ شیخ وجیہ الدین ظاہری اور معنوی دونوں خوبیوں سے آراستہ تھے''۔ ۱۲

ملا محمد صادق شیخ وجیہ الدین علوی کی شان میں اس طرح مدح سرائی کرتے نظر آتے ہیں:

''شیخ میاں وجیہ الدین احمد آبادی، قدس سرۂ علوی است واز علمائے کبار روزگار وصاحب تقویٰ وورع عظیم بر جادۂ شریعت استقامت تمام داشتہ دائم بدرس وافادہ اشتغال می نمودہ وقدرت وے در علوم عقلی ونقلی بمرتبہ بود کہ کم کتاب باشد از صرف ہوائی تا قانون وشفا وشرح مفتاح وعضدی کہ شرح یا حاشیہ براں نوشتہ باشد خلائق راہموارہ از انفاس متبرکہ او فیضے سرسید وحق سبحانہ اسم شانی

راظاہر واورا مظہر ساختہ بود تا ہر روز جمعی کثیر از بیماراں بملازمت وے آمدہ التماس دعامی کردند وشفامی یافتند''۔[۱۳]

غلام معین الدین ''معارج الولایہ'' میں شاہ صاحب کی شان میں لکھتے ہیں:

''شیخ وجیہ الدین علوی علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اور شیخ محمد غوث کے خلیفہ تھے، مرید کسی اور سے تھے، نہایت سن رسیدہ، رات میں ریاضت ومجاہدہ کرتے اور دن کو طالب علموں کے پڑھانے میں مشغول رہتے''۔[۱۴]

سکندر بن محمد نے ''مرآت سکندری'' میں شیخ علوی کی شان میں مندرجہ ذیل القاب وآداب ذکر کیے ہیں:

"اعلم العلماء، افضل الفضلا، جامع المنقول والمعقول، حاوی الفروع والاصول کاشف اسرار وجود، ناظر انوار شهود، بندگی میاں وجیه الدین علوی".[۱۵]

نورالدین جہانگیر نے ''توزک جہانگیری'' میں شیخ محمد غوث گوالیاری کے ذکر میں شیخ علوی کے متعلق لکھا ہے:

''شیخ وجیہ الدین، شیخ محمد غوث کے ایسے بلند مرتبہ خلیفہ تھے، جن پر خود مرشد کو فخر ہوتا ہے''۔[۱۶]

مولوی فقیر محمد جہلمی نے آپ کی شان میں مندرجہ ذیل تعظیمی وتوصیفی القاب ذکر کیے ہیں:

''شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی: عالم ماہر، فاضل تبحر، زاہد، عارف، فقیہ، محدث، جامع کمالات ظاہری وباطنی تھے۔ تمام عمر تدریسی علوم اور تصنیف کتب میں مصروف رہے، اور اکثر کتب کے شروح وحواشی تصنیف فرمائے''۔[۱۷]

آپ کے ہم عصر عبدالقادر حضرمی اپنی کتاب ''النور السافر'' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وفیها (۹۹۸ھ) توفی الرجل الصالح، المشهور المعمر وجیه الدین الهندی باحمدآباد، وکان فی اهل العلم والزهد وحصل له القبول العظیم مع الناس، وانتفع به الطلبة فی کثیر من الفنون واشتهر امره جدا".[۱۸]

ابوالفلاح عبدالحی بن عماد الحنبلی شیخ علوی کے متعلق لکھتے ہیں:

"كان من أهل العلم والزهد وحصل له القبول التام من الناس وانتفع به الطلبة في كثير من الفنون واشتهر أمره جدا"۔ [۱۹]

مولوی رحمان علی ''تذکرہ علماے ہند'' میں شاہ وجیہ الدین علوی کی شان میں لکھتے ہیں:

''...ظاہری علوم ملاّ عماد طارمی کی خدمت میں حاصل کیے، اور شیخ قاضن کے مرید ہوئے، ظاہری و باطنی خوبیوں میں کمال حاصل کیا، خدا تعالیٰ نے اسم شافی کا ان کو مظہر بنایا تھا۔ ہر جمعہ کو ان کے آستانے پر مریضوں کی ایک بہت بڑی جماعت پہنچتی تھی، اور ان سے دعا کی درخواست کرتی تھی اور اس کا اثر جلد ہوتا تھا، غرض مخلوق خدا کو ہمیشہ ان کی ذات مقدس سے فیض پہنچتا۔ زمانے کے اکابر واخیار ان کے امکان پر پہنچتے تھے۔ اس کے باوجود ہمیشہ تدریس وتصنیف میں مشغول رہتے تھے۔ وضع اور لباس میں کسی شخص سے ممیز نہیں رہتے تھے۔ موٹے کپڑے پہنتے تھے، جو کچھ فتوحات سے ملتا تھا وہ سخاوت وایثار میں خرچ کر دیتے تھے''۔ [۲۰]

شیخ محمد اکرام ''رود کوثر'' میں شاہ وجیہ الدین علوی کی شان میں لکھتے ہیں:

''شیخ وجیہ الدین پیدا تو مشرقی گجرات کے قدیمی شہر چانپانیر میں ہوئے، لیکن ان کے علم وفضل کا دریا احمد آباد میں بہتا رہا، انھوں نے کئی سال درس دیا، اور ایک عالم کو سیراب کیا اور متعدد درسی کتب پر حاشیے اور شرحیں لکھیں...شاہ وجیہ الدین ایک جید عالم تھے۔ بدایونی لکھتا ہے کہ شاید ہی کوئی درسی کتاب چھوٹی یا بڑی ہوگی، جس کی انھوں نے شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو، لیکن لوگ انھیں ایک ولی مانتے تھے''۔ [۲۱]

نواب صدیق حسن خاں ''ابجد العلوم'' میں آپ کی شان میں لکھتے ہیں:

"كان وجيها في الدينا والآخرة وعالما عارفا ذا المناقب الفاخرة ...... وارتحل في طلب العلم واخذ من ملا عماد الطارمي من اعيان علماء العصر ولبس الخرقة من الشيخ قاضن واستفاد من الشيخ محمد غوث الگواليرى صاحب جواهر الخمسة حين ورد بگجرات"۔ [۲۲]

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' میں آپ کا تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"کان صاحب المناقب الفاخرة ووجيهاً في الدنياوالآخرة، عالماً بعلوم الجهتين وخازن لكنوز النشأتين، ... وأخذ الفنون الدرسية من الملا عماد الطارمي من أعيان علماء العصر ولبس الخرقة من الشيخ قاضن قد سره ولما ورد الشيخ محمدغوث الكواليارى صاحب الجواهر الخمسة، بكجرات تلاشى الشيخ وجيه الدين في جماله وسلك الى منتهى الطريقة في ظلاله، ومتع طلبة بجلائل الإفادات وملاء شرقي العالم وغربه من لوامع البركات"۔ ۲۳

مولانا عبدالحی حسنی ''یادِایام'' میں شیخ علوی کی شان میں اس طرح مدح سرائی کرتے نظر آتے ہیں:

''علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی گجرات کے ان برگزیدہ علما میں ہیں، جن کے احسان سے اہل ہند کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتے، یہ علامہ عماد الدین محمد طارمی کے شاگرد تھے، تقریباً بیس (۲۰) برس کی سن سے انھوں نے تدریس شروع کی، اور سرسٹھ (۶۷) سال تک احمد آباد میں معقول ومنقول کے پڑھانے میں اپنی اوقات بسر کی اور شرح جامی سے لے کر تفسیر بیضاوی تک ۲۳ کتابوں کے حواشی وشروح لکھے، انھیں کی زندگی میں احمد آباد سے لاہور تک ان کے شاگرد پھیل کر علمی خدمتوں میں مصروف ہوگئے تھے اور استاد الاساتذہ کا منصب جلیل اپنی زندگی میں ان کو حاصل ہوگیا تھا''۔ ۲۴

مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کی شان میں مندرجہ ذیل تعظیمی وتوصیفی القاب ذکر کیے ہیں:

الشيخ الإمام العالم الكبير العلامه وجيه الدين بن نصر الله بن عماد الدين العلوى الگجراتى أحد كبار الأساتذة لاتكاد تسمع من يدانيه فيمن عاصره من العلماء في كثرةالتصانيف ويحاريه في قوة التدريس...وكان صاحب صدق وإخلاص، قانعاًباليسير، شريف النفس، لايمتاز عن آحاد الناس في الملبس، ويبذل على الطلبةوالمحصلين عليه مايفتح له، ويختار الثياب الخشنة في اللباس مع انقطاعه إلى الدرس والإفادة والاشتغال بالله

سبحانه والتجرد عن أسباب الدنيا، لم يتردد إلى بيوت الأمراء والأغنياء إلا مرة أومرتين فی عمره مكرها فمارآه أحد إلا فی بيته أو فی المسجد مشتغلا بالإفادة والعبادة"۔ ۲۵ے

خیرالدین زرکلی 'الاعلام' میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وجيه الدين العلوی الگجراتی، من علماء الهند، له كتب أكثرها حواش، منهاحواشيه علی كل من تفسير البيضاوی، والعضدی، والتلويح، والمطول، والمختصر، وشرح العقائد للتفتازانی، وشرح المواقف، وشرح المقاصد، وشرح الجامی، وله شرح النخبة فی أصول الحديث، وشرح الارشاد لشهاب الدين الدولت آبادی، والبسيط فی الفرائض ، وله كتب بالفارسية منها شرح رسالة الملاعلی القوشجی فی الهيئة ولد فی جابانير فی بلاد كجرات (بالهند) وتعلم وأقام ومات فی كجرات"۔ ۲۶ے

عمر رضا کحالہ نے ''معجم المؤلفین'' میں آپ کے لیے تعظیمی وتوصیفی القاب ذکر کیے ہیں، جس سے آپ کے بلند مقام ومرتبے کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، لکھتے ہیں:

"وجيه الدين العلوی، الكجراتی، مفسر، متكلم، محدث، اصولی فرضی... من تصانيفه: حاشيه علی تفسير البيضاوی، شرح النخبة فی أصول الحديث، شرح المواقف، البسيط فی الفرائض، وشرح العقائد للتفتازانی"۔ ۲۷ے

مولانا ابوظفر ندوی اپنے مقالے ''حضرت شاہ وجیہ الدین علوی'' میں شاہ صاحب کی شان میں رطب اللسان ہیں، موصوف لکھتے ہیں:

''گجرات میں سینکڑوں علما اور اتقیا پیدا ہوئے اور چل بسے، لیکن گجرات کے آسمان پر دو ایسے آفتاب وماہتاب چمکے، جن کے علمی کارناموں کی شعائیں ابھی تک پرتوفگن ہیں، ان میں سے ایک محدث بے بدل علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی (گجراتی) ہیں اور دوسری مقدس ہستی جناب حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کی ہے، جب سے ان دونوں بزرگوں کا وجود، ظہور پذیر ہوا،

علمی دنیا میں نیا انقلاب پیدا ہوا، اور تشنگان علم کی، جس کثرت تعداد نے ان سے سیرابی حاصل کی، گجرات میں شاید ہی کوئی دوسری ذات بابرکات ان کے مدمقابل نکلے، ان میں خصوصیت سے جناب شاہ وجیہ الدین کا فیضان مدرسہ اور تلامذہ کی شکل میں صدیوں رہا اور گجرات ان کے دم قدم سے مدت تک منور رہا''۔ ۲۸

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' میں شاہ صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''شیخ وجیہ الدین علوی اپنے زمانے کے جید عالم تھے، علوم دینی میں بے پناہ تبحر رکھتے تھے، تقریباً تیرسٹھ (۶۳) سال تک احمد آباد میں انھوں نے درس وتدریس کا ہنگامہ گرم کر رکھا تھا۔ ان کی زندگی ہی میں احمد آباد سے لاہور تک ان کے شاگرد پھیل گئے تھے''۔ ۲۹

پروفیسر محمد مسعود احمد اپنے مقالے ''شاہ محمد غوث گوالیاری'' میں شاہ وجیہ الدین علوی کی شان میں رقم طراز ہیں:

''شیخ وجیہ الدین علوی کوئی معمولی آدمی نہ تھے، اپنے عہد کے جلیل القدر علما میں ان کا شمار کیا جاتا تھا، بلکہ اگر سرآمد علما کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا''۔ ۳۰

ڈاکٹر شاہ ظہور الحسن شارب شیخ علوی کی شان میں اس طرح مدح سرائی کرتے نظر آتے ہیں:

''حضرت شاہ وجیہ الدین شیخ العصر تھے، امامِ شریعت اور مقتدائے ملت تھے۔ آپ کبائر مشائخ اہل تصوف تھے۔ آپ کے حلقۂ درس میں بہت لوگوں نے فیض پایا۔ علوم ظاہری وباطنی میں اپنی مثال آپ تھے، لوگ آپ پر اس قدر اعتماد وبھروسہ کرتے تھے کہ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے، سرور عالم حضرت محمد ﷺ بھی امانتیں رکھتے تھے، اور آنحضرت ﷺ امین کہلاتے تھے۔ آپ نے سرور عالم ﷺ کی پیروی کی اور لوگوں کی امانتیں رکھیں اور مانگنے پر واپس کر دیں۔ آپ کی علمیت اور قابلیت کا دور دور شہرہ تھا۔ آپ کو ''استاذ الاساتذہ'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ گجرات کے سلاطین ہی نہیں بلکہ گجرات کے عالم اور صوفی بھی آپ کو ایک بلند پایہ محدث مانتے تھے اور ''ملک المحدثین'' کے لقب سے آپ کو خطاب کرتے تھے''۔ ۳۱

مصنف مذکور ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''آپ کے ایک جید عالم ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ کو علوم باطنی پر بھی دسترس حاصل تھی۔ آپ کا شمار اہل دل اور اہل نظر میں ہوتا تھا۔ حاجت مند، بیمار اور مصیبت زدگان آپ کی خدمت میں جوق در جوق آتے تھے اور اپنے درد کی دوا پاتے تھے''۔ ۳۲؎

مولانا محمد رابع حسنی ندوی ''شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر'' للعلامہ وجیہ الدین علوی کے مقدمے میں رقم طراز ہیں:

"...كتاب "نخبة الفكر وشرحه" للإمام الحافظ ابن حجر العسقلاني رحمة الله تعالى ...أذكرهنا شرحه الذى قام بتأليفه عالم جليل من العلماء السابقين فى الهند من أبناء القرن العاشر الهجرى، وهو الإمام وجيه الدين العلوى الغجراتى، ولكن كتابه بقى خطياً فى بعض المكتبات، لم ينل العناية بطبعه إلى هذا الوقت، فأشار المحدث الجليل العالم النحرير الشيخ عبدالرشيد النعمانى رحمة الله تعالى (م١٤٢٠ه) بضرورة العناية بطبعه وإخراجه". ۳۳؎

مذکورہ بالا کتاب ''شرح نزہۃ النظر'' میں "بين يدى الكتاب" کے عنوان سے مولانا بلال حسنی ندوی نے اس کتاب کا تعارف کرایا ہے، موصوف شیخ علوی کی شان میں لکھتے ہیں:

"فهذا من سعادة جدنا وحسن خطنا أن كتاب "شرح شرح النخبة" للعلامه المحدث الشيخ وجيه الدين الگجراتى بين يدى المعتنين بالحديث وعلومه، بتحقيق ومراجعة الأخ الفاضل الوفى الأستاذ عبدالله عبدالرحمن الخطيب الندوى، وهذا شرح قديم استفاد به بعض المصنفين فى كتبهم كالعلامة على بن سلطان القارى الهروى فى شرحه على شرح النخبة"۔ ۳۴؎

مذکورہ کتاب شرح ''نزہۃ النظر'' کے دیباچے میں مولانا عبداللہ خطیب ندوی شیخ علوی اور ان کی کتاب کی مدح سرائی کرتے نظر آتے ہیں:

"وكتابنا هذا الذى نقدمه اليوم إلى القراء الكرام من الشروح القديمة لنزهة النظر، صنفه علامه زمانه وفريد عصره وأوانه فى العلوم العقلية والنقلية

الشيخ وجيه الدين العلوى الكجراتى الهندى... وجدت المصنف قد اجتهد فى حل عبارة الكتاب اجتهاد بالغاً وسعى فى توضيح مسائلهاسعيا مشكوراً، وأعرض عن الإسهاب والتطويل والمباحث الطويلة إعراضا كليا حتى لايسأمه الطالب المبتدئ.

ومما تقدر به منزلة هذا الكتاب وأهمية أنه هو أساس "شرح ملا على القارى لنزهة النظر" فإن على القارى أخذ خطا كبيرا ونصيبا أوفر من الاستفادة بهذا الكتاب، واكثر منه النقل فى شرحه لكنه لايصرح باسمه فى أكثر المواضع، بل ينقل كلامه قائلا: "قال شارح" وتارة يقول: "قيل" وفى بعض المواضع نقل كلامه ولم ينسبه إليه، ونقول بدون شك بعد المقارنة بين الشرحين إن هذا "الشارح" هو العلامة الشيخ وجيه الدين الكجراتى".[٣٥]

(ج) منظوم خراج عقیدت

شیخ وجیہ الدین علوی کی شان میں متعدد قصیدے بھی لکھے گئے ہیں۔ آئندہ صفحات میں ان میں سے تین قصیدے نقل کیے جاتے ہیں، ان میں سے پہلا قصیدہ ابراہیم دکنی کا ہے، یہ عربی زبان میں ہے، دوسرا قصیدہ مولانا عبدالعزیز خالدی کا ہے، یہ بھی عربی زبان میں ہے، تیسرا اولی گجراتی کا ہے، یہ اردو میں ہے۔

قصیدہ مخمس عربی در مدح شاہ وجیہ الدین
از ابراہیم دکنی

مولانا ابراہیم دکنی کا عربی قصیدہ بہت پر درد اور پُر اثر ہے، پیر علوی نے یہ قصیدہ مولانا ابوظفر ندوی کے ترجمہ وتبصرہ کے ساتھ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، ذیل میں ہم اسے من وعن پیش کرتے ہیں:

تاجج فی قلبی ضرام صبابتی — میرے دل میں عشق کا شعلہ بھڑک اٹھا
ونار بعاد الخل تلفح مهجتی — اور دوست کی فرقت نے میری روح کو تڑپا دیا
ونحو دیار الحب شاقت قریحتی — محبوب کے شہر کی طرف میرا دل مشتاق ہوا
فوادی لبصبو بالصبایا احبتی — میرا دل محبوب کے عشق میں پریشان ہوا
اذا هی من تلقاء گجرات هبة — جب کہ گجرات کی طرف سے ایک ہوا آئی

وان شمول الشوق قلبی تمهتا — میرا دل ہر دم شراب شوق پینے لگا
بذکری دیار الحب قلبی تشقتا — محبوب کے شہر کی یاد میں میرا دل پھٹنے لگا
وسربال صبری بالغرام تمزقا — اور صبر کا دامن (غلبۂ شوق) پھٹ گیا
الی احمد آباد احسن تشوقا — اور احمد آباد کی طرف بے حد مشتاق ہوا
بها من سبی قلبی وروحی مهجة — کیوں کہ میرا دل اور روح وہاں قید ہیں

فهل انا من الشجان حرماني انتقذ	تو کیا میں محرومی کے غموں سے نجات پاؤں گا
وآلام هجري بالتواصل يشقذ	اور ہجر کے غم وصل سے بدل جائیں گے
وعني زمان البعده البين ينفذ	اور کیا مجھ سے دوری اور فراق کا زمانہ جاتا رہے گا
فروحي تشوى ثم جسمي يحنذ	کیونکہ میری روح تڑپ رہی ہے اور جسم بھن رہا ہے
بنار تلظت بالنوى في طوية	خدائی کی آگ میرے سینے میں بھڑک رہی ہے

ببالي نظى البلبال اضحت تاجج	غم کے شعلے میرے دل سے اٹھ رہے ہیں
لانواع آلامي غرامي منتج	اور مختلف قسم کے غم پیدا ہو رہے ہیں
لهجران من اهوى ذرعي يخرج	محبوب کی جدائی کے سبب سے میں پریشان ہوں
بفاط النوى والبين مازلت لنثج	جدائی اور دوری کے سبب سے ہمیشہ روتا ہوں
ومن مقلتي نهمي شابيب عبرة	اور میری آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگی ہے

وعني عنان العزم للوصل ينثى	اور میرے دل کی باگ وصل کی طرف پھرتی ہے
باقصى اجتهادي للوصال لاعتنى	وصال کے لیے میں انتہائی کوشش کرتا ہوں
فماحيلة اذ شوم ذنبي ذينني	میں کیا تدبیر کروں، جب کہ گناہ کی نحوست نے عیب لگادیا
لتصرم بالهجر اصطباري فانني	میرے صبر کا رشتہ جدائی کے غم سے ٹوٹ گیا
بعذر اضطرار في ايني وضجة	بے قراری کے عذر کے بعد آہ وبکا میں مصروف ہوں

بفرط النوى نار الجوى في تلهب	کثرت جدائی سے محبت کی آگ بھڑک اٹھی ہے
ومن حزن هجران دموعي اسكب	اور ہجر کے غم سے میرے آنسو بہہ رہے ہیں
ومالي سوى وصل من الكو ن مطلب	دنیا میں وصل کے سوا میری کوئی طلب نہیں
الآلام بآلام الفراق اعذب	فراق کی تکلیفیں مصیبت کے ساتھ بڑھ گئی ہیں
فتبا البين بان بين الاحبة	جدائی کا برا ہو جس نے احباب میں جدائی کرادی

وفی خلدی نار الجوی قد تضرمت	محبت کی آگ میرے دل میں بھڑک رہی ہے
مصائب بلبال ببالی قد نمت	اور سخت مصیبتیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں
لفرقته احباب دموعی قد همت	احباب کی جدائی سے میرے آنسو بہہ رہے ہیں
فیالیت ایام الفراق تصرمت	کاش یہ فراق کا زمانہ ختم ہو جاتا
ویالیتنی بالوصل احظی بمنیة	کاش اپنی آرزو کا حصہ وصل میں پالیتا

وعلقمه بالبال حلی لمحبه	مصیبت کی قمیص عاشق کا لباس ہے
بمقرحب یستلذ وعذبه	محبت کے سبب سے لذت بھی ملتی ہے اور تکلیف بھی
فعذل ونصح لایفید لصبه	عشق میں نصیحت اور ملامت بیکار ہے
اخلاء خلوتی اهیم بحبه	میرے مخلص دوستو مجھے محبت میں سرگرداں رہنے دو
محبته فینی ودینی وملتی	کیونکہ اس کی محبت میرا علم میرا دین اور میرا مذہب ہے

فراح الهوی قلبی وروحی اسکری	محبت کی شراب نے میرے دل اور روح کو مدہوش کر دیا ہے
ومن سکر ذالك الراح صحری لااریٰ	اور اس شراب کی مستی کے باعث میں ہوش میں نہیں آتا
بحب الذی اهواه قلبی تفاخری	اپنے محبوب کی محبت پر میرا دل فخر کرتا ہے
فذالك وجیه الدین ذوالجاه لایری	وہ صاحب وجاہت وجیہ الدین ہیں جو نظر نہیں آتے
علی وجه غنیر امثله ذو وجاهلة	وہ ایسے بزرگ ہیں جن کی مثال بہت کم ہے

حدیقة دین من جد الفقه اخضریٰ	دین کا چمن فقہ کی بارش سے سرسبز ہو گیا
وجدقة رشد من ساالعلم انوریٰ	اور ہدایت کا باغ علم کی چمک سے روشن ہو گیا
جمیع المزایا نال ثم المفاخری	آپ نے تمام فضائل اور مفاخر کو پایا
هو السید المفضال علامة الوریٰ	فضلائے زمانہ کے سردار دونوں جہاں کے علامہ ہیں
وحد فرید فی الوریٰ بالمزیة	فضیلت میں آپ یکتائے زمانہ ہیں

ومــن وجــه نــور الهـدیٰ یتـوقـد — آپ کے چہیتے سے ہدایت کے انوار روشن ہوئے

قـواعـد دیـن الـحـق مـنـه تـمهید — اور آپ سے دین حق کے قاعدے مقرر ہوئے

عــراه لـطـلاب الهـدیتـه مـقـصـد — آپ کا آستانہ طالب ہدایت کے لیے کافی ہے

وهـادی الـی نـحو الرشـاد ومرشـد — اور ہدایت کے آپ مرشد اور ہادی ہیں

لـخـلـق الـی الـخـلاق خیر وسیلة — خدا کی مخلوق کے لیے آپ بہترین وسیلہ ہیں

ودرك صـفــات المج حیث اروتـه — جب میں سے آپ کی صفات سمجھنے کا ارادہ کیا

تــحـیـر بـالـی والـحـجی تد فقدتـه — تب میرا دل حیران اور عقل گم ہوگئی

وفـی حیرتی بعض الصفات افتقدته — اسی حیرت میں مجھ کو بعض صفتیں نظر آئیں

کیــم وطــودثــم جــود وجـدتــه — آپ کے جود وکرم کو کبھی دریا کبھی پہاڑ کی طرح پایا

بـعـلـم وحـلـم ثـم فـی بـذل نـعمة — علم اور حلم اور نعمت بخشنے میں آپ فرد ہیں

وفـی الـنــاس اسدی بالعموم مبرة — عام طور سے لوگوں میں آپ نے بھلائی کو پھیلا دیا

یــراه الــه الـخـلـق لـلخلق رحمة — اللہ نے مخلوق کے لیے آپ کو رحمت بنایا

فـمـن مثله فی الکون عطفا وشفقة — دنیا میں آپ کی مثل کون شفیق اور مہربان ہے

عــطــوف روف لیـن الـقـول رافة — آپ بڑے نرم دل مہربان نرم گفتار ہیں

وبـرابـر الـقـلـب عـن شوب غلظة — برائیوں کے میل سے آپ کا دل پاک ہے

بــاسـرار غیـب والشهود اطلاعـه — پوشیدہ اور ظاہر بھید آپ پر روشن ہیں

الـی الـلـه مـنـحین الصبا انقطاعه — بچپن سے بے تعلق ہو کر آپ اللہ کی طرف مائل ہیں

وعــمــا سـوی ذات الامتـنــاعــه — ذات خدا کے سوا سب سے منھ موڑ کر

لاحـمـد خـیـر الـرسل ثم اتباعـه — صرف خیر الرسل احمد مصطفیٰ کے آپ تابع ہیں

فــذا خیــر متبـوع غـدا لـلـبـریة — قیامت کے دن مخلوق کے آپ ہادی ہیں

اشعة بوح من سناء قد احتفت	آفتاب علم کی شعائیں ہر طرف پھیل گئیں
بروق علاه فی البرایا تکشفت	آپ کی رفعت کی بجلیاں عالم میں چمک اٹھیں
مکارمه ثم المعالی لقد صفت	آپ کی بزرگی اور خوبیاں ظاہر ہوگئیں
وتاج به قد زینت وتشرفت	اور تاج نے آپ سے زینت اور شرف پایا
روس روس من دلاة الولایة	صاحب ولایت سرداروں کے آپ سردار ہیں
بزینة علم والتقی متزین	علم اور تقویٰ کی زینت سے آپ مزین ہیں
بکل فنون الفصل ذا متفنن	ہر قسم کے علوم وفنون کے آپ ماہر ہیں
بدار انقطاع والتبتل ساکن	تنہائی کے گھر میں آپ خلوت نشین ہیں
وعند ملیك مقتدر متمکن	اور بڑی قدرت والے شاہ کے پاس مقیم ہیں
بمقعد صدق باقتدار مکنة	سچائی کی سند پر آپ اقتدار سے بیٹھے ہیں
معارج افضال وفضل لقد رای	آپ نے بزرگی اور فضیلت کا اعلیٰ مرتبہ پایا
سبحیته بروشیمته التتی	آپ کی خصلت نیکی اور آپ کا شیوہ پرہیزگاری
محاسل اخلاق ذراها قد ارتنی	آپ نے اخلاقی خوبیوں کی چوٹی کو بلند کر دیا
باخلاق خلاق الوری مذتخلقی	جب سے خلاقِ جہاں کے اخلاق آپ نے اختیار کیے
خلیفة حق قد عند بالحقیقة	حقیقت میں آپ حق کے سچے جانشین ہیں
وفی طاعة الرحمن مهّد جفنهٔ	اللہ کی طاعت میں آپ نے آنکھیں بچھا دیں
وقد عاف سبعا جوف بطنه	اور کبھی سیر ہو کر آپ نے کھانا نہ کھایا
وقد جاب سهل سیر اوحزنه	آپ نے فقر کے مقامات آسانی سے طے کیے
وحیث اتم الفقر لو قلت انه	اور اس کو ایسا پورا کیا کہ اگر میں کہوں
وهو الحق مامن باطل فی مقالة	کہ یہ حق ہے تو یہ بات غلط نہیں ہوگی

افــاضة عــم البـرايــا ســرابة	آپ کا فیض مخلوق کو سیراب کرنے میں عام ہے
مـريـد لـمـامـن نـاتـواعـنـاية	آپ مریدوں کو بڑی عنایت کی نظر سے دیکھتے ہیں
بـلـمحة عين قد تـنـالـوا ولاية	وہ پلک جھپکنے میں ولایت حاصل کر لیتے ہیں
واصحـابـه الشطار سارو بداية	آپ کے شطاری احباب ابتدا کی سیر کرتے ہیں
بهم سبقوا فی السير اهل النهاية	حالاں کہ وہ منتہی لوگوں سے سبقت لے گئے ہیں
الـٰه الـورىٰ قـدراً وشـانـا اجـلـه	آپ کی شان اور اقتدار کو خدا نے بڑھایا
وارفـع فـی اقـصـىٰ الـمـعالی محله	انتہائی بلندی پر آپ کو پہنچایا
فـلـلـه مـاابهـی واجـزل فـضـلـه	اللہ ہی کے لیے خوبی ہے جس نے آپ کو بڑھایا
وكـل كـمـالات قـد اجـتـمـعـت لـه	اور تمام کمالات آپ میں جمع کر دیئے
سـوی انـهٗ لـم يـتـصـف بـالـنـبـوة	سوائے اس کے کہ آپ نبوت سے متصف نہیں
نبـی عـقـيـب الـمـصطفی ليس اتيا	مصطفیٰ کے بعد کوئی نبی نہیں آیا
واضحی زمان البعث بالقطع ماضيا	اور بعثت کا زمانہ گزر کر منقطع ہو گیا
فـمـا هـو فـيـنـا بـالنبوة جـائيـا	پس آپ ہم میں نبوت لے کر نہیں آئے
ولـكـنـه شبـه نـظـير الانبيـاء	لیکن آپ نبیوں کی نظیر اور مثال ہیں
لـمـا انـه مـن عـالـمـی خير امة	کیوں کہ آپ خیر الامت کے عالموں میں سے ہیں
الی بابه السامی الشتكی القلب ضرهٗ	آپ کے بلند دروازہ پر دل نے تکلیف کی شکایت کی
لارجـوه ان ينفی عن القلب خيره	امید ہے کہ آپ دل کی برائی دور کر دیں گے
ومـن لـی سـواه ان ارجـی خيـره	اور میرا کون ہے جس سے خیر کی امید رکھوں
فوليت وجهی حيث ماكنت شطره	میں کسی جگہ بھی رہوں اپنا رخ آپ کی طرف کیا
فسدتـه اضحـت لـقـلـبی كقبلة	آپ کا آستانہ میرے لیے قبلہ کی طرح ہے

ومن عند مولائی حصول ماربی	میرے آقا سے ہمارے مقصد حاصل ہوں گے
ارجی کذا اشقاذ کل نواء بی	آپ کے آستانہ سے مشکلات دور ہونے کی امید رکھتا ہوں
وانقاذ نفسی من جمیع مثالبی	میرا نفس تمام برائیوں سے پاک ہو جائے گا
ایامنتهی قصدی واقصی مطالبی	یہی میرا انتہائی مقصد اور آخری مطلب ہے
الیك استاذی انت ذخری وعدة	آپ ہی میرے استاد اور آپ ہی میرے ذخیرہ اور سامان ہیں

بنغمات اشجان انا مترنم	میں غموں کے نغمے گا رہا ہوں
وقلبی بانواع الهموم مفعم	میرا دل مختلف غموں کے باعث خاموش ہے
وانك من نفسی بحالی ارحم	آپ میرے حال پر مجھ سے زیادہ مہربان ہیں
تری السوء حالی وانکساری تعلم	میری بدحالی اور شکستگی کو آپ جانتے ہیں
ترحم بحالی السوء واجبر لکسرة	میرے حال پر رحم فرما کر میری شکستگی کو دور کیجیے

کچھ دنوں پہلے اس قصیدہ کے منتخب اشعار بلا ترتیب مجھے ملے، اس کے پڑھنے سے اس قصیدے کی خوبیاں نہ معلوم ہو سکیں۔ بحمد للہ کہ اب مکمل قصیدہ دست یاب ہو گیا، اور میں نے شروع سے آخر تک اس کا بغور مطالعہ کیا، بہترین قصیدہ پایا۔

اس میں سب سے پہلی بات جو اس قصیدے کو پڑھ کر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ محبت کے جذبات کا ایک بے پناہ سمندر ہے، جو ٹھاٹ مارتا ہوا چلا جاتا ہے، اس کے ہر ہر لفظ سے شوق کا اظہار ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں صفت مراعات النظیر اور صفت طباق کا بکثرت استعمال کیا ہے، اور ان دونوں کے باعث اشعار میں جو خوبی پیدا ہوگئی ہے وہ اہل ذوق کی نظر سے کسی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتی، گو مضامین کے لحاظ سے کچھ زیادہ تنوع نہیں ہے، مگر اشتیاق، ہجر، وصل، بعد، مصائب، دل کی تڑپ وغیرہ کو جس بہترین طریقے سے ادا کیا ہے، اس کے بہتر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ خود پڑھنے والا اس سے بے انتہا متاثر ہو جاتا ہے، چوں کہ یہ مضامین ان کے دل سے نکلے تھے، یہی سبب ہے کہ وہ دل ہی میں جا کر اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔

اشعار ایک سے ۴۵ تک میں فراق، محبت اور غم کا اظہار کیا ہے، اور ایک ہی مضمون کو بار بار مختلف

عنوانوں سے لائے ہیں اور ہر تکرار کے وقت الفاظ ایسے بچے تلے لائے ہیں کہ پہلی نظر میں ہر شخص یہی سمجھنے لگتا ہے کہ کوئی نئی بات ہوگی، لیکن کمال یہ ہے کہ جذبات کے طوفان میں وہ اس طرح بہہ جاتا ہے کہ اس کو یہ غور کرنے کا موقع نہیں ملتا کہ یہ مضمون مکرر ہے۔

اس کے بعد سے جو اشعار ہیں وہ زیادہ تر اپنے مرشد حضرت شاہ وجیہ الدین کی مدح میں تحریر کیے ہیں، اس میں شاعرانہ خوبیوں کو خوب نباہا ہے۔ معانی کے ساتھ الفاظ کی ترتیب، الفاظ کے مناسبات وغیرہ سے شعر کو خوب مزین کیا ہے۔ مثلاً (حدیقہ۔اخضر)، (علم۔نور)، (نور۔توقد)، (قواعد۔تمہید) وغیرہ وغیرہ

۵۳ میں طلاب، ہدایہ، ہادی، رشاد، مرشد کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جن کی خوبیاں اہل ذوق کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں، لیکن ایک نکتہ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اساتذہ اس کی طرف بہت مائل تھے۔ اس تشریح کے بعد اس شعر پر ایک نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ طلاب، ہدایت، ہادی کے ساتھ لفظ رشاد نے کیا لطف پیدا کر دیا۔

۶۴ میں لفظ عطوف، رؤف، لین القول اور رافتہ لفظ استعمال کیا ہے، اخلاقی تعریف میں یہ الفاظ بالکل نگینے کی طرح چمک رہے ہیں، اخلاقی حیثیت سے کسی انسان کی اس سے زیادہ کیا تعریف ہوسکتی ہے۔ درحقیقت یہ مضمون قرآن کی ایک آیت سے اخذ کیا گیا ہے، جو خدا نے اپنے رسول کی توصیف میں بیان فرمایا ہے۔

۶۷ میں تصوف کے جس معانی کو الفاظ کا جامہ زیب تن کیا ہے، وہ بہت ہی قابل تعریف ہے۔ شاعر نے تصوف کے تخیل کے ساتھ قرآن کی ایک مشہور آیت کو بھی پیش نظر رکھا ہے، جس کو سورۂ مزمل میں خدا نے اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اور اس مفہوم کو سمجھ لینے کے بعد پڑھنے والے کو ایک خاص سرور پیدا ہوتا ہے، جس کو صرف اہل حال ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۷۸، ۷۹، ۸۰ میں جن مضامین کو ادا کیا ہے، اس میں انتہائی جوش کے باعث پردہ بھی اٹھایا ہے، اور بجنسہٖ وہ الفاظ اشعار میں ذکر کر دیے ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں۔ مثلاً تبتل، ملیک مقتدر، مقعد وغیرہ۔ یہ وہ الفاظ ہیں، جن کے اجتماع سے کلام کی خوبی میں بے انتہا اضافہ ہوگیا اور پڑھنے والے کے دل پر ایک خاص اثر پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۸۶ اور ۸۷ میں ایک حدیث کے مضمون کو بڑی خوبی سے باندھا ہے۔ بات یہ ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان حرف تشبیہ کے اظہار میں وہ خوبی نہیں ہے، جو بغیر اظہار لایا جاتا ہے اصول بلاغت سے ایسے کلام کی خوبی میں چار چاند لگ جاتے ہیں، چنانچہ شاعر نے بغیر اظہار حرف تشبیہ خود رسول کے الفاظ کا سہرا اپنے مرشد ممدوح کے سر باندھ دیا ہے، جس میں دونوں ذات کے لیے ایک ہی قسم کے اوصاف استعمال کر کے بتائے گئے ہیں، اس سے شاعر کا مقصود فقط اپنے ممدوح کا بلند مرتبہ بتانا مدنظر ہے۔

۹۳۔۹۴۔۹۵ میں جو مضامین ادا کیے گئے ہیں، وہ بظاہر شاعرانہ مبالغہ نظر آتا ہے، لیکن جو لوگ طریقۂ شطاریہ سے واقف ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ شاعر کا مبالغہ نہیں، بلکہ اصل حقیقت کا اظہار ہے۔ شطاریہ کو شطاری کہتے ہی صرف اس لیے ہیں کہ ابتدا ہی سے آپ کو بلند پروازی کی تربیت دی جاتی ہے، دیگر طریقوں میں جو چیزیں انتہائی مراحل کے وقت سکھائی جاتی ہیں، طریقۂ شطاریہ میں اسی سے ابتدا کی جاتی ہے اور یہی سبب ہے کہ شطاری مسائل دوسروں سے زیادہ اہم اور مشکل تر ہوتے ہیں۔

ایک فارسی شاعر نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ تجھ میں تمام صفات کمالیہ موجود ہیں، لیکن یہ کہ تو خدا نہیں، ہمارے شاعر نے ایسی جگہ سے یہ اخذ کیا ہے، جس کو ۹۹ اور ۱۰۰ میں ادا کیا ہے، یعنی یہ کہ تمام اوصاف پیغمبرانہ تجھ میں موجود ہیں، سوائے اس کے کہ تو ''نبی'' نہیں ہے۔ ۱۰۱ سے لے کر ۱۰۵ تک اس حدیث کا مکمل ترجمہ ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، لیکن ہماری امت کے صالح علما، انبیا بنی اسرائیل کے مثل ہوں گے۔

۱۰۶ سے آخر یعنی ۱۳۵ تک دعا، التجا اور حصول مقاصد کے لیے استدعا ہے، اس میں بھی الفاظ کی ترتیب قابل داد ہے اور اپنے اوپر بہ نظر ترحم مائل کرنے کے لیے شاعر جو طریقہ اختیار کر سکتا تھا اس نے فطری اصول کے بموجب اختیار کیا ہے، اسی لیے اس کے پڑھنے سے دل میں نرمی گداز اور رحم، جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

قصیدہ در مدح حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی

از: مولانا عبدالعزیز خالدی

سید حسینی پیر علوی نے یہ قصیدہ ترجمہ وتبصرہ کے ساتھ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، ذیل میں ہم اسے من وعن پیش کرتے ہیں:

١۔ ولِلّٰہِ الثناءُ والحَمدُ مِنّی — ھو المطلوب عند الطّالبینا

٢ صلوٰۃ دائماً فی کل وقتٍ — علی خیر الوریٰ ولمرسلینا

٣۔ مناقب شیخنا جلت وعزت — ولاتحصیٰ بحصر الحاضرینا

٤۔ وجیہ الدین ذونسب شریف — ومن احی لدین المرسلینا

٥۔ وجیہ الدین ذو قدر رفیع — ومن جمع الشریعۃ الیقینا

٦۔ ومن قد کان شیخا طالب نفسا — مفیض العلم موصل الطالبینا

٧۔ ومن ھو مقتدی فی کل فضل — ومن ھو حجۃ للسّالفینا

٨۔ یجی الطالبینا الید طوعاً — من اھل العلم او من عارفینا

٩۔ وفی فن المعارف کان بحراً — وفی التقویٰ رئیس المتقینا

١٠۔ علی قدمے خلیل اللہ راسخ — وفینا کان مثل المرسلینا

١١۔ وفی معنی فنافی اللہ کامل — بقا باللہ حالۃ الیقینا

١٢۔ ویحیی باجتھاد شرع احمد — وقد یمحو اشعار الکافرینا

١٣۔ تلامیذ لہ بین الاراضی — تراھم فی جمیع العالمینا

١٤۔ وشیخی کان فی الدنیا وجھیا — کما ھو وجیہ الدین المتقینا

١٥۔ نفیع الخلق ارشاد وعلماً — شفیع الخلق عندالحاکیمینا

١٦۔ ونرجو فیضۃ حیا ومیتاً — خصوصا فی مبادی العارفینا

١٧۔ توجھنا الی اللہ باعتقاد — سالنا منہ فیض الطالبینا

١٨۔ فجدیا شیخنا جوداً وبذلاً — علی العبد العزیز وکن معینا

۱۹۔ فیاعبدالعزیز لك الوسیلة   وجیه الدین خیر العارفینا

۱۔ میری طرف سے اللہ کے لیے حمد وثنا ہے، وہی سب طالبوں کا مطلوب ہے۔

۲۔ ہمیشہ اور ہر وقت درود ہو، ان پر جو تمام عالم میں سب رسولوں سے بہتر ہیں۔

۳۔ ہمارے شیخ کے مناقب بڑے جلیل القدر اور عزت والے ہیں، جو شمار کرنے والوں کو شمار میں نہیں آسکتے۔

۴۔ وجیہ الدین شریف نسب ہیں، جنھوں نے رسولوں کے دین کو زندہ کیا۔

۵۔ وجیہ الدین بلند مرتبہ والے ہیں اور آپ نے شریعت حق کو جمع کیا۔

۶۔ آپ شیخ کامل اور طالبوں کو علم فیض پہنچانے والے مشفق۔

۷۔ آپ ہر علم و فضل میں مقتدیٰ تھے اور سلف کے لیے حجت۔

۸۔ آپ کی خدمت میں اہل علم اور عارف محبت کے ساتھ آتے تھے۔

۹۔ آپ فن معارف میں بڑی شان رکھتے تھے اور تقویٰ میں متقیوں کے سردار تھے۔

۱۰۔ آپ خلیل اللہ کے قدم پر چلنے والے اور ہمارے لیے رسول جیسے تھے۔

۱۱۔ آپ کی حالت سے فنا فی اللہ اور بقا باللہ دونوں شانیں ظاہر تھیں۔

۱۲۔ آپ کے اجتہاد سے شریعت میں زندگی پیدا ہوگئی اور کفر کے شعار محو ہوگئے۔

۱۳۔ تمام عالم میں آپ کے شاگرد ہیں، تم ان کو ہر جگہ پاؤ گے۔

۱۴۔ ہمارے شیخ دنیا میں بھی وجیہ تھے اور دین میں بھی وجیہ۔

۱۵۔ آپ ظاہری و باطنی علم سے خلق کے لیے فیض رساں اور حاکموں کے پاس مخلوق کی شفاعت کرنے والے۔

۱۶۔ زندگی اور موت میں، ہم آپ کے فیض کے طلب گار ہیں، خاص کر عرفان کی منزلوں میں۔

۱۷۔ ہم اعتقاد کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اس سے ہم فیض طلب کرتے ہیں۔

۱۸۔ اے ہمارے سردار ہم پر کرم اور سخاوت کیجیے اور عبدالعزیز کی مدد فرمائیے۔

۱۹۔ اے عبدالعزیز تیرے لیے وجیہ الدین کا وسیلہ کافی ہے۔

قصیدہ در مدح قدوۃ العارفین شاہ وجیہ الدین قدس سرہٗ

من تصنیف سرآمد شعرا، محمد ولی اللہ، ولی گجراتی

اے تو مقبول سرورِ عالم — وے تو فہرست دفترِ عالم
جلوہ گر ہے تو آفتابِ یقین — تجھ سے روشن ہے پیکرِ عالم
علم ظاہر وعلم باطن سے — تو ہے عالم میں رہبرِ عالم
دلِ عرفاں سرشت ہے تیرا — مظہر خلق ومظہرِ عالم
ہے زمیں پر یہ آستان شریف — مرجع خلق ومنظرِ عالم
نام تیرا ہے ورد صاحبِ درد — ذات تیری ہے مفخرِ عالم
دستگیری ہے تیری ظاہر تب — جب کہ برپا ہو محشرِ عالم
ہے تیرے نام پہ سدا قرباں — روز وشب سال وماہ سرِ عالم
تجھ اوپر جیوں سورج ہویدا ہے — مطلبِ جملہ مضمرِ عالم
اس زمانہ میں تجھ کو حق نے کیا — مہترِ خالق وبہترِ عالم

اے امامِ جمیع اہل یقیں
قبلۂ راستاں وجیہ الدیں

اے تو ہے آفتابِ عالمتاب — فیض تیرے سے جگ ہے مقصدیاب
دل ترا کانِ علم وبحرِ عمل — ہر معانی ہے اس میں درّ خوش آب
روئے انور کی تیرے دیکھ ضیا — رشک سے آفتاب ہے بے تاب
متفق ہوکے عاقلان نے کہا — دل کو تیرے جگت میں لب لباب
فکر تیری ہے آبِ دانش وہوش — ہر گلِ عقل تجھ سے ہے سیراب
مکھ سے تیرے بچن مبارک سن — گُل کے گوہر ہوا سراپا آب
اے تو مجموعۂ فراستِ تام — دل ترا مطلبِ ہزار کتاب
تاقیامت گریز پانہ رہے — تجھ محبت کی آگ سے سیماب
مانگتے ہیں مدد سے تجھ شہ کی — روز وشب چند رستم وداراب
اس زمانہ میں بیگماں بے شک — تجھ میں ہے سب طریقۂ اصحاب

اے امامِ جمیع اہل یقیں
قبلۂ راستاں وجیہ الدیں

فیض تیرا ہے ابرِ نیسانی دو جہاں پر کیا دُر افشانی
دل تیرا مظہرِ تجلّی حق مُکھ ترا رونقِ مسلمانی
سجدہ کرنے کو روز آتا ہے چاند سرتا قدم ہو پیشانی
تیری درگاہ کی خاک دیکھ گیا روئے آبِ حیات سے پانی
ہر سحر آفتاب کرتا ہے ترے روضہ اوپر زر افشانی
عالماں دیکھ تجھ فصاحت کو تج دیے دعویٰ سخن دانی
تجھ دلِ صاف سے ہوئی ظاہر آئینہ میں تمام حیرانی
ہے ولایت کے تخت پر تجھ کو شوکت وحشمت وسلیمان
زندگی بخش ہے خیال ترا یاد تیری ہے آبِ حیوانی
جس نے دیکھا ہے پاک مرقد کو اس نے پایا ہے قربِ حقّانی

اے امامِ جمیع اہل یقیں
قبلہ راستاں وجیہ الدیں

اے گلِ گلشنِ حسین وحسن تجھ سے روشن ہوا زمین وزمن
عالمِ فرش سے لے جابر عرش حق نے جنت کیا ترا مسکن
فیض تیرا میاں ہو جس ساعت بحر کا پُر گھر کرے دامن
گوہر فکر تجھ سے ہے سیراب جوہر عقل تجھ سے ہے روشن
خلق یوں بہرہ تجھ سے پاتی ہے فیض جوں آفتاب سے معدن
آسماں کے اوپر گزر ہے نت شوق تیرے سے ماہ سیمیں تن
عشق تیرے کے آگ میں خورشید سر سے لے پیر تک ہوا ہے گن
دیکھنے کو ترے ہوا مشتاق گل نرگس سے کھول چشم چمن
یوں تو ہے انتخاب عالم میں جیسے ہے آدمی میں نطق سخن
خوش بشارت بدل کیا ہے ولی گرد تیرے قدم کی کحل نین

اے امامِ جمیع اہل یقیں
قبلۂ راستاں وجیہ الدیں

اقتباس از قصیدۂ ولی گجراتی

در مدح حضرت شاہ وجیہ الدین قدس سرہٗ علوی گجراتی

ہوا ہے خلق یہ ایسا یہ فضل سبحانی ۔۔۔ کہ ابر کرتا ہے رحمت سے گوہر افشانی
ہر اک طرف جو ہوئی بسکہ ریزش باراں ۔۔۔ کیا ہے جوشِ تفرج نے جوشِ طوفانی
سو اس بہار میں آیا ہے عرس حضرت کا ۔۔۔ ہوئی ہے پھر یہ عیاں حشمتِ سلیمانی
قبر ہے آج لطافت سے غیرت گلزار ۔۔۔ کیا ہے خلق نے اس پر جو بس گل افشانی
وہ جسم روح اور اس کا ہے جسم مرقد پاک ۔۔۔ کہ جس کے گرد ملایک کریں سبق خوانی
یوں دینِ پاک میں بے شک ہے تو وجیہ الدین ۔۔۔ عدم ہے آج زمیں کے اوپر ترا ثانی
تری طبع کو دیا حق نے فہم پر مقصد ۔۔۔ تری زباں کو سزا دار ہے سخن دانی
ہے ملک دیں میں تری ذات کو شہنشاہی ۔۔۔ ہے نقد علم ترا سکّہٗ مسلمانی
ہر اک کو اس سے خبر نہیں ہے جگ کے صفحہ پر ۔۔۔ تجھے جو کشف ہوئے راز ہائے پنہانی
دیا ہے حق نے تجھے جامع الکمالاتی ۔۔۔ عطا کیا ہے تری ذات کو ہمہ دانی
عجب نہیں ہے جو دے عقل کو وہ آج سبق ۔۔۔ جو اس جناب میں آکر کیا سبق خوانی
خدا کی یاد میں از بسکہ محویت ہے تجھے ۔۔۔ ہوئی ہے ختم تری ذات پر خدادانی
تو وہ ہے فیض رساں جگ میں اے مبارک ذات ۔۔۔ کہ تجھ سے فیض لیے عالمانِ ربانی
تری جناب سے ہے فیض طالبوں کو مدام ۔۔۔ ترے کرم سے ہے اکثر کو قرب حقانی
تری ہے ذات سراپا حقیقتِ انساں ۔۔۔ اگر چہ حق نے دیا سب کو مشکل انسانی
تری جناب کا وہ صحن ہے سراپا نور ۔۔۔ ہے جس کی خاک بہ از سرمۂ صفاہانی
وہ آب خضر سے دل سرد کیوں نہ ہو دائم ۔۔۔ یہ حوض پاک سے جو کوئی آپئے پانی
عجب یہ جائے مبارک ہے مورد رحمت ۔۔۔ نہیں ہے رات نہ ہو جس میں ذکر قرآنی
فلک پہ فخر زمیں گر کرے نہیں ہے عجب ۔۔۔ کہ اس کو سر پہ یہ گنبد ہے تاج خاقانی
ترے جو ذکر میں رہتے ہیں ذاکراں دائم ۔۔۔ ہے ان کو حضرتِ داؤدؑ کی خوش الحانی
کیے ہیں گر چہ ترے وصف صد ہزاروں نے ۔۔۔ ولے ولی نے کیا مدح میں گلستانی

لگا ہے دل کو ولی کے یہ مصرعۂ عرفی
کہ ایں قصیدہ بیاضی بود نہ دیوانی

حواشی

۱۔ اخبار الاخیار، (فارسی)، ص: ۱۶۳

۲۔ رودکوثر، ص: ۳۵۱۔۳۵۲

۳۔ گلزار ابرار، اردو ترجمہ اذکار ابرار، ص: ۳۲۳۔۳۲۴

۴۔ نزہۃ الخواطر، ج: ۵، ص: ۲۶۱

۵۔ ایضاً، ص: ج: ۵، ص: ۲۶۱

۶۔ اخبار الاخیار، ص: ۱۶۳

۷۔ گلزار ابرار، (اردو ترجمہ اذکار ابرار)، ص: ۴۰۵

۸۔ ایضاً، ص: ۴۰۸۔۴۰۹

۹۔ منتخب التواریخ، (اردو)، ص: ۵۸۴

۱۰۔ مآثر رحیمی، عبد الباقی نہاوندی، ص: ۱۷۔۱۸، مطبوعہ کلکتہ، ۱۹۲۴ء

۱۱۔ طبقات اکبری، خواجہ نظام الدین احمد بخشی، ج: ۲، ص: ۴۷۳

۱۲۔ اقبال نامۂ جہانگیری (اردو ترجمہ محمد زکریا مائل)، ص: ۱۰۵۔۱۰۶

۱۳۔ طبقات شاہجہانی، حصہ اول مخطوطہ ص: ۳۱۶۔۳۱۷، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (حبیب گنج کلکشن)

۱۴۔ معارج الولایہ، مخطوطہ، ج: ۲، ص: ۵۸۲۔۷، مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی علی گڑھ، (بحوالہ: مقالہ عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی، ص: ۱۲۵)

۱۵۔ مرآۃ سکندری، سکندر بن محمد، ص: ۳۳۶، مطبوعہ (حبیب گنج کلکشن)

۱۶۔ تزک جہانگیری، (اردو) نور الدین جہانگیر، ص: ۴۵۰

۱۷۔ حدائق الحنفیہ، ص: ۴۱۰

۱۸۔ النور السافر، ص: ۴۵۶

۱۹۔ شذرات الذہب، ج: ۴، ص: ۴۳۹

۲۰۔ تذکرہ علمائے ہند مولوی رحمان علی، (مترجم: ایوب قادری)، ص: ۵۳۹۔۵۴۰

۲۱ رودکوثر،ص:۳۹۳

۲۲ ابجد العلوم،ص:۸۹۷

۲۳ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان،ص:۱۱۵

۲۴ یادِایام،ص:۱۰۰

۲۵ نزہۃ الخواطر،ج:۴،ص:۳۴۳

۲۶ الاعلام،زرکلی،ج:۸،ص:۱۱۰

۲۷ معجم المؤلفین،ج:۱۳،ص:۱۶۰

۲۸ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ،فروری۱۹۳۳ء،(مقالہ ابوظفر ندوی)ص:۱۱۲

۲۹ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی،پروفیسر خلیق احمد نظامی،ص:۹۷

۳۰ (ماہنامہ) معارف،اعظم گڑھ،ستمبر۱۹۶۲ء،(مقالہ پروفیسر محمد مسعود احمد)،ص:۱۹۱

۳۱ تاریخ صوفیاے گجرات،ص:۲۲۹

۳۲ تاریخ صوفیاے گجرات،ص:۲۳۰۔۲۳۱

۳۳ شرح نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر،علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی،ص:۴۔۵

۳۴ ایضا، ص:۶

۳۵ ایضا، ص:۸۔۹

ماحصل

ماحصل

گجرات ہندوستان کے ان صوبوں میں سے ہے، جس کے مغربی حصے کو بحیرۂ عرب گھیرے ہوئے ہے، اس کے سامنے عمان ہے، دائیں داہنب خلیج فارس اور بائیں طرف خلیج عدن ہے۔ صوبۂ گجرات کی زرخیزی اور دلآویزی نیز بندرگاہ ہونے کی وجہ سے ظہور اسلام سے قبل بھی تجار یہاں پر آمدورفت رکھتے تھے۔

ملک عرب میں سے یمن اور حضرموت خصوصیت سے وہ ملک ہیں، جن کا گہرا تعلق ہندوستان (گجرات) سے رہا ہے، بلکہ یہ ملک عرب کو اس قدر پیارا تھا کہ اس کے نام ''ہند'' کو انھوں نے عشق وعاشقی کا موضوع قرار دیا ہے اور ہند کے کسی خاص حصے کی آبادی کو بھی عربی النسل کہا کرتے تھے، لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی عرب وہند کے تعلقات تھے۔

ظہور اسلام کے بعد ''تحفۃ المجاہدین'' کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں راجہ مالیبار ایمان لے آیا تھا۔ تاریخ کی روشنی میں سنہ ۱۵ھ میں حکم بن العاصؓ نے گجرات پر فوج کشی کی اور آپ کو اچھی خاصی کامیابی ہوئی مگر فاروق اعظمؓ کی رائے دریائی سفر کے خلاف تھی، اس واسطے مدت تک مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی، پھر کچھ عرصے کے بعد مسلمانوں نے متعدد بار حملے کیے اور آخر کار ان کی سلطنت قائم ہوگئی۔ سلاطین گجرات کی فیاضی اور علم کی قدر کی وجہ سے علمائے وقت، فقہائے کرام، ادبا ممالک عربیہ سے ہجرت کر کے سرزمین گجرات آئے اور مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے، جس کی وجہ سے علوم اسلامیہ کو بہت ترقی ہوئی۔

گجرات میں دینی وعلمی سرگرمیوں کا باقاعدہ سلسلہ ساتویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے، جب شیخ الحاج بابا رجب علی اور شیخ ابو یوسف ہجرت کر کے گجرات تشریف لائے۔ آٹھویں صدی ہجری میں شیخ معزالدین دہلوی، شیخ معزالدین اجودھنی، شیخ کمال الدین کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ نویں صدی ہجری تک آتے آتے گجرات میں دینی وعلمی سرگرمیوں کو مزید فروغ حاصل ہوتا ہے، اس عہد کے مشہور مشائخ کرام میں شیخ احمد بن برہان، شیخ احمد بن ابی احمد گجراتی، شیخ احمد بن

محمود، شیخ جلال الدین، شیخ حماد بن محمد حنفی، شیخ شرف الدین اساولی، شیخ شمس الدین بن قوام الدین، صلاح الدین بن طالب، شیخ عبداللطیف بن محمود قرشی، شیخ عثمان حسینی، شیخ علی بن عبدالرحیم، شیخ علی خطیب احمدآبادی، شیخ نصیرالدین بن جمال الدین کے نام قابل ذکر ہیں۔

دوسری جانب دینی وعلمی سرگرمیوں میں فقہائے کرام کے نام ملتے ہیں، جن کو فقہ اور اصول فقہ سے غیر معمولی دلچسپی تھی اور درس وتدریس کے ذریعے علوم دینیہ کی تعلیم میں مشغول نظر آتے ہیں، مشہور فقہائے کرام میں شیخ خوندمیر بن سید بڈا، شیخ سراج الدین، شیخ شمس الدین حنفی، مولانا صدر جہاں، قاضی علی بن عبدالملک، قاضی عمادالدین، شیخ غوث الدین، محمد بن حسین علوی، قاضی محمد اکرم، شیخ مودود بن محمد کے نام شامل ہیں۔

عربی ادبا میں شیخ تاج الدین نہروالی، حسن بن محمد، شیخ علم الدین بن سراج الدین کے نام قابل ذکر ہیں۔ محدثین کرام میں شیخ قاسم بن محمد اور مولانا محمود بن محمد کے نام ملتے ہیں، دونوں حضرات نے درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنایا اور گجرات میں دینی علوم اور نحو، صرف، منطق، عروض وغیرہ کی اشاعت میں حصہ لیا۔

دسویں صدی ہجری میں ہم کو آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے مقابلے میں صوفیا ومشائخ کے علاوہ مفسرین، محدثین، فقہا اور ادبا کی کثرت نظر آتی ہے، جو رشد وہدایت درس وتدریس کے ذریعے دینی علوم کی خدمت کرتے نظر آتے ہیں، اس لحاظ سے اس عہد کو گجرات میں دینی علوم واشاعت کا عہد زریں کہہ سکتے ہیں۔

اس صدی کے مشہور صوفیائے کرام میں شیخ ابراہیم بھڑوچی، شیخ احمد بن جلال، سید امین الدین، شیخ بہاء الدین، شیخ جمال بن حسین، خواجہ عالم، شیخ رحمت اللہ، شیخ شرف الدین، شیخ جیو، شیخ علی بن ابراہیم، شیخ قاضی خاں، شیخ محمد بن حسن، شیخ محمد بن شمس، شیخ محمود بن علیم الدین، شیخ موسیٰ، شیخ میانجیو، شیخ نصیرالدین، شیخ یعقوب کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس صدی کے فقہائے عظام میں شیخ بدرالدین، قاضی برہان الدین، قاضی محمود بن حامد کے نام اہمیت کے حامل ہیں، نیز شکر ناکطی، شیخ محمود بن بابو، شیخ ملک محمود بن پیارد، قاضی محمود، قاضی نجم الدین بھی اس صدی کے مشہور فقہائے کرام میں سے تھے۔

عربی ادبا میں شیخ اللہ بخش، شیخ خانجیو بن داؤد، مولانا عبدالکریم، مولانا محمد بن تاج، شیخ شمس الدین محمد بن محمد، شیخ محمد بن محمود طارمی کے نام شامل ہیں۔ شمس الدین محمد بن محمد کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابن حجر مکی نے آپ کے سلسلے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔

اس کے علاوہ بعض ان علمائے کرام کے نام ملتے ہیں، جنھوں نے علوم متداولہ کے ذریعے دینی علوم وفنون کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا اور درس وتدریس کی خدمت انجام دی، ان میں شیخ برہان الدین حنفی، شیخ جلال الدین اسماعیلی، مولانا حبیب اللہ، شیخ حسن بن موسیٰ، مولانا حمیدالدین، شیخ داؤد بن عجب اسماعیلی، شیخ راجح بن داؤد، مولانا علاء الدین عیسیٰ، شیخ یوسف بن سلیمان اسماعیلی، شیخ یوسف بن ابی یوسف کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ احمد بن محمد، شیخ عبدالملک دسویں صدی ہجری کے ممتاز ترین محدثین عظام میں سے تھے، جن کا اس زمانے میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ شیخ احمد بن محمد کے صاحبزادے مفتی قطب الدین مکۃ المکرّمہ کے مفتی تھے، اسی طرح شیخ عبدالملک قرآن کریم اور صحیح بخاری شریف کے حافظ تھے۔

علمائے ربانیین میں مولانا غیاث الدین کا نام ملتا ہے۔ علمائے تجوید میں احمد بن جعفر، شیخ مودود اور مفسرین عظام میں شیخ جمال محمد، اور حکمت ومعالجہ میں محمود بن محمود اور حکیم سراج کے نام ملتے ہیں، اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ امیر عبدالحلیم جو علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ آپ کو محمود شاہ نے وزارت جلیلہ پر فائز کیا اور ''المجلس العالی خداوند خاں'' کے لقب سے نوازا۔ آپ گجرات کے ممتاز ترین وزرائے باکمال میں سے تھے۔

البتہ جہاں تک عربی زبان وادب میں تصنیف وتالیف کا تعلق ہے، تو اس کا آغاز نویں صدی ہجری میں شیخ ابوبکر دمامینی کی گجرات آمد سے ہوتا ہے۔ شیخ نویں صدی ہجری کے مشاہیر ادب میں ہیں، عربی نثر ونظم دونوں پر آپ کو قدرت حاصل تھی، آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) شرح تسهيل ابن مالك

(۲) شرح مغنى اللبيب

(۳) شرح صحيح بخارى

(٤) عين الحياة خلاصة حياة الحيوان

عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے دوسرا نام شیخ علی بن احمد مہائمی کا ملتا ہے، آپ کی شخصیت اپنے امتیازات اور انفرادی خصوصیات کی وجہ سے بہت نمایاں ہے۔ آپ سے چوبیس (۲۴) عربی تصانیف یادگار ہیں، جن میں سے مشہور مندرجہ ذیل ہیں:

(١) تبصير الرحمن وتيسير المنان فى تفسير القرآن

(٢) انعام الملك العلام باحكام حكم الاحكام

(٣) أدلة التوحيد

(٤) إراءة الدقائق شرح مرآة الحقائق

(٥) رساله فى الفقه الشافعى

(٦) الرتبه الرفيعه فى الجمع والتوفيق بين اسرار الحقيقة وانوار الشريعه

نویں صدی ہجری میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے قاضی احمد بن محمد جونپوری کی عربی زبان وادب کے فروغ میں اہم خدمات ہیں۔ آپ کی چند عربی تصانیف ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور ''فتاویٰ ابراہیم شاہی'' ہے۔

عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے مفتی رکن الدین ناگوری کا نام ملتا ہے، آپ عربی زبان کے ماہر تھے، اور علوم عربیہ کے جملہ فنون پر ان کی نظر تھی، آپ کی تصنیف ''الفتاویٰ الحمادیہ'' بہت اہم کتاب ہے جو فقہ حنفی کی مستند کتاب ہے۔

ملا داؤد گجراتی کی عربی تصنیف ''تحفۃ السلاطین'' ایک اہم کتاب ہے۔

گجرات میں دسویں صدی ہجری میں عربی ادباء ومصنفین کی کثیر تعداد نظر آتی ہے، جنھوں نے عربی زبان میں کتابیں تصنیف کیں، اور عربی زبان کے بڑے قادر الکلام شعرا میں سے بھی تھے۔

عربی زبان کے ادبا میں سے عبدالقادر حضرمی کا نام بہت مشہور ہے۔ آپ عربی زبان کے ماہر ادیب تھے اور کثیر التصانیف تھے۔ ''الروض الاریض والفیض المستفیض' کے نام سے آپ کا عربی دیوان ہے، آپ سے عربی زبان وادب میں اکتالیس (۴۱) تصانیف یادگار ہیں، جن میں سے چند کتابوں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) النور السافر عن اخبار القرن العاشر

(۲) اتحاف الحضرة العزيزة لعيون السيرة الوجيزه

(۳) الروض الناضر فی من اسمه عبدالقادر

(٤) الفتح القدسی فی تفسير آيت الكرسی

(٥) الدر الثمين فی بيان المهم من علوم الدين

دسویں صدی ہجری میں عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے دوسرا نام شیخ قطب الدین محمد بن احمد نہروالی کا ملتا ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل عربی تصنیف قابل ذکر ہیں:

(۱) الإعلام بأعلام بيت الله الحرام

(۲) البرق اليمانی فی الفتح العثمانی

(۳) منتخب التاريخ فی التراجم

(٤) الجامع فی الحديث

(٥) الكنز الأسمی فی فن المعمی

تیسرا نام تصنیف وتالیف کے تعلق سے خطیب ابوالفضل گاذرونی کا ملتا ہے، آپ عربی زبان کے ماہر تھے، نیز علوم عربیہ کے جملہ فنون پر ان کی نظر تھی۔ آپ نے عربی زبان میں متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) شرح الارشاد

(۲) حاشيه علی تفسير بيضاوی

(۳) حاشيه علی شرح المواقف

گجرات میں عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے قاضی جگن کا نام ملتا ہے، آپ کی عربی زبان میں مایۂ ناز تصنیف ''خزانۃ الروایات'' ہے۔

دسویں صدی ہجری میں عربی زبان وادب کے فروغ میں شیخ حسن بن احمد گجراتی کی اہم خدمات ہیں۔ علوم ادبیہ میں آپ کو بڑی مہارت تھی، نیز فقہ، اصول فقہ اور تفسیر سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ آپ نے عربی زبان میں متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(١) تفسير القرآن الكريم

(٢) تعليقات شريفه على تفسير بيضاوى

(٣) حاشيه على نزهة الارواح

گجرات میں عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے شیخ رحمت اللہ سندھی کا نام ملتا ہے، علوم عربیہ کے جملہ فنون پر ان کی نظر تھی۔ آپ نے عربی زبان میں متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(١) كتاب المناسك

(٢) المناسك الصغير

(٣) لباب المناسك وعباب المسالك

(٤) مجمع المناسك ونفع المناسك

(٥) المناسك الاوسط

(٦) غاية التحقيق ونهاية التدقيق فى الاقتداء بالشافعية

(٧) المناسلك الكبير

شیخ عبداللہ متقی کی عربی تصنیف ''حاشیہ علی عوارف المعارف'' مشہور کتاب ہے، اسی طرح شیخ محمد بن خطیر الدین المعروف محمد غوث گوالیاری کی مندرجہ ذیل عربی تصانیف شہرت کی حامل ہیں:

(١) بحر الحيات

(٢) ضمائر وبصائر

(٣) كنز الوحده

(٤) كليد مخازن

(٥) رفيع الدرجات

گجرات میں دسویں صدی ہجری میں عربی زبان میں تصنیف وتالیف کے تعلق سے شیخ محمد بن طاہر پٹنی کا نام بہت مشہور ہے۔ آپ عربی زبان کے ماہر تھے اور علوم عربیہ کے جملہ فنون پر آپ کی نظر تھی آپ کی بہت سی عربی تصانیف ہیں، جن میں سے چند عربی تصانیف کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(١) حاشيه توضيح تلويح

(٢) حاشيه صحيح بخارى

(٣) حاشيه صحيح مسلم

(٤) حاشيه مشكوٰة المصابيح

(٥) حاشيه مقاصد الاصول

(٦) دستور الصرف

(٧) سوانح نبوى صلى الله عليه وسلم

(٨) كفاية المفرطين

(٩) المغنى فى ضبط اسماء الرجال

(١٠) تذكرة الموضوعات

(١١) قانون الموضوعات

(١٢) مجمع بحار الانوار

(١٣) اسماء الرجال

شیخ وجیہ الدین علوی بڑے جلیل القدر محدث، فقیہ اور ادیب تھے۔ آپ کا نام سید احمد اور وجیہ الدین لقب ہے، اور عام تذکرہ نگاروں نے آپ کے لقب وجیہ الدین سے ہی آپ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے، آپ کا سلسلۂ نسب ۲۵ واسطوں سے حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی کی ولادت ۲۲ محرم الحرام ۹۱۱ھ کو محمد آباد عرف چانپانیر (اطراف گجرات) میں ہوئی۔ ایک دوسرا قول ۹۱۰ھ کا ملتا ہے، مگر پہلا قول راجح ہے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے گھر میں حاصل کی اور سات آٹھ برس تک اپنے والدین کے کنار عافیت میں پرورش پاتے رہے، قدرت نے بھی اپنے عطیات میں کسی قسم کا بخل نہیں کیا تھا۔ ذہانت، ذکاوت، یادداشت کا مادہ ابتدا سے موجود تھا، چنانچہ سات (۷) سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کرلیا، اور آٹھویں سال تجوید کے ساتھ قرآن پاک علما کے سامنے سنایا۔ اس کے بعد علوم متداولہ میں مشغول ہوئے اور اپنے چچا سید شمس الدین صاحب سے عربی علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر اپنے ماموں سید ابوالقاسم صاحب سے حدیث کا درس

لیا۔ چودہ پندرہ سال کی عمر میں علامہ محمد بن محمد مالکی، مصری سے حدیث کا اختتام فرمایا، جو علامہ سخاوی کے شاگرد تھے، اس کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں محدث ابوالبرکات بنبانی، عباسی، مولانا عماد الدین طارمی، اور ابوالفضل گازرونی کے نام ملتے ہیں۔ آپ نے سلوک وطریقت کی تعلیم ابتداءً اپنے والد سے لی، اس کے علاوہ شاہ قاضن چشتی، میاں بدرالدین ابوالقاسم سہروردی، حضرت نجم الدین، سید کبیرالدین مجذوب اور سید محمد غوث گوالیاری کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے اور کامل ہوکر سند اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

شیخ علوی نے ۹۳۴ھ میں تکمیل تعلیم کے بعد درس وتدریس کی طرف توجہ کی، چنانچہ ۹۳۵ھ میں باقاعدہ ایک مدرسے کی بنیاد رکھی، جو مدرسہ عالیہ علویہ کے نام سے مشہور ہوا، اس مدرسے میں جملہ علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی، تفسیر، حدیث، فقہ کے بعد فلسفہ، منطق، ریاضی اور ہیئت وغیرہ کی تعلیم کا پورا اہتمام تھا۔

آپ کے درس کی یہ خصوصیت تھی کہ جب سے آپ نے درس دینا شروع کیا، آخر عمر تک صرف چار مرتبہ ایسے مواقع پیش آئے، جس کی وجہ سے آپ کا درس موقوف رہا، جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ آپ کا درس بہت مقبول تھا، آپ کی زندگی میں ہی استاذ الاساتذہ، استادالبشر اور استاد امت محمد جیسے معزز خطاب آپ کے اسم گرامی کے ساتھ وابستہ ہوگئے تھے۔ فقہا میں آپ بے نظیر فقیہہ، محدثین میں ملک المحدثین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔

آپ کے پاس ہزاروں فتوے آتے تھے، آپ اس کا محققانہ انداز سے جواب تحریر فرماتے تھے، نیز آپ کا جواب حتمی سمجھا جاتا تھا، امرا اور وزرا آپ کی رائے کے بغیر کوئی حکم نافذ نہیں کرتے تھے۔ سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق بعض لوگوں نے کفر کا فتویٰ شائع کیا، جب آپ کے سامنے وہ فتویٰ پیش کیا گیا، تو آپ نے دستخط کرنے سے انکار کردیا اور کہا جو جماعت دنیا چھوڑ کر وقف حق پرستی ہے، میرا قلم اس کی مخالفت میں نہیں اٹھ سکتا، آپ کے مدرسے کے ساتھ ایک کتب خانہ (علوی کتب خانہ) بھی تھا، اس میں تقریباً ہر فن کی کتابیں موجود تھیں۔

آپ کی وفات ۲۹ محرم الحرام ۹۹۸ھ بروز اتوار صبح صادق کے وقت ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۸۸ برس تھی۔ وفات کے بعد لوگوں نے ان کے بہت مرثیے کہے، جو عربی، فارسی، اردو ہر زبان میں

موجود ہیں۔ مولانا ابراہیم دکنی کا عربی مرثیہ بہت پُر درد اور پُر اثر ہے۔

انسان کی اصلی زندگی اس کے اچھے اخلاق اور عادات ہی سے ہے، آپ کے والد ماجد بہت نیک، عبادت گزار اور چانپانیر (گجرات) کے قاضی القضاۃ تھے، اسی سبب سے اخلاق کے لحاظ سے آپ کی ذات بہت ارفع تھی۔ سچائی آپ کی فطرت تھی۔ آپ نہایت متقی پرہیز گار تھے۔ تقویٰ آپ کا شعار تھا، مشتبہ امور سے پرہیز کرنا گویا آپ کی فطرت تھی۔ آپ کا لباس سادہ کھر درے کپڑے کا ہوتا تھا، لباس میں عام لوگوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ آپ کا مزاج سادگی پسند تھا۔ قناعت آپ کا خاص شعار تھا۔ آپ اغنیا اور امرا سے بے پروا رہے، اور بطور مجبوری ایک دو مرتبہ کے علاوہ کبھی آپ امرا کے گھر نہیں گئے۔ آپ کی زندگی سادگی اور فقر کی جامع تھی، آپ فطرتاً نہایت رقیق القلب تھے، اس لیے معمولی سے معمولی درد انگیز واقعے سے آپ کا دل بھر آتا تھا، جہاں کہیں کبھی ایسا واقعہ پیش آتا، جہاں آپ کچھ کر سکتے تو ہرگز دریغ نہ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا میں بڑا اثر رکھا تھا۔ آپ میں حق گوئی کا مادہ بھی بہت تھا، اور کبھی کبھی اس کے سبب بڑے سے بڑے خطرہ میں مبتلا ہو جانا پڑتا تھا۔

شیخ علوی کی دو بیویاں تھیں، اور نو صاحبزادے تھے۔ (۱) شاہ محمد۔ (۲) شاہ عبداللہ۔ (۳) شاہ حبیب اللہ۔ (۴) شاہ عبدالشکور۔ (۵) شاہ عبدالحق۔ (۶) شاہ عبدالواحد۔ (۷) شاہ غالب۔ (۸) شاہ حامد۔ (۹) شاہ غضنفر اور دو صاحبزادیاں تھیں، جن میں سے ایک کا نام راجی پارسا، اور دوسری کا نام امۃ الحبیب تھا۔ آپ کے دو پوتے شاہ اسداللہ اور شاہ حیدر کے نام ملتے ہیں۔

آپ کے خلفا و تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اسّی (۸۰) کی تعداد صرف ان لوگوں کی ہے، جنھوں نے اطراف ملک میں منتشر ہو کر مدرسے قائم کیے اور صاحب درس ہوئے اور اکثر علامہ، محدث، مفتی اور ملّا کے القاب سے یاد کیے گئے اور بعض عہدۂ قضا پر فائز ہوئے۔ غرض کہ آپ کے حلقۂ درس وفیض تربیت سے ایسے باکمال مشائخ نکلے، جن کے انفاس قدسی کا فیض ہند و عرب تک پہنچا، جن میں شاہ صبغت اللہ مدنی اس پایہ کے بزرگ تھے کہ جب آپ عرب گئے تو علما حرمین نے اس موقعے کو غنیمت سمجھ کر آپ کے فضل و کمال سے پورا فائدہ اٹھایا، قاضی جلال الدین، ملا حسن فراغی، ملا عبدالرحمٰن گجراتی اپنے علم و فضل سے اکبری اور جہانگیری عہد کے علما میں شمار کیے گئے۔ ملا حسن فراغی کے تین لڑکے مدرسہ علویہ میں مدتوں درس دیتے رہے، اسی طرح مولانا حسین شیبانی، مولانا محمد عثمانی، مفتی یونس، مفتی کمال محمد عباسی

احمد آبادی وغیرہ ہیں جنھوں نے دکن، لاہور، آگرہ، مالوہ وغیرہ میں اپنے استاد کی زندگی میں جابجا مدرسے قائم کیے، یہ وہ حضرات ہیں، جن کے انفاس قدسی سے ہزار ہا لوگوں نے فیض پایا، اور بے شمار تشنگانِ علوم سیراب ہوئے۔

ان کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے ایسے خلفا وتلامذہ ہیں، جنھوں نے مختلف مقامات پر بود وباش اختیار کرتے ہوئے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعے مخلوق خدا کو فیض پہنچایا، جن میں سے چند نام مندرجہ ذیل ہیں:

سید احمد مکی، مولانا عبدالہادی، بایزید ثانی سرہندی، سید اشرف بلگرامی، شیخ احمد بن رحمت اللہ، مولانا برہان الدین گجراتی، مفتی عبدالرحمٰن عباسی، شیخ جمال بن عثمانی، مولانا محمد شفیع، محمد طاہر بن یوسف برہان پوری، سید علم الدین بخاری، شیخ مولانا محمد دکنی، مولانا یعقوب پٹنی، مولانا عبداللطیف دھولتی، مولانا عبدالقیوم، مولانا بہاء الدین، ملا عبدالنبی احمد نگری، شاہ ابوالفتاح، مولانا نظام الدین، مولانا ابراہیم دکنی، شیخ ابوسعید شطاری سارنگ پوری، صوفی شریف جنبھانی، شاہ راجی درویش، شیخ عبدالعزیز بن عبدالکریم، شیخ حبیب صوفی، شاہ اویس بن غوث گوالیاری، شاہ اسماعیل بن غوث گوالیاری۔

آپ کی تصانیف کی تعداد تذکرہ نگاروں نے مختلف بیان کی ہیں، بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کی مصنفہ کتب کی تعداد ایک سو ستانوے (۱۹۷) بیان کی ہے، مگر عام طور پر آپ کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ آپ کی ۶۶ تصانیف کے نام تذکرہ کی کتابوں میں ملتے ہیں، جو مختلف علوم وفنون سے متعلق ہیں، ان میں زیادہ تر شروح اور حواشی ہیں، بعض مستقل کتابیں ہیں اور بعض مختصر رسالے ہیں۔

آپ کی مصنفہ کتب میں سے تلاش وجستجو کے بعد ۲۳ تصنیفات دست یاب ہوئی ہیں، جن میں سے ۱۹ عربی زبان میں ہیں اور چار فارسی زبان میں ہیں، جن میں سے صرف ایک مطبوعہ ہے، باقی غیر مطبوعہ قلمی نسخوں کی صورت میں ہند اور بیرون ہند کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ آپ کی ۱۹ عربی دست یاب تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) حاشیه علی تفسیر بیضاوی

(۲) رساله فی التفسیر (الرساله العلویه)

(٣) شرح نزهة النظر فى شرح نحبة الفكر

(٤) حاشيه شرح وقايه

(٥) رساله في الفقه (ترتيب فى الصلوة)

(٦) شرح البسيط

(٧) حاشيه على شرح جامى

(٨) شرح الارشاد

(٩) حاشيه على حاشيه القوشجى على المطول

(١٠) حاشيه على التلويح

(١١) حاشيه على وافيه شرح كافيه

(١٢) شرح شواهد المنهل الصافى فى شرح الوافى للبلخى

(١٣) حاشيه على ضريرى

(١٤) حاشيه على المختصر المعانى

(١٥) حاشيه شرح المواقف

(١٦) حواشي على المحصل للعلوى

(١٧) رساله حقيقت محمديه

(١٨) حاشيه عضديه

(١٩) رساله مختصر مولوى جزرى

آپ کی چار فارسی دست یاب تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) شرح جام جہاں نما

(۲) شرح علی رسالہ ملا علی القوشجی

(۳) ملفوظات

(۴) اوراد وجیہ

مندرجہ بالا تصانیف کے علاوہ شیخ علوی کی ۴۴ ایسی تصنیفات بھی ہیں، جن کے مخطوطات کا اب

تک علم نہیں ہوسکا۔ صرف ان کا ذکر مختلف مآخذ میں ملتا ہے، لیکن راقم السطور کو دست یاب نہیں ہوسکیں۔
ان تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) رساله جنت عدن على تفسير البيضاوی
(۲) رساله والذين آمنوا وتبعهم ذريتهم بايمان
(۳) حاشيه على تفسير الرحمانی
(٤) حاشيه هدايه
(٥) حاشيه عضدی
(٦) شرح وجيز
(٧) حاشيه اصول بزدوی
(٨) حاشيه على شرح تجريد
(٩) حاشيه على شرح عقائد
(١٠) حاشيه برحاشيه قديمة
(١١) رساله الكلام
(١٢) حاشيه على حاشيه الخيالی
(١٣) شرح حكمة العين
(١٤) شرح ابيات منهل الدمامينی
(١٥) شرح ابيات تسهيل
(١٦) حاشيه شرح مختصر فی الاصول لابن حاجب
(١٧) حاشيه كافيه فی النحو
(١٨) حاشيه على شرحين للمفتاح فی علم المعانی والبيان
(١٩) شرح رساله شمسيه فی المنطق
(٢٠) حاشيه تهذيب المنطق
(٢١) حاشيه قطبی

(۲۲) حاشیه شرح مطالع الانوار

(۲۳) حاشیه الجلالیه

(۲٤) حاشیه شرح چغمینی

(۲٥) رساله ایمان

(۲٦) رساله طریقۂ بیعت

(۲۷) شرح کلید مخازن

(۲۸) شرح لوائح جامی

(۲۹) مکتوبات

(۳۰) حاشیه کشف الاصول

(۳۱) حاشیه شفا قاضی عیاض

(۳۲) حاشیه آصفهانی

(۳۳) حاشیه علی منهل العلامه الجامی

(۳٤) شرح تحفه شاهیه

(۳٥) حاشیه زبده

(۳٦) حاشیه عین المفتاح

(۳۷) حاشیه علی الزرح تذکره نیشاپوری

(۳۸) رساله القلب

(۳۹) رساله وقف اعداد

(٤۰) رساله فی تحقیق ابلیس

(٤۱) حاشیه علی کتاب سید شریف جرجانی

(٤۲) رساله فی الاجوبة الاعتراضات الفقیه الحیرتی علی فاضل الهندی

(٤۳) حاشیه شرح مقاصد

(٤٤) مختصر تلخیص

شیخ وجیہ الدین علوی دسویں صدی ہجری کے ان ممتاز ہندوستانی علما میں سے ہیں، جن کا شمار عربی زبان وادب کے ماہرین میں ہوتا ہے، آپ نے جس موضوع کا انتخاب کیا، خواہ وہ قرآن وحدیث ہو، علم معانی وبیان ہو، علم کلام وفلسفہ ہو یا باطنی علوم آپ نے جس انداز سے اس کی توضیح وتشریح کی ہے، وہ یقیناً عربی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

آپ کی تصانیف میں زیادہ تر شروح وحواشی ہیں، ان کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ شیخ علوی بسط واطناب کے بجائے ایجاز واختصار کی روش کو زیادہ پسند فرماتے ہیں یعنی اپنی عبارتوں کو بہت زیادہ طول نہیں دیتے ہیں، کم سے کم الفاظ میں اپنا مضمون ادا کر دیتے ہیں، اسی طرح آپ کی عبارتوں میں کہیں اغلاق نہیں پایا جاتا ہے، وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، مناسب الفاظ، اور مناسب ترتیب میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ کسی پیچیدگی کے بغیر ان کا مضمون پوری طرح سمجھ میں آجاتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں عربی زبان پر پوری قدرت حاصل تھی اور وہ ادائے مطالب میں کہیں عجز بیان کا شکار نہیں ہوتے تھے، شیخ علوی نے اپنے حواشی میں جس طرح الفاظ کی لغوی تحقیقات پیش کی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں فن لغت سے بھی دلچسپی تھی اور اس فن کی بنیادی کتابیں ان کے پیش نظر رہتی تھیں۔

آپ نے تفسیر، اصول حدیث، علم فقہ، علم فرائض، علم نحو، علم معانی وبیان، علم کلام، فن تصوف، فن مناظرہ، علم الہیئت وغیرہ مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، جس سے عربی زبان وادب میں آپ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی کے معاصرین میں شیخ محمد بن طاہر پٹنی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ملا عبدالقادر بدایونی، شیخ علی متقی، شیخ عبدالقادر حضرمی کے نام قابل ذکر ہیں، ان میں سے شیخ محمد بن طاہر پٹنی اکثر مسائل میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔ شیخ موصوف نے فرقۂ مہدویت کے استیصال کے سلسلے میں جب آگرہ جانے کا ارادہ کیا، تاکہ بادشاہ کے حضور عرض حال کریں۔ شیخ علوی نے آپ کو مختلف طریقوں سے روکنا چاہا، لیکن شیخ محمد بن طاہر اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور آگرہ کے لیے روانہ ہوئے، اجین میں مہدویوں نے نہایت بے رحمی سے آپ کو شہید کر دیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی سفر حجاز کے وقت آپ سے ملاقات کی تھی اور اپنی کتاب اخبار الاخیار میں آپ کی تعریف وتوصیف بیان کی ہے۔

شیخ وجیہ الدین علوی کے معاصرین یا زمانۂ مابعد کے جن علما واہل قلم نے شیخ علوی کا تذکرہ لکھا ہے یا ان کی تعریف وتحسین کی ہے، ان کے نام بالترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی
(۲) مولانا محمد غوثی شطاری
(۳) ملاّ عبدالقادر بدایونی
(۴) ملاّ عبدالباقی نہاوندی
(۵) خواجہ نظام الدین احمد بخشی
(۶) مرزا محمد عرف معتمد خاں بخشی
(۷) ملا محمد صادق
(۸) غلام معین الدین
(۹) سکندر بن محمد
(۱۰) نورالدین جہانگیر
(۱۱) مولوی فقیر محمد جہلمی
(۱۲) عبدالقادر حضرمی
(۱۳) عبدالحی بن عماد الحنبلی
(۱۴) محمد ایوب قادری
(۱۵) شیخ محمد اکرام
(۱۶) نواب صدیق حسن خاں
(۱۷) مولانا غلام علی آزاد بلگرامی
(۱۸) مولانا عبدالحی حسنی رائے بریلوی
(۱۹) خیرالدین زرکلی

(۲۰) عمر رضا کحالہ

(۲۱) مولانا ابوظفر ندوی

(۲۲) پروفیسر خلیق احمد نظامی

(۲۳) پروفیسر محمد مسعود احمد

(۲۴) ڈاکٹر شاہ ظہور الحسن شارب

(۲۵) مولانا محمد رابع حسنی

(۲۶) مولانا بلال حسنی

(۲۷) مولانا عبداللہ خطیب

شیخ وجیہ الدین علوی کی شان میں متعدد قصیدے بھی لکھے گئے ہیں، جن میں سے مولانا ابراہیم دکنی کا عربی قصیدہ، مولانا عبدالعزیز خالدی کا عربی قصیدہ اور محمد ولی گجراتی کا قصیدہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، ان میں سے مولانا ابراہیم دکنی کا عربی قصیدہ بہت پُر درد اور پُر اثر ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شیخ وجیہ الدین علوی ہندوستان کے ان مشاہیر علما میں سے ہیں، جنھوں نے عربی زبان وادب میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، وہ اپنی علمی سرگرمیوں اور مختلف موضوعات پر بلند پایہ تصانیف کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

فجزاه الله خير الجزاء

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام

على نبيه ورسوله محمد صلى الله عليه وسلم

کتابیات

مطبوعات

عربی کتابیں:

(١) ابجدالعلوم: نواب صديق حسن خان، المطبعة الصديقيه، بهوپال، ١٢٩٥ھ

(٢) الإرشاد: شمس الدين بن عمر الزاولي الدولت آبادى، مطبع فيروز، حيدرآباد، دكن، ١٩/ربيع الثانى ١٣٠٩ھ

(٣) اضواء على تاريخ الحركة العلمية والمعاهد الاسلامية فى غجرات: عبدالله السورتى، مطبعة ندوة العلماء، لكهنؤ (الهند) ١٤٠٤ھ/١٩٨٤م

(٤) الاعلام قاموس تراجم لأشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربين والمستشرقين: خير الدين الزركلى، دارالعلم للملايين، بيروت، لبنان، نوفمبر ١٩٩٠ء، الطبعة التاسعه

(٥) الإعلام بمن فى تاريخ الهند من الاعلام يعنى نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر: عبدالحى بن فخر الدين الحسينى، مكتبه دار عرفات، رائے بريلى (الهند)، ١٤١٢ھ/١٩٩١ء

(٦) انوار التنزيل واسرار التأويل: ناصر الدين ابوسعيد عبدالله بن عمر البيضاوى، Edidit: H.O. Fleischer Biblio Verlag. Osnabruck. 1968

(٧) ايضاح المكنون فى الذيل على كشف الظنون: الأديب اسماعيل باشا بن محمد البانى اصلاً والبغدادى طبع بعناية وكالته المعارف الجليلة فى مطبعتها البهيه، استنبول، ١٩٤٥ء-١٣٦٤ھ

(٨) البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع: العلامه شيخ الاسلام محمد بن على الشوكانى، مطبعه السعادة، بجوار محافظة، مصر، بالقاهرة، ١٣٤٨ھ

(٩) بغية الوعاة (فى طبقات اللغويين والنحاة) جلال الدين عبدالرحمن سيوطى، شافعى، طبع بمطبعة السعادة بجوار محافظة، مصر، الطبعة الاولى، ١٣٢٦ھ

(١٠) تاريخ الادب العربى: كارل بروكلمان، تعريب عبدالحليم النجار، الناشر: دار

المعارف، ١١١٩ كورنيش النيل، القاهره، ١٩٧٧م

(١١) تبصير الرحمن وتيسير المنان بعض مايشير الى اعجاز القرآن: شيخ علاء الدين على بن احمد مهائمى، مطبعه بولاق، مصر (ب ت)

(١٢) تذكرة الموضوعات وفى ذيلها قانون الموضوعات والضعفاء: محمد طاهر بن على الهندى، ادارة الطباعة المنيرية، بمصر، ١٣٤٣ھ

(١٣) الثقافة الاسلامية فى الهند: عبدالحى الحسنى، المجمع العلمى العربى، بدمشق، ١٣٧٧ھ/١٩٥٨م

(١٤) حاشيه الشهاب المسماة عناية القاضى وكفاية الراضى على تفسير بيضاوى: احمد بن محمد بن عمر الملقب بشهاب الدين الخفاجى، دار احياء التراث العربى، بيروت، لبنان (ب ت)

(١٥) حاشيه تفسير بيضاوى: شيخ زاده، عبدالرحمن بن سليمان، العثمانيه، استانبول، ١٣٠٥ھ

(١٦) خلاصة الاثر فى أعيان القرن الحادى عشر: محمد المحبى، مطبعه المصرية الوهبية ١٢٨٤ھ

(١٧) دائرة المعارف الاسلامية: نقلها الى اللغة العربية، محمدثابت الفندى، احمد الشناوى، ابراهيم زكى خورشيد، عبدالحميد يونس، ناشر: انتشارات جهان، تهران، بوزرجمهرى، جمادى الثانية ١٣٥٢ھ/اكتوبر ١٩٣٣م

(١٨) الدرر الكامنه فى أعيان المائه الثامنه: شيخ احمد بن على الشيهر بابن حجر العسقلانى، مطبعه مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد، الدكن، الهند، ١٣٩٣ھ/١٩٧٣م، الطبعة الثامنة

(١٩) رجال السند والهند إلى القرن السابع: القاضى ابو المعالى اطهر المباركپورى محمد احمد واخوانها الميمنيين، ٢٢٠، كثليرى بازار، ببمبئى ٣ (الهند) ذى الحجه ١٣٧٧ھ/يونيو ١٩٥٨م

(٢٠) سبحة المرجان فى آثار هندوستان: السيد غلام على آزاد بلگرامى، تحقيق الدكتور محمدفضل الرحمن معهد الدراسات الاسلامية، جامعه على كره، الإسلاميه على كره (الهند)، الطبعة الاولى ١٩٧٦م

(٢١) شذرات الذهب فی اخبار من ذهب: الأديب أبی الفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان (ب ت)

(٢٢) شرح نزهة النظر فی شرح نخبة الفكر: شيخ وجيه الدين علوی گجراتی، اعتنی به عبدالله الخطيب الندوی، مجمع الإمام أحمد بن عرفان الشهيد لإحياء المعارف الإسلامية، دارة الشيخ علم الله، رائے بريلی (الهند)، ذو الحجة ١٤٢٧ھ، الطبعة الأولی

(٢٣) شرح وقاية مع حاشيه عمدة الرعاية: عبدالحی فرنگی محلی، ناشر: فاروقيه بك ڈپو، C/٤٢٢، مٹيا محل ، جامع مسجد دهلی۔ (ب ت)

(٢٤) الضوء اللامع لاهل القرن التاسع: شمس الدين محمد بن عبدالرحمن سخاوی، مكتبه القدسی، القاهره، ١٣٥٥ھ

(٢٥) طرب الأماثل بتراجم الأفاضل: عبدالحی فرنكی محلی، تحقيق وتعليق الدكتور غلام مرسلين، مركز الدراسات الاسيوية الغربية، جامعة علی كره الإسلامية، علی كره (الهند)، ١٩٩٣م

(٢٦) ظفر الواله بمظفر وآله: عبدالله محمد بن عمر المكی الآصفی، Edited: By E. Denison Ross, London. John Murray Albemarle Street, published For the Government of India 1910

(٢٧) الفوائد البهيه فی تراجم الحنفيه: مولانا عبدالحی فرنگی محلی، طبع بمطبعة السعادة بجوار محافظة مصر، الطبعة الاولی، ١٣٢٤ھ

(٢٨) فهرس الفهارس والاثبات ومعجم المعاجم والمشيخات والمسلسلات: عبدالحی بن عبدالكبير الكتانی، باعتناء الدكتور احسان عباس، دار الغرب الإسلامی، بيروت، لبنان، ١٤٠٢ھ۔١٩٨٢م الطبعة الثانية

(٢٩) فهرس المخطوطات العربية بجامعة علی گره الإسلامية الهند: اعداد محمد ياسين مظهر صديقی مؤسسة الفرقان للتراث الإسلامی لندن، ١٤٢٣ھ/٢٠٠٢م

(٣٠) القاموس الوحيد (جامع ترين مكمل عربی آردو لغت)، مولانا وحيد الزمان قاسمی

کیرانوی، مراجعه وتقدیم مولانا عمید الزمان قاسمی کیرانوی، کتب خانه حسینیه، دیوبند، جنوری ٢٠١١م، اشاعت دهم

(٣١) قرآن كريم بخط الحافظ عثمان وبهامشه تفسير القاضى ناصر الدين البيضاوى، المكتبة والمطبعة العثمانية المصرية بميدان الأزهر الشريف بمصر

(٣٢) كشاف اصطلاحات الفنون: محمد اعلى الفاروقى التهانوى، وزارة الثقافة والارشاد القومى المؤسسة المصرية العامة للتأليف والترجمة والطباعة والنشر، ١٣٨٢هـ-١٩٦٣م

(٣٣) كشف الظنون عن اسامى الكتب والفنون: مصطفى بن عبدالله الشهير بحاجى خليفه وبكاتب چلپى، طبع بعناية وكالة المعارف الجليلة فى مطبعها البهية، استنبول ١٩٤١م.١٣٦٠هـ

(٣٤) الكواكب السائرة بمناقب علماء المأة العاشرة: نجم الدين الغزى، مطبعة المرسلين اللبنانيين، جونيه سنة ١٩٤٩م

(٣٥) لسان العرب: ابن منظور جمال الدين محمد بن مكرم الانصارى، الدار المصرية، للتأليف والترجمة (ب ت)

(٣٦) لطائف الارشادات: امام قشيرى، وحققه وعلق عليه ابراهيم بسيونى، مركز تحقيق التراث، مصر، ١٩٧١م الطبعة الاولى

(٣٧) مروج الذهب ومعادن الجوهر فى التاريخ: الإمام أبى الحسن على بن الحسين بن على المسعودى طبع بالمطعبة البهية المصرية بمصر ١٢٤٦هـ

(٣٨) المسلمون فى الهند: أبو الحسن على الحسنى الندوى، المجمع الإسلامى العلمى، ندوة العلماء لكهنؤ، الهند، الطبعة الرابعة، ١٤١٩هـ.١٩٩٨م

(٣٩) مصباح اللغات (مكمل عربى اردو ڈكشنرى)، مرتبه مولانا عبدالحفيظ بلياوى، مكتبه برهان، اردو، بازار جامع مسجد، دهلى (ب ت)

(٤٠) معجم المطبوعات العربية والمعربه: يوسف اليان سركيس، مطبعه سركيس بمصر

١٣٤٦هـ/١٩٢٨ء

(٤١) معجم المؤلفين تراجم مصنفى الكتب العربية، عمر رضا كحاله، مطبعه الترقى بدمشق، ١٣٧٦هـ/١٩٥٧ء

(٤٢) المغرب في ترتيب المعرب: ناصر بن عبدالسيد بن على المطرزى، بمطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة بمدينة حيدرآباد، الدكن، الطبعة الاولى، سنة ١٣٢٨، هجرية

(٤٣) المنجد(عربى اردو) مركزى ادارة تبليغ دينيات، جامع مسجد، دهلى (ب ت)

(٤٤) نظم الدرر فى تناسب الآيات والسور: برهان الدين أبى الحسن إبراهيم بن عمر البقاعى، مجلس دائرة المعارف العثمانيه، حيدرآباد، دكن، ١٣٨٩هـ/١٩٦٩م

(٤٥) النور السافر عن اخبار القرن العاشر: محى الدين عبدالقادر عيدروس، احمد آبادى، الناشر المكتبه العربيه، بغداد، ١٩٣٤ء

(٤٦) هدية العارفين أسماء المؤلفين وآثار المصنّفين: اسماعيل باشا البغدادى، طبع بعناية وكالته المعارف الجليلة فى مطبعتها البهيه، استانبول، ١٩٥١م

اردو کتابیں:

(۱) اخبار الاخیار: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (مترجم) مولانا سبحان محمود، مولانا محمد فاضل، ناشر ادبی دنیا ۵۱۰، مٹیا محل، دہلی۔۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

(۲) اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں: مولانا عبدالحی حسنی (مترجم) مولانا ابوالعرفان ندوی، طابع وناشر: دارالمصنّفین، اعظم گڑھ، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء

(۳) اقبال نامۂ جہانگیری: مرزا محمد عرف معتمد خاں بخشی، (مترجم) محمد زکریا مائل، اردو پبلشرز، تلک مارگ لکھنؤ، سال اشاعت، جنوری ۱۹۷۴ء

(۴) ایضاح المطالب مترجم وشرح اردو کافیہ ابن حاجب: با نظام مختار علی بن محمد علی، کتب خانہ امدادیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی (ب ت)

(۵) تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیاے جونپور: سید اقبال احمد جونپوری، ناشر: شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس، محلہ رضوی

خاں جونپور، جنوری ۱۹۸۸ء

(۶) تاریخ صوفیاے گجرات: ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، ناشر: جمیل اکیڈمی، مرزاپور، مورکس واڑ، احمد آباد، جنوری ۱۹۸۱ء، طبع اول

(۷) تاریخ گجرات: شاہ ابوتراب ولی (مترجم) شبیہ احمد، ہندوستانی پبلشنگ ہاؤس، الہ آباد (ب ت)

(۸) تاریخ گجرات: مولانا ابوظفر ندوی، ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد دہلی، شعبان ۱۳۹۱ھ۔ ستمبر ۱۹۷۱ء

(۹) تاریخ ملت: ثروت صولت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ستمبر ۱۹۹۶ء، اشاعت، طبع اول

(۱۰) تحفۃ الدرر شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر: سعید احمد پالنپوری: مکتبہ حجاز، دیو بند (ب ت)

(۱۱) تحفۃ المجالس، ملفوظات شیخ شہاب الدین احمد کھتوی، محمود بن السعید ایرجی، مترجم (اردو)، مولانا ابوظفر ندوی، نظر ثانی ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی، ناشر: حضرت پیر محمد شاہ لائبریری، اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد، ۱۳۵۸ھ۔ ۱۹۳۹ء

(۱۲) تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی: شیخ عبدالوہاب (مترجم) مولانا ابوظفر ندوی، ندوۃ المصنفین اردو بازار، دہلی، ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ/ اگست ۱۹۵۴ء

(۱۳) تذکرہ علما یعنی ہندوستان کے چالیس مشاہیر علما کا تذکرہ: محمد حسین آزاد، ناشر: میر امیر بخش، کریمی پریس، لاہور، (ب ت)

(۱۴) تذکرہ علماے ہند: مولوی رحمان علی (مترجم)، محمد ایوب قادری، شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۱ء، باراول

(۱۵) تذکرۂ مخطوطات کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد: سید محی الدین، مطبوعہ نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، حیدرآباد، دکن، ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء، باراول

(۱۶) تذکرۃ المحدثین: ضیاء الدین اصلاحی، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۹۰ء، طبع اول

(۱۷) تذکرۃ الوجیہ: سید حسینی پیر علوی، ناشر پنڈت وردراج، گجرات اردو ساہتیہ اکادمی، گاندھی نگر، گجرات، دوسرا ایڈیشن اگست ۲۰۰۴ء

(۱۸) تزک جہانگیری: نور الدین جہانگیر بادشاہ (مترجم) مولوی احمد علی، ناشر: عبدالمالک فہیم، مکتبہ الحسنات، دہلی ایڈیشن ۲۰۰۷ء

(۱۹) تعارف مخطوطات کتب خانہ دارالعلوم دیوبند: مرتبہ مفتی ظفیر الدین، شائع کردہ دارالعلوم دیوبند، محرم الحرام، ۱۳۹۰ھ/ مارچ ۱۹۷۰ء

(۲۰) التقریرالحاوی فی حل تفسیر البیضاوی: افادات مولانا سید فخر الحسن، مکتبہ فخریہ، دیوبند، ۲۹ رجمادی الثانی ۱۳۹۰ھ

(۲۱) حدائق الحنفیہ: فقیر محمد جہلمی، مرتبہ معہ حواشی وتکملہ خورشید احمد خاں، ناشر: ادبی دنیا ۵۱۰، مٹیا محل، دہلی، اشاعت، ۲۰۰۶ء

(۲۲) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: پروفیسر خلیق احمد نظامی، خواجہ برقی پریس، دہلی، ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء

(۲۳) خدابخش لائبریری میں ہماری خطی میراث: جلد۳۳ (اصول فقہ وفقہ) خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۳ء۔

(۲۴) خدابخش لائبریری میں ہماری خطی میراث: جلد۳۴ (اصول فقہ، فقہ) خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۴ء۔

(۲۵) دائرۂ معارف اسلامیہ، (اردو) دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء، طبع اول

(۲۶) رودکوثر: شیخ محمد اکرام، مطبوعہ تاج پرنٹرز، ۶۹، نجف گڑھ روڈ، انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی ۱۹۸۷ء

(۲۷) زادالمتقین فی سلوک طریق الیقین: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ ومقدمہ پروفیسر مسعود انور علوی، ناشر: مسعود انور علوی، شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ

(۲۸) زمخشری کی تفسیر الکشاف ایک تحلیلی جائزہ: پروفیسر فضل الرحمٰن، ناشر: دینیات فیکلٹی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ ۱۹۸۲ء

(۲۹) السقایۃ علی شرح وقایہ: محمد غریب اللہ مسرور اسلام آبادی، ناشر مکتبہ رشیدیہ، سہارنپور (ب ت)

(۳۰) ظفر المحصلین باحوال المصنفین (مع اضافات قدیمہ وجدیدہ): محمد حنیف گنگوہی، ناشر: حنیف بک ڈپو، دیوبند (ب ت)

(۳۱) عرب وہند عہد رسالت میں: قاضی اطہر مبارک پوری، ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی، رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ/ جنوری ۱۹۶۵ء

(۳۲) عرب وہند کے تعلقات: سید سلیمان ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء، طبع جدید

(۳۳) عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ: ڈاکٹر زبید احمد، ناشر ملک فیض بخش معتمد، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۷ء، باردوم

(۳۴) علمائے ہند کا شاندار ماضی: سید محمد میاں دیوبندی، مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی، جمادی الثانی

۱۳۸۳ھ/نومبر ۱۹۶۳ء، طبع سوم

(۳۵) فوائد الفواد، ملفوظات حضرت نظام الدین اولیا: مرتبہ حضرت امیر علاء سجزی، ناشر: منظور بک ڈپو، ۲۸۸۰، بلبلی خانہ، دہلی، ۱۹۸۴ء

(۳۶) فہرست عربی مخطوطات: نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں لائبریری، مزمل منزل، علی گڑھ

(۳۷) فہرست فارسی مخطوطات: نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں، لائبریری، مزمل منزل، علی گڑھ

(۳۸) فہرست کتب عربی، رامپور، محمد حامد علی، مطبع احمدی، ریاست رامپور، مئی ۱۹۰۲ء

(۳۹) فہرست کتب عربی، فارسی، اردو مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی، مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۳۴۷ھ

(۴۰) فہرست مخطوطات عربی: علامہ شبلی لائبریری، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(۴۱) فہرست مخطوطات فارسی: علامہ شبلی لائبریری، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(۴۲) فہرست مخطوطات (عربی وفارسی) مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ترتیب وتحقیق مولانا سید محمد متین ہاشمی، مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی، شائع کردہ: مرکز تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور، ۱۹۷۵ء

(۴۳) فہرست میکروفلم نسخہ ہائی خطی فارسی وعربی: کتب خانہ ہای گجرات، ہند (جلد چہارم)، نوئیڈا پرنٹنگ پریس، نوئیڈا، ۲۰۰۱ء

(۴۴) فہرست میکروفلم نسخہ ہای خطی فارسی وعربی: کتب خانہ حکیم سید ظل الرحمٰن، ہند (جلد سوم) آفسٹ پرنٹرز، دریا گنج، دہلی، ۲۰۰۱ء

(۴۵) فہرست میکروفلم نسخہ ہای خطی فارسی وعربی، کتب خانہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ (جلد اول)، مرکز میکروفلم نور، ایران، ہند، ۲۰۰۰ء،

(۴۶) گجرات کی تمدنی تاریخ (مسلمانوں کے عہد میں)، مولانا ابوظفر ندوی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۶۲ء

(۴۷) گلزار ابرار: غوثی شطاری (اردو ترجمہ اذکار ابرار)، (مترجم) فضل احمد، ناشر غیر مذکور، سال طباعت ۱۳۲۸ھ

(۴۸) مختصر تاریخ ہند: مولانا ابوظفر ندوی، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی (ہند) طبع جدید ستمبر ۱۹۹۷ء

(۴۹) مخدوم علی مہائمی (حیات آثار وافکار): عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی، ناشر: نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ، ۴۴۔جیل روڈ، (ایسٹ)، ڈونگری، ممبئی جنوری ۱۹۷۶ء، اشاعت اول

(۵۰) مرآۃ احمدی یعنی آئینہ گجرات: محمد حسن بن محمد علی (مترجم) رضی الحق بن محمد فخر الحق، وکیل بک ڈپو، احمد آباد، (ب ت)

(۵۱) مصباح المعانی شرح ملا جامی: باتنظام مختار علی بن محمد علی، کتب خانہ امدادیہ دیوبند، ضلع سہارنپور (ب ت)

(۵۲) مقالات سلیمان: (تاریخی) مرتبہ: سید صباح الدین عبدالرحمٰن، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۶۶ء

(۵۳) مقالات عرشی: امتیاز علی عرشی، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور، ۱۹۷۰ء، اشاعت اول

(۵۴) منتخب التواریخ: ملاّ عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی، (مترجم) محمود احمد فاروقی، ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور، ۱۹۶۲ء

(۵۵) نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر مع اردو ترجمہ سلعۃ القربہ فی توضیح شرح النخبۃ: محمد عبدالحی خطیب بجامع رنگون، مطبع مجیدیہ واقع کانپور (ب ت)

(۵۶) نقوش قرآن نمبر: شمارہ نمبر ۱۴۳،۱۴۴، - ۱۹۹۸ء، ادارہ فروغ اردو، اردو بازار، لاہور

(۵۷) تحقیقی مقالات: پروفیسر ظفر احمد صدیقی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۲۰۰۳ء

(۵۸) ہندوستانی مفسرین اوران کی عربی تفسیریں، ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۔ ۱۹۷۳ء، باراول

(۵۹) یاد ایام: یعنی مختصر تاریخ گجرات: مولانا عبدالحی حسنی، طابع وناشر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ۱۴۰۳ھ ۔ ۱۹۸۳ء، بارسوم

فارسی کتابیں:

(۱) اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین فی تراجم الکملاء، نواب صدیق حسن خاں، مطبع نظامی، کانپور، سال اشاعت: ۱۱۹۸ھ

(۲) اخبار الاخیار: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مطبع محمدی، دہلی، ۱۱رشعبان ۱۲۸۲ھ

(۳) تذکرہ علمائے ہند: مولوی رحمان علی، باردوم، مطبع منشی نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۱۴ء

(۴) تو زک جہانگیری: نورالدین جہانگیر بہ تصحیح سرسید احمد خاں، سرسید اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۷ء

(۵) طبقات اکبری: خواجہ نظام الدین احمد بخشی: باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال (ب ت)

(۶) مآثر الکرام: میر غلام علی آزاد بلگرامی، مطبع مفید عام آگرہ، سال اشاعت ۱۹۱۰ء، مطابق ۱۳۲۸ھ

(۷) مآثر رحیمی: ملا عبدالباقی نہاوندی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۴ء

(۸) مرآۃ سکندری: سکندر بن محمد، در مطبع فتح الکریم واقع بندر بمبئی محلی ساختیم، ۱۸۹۰ء

(۹) منتخب التواریخ: عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی، بتصحیح مولوی احمد علی، باہتمام کبیر الدین احمد در کالج پریس طبع

شد، کلکتہ ۱۸۶۹ء

انگریزی کتابیں:

(1) A Catalogue of the Arabic Manuscripts in the Library of the India Office by Otto Loth, Printed By Order of the Secretary of state for India in Council. London, 1877

(2) Catalogue Persian Manuscripts in the Library of the India Office, By Hermann Ethe, Volume, I. II .III., Oxford Printed For the India Office, By Horace Hart, Printer to the University, 1903

(3) Catalogue of the Arabic Manuscripts in Rampur Raza Library Prepared by Imtiyaz Ali Arshi Librarian, Published by Rampur Raza Library Rampur, U.P. (INDIA) 1983

(4) Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna, 1994

(5) Fatawa Literature of the Sultanate Period, Zafrul Islam, Kanishka Publishers, Distributors, New Delhi, 2005, First Published

(6) Geschichte Der, Arabischen Litteratur Von , Prof. Dr. C.Brockelmann, Erster Supplementband, Leiden E.J. Brill, 1937

(7) Hazrat Pir Mohammed Shah Dargah Sharif Library, Title Index of Catalogues of Arabic, Persian & Urdu Manuscripts, Edited by Mohaiuddin Bombaywala, Mohammed Yusuf Vohra, Ahmadabad, June, 2003

(8) Socio Economic Dimension of Fiqh Literature in Medieval India,

Zafrul Islam, Research Cell, Dyal Singh, Trush Library, Nisbet Road, Lahore, March 1990, First Edition.

(9) The Islamic World Past & Present, John L. Esposito Editor in chif Oxford University Press, 2004

(10) World Survey of Islamic Manuscripts [Volume III) General Editor: Geoffrey Roper. Islamic Bibliography Unit Cambrige University Library, Al-Furqan Islamic Heritage Foundation. London, 1996

(11) Zafar-ul-Walih-bi-Muzaffar-wa-Alihi, An Arabic History of Gujrat (English Translation) Hajji Ad-Dabir Translated by M.F. Lokhandwala, M.S. University of Baroda, 1970, First Edition.

مخطوطات

عربی:

(۱) الارشاد (شمس الدین بن عمر الدولت آبادی)، ۲۳/۲۲، ۸۹۲ء، سجان اللہ کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۲) الارشاد (شمس الدین بن عمر الدولت آبادی)، ۴۶/۲۲، ۸۹۲ء، سجان اللہ کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۳) الارشاد (شمس الدین بن عمر الدولت آبادی)، ۸/۲۲.۲۲، ۷۹۲ء، سجان اللہ کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۴) حاشیه شرح وقایه ۶۰/۳۲، سلیمان کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۵) حاشیه علی تفسیر بیضاوی، حبیب گنج کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۶) حاشیه علی حاشیه القوشجی علی المطول فی بحث ما انا قلت، علامہ شبلی لائبریری، ندوۃ العلماء لکھنؤ،

(۷) حاشیه علی حاشیه القوشجی علی المطول فی بحث ما انا قلت، نواب بہادر مزمل اللہ

خاں لائبریری، علی گڑھ

(۸) حاشیہ علی شرح جامی، نمبر ۴۸۷۰، رضا لائبریری، رامپور

(۹) حاشیہ علی شرح جامی، ۴۸۷۱، رضا لائبریری، رامپور

(۱۰) حاشیہ علی شرح جامی، ۳۷/۲۲/۹۸۲، سبحان اللہ کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۱۱) رسالہ فی التفسیر (الرسالہ العلویہ)، نمبر ۴۲۸ رضا لائبریری، رامپور

(۱۲) رسالہ فی الفقہ (ترتیب فی الصلوۃ) نمبر ۴۲۸، رضا لائبریری، رامپور

(۱۳) شرح الارشاد، نمبر ۴۹۷۳، رضا لائبریری، رامپور

(۱۴) شرح الارشاد، نمبر ۴۹۷۴، رضا لائبریری، رامپور

(۱۵) شرح البسیط (فی الفرائض) نمبر ۲۸۷۵، رضا لائبریری، رامپور

(۱۶) شرح البسیط (فی الفرائض)، نمبر ۲۸۷۴، رضا لائبریری، رامپور

فارسی:

(۱) اوراد شیخ وجیہ الدین علوی، فارسیہ ۱۲۲۰، نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں لائبریری، علی گڑھ

(۲) بحر زخّار (وجیہ الدین اشرف) فارسیہ اخبار ۲۵۶، یونیورسٹی کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۳) شرح جام جہاں نما، نمبر ۲۰۸/۲۱، حبیب گنج کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۴) شرح جام جہاں نما، یونیورسٹی ضمیمہ نمبر ۵۹، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۵) شرح علی رسالۃ ملا علی القوشجی، ۲/۱/۴۴، حبیب گنج کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۶) شرح علی رسالۃ ملا علی القوشجی، ۱/۴۴، حبیب گنج کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۷) طبقات شاہجہانی (ملا محمد صادق)، حبیب گنج کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۸) ملفوظات شیخ وجیہ الدین علوی، ۲۱/۲۲۱، حبیب گنج کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

نوٹ: تمام مخطوطات (علاوہ ان مخطوطات کے جن کے آگے بریکٹ میں ان کے مصنف کا نام ہے) شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کی تصنیفات کے ہیں۔

رسائل و جرائد:

(۱) (ماہنامہ) 'برہان' دہلی، مجلد اوّل، فروری ۱۹۸۵ء، جلد: ۹۶، شمارہ: ۲

(۲) (ماہنامہ) 'برہان' دہلی، مجلد اوّل، مارچ ۱۹۸۵ء، جلد: ۹۶، شمارہ: ۳

(۳) ''تحقیق'' (شعبہ جاتی تحقیقی مجلہ)، شمارۂ خاص، سندھ یونیورسٹی، پاکستان ۱۹۹۶ء۔ ۱۹۹۷ء

(۴) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد اوّل، اپریل ۱۹۳۳ء، جلد: ۳۱، شمارہ: ۴

(۵) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد اوّل، اپریل ۱۹۷۱ء، جلد: ۱۰۷، شمارہ: ۴

(۶) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد اوّل، جون ۱۹۳۰ء، جلد: ۲۵، شمارہ: ۶

(۷) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد اوّل، جون ۱۹۷۱ء، جلد: ۱۰۷، شمارہ: ۶

(۸) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد اوّل، فروری ۱۹۳۳ء، جلد: ۳۱، شمارہ: ۲

(۹) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد اوّل، مارچ ۱۹۳۳ء، جلد: ۳۱، شمارہ: ۳

(۱۰) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد اوّل، مئی ۱۹۳۰ء، جلد: ۲۵، شمارہ: ۵

(۱۱) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد اوّل، مئی ۱۹۷۱ء، جلد: ۱۰۷، شمارہ: ۵

(۱۲) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد دوم، اکتوبر ۱۹۷۱ء، جلد: ۱۰۸، شمارہ: ۴

(۱۳) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد دوم، اگست ۱۹۶۲ء، جلد: ۹۰، شمارہ: ۲

(۱۴) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد دوم، جولائی ۱۹۶۲ء، جلد: ۹۰، شمارہ: ۱

(۱۵) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد دوم، دسمبر ۱۹۴۲ء، جلد: ۵۰، شمارہ: ۶

(۱۶) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد دوم، دسمبر ۱۹۶۲ء، جلد: ۹۰، شمارہ: ۶

(۱۷) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد دوم، ستمبر ۱۹۶۲ء، جلد: ۹۰، شمارہ: ۳

(۱۸) (ماہنامہ) 'معارف' اعظم گڑھ، مجلد دوم، نومبر ۱۹۶۲ء، جلد: ۹۰، شمارہ: ۵